وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

سہ ماہی

البیان

کراچی

سلسلہ نمبر 7/6 جنوری تا جون 2013 ربیع الاول تا شعبان 1434ھ

خصوصی اشاعت

جدید معیشت، تجارت، مروّجہ اسلامی بینکاری میزان شریعت میں



مَجلس البَحث العلمي

AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTER

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

سہ ماہی البیان کراچی

سلسلہ نمبر 7/6 جنوری تا جون 2013 ربیع الاول تا شعبان 1434ھ

زرِ تعاون بھیجنے کے لئے اور **البیان** کے شمارہ جات جاری کروانے کے لئے ذیل میں دیئے گئے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر رقم ارسال کریں نیز بذریعہ ایزی پیسہ اور آن لائن بھی رقم ارسال کر سکتے ہیں۔ **تفصیلات کے لئے** 03333574685

Bank Al-Habib A/C No:1103-0081-002746-01-2

زرِ تعاون شمارہ خصوصی 150 روپے
سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

بیرون ملک
زرِ سالانہ 12 ڈالر
فی شمارہ 3 ڈالر
(علاوہ ڈاک خرچ)

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4' 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد شار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob+923322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
khalidgoraya1@hotmail.com
info@islamfort.com

لین دین کے مسائل

زر کے مسائل

معیشت و اقتصاد

بیمہ پالیسی

البیان

اسلامی بینکاری
ایک تاریخی اور شرعی جائزہ

خالد حسین گورایہ

بینک ایک ایسا ادارہ ہے جو آج کے معاشی نظام میں اعصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عصرِ حاضر میں جبکہ دنیا گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر چکی ہے اس ادارہ کے بغیر بڑی بڑی تجارتی منڈیاں چلانا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ مغربی بینکوں کے وجود میں آنے کے بعد اہل اسلام نے بھی اس میدان میں کوششیں شروع کر دیں کہ بینکاری سسٹم کو شرعی خطوط پر استوار کیا جائے اور پوری دنیا میں کمرشل اور سودی بینکوں کے مقابلے میں اسلامی بینک بنائے جائیں۔ ابتدا میں انفرادی سطح پر یہ سوچ پیدا ہوئی اور بالآخر اس نے اجتماعی شکل اختیار کر لی اور ایک اسلامی بینکاری سسٹم عملی طور پر متعارف کرا دیا گیا اس سسٹم کے قیام کے لئے متعدد پلیٹ فارموں سے کاوشیں کی گئی جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

آغاز وارتقاء

اسلامی نظام بینکاری کوئی ساٹھ ستر دہائیوں پر محیط نظام ہے جس کا آغاز مصر سے 1963ء میں میت غمر کے اسلامک بینک کے قیام کی صورت میں ہوا تھا۔ اس سے قبل اس حوالے سے چند کاوشیں اور تجربے جنوبی ہند کی مسلم ریاست حیدر آباد میں بھی ہو چکے تھے۔ حیدر آباد دکن کے اس تجربے کے بعد 1950ء، 1951ء میں اس طرح کی ایک ہلکی سی کاوش پاکستان میں بھی ہوئی۔ جس میں شیخ احمد رشاد نے کلیدی کردار ادا کیا۔

1969ء میں ملائیشیا میں تبونگ حاجی ''حجاج کا انتظامی فنڈ اور بورڈ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کا کام حجاج کرام کو مالیاتی سہولیات فراہم کرنا تھا۔ بالعموم یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مصر کے میت غمر اور ملائیشیا کے تبونگ حاجی بورڈ اسلامی بینکاری کی عملی صورت تھی، مگر اسلامی بینکاری کے قیام کی اولین عملی اور تطبیقی صورتوں میں اگر ان دو اداروں کا جائزہ لیا جائے تو انہیں اسلامی بینکاری کی ایک ابتدائی نامکمل صورت تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس پر مکمل اسلامی بینک کا اطلاق کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں ادارے انتہائی محدود مقاصد کیلئے قائم کئے گئے تھے۔ میت غمر پراجیکٹ کا دائرہ عمل دیہی کاشتکاروں اور ملائیشیا کے تبونگ حاجی کے پیش نظر حاجیوں کو مالیاتی سہولیات فراہم کرنا تھا۔ جو مکمل بینکاری نہیں بلکہ اس کی ابتدائی شکل ہے۔

1971ء میں مصری وزارت خزانہ نے ناصر سوشل بینک کے نام سے ایک بینک قائم کیا۔ یہ ایک باقاعدہ طور پر سرکاری بینک تھا جو سرکاری وسائل سے وجود میں آیا تھا۔ اس کے بعد 1975ء میں پرنس محمد الفیصل کی کاوشوں سے اسلامی ترقیاتی بینک(Islamic Development Bank) قائم ہوا۔ 1975ء میں ہی دبئی اسلامی بینک قائم ہوا۔ دبئی اسلامی بینک کے بعد جس ادارے نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا وہ کویت فنانس ہاؤس کے نام سے 1977ء میں وجود میں آیا۔

اسلامی بینکاری کے ماہرین نے 70 کے عشرہ کو اسلامی بینکاری کے جنم لینے کے عشرہ سے تعبیر کیا ہے معروف ماہر معیشت ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

> ''ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سنہ 70 کا عشرہ اسلامی بینکاری کے جنم لینے کا عشرہ ہے۔ اس عشرے میں دبئی، سوڈان، مصر، کویت، اور بحرین میں متعدد اسلامی بینک وجود میں آئے۔ ان ممالک میں ان بینکوں کو بعض مراعات بھی دی گئیں۔ بعض ممالک میں ان بینکوں کو قواعد اور احکام کے مطابق بعض قوانین سے مستثنیٰ قرار دیا گیا''۔①

اسلامی بینکاری کو ممکنہ عملی صورت میں لانے کیلئے کی جانے والی کاوشوں کو چار مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

---

① محاضرات معیشت وتجارت، ص/376

پہلا مرحلہ: شخصی اور انفرادی اقدامات

1963ء میں ڈاکٹر احمد نجار رحمہ اللہ کی کاوشوں اور محنتوں سے ایسی امید قائم ہونے لگی کہ مصر کی سرزمین پر اسلامی بینکوں کے قیام کا اولین تجربہ سامنے آیا جو کہ شرعی مضاربہ پر قائم تھا۔

اس کے علاوہ حیدرآباد دکن، ملائشیا اور پاکستان میں بھی اس طرح کے انفرادی اور شخصی تجربات کئے گئے۔ جن کی طرف گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

دوسرا مرحلہ: حکومتوں کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات

اسلامی بینکاری جب اپنے ابتدائی مراحل میں تھی تو مختلف اسلامی ممالک میں سرکاری رویہ آغاز میں سرد مہری اور غیر جانبداری کا تھا۔ اور صورت حال یہ تھی حکمرانوں نے یہ طرز اپنایا ہوا تھا کہ بھائی دور سے جائزہ لو اگر کامیاب ہو گیا تو اس کا سہرا اپنے سر لے لو، اور اگر ناکام ہوجائے تو کہہ دو کہ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ نظام نہیں چل سکے گا۔ بعد ازاں اسلامی حکومتوں نے اس نظام کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے اس پر توجہ دی، اس طرح رفتہ رفتہ یہ کام بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔ جس کے نتیجے میں دو اہم بینک وجود میں آئے۔

1. 1975ء میں سعودی عرب کے شہر جدہ میں اسلامی ترقیاتی بینک کا قیام۔
2. 1977ء میں مکۃ المکرمہ میں اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی یونین کا قیام عمل میں آیا۔

تیسرا مرحلہ: بین الاقوامی نوعیت کے اقدامات

یہ مرحلہ اپنی نوعیت اور ماہیت کے اعتبار سے انتہائی اہم مرحلہ ہے کہ جب عالم اسلام کی دیرینہ خواہش تخیلات وتصورات سے نکل کر صفحہ عمل پر منتقل ہوئی اور پوری دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی بینکوں کی برانچیں قائم کردی گئیں۔ جن میں سے چندایک درج ذیل ہیں۔

دبئی اسلامک بینک: جس کا قیام 1975ء، میں متحدہ عرب امارات میں عمل میں آیا۔ یہ بینک پہلا مکمل اسلامی بینک ہے۔

فیصل بینک (سعودی عرب) 1977ء

کویت فنانس ہاؤس (کویت) 1977ء

بحرین اسلامک بینک 1979ء

ابوظہبی اسلامک بینک 1997ء[1]

نیز اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسلامی بینک وجود میں آئے اور عالم اسلام میں بالخصوص اور اقوام عالم میں بالعموم اپنا لوہا منوایا۔

چوتھا مرحلہ: جامع اقدامات:

ان اقدامات میں تمام کے تمام بینکاری سسٹم کی اسلامائیزیشن کی عملی جدوجہد تھی۔ تاکہ عالمِ مغرب پر یہ عیاں ہو کہ اسلامی اقتصادی نظام ہر جگہ و مقام اور ہر وقت کیلئے موزوں ہے۔ اور اپنے واجبات کی ادائیگی کسی بھی دوسرے نظام کے مقابلے میں بہتر سے بہتر انداز میں کرسکتا ہے۔ اس کاوش کے نتیجے میں بہت سے اسلامی ملکوں نے روایتی بینکاری نظام سے جان چھڑانے اور مالیاتی اداروں میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر خواہ کوشش کی۔ جن میں پاکستان، سوڈان، وغیرہ شامل ہیں۔ بہت سے مغربی ممالک کے بینکوں نے بھی اسلامی شاخیں کھولنے کا اعلان کردیا۔ انہی اقدامات کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں سن 2008ء میں ان بینکوں کی تعداد 396 تک جا پہنچی جو دنیا کے 53 ممالک میں قائم ہوئیں۔ اور ان بینکوں کے اثاثہ جات (Assets) 442 بلین ڈالر تھے۔ جبکہ وہ کمرشل بینک اور روایتی بینک جنہوں نے اسلامی شاخیں کھولی ہوئیں تھیں اور اسلامی پروڈکٹس فراہم کرتے تھے ان کی تعداد 320 بینک تھی۔ اوران کے اثاثہ جات (Assets) 200 بلین ڈالر تھے۔[2]

ارضِ پاکستان میں بلاسود بینکاری کے قیام کی کاوشیں

اسلامی بینکاری کے قیام اور استحکام کے لئے پاکستان بھی پیش پیش رہا ہے۔ اور مختلف محاذوں پر سودی لعنت پر مبنی نظام سے خلاصی اور قرآن وسنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایسے طریقہ کار کیلئے

[1] www.alukah.net

[2] www.biltagi.com

کاوشیں کی گئی ہیں کہ کسی طرح سود کی لعنت سے اس ملک کو پاک کیا جاسکے ۔اس حوالے سے انفرادی اور اجتماعی کاوشیں لائق تحسین ہیں مگر ہم یہاں محض سرکاری سطح پر ہونے والی چند کاوشوں کا تذکرہ کریں گے، جس سے یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمارے اربابِ اختیار اسلامی معیشت کے اصولوں کواپنانے میں کتنے مخلص ہیں؟

جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اسلامی معیشت کے اصولوں سے ہم آہنگ ایسا طریقہ کار وضع کرے جس سے سودی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے ماہرین معاشیات اور بینکاری کے تعاون سے ایک عبوری رپورٹ نومبر 1978ء میں اور حتمی رپورٹ جون 1980ء میں پیش کی۔

10 فروری 1979ء کوملک کے تین مالیاتی اداروں ،نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ ،آئی سی پی میوچل فنڈ اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے سود کے خاتمے کا اعلان کیا گیا جس پر یکم جولائی 1979ء کوعمل درآمد ہوا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا لب لباب یہ تھا کہ: بلاسود بینکاری نفع ونقصان کی بنیاد پر قائم ہوگی ،بینکوں کا بیشتر کاروبار مشارکت ومضاربت پر مبنی ہوگا اور اجارہ ،مرابحہ ،وغیرہ محض وقتی متبادل کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

1980ء کے آخر میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے تمام تجارتی بینکوں کو یہ حکم جاری کیا کہ وہ 1981ء سے اپنے تمام معاملات غیر سودی بنیادوں پر قائم کرنے کے پابند ہوں گے۔اسٹیٹ بینک کے اس حکم نامے کے پیش نظر حکومتی تحویل میں موجود تجارتی بینکوں نے پی ایل ایس اکاؤنٹ کے نام سے غیر سودی کھاتے کھولنے کی اسکیم شروع کی اور عندیہ دیا کہ رفتہ رفتہ پورے بینکاری نظام کوغیر سودی نظام میں تبدیل کردیا جائے گا۔

بلاسود بینکاری کے قیام کی ابتدا سے لیکر اسٹیٹ بینک کا حکم نامہ جاری ہونے اور تجارتی بینکوں کی عملداری تک جو جملہ پیش رفت ہوئی وہ محض اتنی تھی کہ مارک اپ کے نام پر سود کوایک نئی شناخت دے دی گئی اس کے علاوہ اس میں کوئی کام نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی بینک اسلامی نظام معیشت پر چلنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہوا۔اہل علم نے اس تمام عمل کوایک ڈھونگ اور اسلام کے نام پر شرمناک فریب ،اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کاوش قرار دیا۔

''اسلامی نظریاتی کونسل نے جسٹس تنزیل الرحمٰن کی سربراہی میں ہونے والے اجلاس منعقدہ 1983ء میں حکومت کو یاد دلایا کہ ملکی معیشت سے سود کے خاتمے کے لئے حکومت نے 1979ء میں تین سال کی جو مدت مقرر کی تھی وہ دسمبر 1981ء میں ختم ہوگئی ہے۔لیکن ابھی تک سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس گزشتہ پانچ سال کے دوران حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں وہ موجودہ سودی استحکام کا سبب بن رہے ہیں۔اسلامی نظریاتی کونسل نے اس بارے میں جن حقائق کی نشاندہی کی ان میں سے چند یہ تھے:

1. تجارتی بینکوں میں پی ایل ایس کھاتوں کے ساتھ ساتھ سودی لین دین بھی ہو رہا ہے۔
2. نفع ونقصان میں شرکت کے نظام کے تحت جو رقوم وصول کی جارہی ہیں انہیں مارک اپ نظام کے تحت استعمال میں لایا جارہا ہے۔مشارکت کے معاہدوں کی بہت سی شرائط شرعی احکام سے متصادم ہیں۔
3. سودی بنیاد پر جاری بچت اسکیموں کو سود سے پاک سرمایہ کاری کے مقابلے میں زیادہ پرکشش بنادیا گیا ہے، مثلاً خاص ڈیپازٹس پر شرح سود پندرہ فیصد سے بڑھا کر سترہ فیصد کردی گئی ہے۔
4. حکومت اور حکومت کے زیر انتظام اداروں نے سود کا نام بدل کر اسے منافع کہنا شروع کردیا ہے۔
5. ایسے میعادی کھاتوں پر جن کا لین دین سود کی بنیاد پر ہے۔زکوٰۃ وضع کی جارہی ہے جس سے زکوٰۃ کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔
6. نفع ونقصان میں شراکتی کھاتوں میں جمع ہونے والی رقم کس کاروبار میں لگائی جارہی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ ہی منافع کے حساب کا طریقہ بتایا گیا ہے''۔[1]

اس کے بعد بھی سود کے خاتمے کے بہت سے وعدے کئے گئے لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

1984ء میں ملک کے وزیر خزانہ غلام اسحاق خان نے قومی بجٹ کے موقع پر اعلان کیا کہ 1985ء میں ملک سود سے پاک ہوجائے گا اور یکم جولائی 1985ء کے بعد کوئی بینک سود کی بنیاد پر لین دین نہیں کرے گا۔اس حکم کے موجب اسٹیٹ بینک نے ایک اعلان تو جاری کردیا لیکن نہ اس میں بینکوں نے دلچسپی لی نہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے احکامات پر عملدرآمد کا جائزہ لیا اور نہ خلاف ورزی پر کسی کی گرفت کی۔کسی واضح طریقہ کار اور ڈائریکشن کے نہ ہونے اور باز پرس میں مجرمانہ غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ

[1] روزنامہ جنگ کراچی اشاعت جمعرات 15 نومبر 2012ء

تجارتی بینکوں نے مضاربہ مشارکہ ترک کر کے مارک اپ کا طریقہ اپنالیا۔

تیئس چوبیس سال کی اس جدوجہد، اجلاسوں، سیمینارز، قراردادوں، وفاقی حکومت کے اعلانات کا نتیجہ محض یہ نکلا کہ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے ترا حسن کرشمہ ساز کرے

سالوں پر محیط جدوجہد کو محض حیلہ سازی اور چور دروازوں کے ذریعے پانی میں بہا دیا گیا۔

2002ء میں پاکستان میں اسلامی بینکوں جنہیں دوسرے لفظوں میں بلاسودی بینک کہا جاسکتا ہے کو لائسنس دیئے گئے جن میں سب سے پہلا لائسنس میزان بینک اور اس کے بعد البرکہ بینک کو دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سودی بینکوں کو بھی اسلامی بینکاری کے نام پر علیحدہ شاخیں کھولنے کی اجازت مرحمت فرمادی گئی۔ الغرض رطب و یابس کو یکجا کر دیا گیا۔ جس کا مقصد اسلام کے نام پر صارفین کی دولت کو سمیٹنا تھا۔ پاکستان میں اسلامی بینکوں کی ترقی کا تناسب دیکھا جائے تو روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق دسمبر 2004ء کے اختتام تک اسلامی بینکوں کے اثاثے 44 بلین سے تجاوز کر چکے تھے، اور ان میں ڈپازٹ کی مالیت 5.30 بلین تھی۔ جولائی 2005ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں جو ایک نجی اکاؤنٹنسی فرم کے اسلامک بینکنگ ڈویژن کی مرتب کردہ تھی، کہا گیا تھا کہ 2014ء کے اختتام تک پاکستان کے اسلامی بینکوں کے ڈپازٹس کی مالیت 780 بلین تک پہنچ جائے گی اور اس کی وسعت میں بحرین، قطر اور کویت وغیرہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ اضافہ ہوجائے گا۔ تاہم پاکستان میں اسلامی بینکاری کا تناسب اس روایتی بینکاری کے مقابلے میں آٹھ فیصد ہے۔ اسٹیٹ بینک کے تخمینے کے مطابق 2020ء تک یہ تناسب دس فیصد تک بڑھ جائے گا۔"(1)

الغرض اسلامی بینکاری سسٹم کا آغاز جس جوش وجذبے سے ہوا تھا جس کے پیچھے یقیناً ان افراد کا اخلاص اور جذبہ کارفرما تھا جنہوں نے دن رات کی انتھک محنت کے بعد اس کی داغ بیل ڈالی تھی اتنی ہی تیزی سے یہ پروگرام رول بیک ہوگیا۔ اسلامی بینکوں کی مقبولیت میں انتہا درجے کی تیزی سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بہت جلد انشاء اللہ یہ نظام اسلامی دنیا کو بالخصوص اور عالمی دنیا کو بالعموم روایتی بینکاری کے چنگل سے آزاد کرالے گا لیکن صد افسوس کہ بہت جلد یہ نظام انہی مغرب کے کارندوں کے ہاتھوں ہائی جیک ہوگیا

---

(1) روزنامہ جنگ کراچی اشاعت جمعرات 15 نومبر 2012ء

اور جس ظلم اور استحصال سے جان چھڑانے کیلئے اس نظام کا آغاز کیا گیا تھا وہی ظلم و استحصال مزعومہ اسلامی بینکوں کا خاصہ بن گیا۔

صحیح اسلامی بینکاری نظام کا قیام بہت ضروری ہے

بعض ارباب علم و دانش مروجہ اسلامی بینکوں کے طرز عمل کو دیکھ کر ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلام میں بینکاری سسٹم کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ رائے مبنی بر حقیقت نہیں، بلکہ فرائض سے پہلو تہی اختیار کرنے اور حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

صحیح اسلامی بینکاری نظام کیوں ضروری ہے؟

اس لئے کہ آج کے معاشی نظام میں بینکوں کی اہمیت روز افزوں ہے۔ بینکوں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: ''بینکوں کی حیثیت موجودہ معاشی نظام میں نظام اعصاب کی ہے۔ بینکوں ہی کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت چل رہی ہے۔ بینکوں ہی کے ذریعے تجارتی سرگرمیاں فروغ پارہی ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کو جو ادارے کنٹرول کررہے ہیں وہ بڑے بڑے بینک ہیں۔ سرمایہ کار اور کاروبار کرنے والے فریق عامل کے درمیان رابطے کا سب سے مؤثر اور آسان ذریعہ بینکاری کا نظام ہے۔ اگر بینک یہ کام نہ کریں تو نہ صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لیے، بلکہ چھوٹی چھوٹی بچتیں رکھنے والوں کے لیے بھی ممکنہ فریق عامل تک پہنچنا اور فریق عامل کا انتخاب کر کے اپنا سرمایہ یا بچت اس کے کام یا منصوبہ میں لگانا تقریباً ناممکن ہے۔ قابل اعتماد مضارب یا قابل اعتماد شریک کا حصول ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ بینکوں کے ذریعے یہ کام بہت آسانی سے ہوجاتا ہے۔

پھر عالمی سطح پر جو تجارتی اور اقتصادی سرگرمیاں ہیں مثلاً درآمد و برآمد کا نظام ہے، مختلف ممالک کے آپس میں معاشی روابط ہیں، تجارتی لین دین ہے، ان سب کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا ادارہ موجود ہو جو اس پورے عمل میں رابطے کا فریضہ انجام دے۔ رابطے کا یہ فریضہ بڑی حد تک بینک انجام دیتے ہیں اور بینکوں کے ذریعے یہ کام بہت آسانی سے ہوجاتا ہے۔ پھر جو لوگ بین الاقوامی سطح پر لین دین کرنا چاہتے ہیں یا جن کا درآمد و برآمد کا کاروبار ہوتا ہے، ان کو مختلف ممالک کے قوانین سے واقفیت حاصل کرنی پڑتی

ہے۔ ہر ملک کے ٹیکسوں کا نظام جاننا پڑتا ہے۔ یہ مہارتیں حاصل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ نہ ہر شخص یہ مہارتیں حاصل کرسکتا ہے۔ پاکستان کے کسی شہر میں مثال کے طور پر سیالکوٹ یا گوجرانوالہ میں بیٹھا ہوا ایک تاجر جب جرمنی اور کینیڈا سے کوئی سامان منگوانا چاہتا ہے یا جاپان اور سنگاپور کا کوئی تاجر گوجرانولہ اور سیالکوٹ کا بنا ہوا سامان خرید تا ہے تو نہ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے تاجر کے لیے ممکن ہے کہ جرمنی، جاپان اور دوسرے ممالک کے قوانین سے کماحقہ واقفیت حاصل کرے اور نہ یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کے ٹیکسوں کے نظام سے واقفیت حاصل کرنا آسان کام ہے۔ بینکوں کے پاس یہ مہارتیں پہلے سے دستیاب ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے یہ کام بہت آسانی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔بینکوں کے کردار کو اگر ختم کردیا جائے اور یہ ذمہ داری کسی اور ادارے یا اداروں کے سپرد نہ کی جائے، تو بین الاقوامی تجارت کا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہوسکتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت کا نظام درہم برہم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پوری دنیا کا نظام معیشت، درآمد و برآمد کا سارا سلسلہ چشم زدن میں زمین بوس ہوجائے۔ (1)

مروجہ اسلامی بینکوں کا کردار ایک سوالیہ نشان؟

صحیح اسلامی بینکاری کا قیام از حد ضروری ہے لیکن مروجہ اسلامی بینکاری پر تکیہ کرنا اور لوگوں کو یہ طفل تسلیاں دینا کہ یہ تو ایک نوزائیدہ نظام ہے اور رفتہ رفتہ بہتری کی طرف بڑھے گا یہ بات مبنی بر انصاف نہیں۔ بلکہ یہ نظام اب بہتری نہیں ابتری کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عجب نوزائیدہ ہے کہ ستر اسی سال میں جواں ہی نہیں ہوا!!! مروجہ اسلامی بینکاری کی حیثیت ایک پروڈیکٹ کی مانند ہے جو مارکیٹ کی طلب کے مطابق کام کر رہی ہے۔ ابتدا میں اس نظام میں اتنی پیچیدگیاں نہیں تھیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ جیسے یہ نظام پھیلتا پھولتا رہا ویسے ویسے اس کی اسلامیت بھی مشکوک ہونے لگی۔

جن احباب نے اسلامی بینکوں کے سسٹم کو پڑھا، ان کے طرز عمل و طریقہ تعامل کا گہرائی سے مطالعہ کیا، اور اس نظام کے ارتقائی مراحل کا بغور مطالعہ کیا وہ یہ بات انتہائی وثوق سے کہتے ہیں کہ اسلامی بینک بجائے اس کے کہ بہتر اور اچھا نظام تشکیل دیں اور اپنی خامیاں دور کریں وہ کمرشل بینکوں کے ساتھ مداہنت اور میلان کی پالیسی پر قائم ہیں۔

---

(1) محاضرات معیشت و تجارت، ص363، 364

اسلامی بینکاری کی موجودہ صورت حال

اسلامی بینکاری سسٹم سے واقفیت کے بعد ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اسلامی بینک مکمل طور پر شرعی احکامات کی پاس داری نہیں کرتے اور نہ ہی یہ خود کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس میدان میں کئی دہائیوں کا تجربہ اس امر کا عینی شاہد ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مروجہ اسلامی بینک قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ کے متعین کردہ تین بنیادی مبادی کے حصول میں مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔

کیونکہ صحیح اسلامی بینکاری کے قیام کے لئے ان تین بنیادی مبادی کا ہونا ضروری ہے۔

1 مال لوگوں کے گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنے اور بے وقوفوں اور کم عقل لوگوں کی شاہ خرچیوں اور فضول خرچیوں کا سبب نہ بنے۔

{وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝} [النسآء:5]

بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

2 مال صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا نہ رہ جائے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [الحشر:7]

تا کہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے۔

3 معاشی نظام اور اس کی پالیسیاں عدل پر قائم ہوں ان میں ظلم کا شائبہ نہ پایا جائے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ} [البقرة:279]

ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اگر بعینِ انصاف دیکھا جائے تو اسلامی بینکوں کے پاس ان تینوں مبادی کا فقدان ہے۔ بینکوں کی شرائط، کاروباری پالیسی، اور پیکیجز دیکھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ غریب کو یہاں سے کچھ نہیں مل سکتا۔ پھر رقوم کے تناسب سے ویٹ دینا، بینک کا خود کو کسی بھی متوقع خسارے سے بچانے کیلئے من مرضی کے ضوابط

متعین کرنا، صارفین کی رقوم میں اپنی صوابدید پر تصرف کرنا اور صارفین کو تمام معاملے سے بالکل بے خبر رکھنا، اپنے حصے کو زیادہ ویٹ دینا، تاخیر پر بلا امتیاز محتاج وغیر محتاج کے صدقہ واجب کرنا یہ سب وہ معاملات ہیں جن کا شریعت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں اور تجربہ بھی اس امر کا شاہد ہے کہ محض نام بدل دیئے گئے ہیں کام وہی ہیں۔ موجودہ صورت حال میں اگر اسلامی بینکوں کے ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حقیقی اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں تو یہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

آج کی دنیا میں معیشت کا جو بنیادی مسئلہ ہے وہ غریب اور ضرورت مند کا استحصال، بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح، اقتصادی نظام معیشت میں عدم توازن اور کساد بازاری ہے۔ ان تمام کی بنیادی وجہ معاشرے میں مستقل بنیادوں پر ایک عادلانہ معاشی نظام کی عدم بحالی ہے، لہذا معاشرے کی ترقی ایک مصنفانہ عادلانہ اور اخلاقی تقسیم کے بغیر ممکن نہیں ہے جو کہ محض شریعت اسلامی سے ہی ممکن ہے۔

اسلامی بینکوں میں جو اسلامی پروڈکٹس پیش کی جارہی ہیں وہ بنیادی طور پر چھ ہیں۔

۱:مضاربہ ۲:مشارکہ: ۳:مرابحہ ۴:اجارہ ۵:سلم ۶:استصناع

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر نے بفضل اللہ وتوفیقہ ''اسلامی بینکاری شرعی میزان میں'' کے عنوان پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس میں اکابر علماء کرام نے حاضر ہو کر مروجہ اسلامی بینکاری میں موجود سقم کی بخوبی نشاندہی فرمائی قارئین اس سیمینار کے تمام مقالہ جات المدینہ سینٹر کی ویب سائٹ (www.islamfort.com) سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں نیز البیان کی اس خصوصی اشاعت میں بھی مروجہ اسلامی بینکاری کی ان چھ کی چھ پروڈکٹس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کی جملہ خامیوں کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی بینک جس طرز پر ان پروڈیکٹس کو استعمال کر رہے ہیں وہ ظلم واستحصال سے محفوظ نہیں۔

ایک غلط فہمی:

لوگوں میں بالعموم یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اسلامی بینک کیلئے صرف سود سے پاک ہونا ہی کافی ہے۔ لیکن یہ غلط فہمی ہے اسلامی بینک کہلانے کے لیے اس کا صرف غیر سودی ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں شرعی احکام کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ ماہرین اسلامی بینکاری کی تعریف یوں کرتے ہیں:

المصرف الإسلامي هو : مؤسسة مالية مصرفية تزاول أعمالها وفق أحكام

الشريعة الإسلامية. [1]

''اسلامی بینک سے مراد بینکنگ سے متعلق ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو اپنے معاملات شرعی احکام کے مطابق انجام دے''۔

عرب دنیا کے معروف ماہر معاشیات ڈاکٹر عبدالرحمٰن یسری بینک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: اسلامی بینک سے مراد بینکاری کا وہ ادارہ ہے جو اپنے تمام معاملات میں، سرمایہ کاری کی تمام سرگرمیوں میں، اپنے انتظامی امور میں اسلامی شریعت کے احکام کا مکمل التزام کرے، شریعت کے مقاصد کی تکمیل کو اپنا ہدف سمجھے اور ایک مسلم معاشرے کی مالی اور مصرفی ضروریات کا اندرون ملک اور بیرون ملک اہتمام کرے۔ [2]

ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بینک فقط حرام امور کے عدم ارتکاب سے مکمل اسلامی نہیں بن جاتا بلکہ اس کے مکمل اسلامی بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معاملات اپنی شرائط، ارکان اور اختیارات کے لحاظ سے بھی شریعت کے احکام کے موافق ہوں۔۔۔ خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی بینک وہ نہیں ہے جو صرف سود اور حرام امور سے اجتناب کرے بلکہ اسلامی بینک وہ ہے جو ممنوعہ امور کے ساتھ شرعی احکام کی بھی پابندی کرے۔'' [3]

خلاصہ کلام یہ کہ: اسلامی بینکاری سسٹم کے قیام میں اہل علم ماہرین فن کی کاوشیں قابل ستائش ہیں، جن کے پیچھے یقیناً للہیت اور جذبہ اخلاص کا بہت بڑا عمل دخل تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ نظام ایسے افراد کے ہاتھ چڑھ گیا جنہوں نے اس کے اسلامی تشخص کو محض اپنی دکان چمکانے اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کیلئے استعمال کیا۔ اور کئی دہائیاں بیتنے کے بعد بھی اگر مروجہ اسلامی بینکوں کے کردار پر نظر ڈالی جائے کہ انہوں نے معاشرے سے ظلم، غربت، افلاس، استحصال کے خاتمے کیلئے کیا کردار ادا کیا ہے تو جواب ندارد!

اس لئے اسلامی بینکاری کے ماہرین کیلئے بالعموم اور ان بینکوں میں متعین کردہ شرعی ایڈوائزروں پر بالخصوص یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس سسٹم کو مکمل طور پر شرعی خطوط پر استوار کریں، اور عبوری

---

[1] المصارف الإسلامية بين النظرية والتطبيق: ص 174 للدكتور عبدالرزاق رحيم جدي

[2] بحوالہ: محاضرات معیشت وتجارت ص 375-374

[3] المصارف الاسلامیۃ: ص 8 بحوالہ دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم ص 116

دور کے لئے کئے جانے والے اقدامات سے باہر آ کر معاشرے اور ملت کی بہتری کیلئے پالیسیاں ترتیب دیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان علماء کرام اور مفکرین ملت اسلامیہ کے کاندھوں پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر امت مسلمہ کی معاشی میدان میں رہنمائی کریں۔اور ایک صحیح اسلامی بینکاری نظام متعارف کرائیں جس کی آبیاری شریعت مطہرہ کے رہنما اصولوں سے ہو۔نیز محض معاشی نظام کو اسلامی بنانے کی نہیں بلکہ اس میدان میں کام کرنے والے عملے کی بھی اسلامی تربیت اور اسلامی مالیاتی اداروں میں اسلامی ماحول دینا بھی ضروری ہے۔آج کے اسلامی بینک دعویٰ تو اسلامی ہونے کا کرتے ہیں لیکن بینک کی عمارت میں داخل ہوتے ہی اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔غالب عملہ شرعی تعلیم وتربیت سے کورا ہوتا ہے خواتین ومردوں کا اختلاط اور بے پردگی سرعام ہے۔نمازوں کے اوقات میں بھی اسلامی بینک کا عملہ مصروف عمل ہوتا ہے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو جب کسی فرد کو کوئی ادارتی یا ریاستی ذمہ داری سونپتے تو سب سے پہلے اس کی نماز چیک کرتے اور فرماتے کہ

" إن أهم أمور كم عندي الصلاة فمن حفظها و حافظ عليها حفظ دينه و من ضيعها فهو لما سواها أضيع"

ترجمہ: تمہارے معاملات میں میرے نزدیک سب سے اہم چیز نماز ہے جس نے اس کی پابندی کی اس نے اپنا دین محفوظ کرلیا اور جس نے اسے ضائع کردیا تو وہ دیگر چیزوں کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

الغرض محض نظام کی نہیں بلکہ تہذیب وتطہیر نفس کی بھی ضرورت ہے مقصد صرف اسلامی مالیاتی نظام تشکیل دینا نہیں بلکہ پورے ادارے کی اسلامائزیشن ضروری ہے۔

أعاننا الله على ذلك انه ولى التوفيق

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

سرمایہ دارانہ نظام کے نتائج

The Consequences of the Capitalism

عثمان صفدر (1)

گزشتہ دو صدیوں سے سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو اپنے شکنجہ میں جکڑ رکھا ہے، یہ وہ نظام ہے جو نہ صرف جسمانی بلکہ مالی اور ذہنی ظلم واستبداد پر مشتمل ہے، جس کی بنیاد میں غریبوں کا خون اور چوٹی پر ارتکاز دولت ہے، جس نظام کی نس نس میں لالچ وحرص بھری ہے، اس نظام کے سرکردہ لوگ اپنے پیٹ کا جہنم لئے پوری دنیا میں دندناتے پھرتے ہیں اور دولت کا ایندھن اس جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے بجائے مزید بھڑکاتا ہے۔ دنیا کی تمام بڑی حکومتیں، بڑی بڑی کمپنیاں اور تمام بینک اس نظام کے آلہ کار ہیں، اور صد افسوس کہ مزعومہ اسلامی بینک بھی اسی نظام کی انگلی تھام کر چل رہے ہیں۔ اس نظام سے پہلے بھی دنیا میں غریب بستے تھے لیکن اب غریب کا جینا بھی محال ہے، دولت مند بھی رہا کرتے تھے لیکن ان کی آنکھوں پر یوں لالچ کی پٹی نہ بندھی ہوا کرتی تھی۔ گزشتہ دو صدیوں کی تقریباً تمام جنگیں اسی نظام کی بقا اور اس کے سرکردہ افراد کے مفادات کے تحفظ کی خاطر لڑی گئیں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد ان جنگوں کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے۔ جنگِ عظیم اول اور دوم اور حالیہ عراق اور افغانستان کی جنگیں ہمارے لئے نمونہ عبرت ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے بھیانک اثرات پوری دنیا میں اپنی خوفناکی کے ساتھ موجود ہیں، ان میں چند حقائق بطور عبرت کے پیش نظر ہیں:

عالمی غربت کے حوالہ سے چند حقائق

آمدنی میں ظالمانہ تقسیم

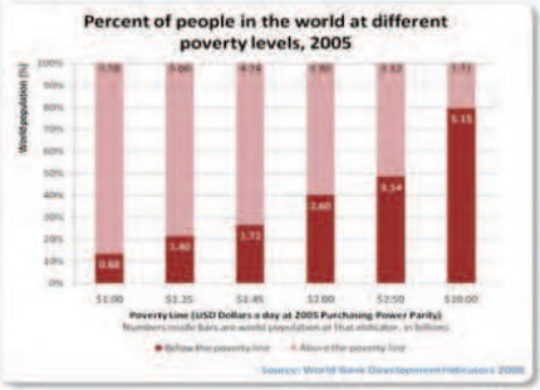
۞ دنیا کی نصف آبادی یعنی تقریباً ساڑھے تین ارب افراد کی یومیہ آمدنی 2.50 ڈالر (تقریباً 246

---

(1) چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

روپے) سے بھی کم ہے۔ ①

㉞ دنیا کی 80 فیصد آبادی یعنی تقریبا ساڑھے پانچ ارب افراد کی یومیہ آمدنی 10 ڈالر (تقریبا 984 روپے) ہے یعنی 300 ڈالر (یا 29500) ماہانہ۔ ②



㉟ دنیا کے غریب افراد جو کہ عالمی آبادی کا چالیس فیصد ہیں، عالمی آمدنی میں ان کا حصہ صرف پانچ فیصد ہے، جبکہ دنیا کے امیر افراد جو کہ عالمی آبادی کا صرف بیس فیصد ہیں، عالمی آمدنی کے تین چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔ ③



① World Bank Development Indicators

② Shaohua Chen and Martin RavallionWorld Bank, August 2008

③ 2007Human Development Report(HDR) ,United Nations Development Program, November 27,2007,p.25

بھوک کی ستائی دنیا

(36) دنیا میں روزانہ تقریباً ایک ارب افراد بھوکے سوتے ہیں۔

(37) دنیا میں روزانہ پچیس ہزار افراد بھوک کے سبب موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔[1]

ارتکاز دولت

(64) 2006 میں دنیا کی مجموعی GDP (Gross Domestic Product) 48.2 ٹریلین ڈالر تھی (تقریباً 482 کھرب ڈالر)، جبکہ دنیا کی آبادی ساڑھے چھ ارب تھی۔

(65) دنیا کے فقط 497 ارب پتی افراد جو کہ عالمی آبادی کا 0.000008 فیصد ہیں ان کی دولت 3.5 ٹریلین ڈالر (35 کھرب ڈالر، یا 345 کھرب روپے) تھی، جو کہ عالمی GDP کا 7.26 فیصد ہے۔

(66) کم آمدنی والے ممالک (LIC. Low Income countries) جن کی مجموعی آبادی ڈھائی ارب ہے ان کی مجموعی آمدنی 1.6 ٹریلین ڈالر (16 کھرب ڈالر) ہے۔[2]



(33) ایک طویل مدتی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ 1820ء میں امیر اور غریب ممالک کے درمیان فرق کا تناسب 3 = 1 کا تھا۔ یہ فرق رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوا اور گلوبلائزیشن کے بعد (تقریباً 1960ء سے) اس فرق میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا اور یہ فرق 74 = 1 تک جا پہنچا۔ (یعنی امیر ملک کے ایک شہری کی دولت غریب ملک کے 74 شہریوں کے برابر ہے)۔[3]

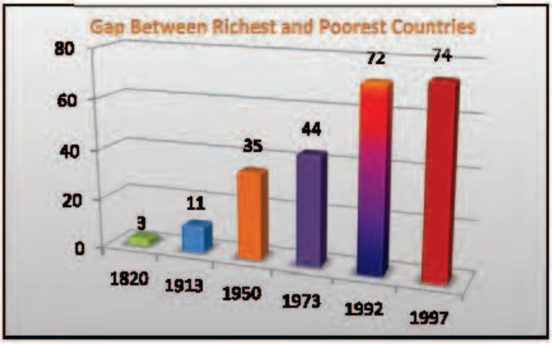
---

[1] Hunger and World Poverty Sources: United Nations World Food Program

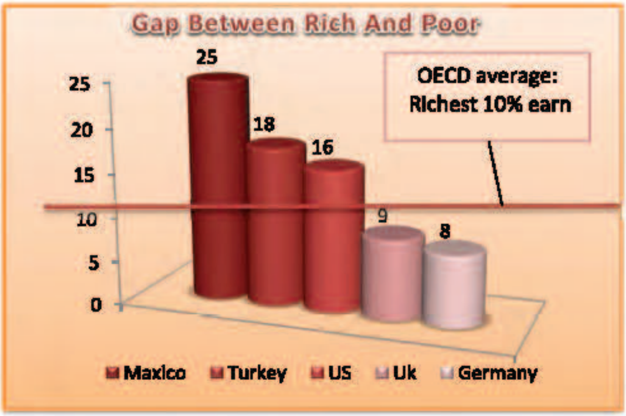
[2] World Bank Key Development DataStatistics, World Bank, accessed March 3,2008

Luisa Kroll and Allison Fass, The World's Richest People, Forbes, March 3,2007

[3] 1999Human Development Report, United Nations Development Programme



(34) عالمی اقتصادیات کا چیمپئن سمجھے جانے والے ملک امریکہ اور دیگر کئی ترقی یافتہ ممالک کی اپنی آبادی میں یہ فرق تشویشناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ OECD (Organization of Economics Co operation Development) کے مطابق امریکہ میں یہ تناسب 16 =1 کا ہے، یعنی ایک امیر امریکی کی دولت سولہ (16) غریب امریکیوں کے برابر ہے۔ [1]

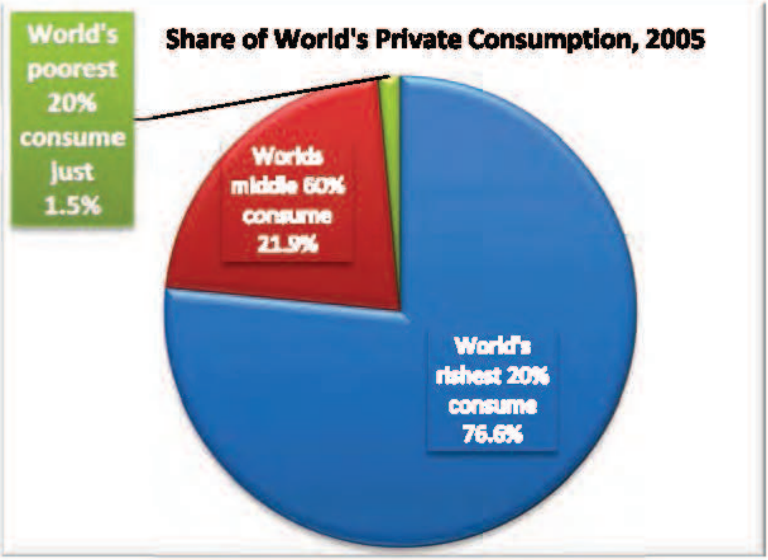


بھوک اور عیاشیاں

(64) پوری دنیا میں ذاتی اخراجات کی مد میں خرچ کی جانی والی رقم میں دنیا کے 20 فیصد غریب افراد کا حصہ صرف 1.5 فیصد ہے، اس کے مقابلہ میں 20 فیصد امیر افراد کا حصہ 6.76 فیصد ہے۔ [2]

[1] OECD 2005

[2] World Bank, August 2008



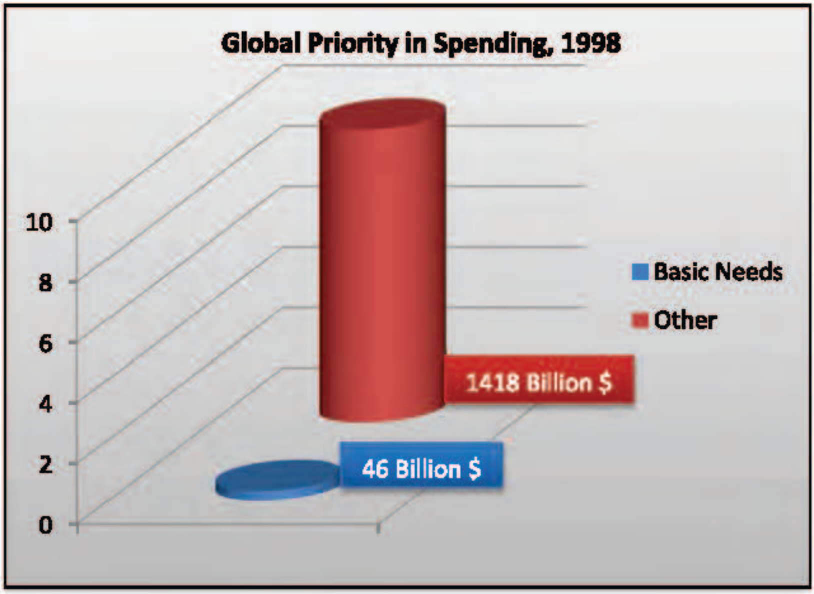
2 عالمی اخراجات میں عدم توازن کی وجہ سے اخراجات کے رجحان میں بھی بہت فرق ہے، عیاشی اور آسائشات میں خرچ کی جانے والی رقم اس رقم سے کہیں زیادہ ہے جو بنیادی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔①

Global Priority	$US Billions
Cosmetics in the United States	**8**
Ice cream in Europe	**11**
Perfumes in Europe and the US	**12**
Pet foods in Europe and the US	**17**
Business entertainment in Japan	**35**

①United Nations Human Development Report 1998,Chapter 1,p.37

Cigarettes in Europe	50
Alcoholic drinks in Europe	105
Narcotics drugs in the world	400
Military spending in the world	780
Total	1418

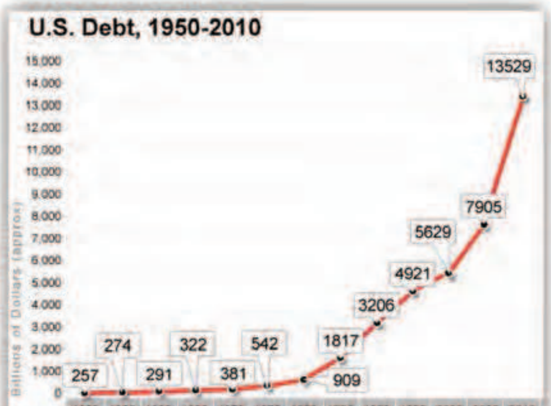
Global Priority	$US Billions
Basic education for all	6
Water and sanitation for all	9
Reproductive health for all women	12
Basic health and nutrition	13
Basic education for all	6
Total	46



قرض اور سود

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد دراصل قرض اور اس پر حاصل کردہ سود ہے۔قرض اور سود کے اس عفریت نے پوری دنیا کی معیشت کو بری طرح جکڑ رکھا ہے۔سودی قرض کی ہولناکی کے متعلق چند حقائق درج ذیل ہیں:

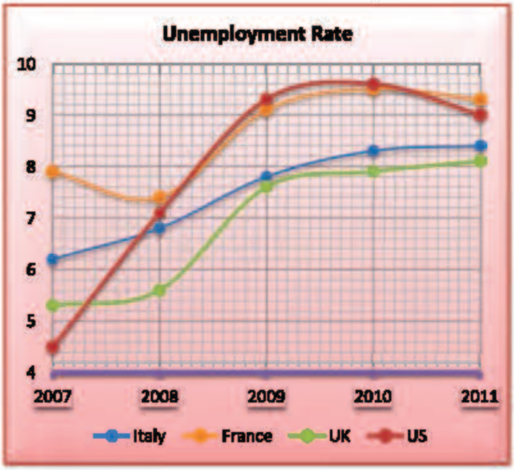
1. پوری دنیا کا مجموعی قرضہ 51 ٹریلین ڈالر (510 کھرب ڈالر) کے قریب ہے۔اور پوری دنیا کی مجموعی آمدنی (GDP) 69.98 ٹریلین ڈالر ہے۔یعنی دنیا کا مجموعی قرضہ پوری دنیا کی مجموعی آمدنی کا 73 فیصد ہے۔
2. اس قرضہ میں ہر منٹ میں تین ملین ڈالر کا اضافہ ہو رہا ہے، یعنی ہر چھ گھنٹے میں ایک بلین، ہر روز چار بلین، ماہانہ ایک سو بیس بلین اور سالانہ 1.4 ٹریلین ڈالر کا اضافہ ہو رہا ہے۔[1]
3. دنیا کی سپر پاور کی معیشت قرضوں کے دلدل میں بری طرح پھنسی ہے، اور دنیا میں کسی بھی ملک پر سب سے زیادہ قرضہ امریکہ ہی پر ہے، یعنی تقریباً 14 ٹریلین ڈالر، جس کا صرف سود ہی 662 بلین ڈالر ہے، جو کہ پاکستان کے مجموعی قرضہ (117 بلین ڈالر) سے چھ گنا زیادہ ہے۔



[1] The Economist,The Global Debt Clock

بیروزگاری

قرض کے جال میں جکڑی معیشت نے ایک اور عفریت کو جنم دیا ہے جسے دنیا بیروزگاری کے نام سے جانتی ہے۔ یعنی ایسا شخص جو ہنر مند ہو، باصلاحیت ہو رزق کمانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ صرف اس لئے بیکار ہے اور اس کے گھر والے اس لئے غریب ہیں کہ سرمایہ دار زیادہ کمانے کی حرص میں انتہائی محدود افراد کو اجرت پر رکھتا ہے۔ اگرچہ بیروزگاری کے اور بہت سے اسباب ہیں لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ ان تمام اسباب نے سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ بیروزگاری کے عفریت سے ترقی پذیر ممالک (Developing Countries) سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ممالک (Developed Countries) متاثر ہیں۔[1]



نجات کا راستہ

ان تمام معاشی و اقتصادی مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے کہ اسلامی نظام معیشت کا نفاذ کیا جائے۔ اسلامی نظام معیشت کوئی خواب نہیں، ایک حقیقت ہے، یہ نظام رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور سے شروع ہوا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنے کمال کو پہنچا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے ثمرات و نتائج برآمد ہونا شروع ہوئے، یہی وہ واحد نظام ہے جو پانچ سو سال کے طویل عرصہ تک اپنی مکمل آب

[1] World Bank, World Development Indicators–Last updated March 2,2011

وتاب سے دنیا میں موجود رہا، جبکہ کوئی بھی نظام معیشت ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا، حتیٰ کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام بھی اپنے تمام تر جدید وسائل، اثر ورسوخ، پرکشش دعووں کے باوجود ایک صدی کا مکمل عرصہ بھی طے نہ کر پایا اور اپنی موت آپ مرنے لگا ہے۔

یہی وہ نظام تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو دنیا کی سپر پاور بنا دیا، غربت کا ایسا خاتمہ کیا کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی غریب نہ ملتا، جس کا Debt to GDP بالکل صفر تھا، جس میں Unemployment Rate صفر تھا، اس سنہری دور کی چند مثالیں پیش نظر ہیں:

1 امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی نظام معیشت کے فیوض وبرکات اس طرح عام ہوئے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کیلئے مقرر ہوئے وہاں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد" توخذ من أغنياءهم وترد على فقراءهم " کہ زکاۃ ان کے اصحاب ثروت سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاج افراد کی طرف لوٹا دی جائے گی'' کی تعمیل کی۔ تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کے بعد بھی ایک تہائی مال بچ رہا وہ انہوں نے دربار امارت میں پیش کر دیا تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے وصول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:" لم أبعثک جابياً ولا آخذاً جزيه ولكن بعثتک لتأ خذ من أغنيا ء الناس فترد على فقراءهم " میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے نہیں بھیجا تھا میں نے تمہیں اس کام پر مقرر کیا تھا کہ ان کے مالدار لوگوں سے وصول کرو اور ان محتاج اور فقیر لوگوں تک پہنچا دو، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا" مابعثت اليک بشیء وأنا أجد أحداً یأخذه منی " میں نے یہ مال آپ کی طرف اس وقت بھیجا کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے والا نہیں ملا۔

اس سے اگلے سال سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے صدقات کی مد میں موصول ہونے والے مال کا نصف بیت المال کے لئے ارسال کر دیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کی اور سیدنا معاذ بن جبل نے وہی جواب دیا تیسرے سال یہ ہوا کہ سیدنا معاذ بن جبل کو یمن میں صدقہ لینے والا کوئی نہ ملا اور انہوں نے تمام جمع شدہ مال دار الخلافہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھجوا دیا، خلیفہ ثانی عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لئے متعین نہیں کیا تھا اور

سیدنا معاذ بن جبل نے وہی جواب دیا "ما وجدت أحدا يأخذ مني شيئا" (1)

(2) جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے عراق میں اپنے والی ''عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ: "أخرج للناس أعطياتهم، أخرج للناس أعطياتهم" لوگوں کو ان کے مقررہ وظیفے پہنچاؤ۔ تو اس نے جواب میں لکھا سب کو ان کے مقررہ وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے تو خلیفہ نے اسے حکم دیا "أنظر كل من أدان في غير سفه و لا سرف فاقض عنه" جائزہ لو کہ جس شخص نے بھی حماقت پر قرض نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی بناء پر مقروض ہو گیا ہو اس کا قرض ادا کردو۔

حاکم عراق عبدالحمید بن عبدالرحمن نے جواب دیا کہ اس طرح کے مقروضوں کا قرض بھی ادا کر دیا گیا ہے تاہم بیت المال میں زائد مال بدستور موجود ہے اس پر خلیفہ نے اسے لکھا "أنظر كلّ بكر ليس له مال فشاء أن تزوجه فزوجه و أصدق عنه" اچھی طرح دیکھو جو کوئی غیر شادی شدہ چاہتا ہو کہ تم اس کی شادی کرو تو اس کے نکاح کا اہتمام کرو اور اس کا حق مہر بیت المال سے ادا کرو، اس نے جواب دیا "أني قد زوجت من وجدت" اس طرح کا جو آدمی بھی مجھے ملا اس کا نکاح کر چکا ہوں۔ تو خلیفہ نے حکم دیا "انظر من كانت عليه جزية فضعف عن أرضه فاسلفه ما يقوى به على عمل أرضه فانا لا نريدهم لعام و لا عامين ":''اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں رہا تو اس کو اتنا قرض دو جس سے وہ اپنی زمین سنوار سکے ہم ان سے ایک سال نہیں بلکہ دو سال تک کچھ تقاضا نہیں کریں گے''۔ (2)

اسلامی نظام معیشت کی افادیت سمجھنے کے لئے یہ دو مثالیں ہی کافی ہیں، ہمارا یقین ہے کہ جب ایسے دور میں غربت کا خاتمہ ممکن ہے جب تجارت کے لئے ناکافی وسائل ہوں، زراعت میں بے پناہ ترقی نہ ہونے کے باوجود تمام افراد کو مناسب غذا مہیا ہو، وسیع پیمانے پر کاروبار نہ ہونے کے باوجود تمام افراد کو روزگار ملے، تو موجودہ دور میں ان تمام وسائل کے ہوتے ہوئے یقیناً ان مقاصد کا حصول بہت ممکن ہے۔

---

(1) کتاب الاموال لابی عبید:596 (2) کتاب الاموال لابی عبید :ص251

فکر ونظر

طمع وحرص

علامات قیامت کی روشنی میں

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ [1]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ○ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ○ [التکاثر 1-8]

ترجمہ: زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔ ہرگز نہیں تم عنقریب معلوم کر لو گے۔ ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔ تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے۔ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔

---

[1] مشرف العام المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

معاشی معاملات کے حوالے سے عموماً انتہائی اہم شرعی اصول بیان ہوئے ہیں جن کو موجودہ بینکاری سسٹم میں رائج کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور ان شرعی اصولوں کیلئے عہدِ صحابہ کی عملی بے شمار مثالیں بیان ہوتی ہیں۔لیکن یہاں جو بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ان شرعی اصولوں کی رو سے عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو مضاربہ اور مشارکہ یا کوئی بھی اور معاشی معاملہ سرانجام پاتا تھا وہ دراصل دو بھائیوں کا مضاربہ، مشارکہ اور معاملہ ہوتا تھا جو سراسر اخلاص اور جذبہ تعاون کے تحت ہوتا تھا۔مگر آج کل کے مالیاتی اداروں اور بینکوں میں یہ اخلاص اور تعاون کا جذبہ ناپید ہے! بینک کا خلاصہ جو مجھے سمجھ آیا ہے اس کا نچوڑ کچھ یوں ہے کہ کسی بھی شخص کے اچھے وقت کا ساتھی، اس پر اگر برا وقت آجائے اور بینک کا کوئی حق اس سے منسلک ہو تو وہ اسے نچوڑ کر وہاں مارتا ہے کہ جہاں اس کو پانی تک نہیں ملتا۔موجودہ معاشرے میں نہ اخوت ہے اور نہ ہی جذبہ تعاون نہ خیر خواہی!

دراصل موجودہ معیشت کی بنیادی خرابی کو اگر دیکھا جائے تو دیگر معاملات کی گتھی سلجھانا آسان ہوجاتا ہے، اور شریعت کے ان سنہرے اصولوں پر کار بند رہنا اور انہیں اپنی زندگی میں نافذ کرنا بھی نہایت آسان ہوجاتا ہے جسے لوگ آج کل بہت مشکل تصور کرتے ہیں۔ اور وہ بنیادی خرابی ہے مال کی حرص جو علامات قیامت میں سے ایک اہم علامت ہے۔ اس موضوع کی اساس نبی ﷺ کی ایک حدیث ہے جو کہ مستدرک حاکم (1) میں صحیح سند سے منقول ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اقتربت الساعة"۔ ''قیامت قریب آتی جارہی ہے اور جوں جوں لوگ قیامت کے قریب بڑھ رہے ہیں'' "لا یزداد الناس إلا حرصا ولا یزدادون من اللہ إلا بعدا" ''لوگ دنیاوی اعتبار سے، مالی اعتبار سے حرص کا شکار ہوئے جارہے ہیں اور اپنے پروردگار سے دور ہوتے جارہے ہیں''۔

مذکورہ بالا روایت سے دو باتیں واضح ہوئیں:

اول: یہ کہ مال کی حرص علامات قیامت میں سے ہے۔

دوم: یہ طمع اور یہ حرص اللہ رب العزت سے دوری کا سبب بنتی ہے۔

(1) مستدرک حاکم: کتاب الرقاق، حدیث نمبر 38914

یہاں یہ بحث نہیں ہے کہ یہ مالی حرص حلال کی بنیاد پر ہے یا حرام کی بنیاد پر۔ اگر حرام کی بنیاد پر ہے تو پھر یہ انسان انتہائی ترس کھائے جانے کے قابل ہے۔ خواہ وہ انڈسٹریوں اور بڑی بڑی کمپنیوں کا مالک ہو لیکن رحم کے قابل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "لن يدخل الجنة لحم نبت من حرام" (1)۔ "جو انسان کا گوشت رزق حرام سے بنتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا"۔ اور ایک حدیث میں فرمایا: "اللحم الذى نبت من حرام فالنار أولى به"۔ "جو گوشت رزق حرام سے بنتا ہے اس کی حق دار جہنم کی آگ ہے"۔ حرص اگر حرام کی اساس پر ہے تو یہ انسان کے لئے تباہ کن ہے۔ لیکن اگر حلال کی اساس پر ہے تو پھر بھی معیوب ہے۔ صحیح بخاری (2) میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بطور قاصد بھیجا تا کہ وہ وہاں سے جزیہ کا مال وصول کر کے لائیں۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ گئے اور مال لے کر آئے جس وقت مدینے میں پہنچے رات کا وقت تھا اور صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، فجر میں لوگ دور دور سے نماز میں شریک ہوئے جب پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور پیچھے دیکھا اور دیکھا کہ دور دور سے صحابہ آئے ہوئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لعلكم سمعتم بقدوم أبي عبيدة"۔ "شاید تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ بحرین سے مال لے کر آگئے ہیں اور اس کی تقسیم ہو گی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابشروا واملوا ما يسركم"۔ تم خوش ہو جاؤ اور وہ امید لیکر یہاں بیٹھو جو تمہیں خوش کر دے گی، یہاں بخل نہیں ہے یہ مال تم میں تقسیم ہو گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "والله ما الفقر أخشى عليكم ولكن أخشى عليكم الدنيا أن تبسط عليكم كما بسطت على من قبلكم"۔ "مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ فقر نہیں ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے بلکہ مجھے تم پر اندیشہ یہ ہے کہ یہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کر دی گئی تھی" "فتنافسوها كما تنافسوها"۔ "اور تم بھی اس دنیا میں راغب ہو جاؤ گے جیسا کہ تم سے پہلے اس میں راغب ہوئے تھے"۔

---

(1) المعجم الكبير للطبراني: حدیث نمبر 309

(2) صحيح البخاري: باب الجزية والموادعة حدیث نمبر 3158

"فتھلککم کما أھلکتھم" ''اور یہ دنیا کی رغبت اور یہ حرص اور یہ لالچ تمہیں بھی برباد کردے گی جیسا کہ ان کو برباد کرچکی تھی جیسا کہ سابقہ لوگوں کو دنیا نے برباد کیا اس فراوانی اور مال کے حرص نے''۔ کہیں یہ تمہارے اندر یہ مرض پیدا نہ ہوجائے اشارہ امت محمدیہ کی طرف ہے ورنہ صحابہ کرام اس قسم کے حرص سے بالکل پاک تھے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں کبھی یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا، کہ دنیا کی محبت بھی کوئی چیز ہے اصل محبت تو پروردگار کی اور دار آخرت کی ہے، دنیا کی محبت، دنیا کے مال کی محبت میرا دل نہیں مانتا تھا مگر جب قرآن کی آیت اتری [منکم من یرید الدنیا...]

اس آیت کے نزول کے بعد مجھے یہ ماننا پڑا کہ دنیا کی محبت بھی کچھ دلوں میں ہوتی ہے۔ (1)

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس چیز سے مبرا تھے ان کا تعلق صرف اپنے پروردگار کے ساتھ تھا، محبت صرف اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ تھی اور وہ حصول آخرت کے لئے محنت کرتے تھے دنیا کی قطعا کوئی حرص نہ ہوتی تھی۔ ایک صحابی میدانِ جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے فتح ہوئی مال غنیمت حاصل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کا حصہ دیا کہ تم یہ لے لو اس نے کہا:

"ما اتبعتک لھذا و إنما اتبعتک لکي أرمی ھاھنا في سبیل اللہ و أشار إلی عنقه"۔ (2)

''اے رسول اللہ ﷺ میں نے اس دنیا کے مال کی خاطر آپ کی اتباع نہیں کی میرا تو ایک ہی ہدف ہے کہ آپ کے ساتھ کسی جہاد میں یہاں تیر لگے اور شہید ہوجاؤں، شہادت کا تمغہ اپنے سینے سے سجالوں۔''

تو اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ خاموش ہوگئے ایک معرکے میں یہ صحابی شریک تھا اور شہید ہوگیا اور واقعی دیکھا گیا کہ تیر وہیں پیوست تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ اب جو اس نے بات کہی تھی کہ میں دنیا کے مال کی خاطر آپ کی اتباع اختیار نہیں کئے ہوئے بلکہ میرا مقصد تو شہادت کی موت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ شاید یہ گھر کا کھاتا پیتا ہو اسے مال کی حاجت ہی نہ ہو لہذا نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس

---

(1) تفسیر طبری: ص 8035-8038

(2) سنن النسائی: کتاب الجنائز، الصلاۃ علی الشھداء 1953

کا مال دیکھو، سامان دیکھو کوئی کفن کی چادر ہے یا نہیں؟ جب اس کا سامان دیکھا گیا تو کفن کی کوئی چادر بھی نہ نکلی ایک چھوٹی سی چادر تھی کہ سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ پھر پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی کہ میرے اس صحابی کو اس میں کفن دے دو۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا اعجاز تھا، حرص اور دنیا کی طمع نہیں تھی مگر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جوں جوں دنیا آگے بڑھے گی لوگ دنیا کے اعتبار سے حرص میں گرفتار ہوں گے اور اپنے پروردگار سے دور ہوتے جائیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ○ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ○ }[التکاثر 1-8]

تمہیں کثرت مال و اولاد کی طلب نے تباہ و برباد کر دیا ہے حتیٰ کہ تم قبر میں پہنچ گئے اور قبر میں پہنچنا قیامت کا وقوع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " من مات فقد قامت قيامته " یعنی جو شخص مرتا ہے اس کی قیامت اسی وقت قائم ہو جاتی ہے۔

لہٰذا حرص اور کثرت کی طلب یقیناً خطرناک ہو سکتی ہے ہمیں اپنے شب و روز میں اپنی اس دنیا کی زندگی میں اس معاملے پر توجہ دینی چاہیے اور خوب سوچ و بچار کرنا چاہیے۔

جامع ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: " و إن لكل أمة فتنة وإن فتنة أمتي المال " "ہر امت کا ایک فتنہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو کسی نہ کسی چیز کیلئے آزمایا۔ میری امت کا فتنہ مال ہوگا۔"[2]

اللہ رب العزت اس امت کا امتحان لے گا مال کے ساتھ۔ کسی کو مال سے محروم کر کے اور کسی کو مال کی فراوانی دیکر دونوں امتحان ہیں اور اللہ رب العزت اس مال کو میری امت کا فتنہ بنائے گا، آزمائش کی چیز بنائے گا تبھی تو سب سے بڑا فتنہ، اس امت کی سب سے بڑی آزمائش فتنہ دجال ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

① مستدرك حاكم: 688/3

② جامع الترمذی: كتاب الشهادات: حدیث نمبر: 2221

حدیث ہے کہ ''خلق آدم سے لیکر قیامت تک کی آخری دیواروں تک سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہے اس سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔''(1) اس فتنے کی یلغار کس راستے سے ہوگی؟ فتنہ دجال اتنا خطرناک کیوں ہے؟ یہ آزمائش اتنی شدید کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس فتنے کی جو بنیادیں ہیں اور جو اساسیں ہیں وہ مال ہی ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے(2): '' دجال کی آمد سے قبل جو تین سال ہوں گے۔ وہ تین سال اقتصادی اعتبار سے انتہائی تنگی کے سال ہوں گے فرمایا: "تحبس السماء ثلث قطرھا و الأرض ثلث نباتھا"۔ ان پہلے تین سالوں میں سے پہلے سال آسمان اپنی ایک تہائی بارش روک لے گا اور زمین اپنی ایک تہائی فصل روک لے گی۔ دوسرے سال میں آسمان اپنی دو تہائی بارش روک لے گا۔ اور زمین اپنی دو تہائی فصل روک لے گی۔ اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا۔ ایک قطرہ بھی نہیں برسے گا جبکہ زمین اپنی پوری فصل یہ پھل اور یہ سبزیاں اور یہ اناج یہ سب روک لے گی اور ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ تین سال دجال کی آمد سے قبل، اور اس کا ظہور بھی علی جھل الناس ہوگا لوگوں کی جہالت عام ہوگی اور یہ اقتصادی مار الگ۔ اور دجال جب آئے گا تو اشاروں سے بارش برسائے گا، اشاروں سے فصلیں اگائے گا اور لوگوں کے امتحان کے لئے اس کے ساتھ ایک عجیب اقتصادی طاقت ہوگی۔ دجال ایک کڑی آزمائش اس لئے ہے کہ وہ فتنہ مال لے کر آئے گا یوں بندوں کا امتحان ہوگا اور بہت بندے اس میں ناکام ہوں گے۔ حالانکہ ناکامی کی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے دجال کی دو علامتیں نوٹ کرلو۔ ایک یہ کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا دوسرا اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا(3)۔ تو یہ دو چیزیں کسی استدلال یا بحث کی محتاج نہیں یہ تو سامنے دکھائی دے رہیں ہوں گی۔ ایک آنکھ سے کانا سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا لیکن پھر بھی زیادہ لوگ اس کے حلقے میں شامل ہو جائیں گے۔ اور بہت کم لوگ ہوں گے جو اس فتنے سے بچ سکیں گے۔ اسی فتنہ مال سے وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ لوگ اس کے حلقے میں شامل ہوں گے۔

پھر کیوں ہم اس مال کی حرص لیکر بیٹھے ہیں؟ جو سراسر ہمارے لئے ایک آزمائش ہے۔ اور جوں جوں یہ

---

(1) سنن ابن ماجة: کتاب الفتن: حدیث نمبر: 957 (2) ایضا

(3) صحیح بخاری: کتاب الفتن، حدیث: 2018

حرص بڑھے گی، توں توں یہ چیز علامات قیامت میں داخل ہوتی جائے گی، اور پیارے پیغمبر ﷺ نے اسے قیامت کی علامتوں میں ذکر کیا ہے۔ کہ مال کا کسب، مال کا خرچ اور مال کی محبت، یہ سارے امور اور مال کے تعلق سے فخر کرنا اترانا ان سارے امور کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث جبرئیل جس میں ہمارے سامنے دین اسلام کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں جبریل امین کا ایک سوال یہ تھا کہ "متى الساعة يا رسول الله" اے اللہ کے رسول ﷺ بتایئے قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ اس قیامت کا علم جتنا تجھے ہے مجھے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ تو جبرئیل امین نے سوال کیا: "فاخبرني عن أماراتها؟" تو پھر قیامت کی نشانیاں بتادیجئے؟ آپ ﷺ نے چند نشانیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: "ان تلد الأمة ربتها وأن ترى الحفاة العراة الرعاء الشاء يتطاولون في البنيان"۔ [1] قیامت کی علامتیں یہ ہیں کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی۔ اشارہ لونڈیوں کی کثرت کی طرف ہے اور یہ بھی ایک مال کی کثرت کی بنیاد ہے حتی کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ اس لونڈی کی ظاہر ہے کہ مالکن ہی ہوگی کیونکہ جس عمل کے نتیجے میں وہ اولاد پیدا ہو رہی ہے وہ لونڈی کا سردار اور لونڈی کا آقا ہے۔ تو کثرت مال کی یہ ایک نشاندہی کی۔ دوسری چیز آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ تم دیکھو گے بکریوں کے چرواہے اور ننگے پاؤں گھومنے والے بڑی بڑی بلڈنگیں بنا کے فخر کریں گے تو ان کے فخر واترانے کا سبب جو ہے یہی دنیا کا مال ہوگا۔ "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" [الحجرات:13]۔ جو اللہ کے نزدیک تکریم کی اساس ہے وہ تقوی اور پرہیزگاری اور تعلق باللہ ہے اس کو فراموش کردیں گے اور یہ بلند و بالا عمارتیں، یہ ان کا فخر ومباہات کا سبب بن جائے گا۔ حتی کہ بعض لوگوں کا یہ فخر مساجد کے ساتھ بھی مربوط ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "لاتقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد" [2] اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک یہ حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ لوگ مساجد میں فخر کریں۔ کہ میری مسجد کا مینار سب سے اونچا ہے اور میری مسجد میں زیادہ ملمع سازی ہے اور فلاں کی مسجد میں کم ہے ان چیزوں کو ذکر کر کے مساجد جو عبادت کے مراکز ہیں جہاں سادگی مطلوب ہے لوگ اس میں فخر کریں گے اور یہ فخر بھی اس مال سے محبت کی بنیاد پر

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الإیمان: حدیث: 49 و مسلم، حدیث نمبر 100

[2] سنن نسائی، سنن ابن ماجة: باب تشييد المساجد، حدیث نمبر 739، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

ہے۔اور یہ چیزیں قیامت کے وقوع کی خبر دیں گی۔

عابس الغفاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں جسے امام طبرانی نے معجم الکبیر (1) میں صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بادروا بالاعمال ستا"۔ چھ چیزوں کے پیدا ہونے سے پہلے عمل کرلو قبل اس کے کہ چھ چیزیں پیدا ہوں۔

1. "إمارة السفهاء" بے وقوفوں کی امارت اور حکومت یعنی بے وقوف تم پر حاکم ہوں گے جن کی کوئی رائے نہیں اور جن کے پاس کوئی شرعی تعقل اور تدبر کی بنیاد نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:"لا تقوم الساعة حتى يكون أسعد الناس بالدنيا لكع بن لكع" (2)۔ان الفاظ کا سادہ سا ترجمہ یہ ہے کہ "اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا کا اقتدار ایک ایسے شخص کو نہ مل جائے جو کمینہ ابن کمینہ ہو"۔

2. "وکثرۃ الشرطة "یعنی" زیادہ پولیس"۔زیادہ پولیس کا معنی ہے زیادہ جرائم۔جب جرائم زیادہ ہوں گے تو اس کے سدباب کیلئے زیادہ پولیس ہوگی۔دیکھیں!امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جنہوں نے قیصر وکسری کی کمر توڑی،قیصر کے سرکاری لوگ مدینہ آئے کہ دیکھیں اس فاتح قیصر کی شان کیا ہے؟ مدینہ پہنچے اور پوچھا امیر المؤمنین کہاں ہیں؟اتفاق سے آپ وہیں ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اکیلے نہ کوئی چوکیدار ہے،نہ کوئی پہریدار ہے نہ کوئی محافظ!۔آج تو ایک حاکم حرکت کرتا ہے تو تقریبا دس ہزار پولیس حرکت میں آتی ہے۔پولیس کا زیادہ ہونا ان نااہلوں کی بناء پر ہے۔امیر المؤمنین تن تنہا سو رہے ہیں،آدھی دنیا کے فاتح۔پولیس کا زیادہ ہونے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ سلاطین کا اسکواڈ بڑھ جائے گا جو جگہ جگہ ان کی نگرانی میں چکر لگائیں گے،فرمایا کہ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔

3. "بیع الحکم" کہ ایسے قاضی اور جج پیدا ہوں گے جو اپنے فیصلوں کو بیچیں گے یعنی رشوت کا بازار گرم ہوگا۔وکیل پیسہ کھرا کرنے کے لئے کیس لینے کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بولیں گے اور جج رشوت لینے کے لئے انصاف بیچیں گے فرمایا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے جب ایسے جج پیدا ہوں جن کے فیصلے ظلم رشوت پر مبنی ہوں اچھے عمل کرلو۔عدل وانصاف بک گیا تو کیا خیر و برکت ہوگی؟ کیونکہ

---

(1) معجم الکبیر: حدیث نمبر:60 (2) ترمذی: كتاب الفتن، باب ماجاء في اشراط الساعة، حدیث نمبر:90

آسمان وزمین کا توازن تو عدل پر قائم ہے جب معاملہ ظلم پر پہنچ جائے گا اور یہ نوبت آجائے گی پھر تمہاری حالت اور کیفیت کیا ہوگی؟ اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے تم عبادت کرلو اور عمل صالح کرلو۔

4 "وقطیعة الرحم" ۔قطع رحمی بھی علامات قیامت میں سے ہے کہ جب دیکھو گے ہر گھر میں تقریبا رشتے داروں میں ایک فساد برپا ہو چکا ہے۔

5 "نشء یتخذون القرآن مزامیر" ۔نوجوانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہوگی جو قرآن کو باجا اور گانا بنائیں گے۔"یقدمون أحدهم" ۔اور لوگ ان میں سے کسی ایک کو کھڑا کریں گے، آگے بڑھائیں گے۔ "لکي یغنیهم" تاکہ وہ ان کو گا کر سنائے۔ "وإن کان أقلهم فقها" ۔حالانکہ وہ علمی اعتبار سے انتہائی کم ہوگا۔ اس کا کوئی مقام نہیں مگر اس کو آگے بڑھایا جائے گا۔صرف اس کا ترنم سننے کیلئے اس کو آگے بڑھایا جائے گا فرمایا جب تم اس قسم کے نوجوان دیکھو تو یہ بھی علامات قیامت میں سے ہیں۔یہ وہ علامتیں ہیں جن کا ہم بخوبی مشاہدہ کررہے ہیں، اور ان سب کی بنیاد حبِ دنیا ہے۔

6 اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک عورتیں مردوں کے ساتھ تجارتوں میں شریک نہ ہوں۔ لوگ حرام چیزوں کے نام بدل کر اس کو حلال کرلیں گے شراب کا نام شربت اور نبیذ، رشوت ہدیہ بن جائے گی، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہمارے سامنے ہی ہو رہا ہے، یہ علامات قیامت میں سے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی اس زندگی میں غور وفکر کریں دنیا کے ساتھ تعلق ہو مگر ایک واجبی تعلق، فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے۔

عقبہ بن عامر نے اللہ کے پیغمبر ﷺ سے پوچھا: "ما النجاة یا رسول الله!" اے اللہ کے رسول نجات کیسے ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أمسک علیک لسانک"، اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنا،: "وابک علی خطیئتک" اور اپنے گناہوں پر رونے بیٹھ جاؤ، اور: "ولیسعک بیتک" اور کوشش کرو کہ تمہارے گھر کی چاردیواری تمہارے لئے کشادہ ہو۔"[1] اپنے گھر میں زیادہ محصور ہو جاؤ، اور باہر سے ایک واجبی تعلق ہونا چاہیے، لوگوں کے ساتھ، اہل دنیا کے ساتھ، دنیاوی امور کے ساتھ وہ بھی انجام دو لیکن زیادہ وقت اپنے گھر میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر روتے

[1] ترمذی: باب ما جاء حفظ اللسان، حدیث نمبر: 2406

ہوئے، خلوت میں غور وفکر کرتے ہوئے گذارو۔ اس کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوگا کہ بچوں پر نگاہ رہے گی، ان کی تربیت کرسکو گے جو تمہاری ذمہ داری ہے جس کی بابت قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔

آپ ﷺ نے مالداری پر فقر کو ترجیح دی، فرمایا: "ما أحب لي أن يجعل لي أحدا ذهبا" [1] "میں نہیں چاہتا کہ احد پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے"۔ حالانکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا، آپ چاہیں تو یہ پہاڑ آپ کے ساتھ سونے کے بن کر گھومیں پھریں۔ اگر یہ ہوبھی گیا تو میں تین دن کے اندر اندر یہ سونا اللہ کی راہ میں تقسیم کردونگا۔ ہاں! ایک دینار، دو دینار مجھے پتہ ہو کہ میرا کوئی ساتھی، کوئی بھائی مقروض ہے اور وہ یہاں موجود نہیں تو اس کے لئے دو دینار سنبھال کے رکھوں گا وہ آئے تو اس کو دوں تاکہ وہ قرضہ ادا کرے، پیارے پیغمبر کی زندگی، آپ کی معیشت کوئی سرمایہ داری اور سرمایہ کاری کی معیشت نہیں تھی، بلکہ فقر آپ کو پسند تھا، اور جس قدر فقر ہوگا اس قدر حساب میں آسانی ہوگی۔ نبی علیہ السلام کی حدیث بھی ہے کہ: "اطلعت في الجنة فرأيت أكثر أهلها الفقراء واطلعت في النار فرأيت أكثر أهلها النساء" [2] میں نے جنت دیکھی جنت میں فقیر زیادہ تھے اور مالدار کم تھے، جہنم دیکھی عورتیں زیادہ تھیں اور مرد کم تھے"۔ یہ سب فقر کے فضائل ہیں، بجائے اس کے ہم بہت بڑھ چڑھ کر دنیا کی فکر کریں، اور یہ حرص وطمع لے بیٹھیں، اور آخرت کے معاملے کو فراموش کردیں۔۔ (أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ)۔ اس کثرت مال کی طلب نے تمہیں ایسا غافل کیا، کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "لو كان لابن ادم واديان من ذهب لابتغى إليهما الثالث، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب" [3] "ابن آدم کو اگر سونے کی دو وادیاں دیدی جائیں، تو قناعت کے بجائے وہ تیسری وادی کے حصول کی فکر کرے گا" حالانکہ زندگی میں قناعت ہونی چاہئے۔ اس امت میں عیسیٰ علیہ السلام کا دور مال کا ہوگا مگر قناعت کے ساتھ اس کا استعمال ہوگا، پیغمبر علیہ السلام کی حدیث ہے میرا اس پر ایمان ہے کہ ایک انار ایک خاندان کے لئے کافی ہوگا برکت بھی ہے، قناعت بھی۔ اسی انار کا

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب ارضاء السعادة حدیث نمبر: 1408

[2] صحیح بخاری: باب ماجاء في صفة الجنة حدیث نمبر: 324

[3] صحیح بخاری: باب مایتقی من فتنة المال حدیث نمبر: 6439

چھلکا اس خاندان کا خیمہ بن سکے گا، برکت بھی ہے اور قناعت بھی ہے، مگر یہ کیا معاملہ ہے کہ انسان کو دو وادیاں سونے کی مل گئیں ہیں، مگر صبر وشکر کی بجائے تیسری وادی کے حصول کی کوشش کرے، دو انڈسٹریاں لگ چکی ہیں، تیسری بھی ہونی چاہئے فرمایا کہ یہ تم کو اتنا غافل کردے گی یہاں تک کہ تم قبر میں پہنچ جاؤ گے، فرمایا کہ اچانک موت اپنے پنجے تمہارے سینے میں گاڑھ دے گی۔ ابن آدم کے پیٹ کو تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی یہ دنیا کا مال اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم امور آخرت کی طرف توجہ دیں دنیا کے ہجوم مشاغل میں ضرور ہماری نظر ہو، ہماری نگاہ ہو، اصلاح کا کام کریں، تکسب بھی ہو، لیکن زیادہ تعلق باللہ ہو، اپنی آخرت کو سنوارنے کے لئے، دنیا تو دارِ فانی ہے، عمر انتہائی تھوڑی ہے۔ 60 سال کی 70 سال کی 80 سال کی اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے؟ مگر آخرت دارِ ابدی ہے، ہمیشہ قائم رہنے والی، وہاں اگر خسارے کا معاملہ ہوگیا تو بہت ہی خطرناک ہوگا، پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے: "المکثرون هم المقلون۔"(1) زیادہ مال و دولت والے قیامت کے دن انتہائی قحط کا شکار ہوں گے'' اور ایک حدیث میں: "هم الأخسرون" کے الفاظ ہیں، بڑے گھاٹے میں ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"إلتقى المؤمنان على باب الجنة فلقيه الفقير فقال: يا أخي ماذا حبسك ؟ والله لقد احبست حتى خفت عليك ، فيقول أي أخي ! إني حبست بعدك محبسا فظيعا كريها ، ما وصلت إليك حتى سال مني العرق مالو ورده ألف بعير كلها أكلت جميعا لصدرت عنه راوية۔"(2)

دو انسانوں کو اکٹھا جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ ایک دنیا میں مالدار تھا، دوسرا فقیر تھا، دونوں جارہے ہیں بخوشی جارہے ہیں، جو فقیر ہے، جنت میں داخل ہوجائے گا اور مالدار کو روک دیا جائے گا جنت میں داخل ہونے والا غریب، اپنے دوست کو تلاش کرے گا وہ اس کو دکھائی نہیں دے گا بالآخر وہ تقریباً 500 سال کے بعد جنت میں داخل ہوگا، اس فقیر بھائی نے پوچھا تم کہاں تھے؟ وہ

---

(1) صحیح بخاری: باب المخسرون هم المقلون، حدیث نمبر: 1206 (2) مسند احمد: حدیث نمبر 2667

جواب دے گا کہ: "حبست بعدک، محبسا کریھا فظیعا" تمہیں داخل کر دیا گیا، مجھے روک دیا گیا، اور بڑا برا روکا گیا، مجھے ایک مقام پر کھڑا کر دیا گیا، میرا پسینہ بہنا شروع ہو گیا، اس قدر پسینہ بہا کہ سو اونٹ اگر اس پسینے پر وارد ہوتے تو سارے کے سارے سیراب ہو کر لوٹتے۔

لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فرمایا کہ "زیادہ سرمایہ دار قیامت کے دن خسارے میں ہوں گے اور قلت کا اور قحط کا شکار ہوں گے سوائے اس سرمائے دار کے آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ جو اس طرح کرے مال کو راہ حق میں لٹا دے اس مال کا حق ادا کرے تو یہ مال اس کے لئے بہت زیادہ عافیت اور کامیابی کا سبب بن جائے گا"۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تقریباً سات مواقع پر نبی علیہ السلام نے انفاق مال کی بنا پر جنت کی بشارت دی۔ اور ہم دنیا میں اپنے اعمال میں اور آخرت اور دنیا کے اعمال میں ایک توازن اور اعتدال پیدا کریں۔ اور دنیا سے محض ایک واجبی سا تعلق ہو۔ جیسا اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اور صحابہ کرام، سلف صالحین کی سیرت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور اصل محنت آخرت کے حصول اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرنے کے لئے ہو، تقوی کی صورت میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمادے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

اعتذار

سہ ماہی البیان کی "جدید معیشت وتجارت" پر خصوصی اشاعت میں تاخیر کا سبب

مجلۃ البیان کی ٹیم قارئین کرام سے انتہائی معذرت خواہ ہے کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اور اس خاص اشاعت کے منظر عام پر آنے میں کافی عرصہ بیت گیا مگر موضوع کی حساسیت واہمیت کے پیش نظر اور اس اشاعت کو قارئین کیلئے مزید معیاری ومفید بنانے کے لئے زیادہ وقت اور محنت درکار تھی جس کی وجہ سے اس شمارہ میں تاخیر ہوئی جس کے لئے ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

والعذر عند الکرام مقبول (ادارہ)

حلال کمائی کی اہمیت وافادیت

فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ [1]

الحمدلله رب العالمين و صلى الله و سلم على أشرف الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله و أصحابه ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و أشهد أن محمدا عبده و رسوله وبعد!

حلال کمائی کیوں ضروری ہے؟

انسان اس دنیا میں جو اپنی زندگی کا دورانیہ گزار رہا ہے یہ دورانیہ بہت مختصر بھی ہے اور بہت اہم بھی ہے، انسان جب اس دنیا میں شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اس کا اپنے چارسو پھیلی ہوئی وسیع کائنات کے ساتھ سابقہ پیش آتا ہے، وہ اپنے آپ پر غور کرتا ہے تو یہ اپنی مرضی سے نہیں آیا، اسی طرح جس ماحول میں آیا ہے وہ بھی اس نے اپنی مرضی سے منتخب نہیں کیا، اپنی شکل وصورت قدوقامت کو دیکھتا ہے تو یہ چیزیں بھی ایسی ہیں کہ جن پہ اس کا کوئی اختیار نہیں، اس کا اپنا وجود اور یہ کائنات اس کی اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ جو کچھ بھی میرے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس کے بنانے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں۔ نیز یہی چیز انسان

[1] مدیر ادارۃ الاصلاح پاکستان

کی یہ رہنمائی بھی کرتی ہے کہ وہ جانے کہ اس جہان کو پیدا کرنے والی ایک قادر مطلق اور علیم وخبیر رحیم وکریم ہستی ہے اور وہ اللہ ربّ العزت ہے۔ یہی آواز اس کے دل کی ہوتی ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی اسی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے ایک عظیم مقصد کے لئے اسے دنیا میں پیدا فرمایا ہے، قرآن نے ہمیں یہ مقصد بتایا کہ انسان اللہ ربّ العزت کی بندگی کرے اور اس کائنات کے تمام وسائل، رزق کے خزانے، جو کچھ ہے یہ سب اس لئے بنایا گیا ہے کہ یہ سب اس بندگی کے عمل کو پورا کرنے کے لئے انسان کے ممدّ ومعاون ثابت ہوں نیز یہ تمام وسائل جو اللہ ربّ العزت نے اس کائنات میں پیدا فرمائے ہیں ان میں انسان کے لئے امتحان اور ابتلاء بھی ہے اور اس لئے بھی پیدا فرمائے ہیں کہ یہ انسان کی رہنمائی کریں کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہی اس جہاں کا فرمانروا بھی ہے اور اس ساری کائنات کا پروردگار بھی، تمام انسانوں کا رب {فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ} [یس:83]

ترجمہ: پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

ہر چیز کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے سچا بادشاہ ہے، اس لئے انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس کا پیدا کرنے والا اس جہاں کا بادشاہ اس کے لئے کونسا طرز عمل پسند کرتا ہے اسے راضی رکھنا ہوگا اور اس کی ناراضگی سے خود کو بچانا ہوگا، اللہ رب العزت نے اس حوالے سے وحی کے ذریعے بھی رہنمائی فرمائی ہے اور عقل وفطرت کے ذریعے بھی کہ انسان کو کونسا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟

دنیا میں اختیارِ انسانی اور معیشت

انسان اس دنیا میں بہت ساری صلاحیتیں، بہت اعلی منصب لے کر آتا ہے۔ فرمانِ باری تعالی ہے:

{وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ} [الانعام:165]

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی

مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے انسان کو زمین میں اختیار دیا ہے لیکن یہ اختیار لامحدود و مطلق نہیں ہے بلکہ محدود اختیار ہے۔ اللہ ربّ العزت نے انسان کو انتخاب کا اختیار دیا ہے اور انسان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس دنیا میں اس اختیار کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی امانت سمجھ کر استعمال کرے اور اس کا ایسا استعمال نہ کرے کہ جس سے اللہ ربّ العزت ناراض ہو جائیں اور حق تعالیٰ شانہ کا غضب اس کا مقدر ٹھہرے۔

انسانی ضروریات اور کسبِ حلال

انسان کی زندگی کو باقی رکھنے اور اس کی جسمانی قوت کو بحال رکھنے، دنیا میں نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لئے انسان کی ضروریات بہت ہیں، اللہ تعالیٰ جو پروردگارِ عالم ہے نے بڑے وسیع اور اعلیٰ پیمانے پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کا انتظام فرما دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے

{وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ} [الأعراف:10]

ترجمہ: اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان رزق پیدا کیا تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

اس زمین کے اندر انسان کے برتنے اور استعمال کرنے کے لئے سامان زندگی فراوانی کے ساتھ پیدا فرما دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے خزانے اس دنیا کے اندر رکھے ہوئے ہیں جنہیں انسان استعمال کر سکتا ہے۔

اللہ رب العزت نے چونکہ انسان کو ایک اعلیٰ مقام و مرتبہ عزت و کرامت کا عطا فرمایا ہے، اس لئے انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اسے استعمال کرے جن چیزوں کے استعمال کا اللہ رب العزت نے راستہ کھولا ہے انہیں استعمال کرے اور جن سے روکا ہے ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ

كَفَّارٌ} [ابراھیم:34]

ترجمہ: اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اشیاء کائنات میں آزمائش

اس وسیع کائنات میں ایسی چیزیں بھی اللہ نے رکھ دی ہیں جو انسان کے امتحان اور ابتلاء کے لئے پیدا فرمائی ہیں کہ ان سے انسان نے بچنا ہے، یہ چیزیں اشیاء اور اعیان بھی ہیں جن سے انسان نے اپنے آپ کو بچا کے رکھنا ہے اور انسان کے تصرفات واعمال بھی ہیں کہ جن کا انسان نے ارتکاب نہیں کرنا۔ اللہ ربّ العزت نے جن چیزوں کی ممانعت فرمائی اور حرام قرار دیا ہے یہ ممانعت اشیاء واعیان اس کائنات کے اندر بنائی ہوئی چیزوں سے بھی متعلق ہیں لیکن بہت تھوڑی ہیں، اور دوسری چند ایک جن کی تفصیل آسمانی کتابوں اور ان کے جامع ترین مجموعے قرآن مجید کے اندر اللہ رب العزت نے محرمات کی تفصیل بیان فرمادی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

{وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ} [الأنعام:119]

ترجمہ: حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تمہیں سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے۔

ان حرام کردہ چیزوں کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب انسان کیلئے حلال ہے۔

{هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا} [البقرة:29]

ترجمہ: وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔

سب کچھ اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے اور یہ آسمان وزمین اور اس کے درمیان میں پھیلا ہوا یہ سارا نظام جب حرکت میں آتا ہے تو انسان کو رزق ملتا ہے، اس کے بعد ہی انسان اپنے افعال وتصرفات اور اپنی زندگی کی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکتا ہے اس لئے انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی اس ہدایت کو پیش نگاہ رکھے۔ اس لئے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا عمل اور تصرف ہے اس کا معاملہ

صرف یہ نہیں کہ کیا اور معاملہ ختم ہوگیا بلکہ یہ افعال اس کی ذات پر اثر انداز ہوتے ہیں اس کی آنے والی زندگی پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان افعال کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ اور یہ انسان نہیں جانتا اس کے افعال وتصرفات کے اور اس کے استعمالات اور ان تحصیلات کے جو اس دنیا کے اندر وہ سمیٹتا اور جمع کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ لیکن اللہ رب العزت سب جانتے ہیں اس ذات پر کوئی چیز مخفی نہیں نہ ماضی کی نہ حال کی اور نہ مستقبل کی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ} [ابراهيم:38]

ترجمہ: زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں۔

ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کے افعال وتصرفات کیا ہوتے ہیں اس لئے کرم کرتے ہوئے مہربانی کرتے ہوئے انسان کے ساتھ نوازش کا معاملہ فرماتے ہوئے اللہ نے اسے ایسے تصرفات سے روکا ہے جو دنیا وآخرت میں نقصان دہ ہوتے ہیں، اس لئے اس نے وہ چیزیں حرام ٹھہرا دیں، ورنہ اللہ رب العزت کو کوئی مجبوری نہیں ہے صرف انسان کی بھلائی کے لئے اللہ رب العزت نے انسان کو ان چیزوں سے روکا ہے۔ حلال کا دائرہ اللہ تعالیٰ نے بہت وسیع بنایا ہے کہ انسان اپنے تمام کھانے، پینے، رہنے پہننے اور اپنی نسل کے بڑھنے کے سلسلے قائم رکھ سکتا ہے۔ اور اہمیت حلال کی یہی ہے کہ اگر انسان اس شاہراہ کے اوپر چلنا چاہتا ہے جو اللہ رب العزت نے اس کے لئے تجویز فرمائی ہے جو سعادت کی راہ ہے اور دونوں جہاں کی فوز وفلاح کی راہ ہے اور وہ صراط مستقیم ہے، تو پھر انسان حلال کے دائرے کے اندر اپنے آپ کو محدود رکھے اور محرمات سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے وگرنہ انسان کی زندگی صحیح راستے پہ نہیں گزرے گی اور اس کا انجام دنیا وآخرت کی تباہی کی صورت میں نکلے گا۔

سابقہ اقوام کی معیشت کے معاملے میں حکم عدولی اور اس کا انجام

اللہ رب العزت نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید میں یہ بیان فرمایا ہے کہ بعض اقوام جنہوں نے اللہ رب العزت کی ہدایت اور رہنمائی سے روگردانی کی اور اس کی مخالفت کی اور اس دنیا کے میں بالخصوص

معاشی معاملات کے اندر اپنی من مانی کرنا چاہی اللہ رب العزت نے ان کا تذکرہ فرمایا کہ کس طرح وہ تباہی اور بربادی کا شکار ہو گئے انہیں وقت کے پیغمبر شعیب علیہ السلام نے یہی کہا تھا کہ

{قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ} [هود:84-86]

ترجمہ: انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو میں تمہیں آسودا حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے۔اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو بچ رہے تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

اسی طرح ایک اور کردار اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے، قارون کا کردار جو بڑا دولت مند تھا، اسے بھی یہی کہا گیا: فرمانِ باری تعالیٰ:

{ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ} [القصص:77]

ترجمہ: جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔

یعنی: اللہ رب العزت نے تمہارے اوپر بہت نوازشات فرمائی ہیں تجھے بھی چاہئے کہ تو حسن عمل کے دائرے کے اندر اپنے آپ کو محدود رکھے اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر فساد مچانے والا راستہ اختیار نہ کرے لیکن اس بیانئش کی اس نے بھی پرواہ نہ کی اور اسی راستے کے اوپر قائم رہا۔نتیجہ یہ نکلا کہ:

{فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ} [القصص:81]

ترجمہ: (آخرکار) ہم نے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لئے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہوسکا۔

انسان اللہ رب العزت کے متعین کردہ دائرہ سے ظلم وعدوان، بغی وطغیان کے ساتھ نکلتا ہے، تو پھر اپنی تباہی کو دعوت دیتا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

{يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا} [النساء:29]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو خرید وفروخت اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔

اگر ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھاؤ گے تو یہ اپنے آپ کو قتل کرنے کے مترادف ہوگا، تمہاری تباہی کا باعث ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں غرق کردے گا، اور آج اللہ رب العزت کے نظام کو چھوڑ کر من مانی معاشی سرگرمیاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ زمین کے خزانے بے حساب ہیں رزق کے وسائل اللہ رب العزت نے بہت زیادہ فرمائے ہیں، لیکن انسانی معاشرہ پریشانیوں کے اندر مبتلا ہے، معاشرے میں امن نہیں ہے، چین نہیں ہے۔ جس کا باعث کسبِ حلال سے اعراض ہے۔

کسب حلال کی افادیت کیا ہے؟

❁ رب راضی ہوتا ہے

سب سے بڑا افادیت کا پہلو تو یہی ہے اس سے انسان کا پروردگار اور بادشاہ جس کے سامنے اس نے پیش ہونا ہے اور جاکر اپنی زندگی کا جواب دینا ہے وہ اس سے راضی ہوجاتا ہے، اس سے خوش ہوجاتا ہے، اس کی خوشنودی اور رضامندی انسان کو اگر حاصل ہوجائے تو اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کوئی سعادت کی بات نہیں۔

❁ رحمتوں اور برکتوں کا نزول

اور دوسری افادیت اس کی یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ رب العزت کی رحمتیں اور برکتیں انسان کو حاصل

ہوتی ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} [الأعراف:96]

ترجمہ: اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

اگر لوگ دنیا کے اندر بسنے والے ایمان اور تقوی کا راستہ اختیار کریں جس کا مظہر اور مقتضی یہ ہوتا ہے کہ انسان حلال کے دائرے میں اپنے آپ کو محدود رکھے اور حرام سے اجتناب کرے تو اس ایمان اور تقوی کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور انسان کی عزت اور کرامت بھی اسی چیز کے اندر ہے کہ انسان اپنے آپ کو حلال کے دائرے کے اندر محدود رکھے اور حرام کی طرف تجاوز نہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ’’جو شبہات سے بچتا ہے وہ اپنی عزت کو بھی بچا لیتا اور جو شبہات میں پڑ گیا گویا وہ حرام میں پڑ گیا‘‘۔ [1]

❁ راحت وسکون حاصل ہوتا ہے

اگر انسان اپنے آپ کو حلال کے دائرے کے اندر محدود رکھتا ہے تو انسان کی زندگی میں راحت وسکون بھی ہوتا ہے اور اسکے افعال وتصرفات کے اندر شیرینی اور مٹھاس ہوتی ہے، پاکیزہ اور حلال چیز ہی انسان کے اندر حلاوت پیدا کرنے والی چیز ہے اور پھر یہی چیز ہے کہ جو انسان کو جنت میں لے جانے کا سبب بنے گی جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو خود کو طیبات اور پاکیزہ رزق تک محدود رکھتے ہیں جنہیں فرشتے اس حال میں لے کر جاتے ہیں کہ انہوں نے طیّب بن کر زندگی گزاری ہے ان کا عمل، کھانا، لباس سب اچھا اور پاکیزہ، ہر عمل انہوں نے اچھا کیا ہے فرشتے انہیں لے کر جاتے ہیں اور پیغام دیں گے کہ: {سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ} [الزمر:73]

---

[1] صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات

ترجمہ: تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ۔
تم پہ سلامتی ہو اللہ رب العزت کے بندو "طِبْتُمْ" "تم پاک رہے اب یہ پاکیزگی کا گھر اب تمہارا ٹھکانہ ہے۔

کسب حرام کے نقصانات

ظاہر ہے کہ اگر انسان شبہات کا بھی ارتکاب کرے اور یہ اسے حرام کی طرف لے جائیں تو نہ اس کا دین بچے گا نہ اس کی عزت وکرامت بچے گی انسان ذلیل وخوار ہو جائے گا اور دین کی رہنمائی سے محروم ہو جائے گا پھر انسان کا دل ایسا ہو جاتا ہے کہ انسان کو راستہ ہی سجھائی نہیں دیتا نیکی نیکی معلوم نہیں ہوتی، برائی برائی معلوم نہیں ہوتی دل سیاہ ہو کر الٹا ہو جاتا ہے اور انسان کو کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا جبکہ کسبِ حلال پر اکتفا کرنا انسان کی عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کا سبب ہوتا ہے حرام انسان کو ایسا بنا دیتا ہے کہ اس سے نہ انسان کی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ عبادات جس طرح کہ فقیہ الامۃ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرام کھانے سے انسان کی دعا نہیں قبول ہوتی اور دعا سب سے بڑی عبادت ہے۔" اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا کہ "اس کی دعا قبول نہیں ہوتی نہ عبادت۔" زندگی کے اندر راحت اور سکون نہیں رہتا زندگی پریشانیوں کا مجموعہ بن جاتی ہے انسان دولت کے انبار جمع کر لیتا ہے اور کاروبار کے دائرے وسیع کر لیتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ اسے نہ سکھ کی نیند آتی ہے اور نہ راحت کے ساتھ وہ زندگی بسر کر سکتا ہے بلکہ امن وامان کی صورت حال مخدوش ہو جاتی کہ انسان کسی وقت بھی اپنے آپ کو کہیں بھی محفوظ نہیں سمجھتا اور ہر وقت اپنے آپ کو خطرے کے اندر محسوس کرتا ہے یہ اس امر کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان نے حلال کے دائرے سے نکل کر حرام کے اس ممنوع دائرے کے اندر قدم رکھ دیا جس سے اللہ ربّ العزت نے اسے منع کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حلال کمانے، حلال کھانے اور اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فکرونظر

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات

فضیلۃ الشیخ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ

عصر حاضر کوترقی کا دور کہا جاتا ہے اور کچھ غلط بھی نہیں ہے سائنسی اکتشافات کا سلسلہ بلاتوقف جاری ہے۔ایجادات کا سیل رواں ہے تھمنے میں نہیں آتا۔وسائل سفر سے لے کر ذرائع ابلاغ تک میں انقلاب آچکا ہے۔زمین اپنے خزانے اگل رہی ہے یا اس سے اگلوائے جارہے ہیں۔اناج ،سبزیاں پھل اور میوے اسقدر بہتات سے ہیں کہ انباروں میں سمانہیں سکتے ذخیرہ کرنے پڑتے ہیں لیکن ہر چیز کی فراوانی کے پہلو بہ پہلوانسانی محرومی کی بھی کوئی حدنہیں ۔آدمیت سسک رہی ہے جذبات سلگ رہے ہیں۔غریب غربت کے بوجھ تلے دب رہاہے اور سرمایہ دار بے مقصدیت کے عذاب واذیت سے گذر رہا ہے۔یہ نہیں کہ حالت میں تبدیلی کی کوشش نہیں ہوئی تاریخ شاہد ہے کہ احساسات اور جذبات نے کئی مرتبہ طوفان کی شکل اختیارکی لیکن صورت حال کچھ یوں ہی رہی۔

؎ سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا تو اپنا ہی گریباں تھا

رومن ایمپائر، دور غلامی، جاگیرداری اور پھر آخر میں نظام سرمایہ داری کا تماشہ اور پھر اشتراکی کوچہ گردوں کی آشفتہ سری، تمام کی تمام شکست آرزو کے عنوانات ہیں ان تمام کوششوں کے باوجود یہی نہیں کہ حالت نہیں بدلی بلکہ کیفیت کچھ یوں رہی کہ

؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حقیقت یہ ہے کہ تمام نظامہائے معیشت الگ الگ اور متضاد نام کے حامل ہونے کے باوصف اصل میں سارے ایک ہیں۔ ایک ہی تصویر کے دو مختلف رخ اور زاویے ہیں اور نام اس کا خودرائی ہے۔ انسان نے معیشت کو اس کے اصل مقام و مرتبہ سے بڑھا کر ایسا غلو کیا ہے کہ اپنا مرتبہ اور مقصد فراموش کر بیٹھا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ذریعہ کو مقصد بنانے کا ہوتا ہے۔ انسان صرف پیٹ کا نام نہیں بلکہ اس میں دل و دماغ بھی ہے اور اس کے دیگر اعضاء بھی ہیں، اگر کوئی شخص دل و دماغ کے بجائے پیٹ سے سوچنا شروع کردے تو اس کی جو کیفیت ہوسکتی ہے وہ نظامِ معیشت کو مرکز و محور بنانے سے پوری انسانیت کی ہو چکی ہے۔ ایک بھوکے کو اجرام فلکی بھی روٹیاں نظر آسکتی ہیں لیکن اس سے نظام شمسی میں خلل آسکتا ہے اور نہ علم فلکیات کی اہمیت کم ہوسکتی ہے۔ انسان تنگ نظر اور جذباتی مخلوق ہے اس لئے اسکی سب سے بڑی غلطی ہے کہ مسائل کو حل کرنے کے لئے اپنے اور اس کائنات کے خالق سے رجوع کرنے کے بجائے خود ہی ان کا حل کرنے بیٹھ جائے۔ عام زندگی میں (SELF MEDICATION) خطرناک ہے تو اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات کتنے مہلک ہوسکتے ہیں دنیا کی موجودہ صورت حال اس کا ثبوت ہے ایسی صورت میں ایک انسان کو اس سے اچھا مشورہ نہیں دیا جاسکتا کہ

؎ دست ہر نا اہل بیمار ت کند — سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

انسانیت پر اس سے بڑا احسان نہیں ہوسکتا کہ انسانی معاشرے کو اجتماعی طور پر اپنے اور اس سارے جہان کے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی جائے۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اسی لئے انسانیت کے محسن ہیں علیھم الصلوات و التسلیمات اور پیغمبر آخر و اعظم انسانیت کے محسن اعظم ہیں علیہ أفضل الصلاۃ و أزکی التسلیمات

وہ بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں:

{فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ}[التکویر:26-27]

ترجمہ:''لوگوں تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ (قرآن) جہان بھر کے لوگوں کے لئے نصیحت ہی تو ہے''۔

قرآن حکیم نے نہ صرف مرض کی تشخیص فرمائی بلکہ اس کے علاج کے لئے نسخہء کیمیا بھی عطا کیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

{وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○}[النحل:112-114]

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو (ہر طرح) امن و اطمینان سے تھی ہر طرف سے رزق بافراغت وہاں چلا آتا تھا۔ مگر اس کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر ناشکری کا مزہ چکھا دیا اور ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو انہیں عذاب نے آ پکڑا جبکہ وہ ظالم تھے۔ پس اللہ نے تم کو جو حلال طیب رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ اگر اسی کی عبادت کرتے ہو''

یعنی اشیاء کی فراوانی اور نعمتوں کی ارزانی پر اللہ رب العزت جو منعم حقیقی ہے کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر کرنا موجب ہے ان نعمتوں کے چھن جانے کا۔ اللہ کی ناشکری کا مظہر یہ ہے کہ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسول پر ایمان لانے ان کی تکریم کرنے اور اطاعت کا دم بھرنے کی بجائے تکذیب و استہزاء کا راستہ اختیار کیا۔ اس عذاب سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کا حلال کیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو کہ مالک الملک اور عزیز مقتدر ہے اس کی اطاعت کرو گے تو آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے تم پر کھول دے گا۔

{وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝}[الاعراف:96]

ترجمہ:''اوراگران بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور ہماری نافرمانی سے بچتے توان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی سوان کے اعمال کی پاداش میں ہم نے ان کو پکڑلیا''۔

اور جب کسی بستی سے نعمتیں چھین لینا چاہے تو بظاہران کی معیشت کتنی ہی مضبوط ہو سزا کا قانون الٰہی ان پرنافذ ہوکرہی رہتا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ [القصص:58]

ترجمہ:''اور ہم نے بہت سی بستیوں کوتباہ کرڈالا جواپنی معیشت (کی فراخی) پراترا رہے تھے پھر یہ ان کے محلات ہیں جوان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے اوران کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے''۔

اسی لئے انسانیت کی فلاح دین حنیف دین اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہے۔جب وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں گے کہ اس کے نظام اقتصادیات کی برکات سے بھی بہرہ منداور مستفید ہوں گے اس لئے کہ اسلام کا نظام معیشت اسلام سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک سرسبز وثمر بار شاخ ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

{اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝}[ابراهيم:25-34]

ترجمہ:کیاتم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسی بیان فرمائی ہے وہ ایسے ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط یعنی زمین کو پکڑے ہوئے ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔اپنے پروردگار کے حکم سے ہروقت پھل لاتا ہے۔

اور یہ اسلام کے تعلیم کردہ راسخ عقائد،قرآن حکیم اور جناب رسول کریم ﷺ کے مقرر کردہ اور

تعلیم فرمودہ حکیمانہ عبادات اور عظیم ترین اور کامل ترین نظام اخلاق کی سرزمین میں اگلنے والا شجر طیبہ ہے۔ اور خون میں پیوست شاخ ہے۔ جو ہر طرف سے اور ہر طرح سے محفوظ ہے۔ موسموں کے تغیرات اور افراد کی تلون مزاجی اس پر نظرانداز نہیں ہوتی۔

اس اعتبار سے اسلامی نظام معیشت کی بنیادی اور اولین خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ نظام ربانی ہے جبکہ اس کے مقابلے باقی تمام نظامہائے معیشت (اگر ان کو نظام کہا جا سکے) تو انسانی بلکہ محض شیطانی ہیں۔ اس لئے کہ بندہ جب رحمن کا نہیں ہوتا تو شیطان کا ہوتا ہے تیسرا اختیار (Third Option) یہاں پر سرے سے موجود نہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝}[فاطر:6]

ترجمہ: وہ اپنے گروہ کے (لوگوں) کو پکارتا ہے تا کہ وہ دوزخ میں جانے والے بن جائیں۔

{اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝}[المجادلۃ:17]

ترجمہ: شیطان نے انکو قابو میں کر لیا ہے اور انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور آگاہ رہو شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے"۔

اسلام اللہ تعالی کا مقرر کردہ اور پسندیدہ فرمودہ نظام حیات ہے تمام انبیاء علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ}[ال عمران:19] ترجمہ: "دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔

لیکن براہین و بینات سے آنکھیں موندنے والے نت نئے عقیدے بناتے اور نظام تراشتے رہے۔ اپنے علم یا علوم کے غرلے میں مختلف انسانی گروہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت اور نصیحت کو ٹھکراتے رہے اور اس کے نتیجے میں عذاب پر عذاب چکھتے رہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝}[المومن:82-83]

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے زمین پھر کر دیکھا نہیں کہ انہیں نظر آتا کہ جو لوگ ان سے پہلے اس راستے پر تھے ان کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے اور زمین میں نشانات بنانے میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے ان کے کسی کام نہیں آیا۔ اور جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں اور واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا، نتیجہ جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا''۔

مثال کے طور پر شعیب علیہ السلام کی قوم نے تو مالی معاملات میں ان کی حکیمانہ نصیحت کو ''مداخلت بے جا'' قرار دیکر اس پر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ○ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ○ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ○} [هود: 84-87]

ترجمہ: ''اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو مبعوث کیا انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو آسودا حال دیکھتا ہوں اور تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیرے گا۔ اور اے میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا منافع تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومنوں میں سے ہو اور میں تم پر نگران نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز، تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجتے آئے ہیں یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چھوڑ دیں تم تو بڑے نرم خو اور رست باز ہو''۔

تا آنکہ پیغمبر آخر واعظم حضرت محمد ﷺ اسلام کی کامل ترین اور واضح ترین صورت یعنی کتاب وسنت

پر مشتمل 'حنيفية السمحة ' کے ساتھ مبعوث ہوئے۔جس میں رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔اور اللہ تعالی نے{اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا} فرما کر رہتی دنیا تک کے انسانوں پر حجت قائم اور تمام کردی۔{لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ }اور واضح طور پر بتادیا کہ دنیا وآخرت کی فلاح اسی نظام کی کامل اتباع وتنفیذ کے ساتھ وابستہ ومشروط ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{ الٓمّٓ ○ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○}[البقرة:1-5]

ترجمہ:''الٓمّٓ ۔یہ قرآن وہی کتاب منتظر ہے(اس کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ،اہل التقوی کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ،آداب کے ساتھ نماز ادا کرنے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں،،اور جو کتاب وشریعت (اے نبی ﷺ) تم پر نازل کی گئی اور جو کتاب وشریعت تم سے پہلے نازل کی گئی سب پر ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

تو اسلام کے لائے ہوئے نظام معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ربانی ہے اس کے بعد ایک صاحب ایمان کو کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں رہتی۔تاہم رسم دنیا نبھانے کے لئے اور اجتماع احباب کے نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے،اس نظام معیشت کے امتیازی خصائص پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اس اذعان و یقین کے ساتھ کہ اس کے خصائص وامتیازات کا احاطہ حد امکان سے باہر ہے:

{وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ}[المدثر:31]

ترجمہ:اور ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو۔اور اہل کتاب اور ایماندار کسی شک میں نہ رہیں

اسلامی نظام معیشت کے چند امتیازی خصائص

1 حقانیت

اسلام کا نظام معیشت ہی حقیقت میں ایک نظام ہے۔ باقی نظاموں کو نظام صرف اس طرح کہا جاتا ہے جیسے کہ اسلام کے سوا باقی مذاہب کو بھی دین کہہ لیا جاتا ہے، لیکن جس طرح ہمارا ایمان ہی نہیں ہمارا دعوی ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اسی طرح ہمارا یقین ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے سوا کوئی نظام نہیں بلکہ ''نظام'' کے خلاف بغاوت سے عبارت ہیں۔

اور تمام ''نظام ہائے معیشت'' جو اصل میں سارے ایک ہیں۔ دنیا کی حقیقت اسی میں انسانیت کی حیثیت کے بارے میں درست معلومات اور عقائد پر مبنی نہیں ہیں اور معلوم ہے کہ

ے خشت اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

اور اسلام کے نظام معیشت کا قصر رفیع حق اور حقائق کی بنیاد پر استوار ہے اور یہ امر محتاج بیان اور محتاج دلیل نہیں کہ حق تعالی سے بڑھ کر ان اشیاء کی حقیقت کون جانے گا۔ { اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ} (الملک) وہی بتاتا ہے کہ انسان کو بے مقصد پیدا کیا گیا نہ بے مہار چھوڑا گیا وہ خلافت ارضی کا تاجدار اور اس عظیم امانت کا امانت دار ہے۔

{ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝} [الاحزاب:72]

ترجمہ: ''ہم نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا بلاشبہ وہ ظالم اور جاہل تھا''

اسی نے بتایا کہ اس نے مال کو زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

{ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝} [النساء:6]

ترجمہ: اور اپنے مال جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام زندگی بنایا ہے بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو

اور یہ بھی کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ ارشاد فرمایا:

{ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ }[الجمعة:10]

ترجمہ: ''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو''

اور یہ بھی سمجھا دیا کہ مال ومنال ایک ضرورت ہونے کے ساتھ آزمائش ہیں۔ جس سے انسان گزرتا ہے:

{وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○} [الانفال:28]

ترجمہ: ''اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد درحقیقت تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں۔ (اور اس میں پورا اترنے والوں کے لئے) اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر وثواب ہے''۔

(2) مقصد تخلیق سے ہم آہنگی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ یہ اس کی عبادت کرے اس کی بندگی بجالائے اور اس کے لئے اپنے پسندیدہ دین میں نظام معیشت بھی ایسا شروع کر دیا جو اس کے مقصد تخلیق سے موافقت رکھتا ہے اور مکمل طور پر اس سے ہم آہنگ ہے۔

ارشاد فرمایا:

{ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○} [البقرة:172]

ترجمہ: اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ اگر تم حقیقت میں اسی کی بندگی کرتے ہو۔

یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ انسان کے کردار کا اس کی خوراک سے بہت گہرا تعلق ہے۔ تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں غذا سے بنتی اور پنپتی ہیں اگر غذا درست ہوگی تو عمل صالح ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ ... ○} [المومنون:51]

ترجمہ: ''اے گروہ رسولاں! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو''۔

اگر جسم کی نشونما کا سبب بننے والی غذا ہی درست اور حلال نہ ہو تو عمل صالح نہیں ہو سکتا اسی حقیقت کو جناب رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے یوں بیان فرمایا ہے:

"لا یربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولی به" ①

ترجمہ: ''جو گوشت حرام سے پرورش پا کر بڑھتا ہے تا اس کا اصل ٹھکانا آگ ہی ہے۔''

③ اصالت

اسلامی نظام معیشت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مستقل اور سب سے ممتاز نظام ہے۔ انسانی تجربات کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا اور نہ یہ کسی قسم کے ردعمل کا ثمر ہے۔ باقی تمام نظامہائے معیشت ردعمل کے طور پر وجود میں آئے۔ تجربات ہیں یا تجربات سے اخذ کیا ہوا نتیجہ۔ جاگیرداری نظام دور غلامی کی کوکھ سے پیدا ہوا اس لئے اس کے تمام خصائص کا حامل تھا۔ غلامی میں آقا ایک فرد ہوتا تھا تو نظام جاگیرداری میں پورا نظام، پھر زمانے نے ایک کروٹ لی جاگیرداری نظام نے سرمایہ داری نظام کی شکل اختیار کر لی۔ جاگیردار سرمایہ دار بن گیا اور کاشتکار مزدور ٹھہرا۔ اور آزاد معیشت کے نام پر ایسا استبداد مسلط ہوا کہ لوگ دور غلامی اور جاگیرداری کی سختیاں بھول گئے۔ اس کے ردعمل میں سوشلزم نے جنم لیا لیکن استحصال کے خاتمے کا دعوی لیکر اٹھنے والی تحریک ریاست کی طاقت سے لیس ہو کر استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی۔ اور ترقی پسندی کے نام پر ترقی معکوس کرتے ہوئے انسانیت کو بدترین غلامی کے دور میں پہنچا دیا۔ یہ انسانی شعور اور معاشی نظریات کے ارتقاء کی مختصر تاریخ ہے۔ اس کے مقابل اسلام کا نظام اقتصادیات اللہ ربّ العزۃ والجلال کے علم وحکمت کا مظہر اور اس کی رحمت کا نشان ہے۔ اور تہوز، انتقام، طیش وغیرہ ردعمل کے ہر نقص سے مبرا ہے۔

---

① جامع ترمذی: کتاب الجمعة، باب ما ذکر فی فضل الصلاة، حدیث نمبر: 614

④ وضاحت

اسلام کے نظام معیشت میں کوئی پیچیدگی نہیں، وہ بالکل واضح اور ہر قسم کے ابہام سے پاک ہے قرآن آیات بینات پر مشتمل ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "الحلال بین و الحرام بین" حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

اسی طرح اسلامی نظام معیشت میں معاہدہ یا خرید و فروخت کرنے والوں کو بھی یہی حکم ہے کہ صداقت و وضاحت سے کام لیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"البیعان بالخیار مالم یتفرقا فان صدقاوبینابورک لھما فی بیعھما وان کتما و کذبا محقت برکة بیعھما" ①

یعنی سودے کے دونوں فریقوں کو الگ الگ ہونے تک اختیار ہے اگر دونوں صداقت اور وضاحت سے کام لیں گے تو انکے سودے میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ اور فریب سے کام لیں گے تو سودے کی برکت ختم کردی جائے گی'' حضور نبی اکرم ﷺ بازار میں تشریف لے گئے، اناج کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو تری محسوس کی تو دکاندار سے فرمایا: یہ کیا؟ اس نے کہا حضور رات کو اس پر بارش پڑگئی تھی فرمایا تو گیلا حصہ اوپر کرنا تھا'' من غش فلیس منا''۔ جس نے ہمیں اندھیرے میں رکھا وہ ہم میں سے نہیں ②۔

یہی وجہ ہے کہ محاقلہ اور مزابنہ سے منع کر دیا گیا ہے) کھیت میں سٹوں اور بالیوں میں موجود اناج کو خشک اناج کی معلوم و معین تعداد کے بدلے فروخت کرنا محاقلہ کہلاتا ہے اور درختوں یا بیلوں میں لگے پھل کو اسی نوع کے خشک پھل کی معلوم و معین مقدار کے عوض بیچنا مزابنہ کہلاتا ہے (۔ بیع سلم میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ:

"من أسلف فی شئی فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم" ③

---

① متفق علیہ من حدیث حکیم بن حزام ② صحیح مسلم، معجم طبرانی، حدیث نمبر: 10234، میں یہ الفاظ زائد ہیں والمکرو الخداع فی النار۔ مکر و فریب آگ میں (لے جانے کا موجب) ہے

③ بخاری: کتاب البیوع، باب اذا بین البیعان... 2079، مسلم: کتاب البیوع، باب السلم 1226

"اگر کوئی پیشگی ادائیگی کرتا ہے تو اس چیز کا ماپ تول اور ادائیگی کی مدت معلوم ہونی چاہئے"۔

اسی طرح عقد قراض یا مضاربہ میں بھی ضروری ہے کہ صاحب مال (investor) اور عامل (worker) دونوں آپس میں تقسیم منافع کا تناسب طے کرلیں۔ابہام نہیں ہونا چاہئے۔

الموسوعة الفقهية الكويتية: میں قراض کی تعریف ہی یہ بیان کی گئی ہے:

"هو ان يدفع الرجل الى رجل نقدا ليتجريه على ان الربح بينهما على ما يتشارطانه" ①

ترجمہ: یعنی قراض یا مضاربہ اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک شخص اگر دوسرے کو مال مہیا کرے کہ وہ اس میں تجارت کرے گا اور منافع ان دونوں کے درمیان طے شدہ نسبت کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

اس کے بعد مشہور لغوی الازہری کے حوالے سے اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے "لأن لكل واحد منهما فى الربح شئ مقروضا لا يتعداه" اس معاہدے کو قراض اس لئے کہا جاتا ہے کہ فریقین میں سے ایک کو منافع میں سے قطعی طور پر طے شدہ ملتا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔

⑤ صداقت وامانت

اسلام اپنے پیروؤں کو اور خاص طور پر رجال معیشت واقتصاد کو امانت اور صداقت کا حکم دیتا ہے ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ....○} [النساء:58]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچادو"

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلم شریعت محسن انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا

"التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين و الشهداء" ②

① الموسوعة الفقهيه:112/33

② جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔الغرض مفہوماً یہ روایت صحیح ہے جس کی تائید شریعت کے دیگر بے شمار دلائل سے ہوتی ہے۔

ترجمہ: صداقت شعار اور امانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

"ان اللہ تعالی یقول أنا ثالث الشریکین ما لم یخن أحدھما صاحبه فاذا خانه خرجت من بینھم"①

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "میں شراکت داروں کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے کوئی دوسرے کی خیانت نہ کرے پھر جب کوئی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں"۔

⑥ عدالت

یہ کائنات کہ انسان جس کا ایک حصہ ہے اللہ تعالی نے اس کا سارا نظام عدل اصلاح اور توازن پر قائم کیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے :

{وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝} [الرحمن:7-9]

ترجمہ: "اس نے آسمان کو بلند کیا اور اوپر اٹھایا اور میزان عدل رکھدی تا کہ تم میزان میں خلل اندازی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترزو میں تولتے وقت کمی نہ کرو"۔

کائنات کا سارا نظام عدل پر قائم ہے اس لئے انسان جو اس امانت کا امین ہے، اس کا فرض ہے کہ اپنے دائرہ اختیار میں عدل قائم کرے اور ہر حقدار تک اس کا حق پہنچائے اگر یہ عدل وتوازن قائم نہ رہے تو میزان عالم خلل پذیر ہوتی ہے اور اسی کو قرآن "فساد فی الارض" سے تعبیر کرتا ہے ارشاد باری تعالی ہے:

{ وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝} [هود:84]

---

① ابو داود: کتاب البیوع، باب الشرکة: 3383

ترجمہ: ''اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو مبعوث کیا انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا اے میری قوم! صرف اللہ کی موحدانہ عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو آسودا حال دیکھتا ہوں اور تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیرے گا۔اور اے میری قوم کے لوگو! عدل وانصاف کے ساتھ پورا ماپو اور تولو اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو''

چنانچہ عدل وانصاف کائنات کی سب سے بڑی ضرورت اور انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عدل صرف قانون کی عملداری کا نام نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف کا گلا تو قانون سازی کے نام پر ہی گھونٹا جاتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان عدل کر بھی نہیں سکتا اس کے پاس علم نہیں جہل ہے عدل نہیں ظلم ہے خالق کائنات کا بیان واجب الاذعان ہے { اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا } [الاحزاب: 72] بلاشبہ انسان بڑا ہی ظالم، جاہل واقع ہوا ہے اس کو علم اللہ تعالی عطا فرماتا ہے {وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ }[البقرۃ:255] ترجمہ: اس کہ علم میں سے یہ کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جسے اللہ چاہے''۔ اور عدل اللہ تعالی اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سکھاتے ہیں {وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا }[الانعام:115] ترجمہ''اور تیرے رب کا کلام صداقت اور عدل میں کامل ہے''، اس لئے آسمانی ہدایت اور رہنمائی سے بے نیاز ہو کر انسان جو بھی نظام بناتا ہے اس میں علم نہیں ہوتا، صداقت نہیں ہوتی، عدل نہیں ہوتا۔مزدور یا کسان اگر قانون سازی کا موقع پائے گا تو کارخانہ دار یا زمیندار کے حقوق ملحوظ نہیں رکھ پائے گا بلکہ حقوق کا پلڑا اپنے طبقہ کی طرف جھکالے گا اور اگر سرمایہ دار اور زمیندار قانون سازی کرے گا تو حقوق کا بہاؤ اپنی طرف کرلے گا۔اسی لئے مختلف نظامہائے معیشت عدم توازن اور عدل کے فقدان کے باعث ظلم وعدوان کا دوسرا نام بن کر رہ گئے قرآن حکیم نے اسی لئے فرمایا{وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ }[المائدہ:45]۔ترجمہ:''اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں''

جو اقبال نے اسی معنی کو منظوم کرتے ہوئے کہا ہے۔

؎ عقل خود بیں غافل از بہبود غیر — سود خود بیند نہ بیند سودِ غیر

وحی حق بینندۂ سود ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ

عدل پر مبنی نظام وہی تشکیل دے سکتا ہے جو تمام فریقوں پر حاکم ہو اور ان سے بالاتر بھی۔اس کا مفادان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔اور یہ آسمانی وحی کے سوا کہیں نہیں ہوسکتا۔ظلم اور ظلمت کا ازالہ اسی نور سے ہوسکتا ہے جو انسانوں کو عدل کا راستہ دکھاتے ہوئے فرماتا ہے۔

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○}[النساء:135]

ترجمہ:’’اے ایمان والو!انصاف قائم کرنے والے اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بنو خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی فقیر ہے یا امیر تو اللہ انکا بہتر کارساز ہے لہٰذا تم اپنی خواہش کے پیچھے لگ کر عدل و انصاف نہ چھوڑو۔اگر پیچیدہ شہادت دو یا شہادت دینے سے گریز کروتو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے‘‘

7 دوام وشمول

اسلامی نظام معیشت ازلی بھی ہے اور ابدی بھی،وقتی یا موسمی نہیں اور نہ ہی ہر دم متغیر نظریات کی طرح تبدیلی اور ترامیم کا شکار ہوتا ہے۔اس لئے کہ یہ تجربات وحوادث کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا بلکہ علیم وخبیر، خلاق ارض وسماء عالم الغیب و الشہادہ کا نازل فرمودہ دین ہے جو انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے:

{فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ}[الروم:30]

ترجمہ:’’اللہ تعالیٰ کی پیدہ کردہ فطرت کو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے(اختیار کرو)،اللہ کی تخلیق کردہ فطرت میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا،یہی سیدھا دین ہے،لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے‘‘۔

اور یہ نظام تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے اس کے کسی طبقہ کے لئے نہیں،اس میں عرب وعجم کا امتیاز

ہے نہ آجر ومستاجر کا اور نہ زمیندار اور کاشتکار کا بلکہ سب یکساں طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر ونواہی کے مخاطب ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے:

{إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○}[النحل:90]

ترجمہ:اللہ عدل،احسان،اور رشتہ داروں کو(مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم یاد رکھو"۔

اور نبی کریم معلم بشریت مرشد انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يبيع المرء على بيع أخيه ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد" (1)

ترجمہ:کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور کوئی شہری کسی بدوی کے لئے سودا نہ کرے"۔

علاوہ ازیں قرآن وسنت کے الفاظ اور ان میں بیان کئے گئے اصول وضوابط میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ کوئی جز بھی اس سے باہر نہیں رہ جاتا یہی وجہ ہے کہ اختلاف رونما ہونے کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر کتاب وسنت میں ان اختلافات کا حل نہ ہو اور ان سے نکلنے کا راستہ نہ ہو تو یہ حکم عبث اور بے معنی ہو جاتا ہے۔واللہ ورسولہ بریئان منہ۔۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○}[النساء:59]

ترجمہ:اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے اولوالامر ہیں ان کی بھی اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرو یہ بات بہت اچھی ہے اور اس کا مآل

---

(1) البخاري: كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع اخيه، حديث نمبر: 214

بھی اچھا ہے۔

اس بارے میں دو امور ہمیشہ ملحوظ رہنے چاہئیں ان میں سے ایک تو فہم نصوص کا موہبہ الٰہیہ ہے جس کی طرف خلیفہ راشد رابع علی رضی اللہ عنہ نے "إلا فهم يوتيه الله عز و جل رجلا في كتاب الله "① فرما کر اشارہ کیا ان سے پوچھا گیا تھا کیا آپ لوگوں (اہل بیت) کے پاس کوئی خاص کتاب ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں سوائے اللہ کی کتاب کے یا پھر اس فہم کے جو اللہ تعالی کسی شخص کو قرآن کے متعلق عطا فرمائے۔۔۔

اور دوسرے نصوص قرآن حکیم اور سنت نبویہ کی معجزانہ بلاغت، شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بل الصواب الذى عليه جمهور أئمة المسلمين أن النصوص وافية بجمهور أحكام افعال العباد ـــــوان أنكر ذلك من أنكره لانه من يفهم معنى النصوص العامة التى هي أقوال الله و رسوله و شمولها لأحكام أفعال العباد وذلك أن الله بعث محمدا ﷺ بجوامع الكلم فيتكلم بالكلمة الجامعة التى هي قضية كلية و قاعدة عامة تتناول انواعاً كثيرة و تلك الانواع تتناول أعيانا لا تحصى "②

ترجمہ: ''درست بات وہ ہے جو جمہور ائمۃ المسلمین کا موقف ہے کہ نصوص (کتاب وسنت) انسانوں کے تمام افعال کے احکام کے لئے کافی ووافی ہیں۔ اس حقیقت کا انکار جس نے بھی کیا تو اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ عام نصوص یعنی اللہ تعالی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے معانی اور ان کے افعال العباد کے جملہ احکام پر مشتمل ہونے کے وصف کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اس لئے کہ اللہ تعالی نے سیدنا محمد ﷺ کو جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے چنانچہ وہ ایسا جامع لفظ بولتے

① البخاری: کتاب العلم، باب کتابة العلم: 111، مسند احمد: 79/1

② مجموع الفتاوی: 280/19

ہیں جو کلیہ اور قاعدہ عامہ ہوتا ہے اور جو بہت سی انواع کو شامل ہوتا ہے اور یہ انوع انگنت جزئیات کو حاوی ہوتی ہیں۔"

اس اصول کی وضاحت میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ متعدد مثالیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"و من هذا الباب لفظ الربا فانه يتناول كل ما نهي عنه من الربا النسأ و الفضل و القرض الذي يجر منفعة و غير ذلك"①

یعنی اس کی مثالوں میں ربا کا لفظ بھی ہے کہ ربا الفضل (اشیاء کی باہم کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت) ربا النسیئہ (مہلت کے عوض قرض کی رقم میں اضافہ کرنا) اور ہر ایسے قرض کو شامل ہے جس کے ساتھ فائدہ شرط ہو۔

⑧ مرونت وملائمت

غیر متبدل اصول و مبادی پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معیشت کی ایک خصوصیت اس کی مرونت اور ملائمت بھی ہے یہ ہر طرح کے حالات میں مسائل کے حل اور احوال کے ساتھ مناسبت کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اور جناب رسول کریم ﷺ نے جس قدر تاکید حلال کے اکتساب اور حرام سے اجتناب کی کی ہے اسی قدر از خود کسی چیز کو حرام قرار دینے سے گریز کی کی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○} [البقرة:172]

ترجمہ: اے ایمان والو جو پاکیزہ روزی ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اگر صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہو تو اس کا شکر بجالاؤ۔

نیز فرمایا: {يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○} [البقرة:168]

① أیضا ص 283

ترجمہ: ''لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

اسی طرح فرمایا:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○}

ترجمہ: ''اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو، کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہیں اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو''۔ [المائدۃ:87-88]

اور نبی مکرم رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الحلال ما احل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه" ①

ترجمہ: ''حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے سکوت اختیار تو وہ ہے جس سے عفو سے کام لیا''۔

اور معاملات میں اصل اباحت (جواز) ہے تا وقتیکہ اس معاملہ میں حرمت یا کراہت پر دلیل قائم ہو جائے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والأصل فی هذا أنه لا یحرم علی الناس من المعاملات التی یحتاجون الیها الا مادل الکتاب و السنة علی تحریمه کما لا یشرع لهم من العبادات التی یتقربون بها الی الله إلا مادل الکتاب و السنة علی شرعه إذا الدین ما شرعه الله و الحرام ما حرمه الله. ②

---

① الترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء، و ابن ماجة: کتاب الأطعمة و الحاکم عن سلمان

② الفتاوی الکبری: 386/28

''اس بارے میں اصل یہ ہے کہ انسانوں پر معاملات میں سے انہیں جس کی ضرورت رہتی ہے صرف وہی معاملات حرام ہوں گے جن کی حرمت پر کتاب وسنت میں سے دلیل قائم ہو جس طرح کہ عبادات جو ان کے لئے حصول تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں صرف وہ عبادات مشروع ہوں جن کی مشروعیت پر کتاب وسنت سے دلیل قائم ہو۔ اس لئے کہ دین وہ ہے جسے اللہ شریعت قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ حرام قرار دے''۔

تاہم یہ ایک نازک مقام ہے شریعت میں ملائمت اور مرونت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے موم کی ناک بنالیا جائے اور باب الحیل چوپٹ کھول دیا جائے ۔مولانا ومخدومنا عطاء اللہ الحنیف محدث بھوجیانی رحمہ اللہ کی ایک طویل عبارت بطور تبرک نقل کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اس سے بہتر اس مسئلہ کی وضاحت مشکل ہے۔اور یہ ''خیر الکلام ماقلَّ ودلَّ'' کی بہترین مثال ہے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''دراصل یہ مسئلہ بڑا ہی نازک ہے بلاشبہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے لیکن مفاد پرست سیاست باز اپنی ہر بے دینی، عیاشی اور اقتصادی بے راہ روی کے لئے اس کو استعمال بھی کرسکتے ہیں چنانچہ اسلامی ممالک کے الحاد پسند نہایت ہوشیاری سے ''صلاح وفلاح ملت'' اور ''روح اسلام'' کے لیبل لگا کر اسی اصول کی روشنی کی آڑ میں مفادی اور ظالمانہ سیاست کے لئے کھاد مہیا کررہے ہیں۔قاتلھم اللہ انی یوفکون!

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس نزاکت کو شدید طور پر محسوس فرمایا۔۔۔۔اور لکھا ہے

"هذا موضع مزلة الأقدام مضلة أفهام وهو مقام ضنك في معترك صعب فرط فيه طائفة فعطلوا الحدود و ضيعوا الحقوق و جرأوا أهل الفجور على الفساد۔۔۔۔۔۔وافرط فيه طائفة فسوغت منه ماينا قض حكم الله". (1)

ترجمہ:''یہ ایسا مقام ہے جہاں پاؤں پھسلتے ہیں اور عقلیں گمراہ ہوتی ہیں یہ تنگنائی اور انتہائی دشوار گذار کشمکش ہے کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لیا تو حدود کو معطل کرنے، حقوق کے ضیاع کا سبب بنے اور انہوں نے اہلِ فجور کی حوصلہ افزائی کی۔۔۔جبکہ ایک گروہ افراط کا شکار ہوا انہوں نے ایسا تشدد روا

(1) اعلام:4/309، وبدائع:3/153

رکھا جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مضمر حکمتوں کے منافی ہے، اظہر حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں کام صلاح سے قریب اور فساد سے دور ہے اگر چہ اس بارے میں رسول اللہ نے کوئی ہدایت نہیں دی ہے پر کہہ ومہ کا کام نہیں ہے اگر کوئی حکومت نیک نیتی سے عصر حاضر کے تقاضوں کو کتاب وسنت کی روشنی میں پورا کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہ کام ایک ایسی کمیٹی کو سپرد کرنا چاہیے جن کی نظر قرآن حکیم، حدیث نبوی، قضایا وفتاوی صحابہ، مسالک ائمہ مجتہدین اور فقہی مکاتب فکر پر وسیع اور گہری ہونے کے باوصف موجودہ ضروریات کو خوب سمجھتی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بزرگ تعلق باللہ اور تقویٰ وتدین کی صفات سے متصف ہوں۔

اور حق یہ ہے کہ یہ آخری وصف اسلامی نظامِ سیاست وعدالت میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ (1)

واقعیت وافادیت

اسلام کا نظام معیشت صرف نظریہ نہیں اور افلاطون کی طرح صرف خیال نہیں بلکہ قرونِ مفضلہ میں کامل طور پر اور اس کے بعد بیشتر طور پر نافذ العمل رہا اور یہی وہ زمانہ ہے جب انسان اسلام کے نظامِ عدل کے سایہ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تھا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق سوال کرتے کہ "هل عليه من دين "اگر اثبات میں جواب ملتا تو" هل ترك من وفاء " قرض کی ادائیگی کا کوئی سامان کیا۔ اگر اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی کا سامان ہوتا تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ کہتے: " صلوا على صاحبكم "۔تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ لو"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رزق امت کو وسیع کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کروا دیا

"من ترك مالا فلورثته، ومن ترك دينا او كلا فإلينا" (2)

''جو مال چھوڑ کر مرا تو اس کے وارثوں کے لئے ہے اور اگر کوئی قرض یا عیال چھوڑ کر مرا تو اس کے ذمہ

---

(1) تعلیق حیات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ: 408

(2) صحیح البخاری: باب الصلاۃ علی من ترك دينا 118/3

دار ہم ہیں۔"

امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی نظام معیشت کے فیوض وبرکات اس طرح عام ہوئے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کیلئے مقرر ہوئے وہاں انہوں نے نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "توخذ من أغنياءهم وترد علی فقراءهم" کہ "زکاۃ ان کے اصحاب ثروت سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاج افراد کی طرف لوٹا دی جائے گی" کی تعمیل کی۔ تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کے بعد بھی ایک تہائی مال بچ رہا وہ انہوں نے دربار امارت میں پیش کر دیا تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے وصول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "لم أبعثك جابياً ولا آخذاً جزية ولكن بعثتك لتأخذ من أغنياء الناس فترد على فقراءهم" میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے نہیں بھیجا تھا میں نے تمہیں اس کام پر مقرر کیا تھا کہ ان کے مالدار لوگوں سے وصول کرو اور ان کے محتاج اور فقیر لوگوں تک پہنچا دو، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ما بعثت اليك بشیء وأنا أجد أحداً يأخذه منی" میں نے یہ مال آپ کی طرف اس وقت بھیجا کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے والا نہیں ملا۔

اس سے اگلے سال سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے صدقات کی مد میں موصول ہونے والے مال کا نصف بیت المال کے لئے ارسال کر دیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کی اور سیدنا معاذ بن جبل نے وہی جواب دیا تیسرے سال یہ ہوا کہ سیدنا معاذ بن جبل کو یمن میں صدقہ دینے کیلئے کوئی نہ ملا اور انہوں نے تمام جمع شدہ مال دار الخلافہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھجوا دیا، خلیفہ ثانی عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لئے متعین نہیں کیا تھا اور سیدنا معاذ بن جبل نے وہی جواب دیا "ما وجدت أحداً يأخذ مني شيئا"(1)

گویا اسلامی نظام معیشت کی برکت سے غربت کی شرح تیزی سے کم ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی، یہی نقشہ بنوامیہ کے دورِ حکومت میں قائم رہا، چنانچہ جناب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے عراق میں اپنے والی "عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا کہ "أخرج للناس

(1) کتاب الاموال لابی عبید:596

أعطیاتھم، أخرج للناس أعطیاتھم "لوگوں کو ان کے مقررہ وظیفے پہنچاؤ۔ تو اس نے جواب میں لکھا سب کو ان کے مقررہ وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے تو خلیفہ نے اسے حکم دیا "أنظر کل من أدان فی غیر سفه ولا سرف فاقض عنه" جائزہ لو کہ جس شخص نے بھی حماقت پر قرض نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی بناء پر مقروض ہو گیا ہو اس کا قرض ادا کر دو۔

حاکم عراق عبدالحمید بن عبدالرحمن نے جواب دیا کہ اس طرح کے مقروضوں کا قرض بھی ادا کر دیا گیا ہے تاہم بیت المال میں زائد مال بدستور موجود ہے اس پر خلیفہ نے اسے لکھا "أنظر کلّ بکر لیس له مال فشاء أن تزوجه فزوجه وأصدق عنه" اچھی طرح دیکھو جو کوئی غیر شادی شدہ چاہتا ہو کہ تم اس کی شادی کرو تو اس کے نکاح کا اہتمام کرو اور اس کا حق مہر بیت المال سے ادا کرو، اس نے جواب دیا "أني قد زوجت من وجدت" اس طرح کا جو آدمی بھی مجھے ملا اس کا نکاح کر چکا ہوں۔ تو خلیفہ نے حکم دیا انظر من کانت علیه جزیة فضعف عن أرضه فاسلفه ما یقوی به علی عمل أرضه فانا لا نریدهم لعام ولا عامین "[1] "اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں رہا تو اس کو اتنا قرض دو جس سے وہ اپنی زمین سنوار سکے ہم ان سے ایک سال نہیں بلکہ دو سال تک کچھ تقاضا نہیں کریں گے"۔

جس طرح اللہ کے دین، اسلام کا محاسن اور خصائص کا استقصاء اور احاطہ حد بیان وتقریر سے باہر ہے اسی طرح اس شجرہ طیبہ کی ایک شاخ اس کے نظام معیشت کے امتیازات وخصوصیات شمار کرنا بھی انسانی طاقت سے افزوں تر ہے۔

ہم اس موقع پر لوگوں کی آزردگی اور مضمون کی طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالی ہمیں یہ بابرکت نظام اپنی زندگی میں وطن عزیز میں نافذ ہوتا اور اپنی برکات برساتا دکھائی دے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی نبینا محمد وآله وصحبه أجمعین

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید بن سلام: ص 251

دینِ اسلام میں خرید وفروخت کے رہنما اصول

حماد امین چاؤلہ [1]

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے، ہر وقت وزمانہ اور ہر مقام وجگہ میں، تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئے رہنما اصول کے طور پر نازل کیا گیا ہے۔ دینِ اسلام انسانوں کے لئے اس دنیا کے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس لئے وہی اللہ سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اُس کے بندوں کے لئے کب، کہاں اور کون سے اصول وضوابط اور کون سا دین سب سے بہتر ہے جسے اختیار کرکے وہ دنیا کے نظم کو اعتدال وانصاف کے ساتھ چلا سکیں اور

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ دعوت وتبلیغ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

اپنی آخرت سنوار سکیں، اسی لئے اُس نے جو دین اپنے بندوں کے لئے منتخب و پسند کیا ہے اس سے بہتر، اعلیٰ وافضل اور لائقِ عمل ونفاذ دین اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

دینِ اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے ،ایک قرآن مجیداور دوسری احادیثِ مبارکہ ۔اور تمام مذاہبِ عالم میں یہ صرف دینِ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اس کے تمام مسلّمہ اصول وضوابط قرآن مجید وحدیثِ رسول ﷺ سے مستنبط ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت اور ثابت شدہ ہر حدیثِ رسول ﷺ کا ثبوت صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہے،اور ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے، الغرض آج اس کرہِ ارض پر اگر کوئی ایسا سچا، آسان اور تحریف سے پاک دین ہے جسے اللہ تعالیٰ کا دین کہا جاسکے تو وہ صرف اور صرف دینِ اسلام ہی ہے۔

لہٰذا جب یہ بات مسلّم ہے کہ یہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے نظامِ حیات کے طور پر مقرر فرمایا ہے تو اُس کے بندوں کو چاہئے کہ وہ یہ تسلیم کریں کہ یہی وہ دین ہے جس کے اصول وضوابط ہر معاشرہ، ہر ملک وقوم اور افراد کے لئے ہر زمانہ میں قابلِ عمل ونفاذ ہیں، اور انہیں تسلیم کرنے ، اپنانے اور نافذ کرنے ہی میں بلاد وعباد کے لئے خیر وعافیت ہے اور انہیں ترک کرنے اور پسِ پشت ڈالنے میں، ملک وقوم اور افراد ومعاشرہ کی تباہی وبربادی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں تجارت کی فضیلت وآداب، خرید وفروخت کی وضاحت، اس کے ارکان اور دینِ اسلام میں خرید وفروخت سے متعلقہ بنیادی اصول وضوابط بیان کیے جائیں گے، یہ وہ اصول وضوابط ہیں جو تمام مالی معاملات، لین دین ،خرید وفروخت کے حوالہ سے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا جاننا ، سمجھنا اور تمام معاملات میں انہیں اپنے پیشِ نظر رکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے، رب تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

تجارت کی فضیلت

اہلِ علم کے ایک طبقہ کے مطابق کسبِ معیشت کے طور طریقوں میں سب سے افضل واشرف طریقہ تجارت (Trade) ہے بشرطیکہ تاجر ، دیندار اور صادق وامین ہو اور اپنی تجارت میں ہر اُس عمل سے اجتناب کرے جو کتاب وسنت کی مخالفت پر مبنی ہو، یا جو اُس کی تجارت کو شرعی حوالہ سے مشکوک بنائے اور

اس کے ساتھ ساتھ وہ تاجر تجارت سے متعلقہ شرعی آداب کا بھی خیال رکھے۔

دینِ اسلام میں جائز تجارت کو انتہائی باعزّت اور مبارک عمل قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر نبی ورسول علیہم السلام کا ذریعہ معاش اُن کے خود کے ہاتھ کی کمائی تھی۔ اولادِ آدم کے سردار، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ بھی تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے اور تجارت کی ترغیب بھی دیا کرتے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت تجارت ہی کیا کرتی تھی، قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جائز تجارت اور صادق وامین تاجر کی اہمیت وفضیلت کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر جائز تجارت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے منافع کو اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے جس سے اس عمل کی اہمیت وبرکت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ} [البقرة:198]

ترجمہ: ''تم پر کسی بھی قسم کا کوئی گناہ وحرج نہیں کہ تم اپنے ربّ کا فضل (رزق) تلاش کرو''

اسی طرح فرمایا:

{فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ} [الجمعة:10]

ترجمہ: ''پھر جب نماز مکمل ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو''۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جائز طریقہ سے کسبِ معاش بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کاروبار وتجارت میں اسلامی احکام، شرائط وضوابط کو مدّ نظر رکھا جائے تو یہ عمل بھی عبادت ہے اور اس کا دنیاوی ثمرہ، فوائد ومنافع کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

احادیث میں فضیلت

رسولِ اکرم ﷺ سے ایک سائل نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے پاکیزہ وبہترین

ذریعہ معاش کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’عملُ الرّجلِ بیدِہِ و کُلُّ بیعٍ مبرور‘‘[1] کہ (بہترین ذریعہ معاش) آدمی کے خود کے ہاتھ کی کمائی اور ہر وہ تجارت وکاروبار ہے جو شرعی لحاظ سے جائز ہو اور اس میں امانت وصداقت کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے۔ اس میں، جھوٹ، دھوکہ، خیانت، زیادتی اور حرام کا شائبہ تک نہ ہو۔

حدیثِ مذکور سے جائز تجارت کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے رسولِ اکرم ﷺ نے ایسی تجارت کو سب سے پاکیزہ وبہترین قرار دیا ہے۔

اسی طرح دیانت اور امانت دار سچے مسلم تاجر کی فضیلت اور بد دیانت وفاجر تاجر کی مذمّت کے حوالہ سے کچھ اہم احادیث آنے والی سطور میں ’’چھٹا ضابطہ‘‘ کے عنوان کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں۔

اصحابِ رسول ﷺ سیدنا ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: امانت دار، سچا مسلمان تاجر روزِ قیامت شہداء میں شمار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوگا اور اُسے جنّت میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔[2]

آدابِ تجارت

شریعتِ مُطہّرہ میں تجارت سے متعلّق کچھ اہم آداب سکھائے گئے ہیں جنہیں دوران تجارت وکاروبار ملحوظ رکھنا ہر تاجر کے لئے ضروری ہے جن میں سے چند اہم درجِ ذیل ہیں:

1 معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی وآسانی سے پیش آنا، اُنہیں سہولت ورعایت دینا اور بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرنا۔

اسے شرعی اصطلاح میں ’’سماحۃ‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی بلند اخلاق وکردار کا مظاہرہ کرنا، خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے معاملات کو نبھانا، سخاوت کو اختیار کرنا، مجبور وکمزور لوگوں پر نرمی، شفقت

---

[1] مسند احمد بن حنبل: حدیث نمبر: 16814

[2] جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار و تسمیۃ النبی ﷺ لھم۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب۔

واحسان کے ساتھ پیش آنا، تقاضاومطالبہ کرنے ودیگرامور میں اُن پر سختی وتنگی نہ کرناوغیرہ۔

یہ وہ بنیادی ہدایات ہیں جن پر ہر مسلمان کو زندگی کے ہر معاملہ میں عمل کرنا چاہئے، بالخصوص لین دین، خریدوفروخت اور کاروباروتجارت میں ان ہدایات کو ہمہ وقت اپنے مدِّنظر رکھنا چاہئے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''اللہ تعالیٰ اُس بندے پر اپنا رحم فرمائے جو جب بھی کچھ خریدتا یا بیچتا ہے تو سماحت، یعنی آسانی، نرمی ورعایت اور سخاوت کا معاملہ اختیار کرتا ہے اور جب بھی کسی سے اپنے حق کا مطالبہ وتقاضا کرتا ہے تو آسانی، نرمی ورعایت اور سخاوت کا معاملہ کرتا ہے''۔ ①

اور ایک دوسری روایت میں ''واذاقضی'' کے الفاظ بھی ملتے ہیں یعنی: جب کسی کے حق وقرض کی ادائیگی کا معاملہ ہو تو اُس میں ٹال مٹول اور بے جا تاخیر سے کام نہیں لیتا بلکہ سماحت سے کام لیتے ہوئے حقدار کو اُس کا حق واپس لوٹاتا ہے۔ ②

جامع ترمذی کی ایک دوسری روایت میں: ایسا کرنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب وپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ ③

اسی طرح مسند احمد کی ایک روایت میں اسی عمل کی بناء پر رسولِ اکرم ﷺ نے ایک شخص کے لئے مغفرت کی دعاء فرمائی۔ ④

❷ خریدوفروخت، کاروباروتجارت سے متعلقہ شرعی احکام کی معرفت رکھنا۔

شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بھی ریاست اس وقت تک فلاحی وترقی یافتہ نہیں بن سکتی جب تک اس ریاست کے کاروباری مراکز، بازاروں اور مارکیٹ میں معاملات کرنے والے کاروباری وتاجر حضرات مالی معاملات میں شرعی احکام یعنی جائز وناجائز، حلال وحرام اور مشتبہ امور سے واقف نہ

① صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع

② المتواري على أبواب البخاري لابن التين

③ جامع ترمذي حديث نمبر: 1888 علامہ البانی نے صحیح الجامع میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

④ مسند أحمد: حدیث نمبر: 4162. اس حدیث کو علامہ البانی نے ''صحیح الجامع'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

ہوں، کامیاب نظامِ معیشت کے قیام کے لئے یہ لازمی ہے کہ کاروبار و کاروباری مراکز سے متعلقہ تمام افراد شرعی اصول وضوابط کا بھرپور علم رکھیں اور عملاً اُن کی پیروی کریں، جائز و ناجائز پیشے، خرید وفروخت، کاروبار وتجارت میں حلال وحرام کی تمیز اور دورانِ تجارت صحیح اور غلط وغیرہ کا مکمل علم ہونا چاہیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "لا يبع في سوقنا الّا من تفقه في الدّين "۔ (1)

''ہمارے بازاروں میں صرف وہی خرید وفروخت کرے جسے دینی احکام کی سمجھ ہو''۔

اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات آپ کو ملیں گے کہ حکمرانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً باقاعدہ کاروباری مراکز کا جائزہ لیا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کو باہر کردیا جاتا تھا جو معاملات میں شرعی احکامات سے واقف نہ ہوں یا اپنی معیشت وکاروبار میں جائز و ناجائز، حلال وحرام کا خیال نہ رکھتے ہوں، جبکہ آج ہمارے نظامِ معیشت کی بربادی، غربت و افلاس کی بڑھتی ہوئی صورتحال، ظلم، زیادتی و ناانصافی اور پریشان حالی کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہی احکامِ شرعیہ سے جہالت یا جان بوجھ کر اُن سے صرفِ نظر کرنا اور حلال وحرام کی تمیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقط نفس کی ہوس کو مٹانا ہے۔ واللہ المستعان

(3) جائز و ناجائز کے درمیان مشتبہ امور ومشکوک معاملات سے اجتناب کرنا۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ: یقیناً حلال بھی واضح ہے اور یقیناً حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جنہیں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی، پس جو اُن مشکوک ومشتبہ امور سے دور رہا، اور اپنے آپ کو اُن سے بچالیا تو اُس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور محفوظ کرلیا اور جو ان شبہات میں مبتلا ہوگیا وہ حرام میں واقع ہوگیا۔۔۔۔۔ الخ (2)

کاروبار وتجارت میں کافی ایسے معاملات ہیں جن کا حلال وجائز ہونا شرعی لحاظ سے مشکوک ومشتبہ ہے جیسے:

❁ وہ کاروباری معاملات جو بنیادی طور پر تو جائز ہیں لیکن ان میں ناجائز وحرام امور بھی موجود ہیں۔

---

(1) شرح السنة: كتاب الحج باب الإتقاء عن الشبهات ص 1087 حديث: 2034

(2) صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشتبهات، صحيح مسلم: كتاب المساقاة باب أخذ الحلال

- یا ایسے شخص کے ساتھ کاروبار کرنا کہ جس کا زیادہ تر مال حرام ہو۔
- یا ایسے لوگوں واداروں کے ساتھ کام کرنا جن کے کام کا اکثر حصہ حرام معاملات پر مبنی ہو۔
- یا ایسے کاروباری مراکز میں کام کرنا کہ جن میں زیادہ تر ناجائز وحرام کام ہوتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سرسری سی چند اہم مثالیں ذکر کی گئی ہیں، البتہ اس مسئلہ میں شرعی ضابطہ یہی ہے کہ:
ہر وہ کام جس کا جائز وحلال ہونا شرعی اعتبار سے واضح نہ ہو بلکہ مشکوک ومشتبہ ہو تو اس سے اجتناب کرنے میں ہی عافیت ہے۔

4 **کاروبار وتجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے منافع سے صدقہ وخیرات کرنا۔**

صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک: واجبی صدقہ جسے زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرا: نفلی صدقہ۔ یہاں ہماری مراد دونوں اقسام ہیں کیونکہ واجبی صدقہ یعنی زکوۃ تو بہر صورت ادا کرنی ہی ہے، اور زکوٰۃ کا نصاب ومصارف متعین اور محدّد ہیں، جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ ثروت حضرات معاشرے کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی بہتری کے لئے واجبی صدقات سے بڑھ کر خدمت انجام دیں۔

صدقہ وخیرات کی اہمیت وفضیلت کو سمجھنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس کے ذریعہ مال ودولت کو پاک کیا جاتا ہے، صدقہ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اُس کی ناراضگی کو ختم کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے، اسی طرح صدقات کے ذریعہ معاشرے کے مستحق ونادار افراد کی کفالت ہوتی ہے جو مستحقین کے حق کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی خاصیت بھی ہے کہ جسے اگر صحیح طور پر امانت کے ساتھ ادا کیا جائے تو جہاں ایک طرف تو معاشرے میں موجود بڑھتی ہوئی غربت وافلاس پر قابو پایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف غربت وفقیری کے نتیجہ میں پیدا ہونے اور پھیلنے والے جرائم کو بھی کافی حد تک ختم کیا جاسکتا ہے۔

بیع کی تعریف

خرید وفروخت (Trade) کو عربی میں ’’بیع‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
قرآن کریم میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور کتبِ احادیث وفقہ میں بھی لین دین، خرید

وفروخت، تجارت وکاروبار سے متعلقہ احکامات عموماً ''کتاب البیوع ''ہی کے تحت بیان ہوئے ہیں۔

اصطلاح میں بیع سے مراد ہے:

قیمت کے عوض، باہمی رضامندی سے، بغرضِ ملکیت مال وسامان کا تبادلہ کرنا۔

بیع کے ارکان

'ارکان' رکن کی جمع ہے اور رکن اُسے کہتے ہیں کہ جس پر مطلوبہ چیز کا وجود وتصور موقوف ہو یعنی جس کی موجودگی کے بغیر عمل کی درستگی ممکن نہ ہو۔

جمہور اہلِ علم کے یہاں بیع کے تین بنیادی ارکان ہیں:

1. المعقود بہ (صیغۂ عقد: جس کے ذریعہ عقد طے کیا جائے)(Wording of the contract)

یعنی ایجاب وقبول یا اُن ہی کے مثل ایسے الفاظ جن کے ذریعہ سے عقد طے پائے۔

2. العاقد(Dealer) (عقد کرنے والے) جو کہ خریدار(Buyer) اور فروخت کنندہ (Seller) ہیں۔

3. المعقود علیہ (جس پر عقد طے کیا جائے) اس سے مراد: ''قیمت''(Value)اور''وہ چیز ہے جس کا سودا قیمتاً مقصود ہو(Valuable items)''۔

اب کوئی بھی بیع اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک اس میں یہ تینوں ارکان موجود نہ ہوں۔

البتہ''صیغہ عقد'' کے حوالہ سے یہ سمجھنا چاہیے کہ''کسی بھی معاملہ کے انعقاد کے لئے شارع نے کوئی خاص صیغہ(Word or Term) مقرر نہیں فرمایا بلکہ ہر وہ قول یا فعل جو عرفِ عام میں رائج ہو(بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو) جو معاملہ کے انعقاد پر دلالت کرے اس سے بیع مکمل ہوجاتی ہے۔ تاجر وکاروباری حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔

خرید و فروخت کے بنیادی اصول وضوابط

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے ذریعہ جس طرح عقائد، عبادات، معاشرت وسیاست وغیرہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے اسی طرح معاملات ومعیشت میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور ہمیں وہ بہترین اصول اور ضابطے دیے ہیں کہ اگر ہم اپنی معیشت کو ان اصول وضوابط پر استوار کریں تو ایک طرف ہماری معیشت ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی اور دوسری طرف معاشرے میں موجود معاشی بدحالی، غربت، ناانصافی، ظلم وزیادتی، عدمِ مساوات وغیرہ جیسے مسائل پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے، یہ اصول وضوابط اہلِ علم نے قرآن وسنت سے اخذ کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا ضابطہ: مالی معاملات (لین دین، خرید وفروخت) میں مستقل قاعدہ یہ ہے کہ

ہر چیز حلال ہے سوائے اس کے جس کا حرام ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہو۔

اس ضابطہ کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً تمام لین دین کے معاملات جائز وحلال ہیں، جب تک کہ ان میں کوئی ایسا شرعی سبب موجود نہ ہو جس کی وجہ سے وہ حرام قرار پائیں، اور جو شخص کسی بھی لین دین کے معاملہ کو شرعاً حرام قرار دے گا اس پر واجب ہے کہ وہ اُس کی حرمت کی دلیل وعلّت بیان کرے۔

مثال کے طور پر ایک مسلمان کسی چیز کو بیچنا چاہتا ہے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ یہ حرام ہے، تو ایسی صورت میں حلال کہنے والے سے دلیل طلب نہیں کی جائیگی بلکہ جس نے اُسے حرام قرار دیا اُس سے حرمت کی دلیل طلب کی جائیگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور اہلِ علم رحمہم اللہ کے یہاں مالی معاملات میں یہ ایک مستقل ومعتبر ضابطہ ہے، بلکہ اہلِ علم نے تو اس پر اجماع بھی بیان کیا ہے جیسے امام ابنِ قدامہ، امام ابنِ رجب، شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ، امام نووی اور امام غزالی وغیرہم رحمہم اللہ، اور علمائے اصول کے یہاں تو یہ اجماعِ قطعی کی ایک

اہم مثال ہے جس پر کسی قسم کا کوئی تردّد نہیں ہے۔

اس ضابطہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} [البقرة:275] ترجمہ: ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیع یعنی لین دین، خرید وفروخت، کاروبار وتجارت وغیرہ کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے اور سود کو مطلقاً حرام۔

اب اس بیع کا تعلق زمین اور اس کے متعلقات اناج وغیرہ سے ہو، حیوانات وغیرہ سے ہو یا دیگر ساز وسامان سے، سب کی بیع حلال ہے جب تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا شرعی سبب نہ پایا جائے جو انہیں حرام کردے جیسے سود اور دیگر بیوعِ محرّمہ۔

اور سورۃ المائدۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ} [المائدة:1] ترجمہ: ''اے ایمان والو! عہد وپیمان پورے کرو''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ہر مالی معاملہ وعقد کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ معاملہ اور اس کی صورت رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں موجود ہو یا نہ ہو جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مالی معاملہ وعقد شرعاً جائز وحلال ہے سوائے اس کے جسے باقاعدہ حرام قرار دیا گیا ہو۔

ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ } [النساء:29]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو''

اس آیت میں رب العالمین نے جائز تجارت کے ذریعہ منافع خوری کو باہمی رضامندی کی شرط کے ساتھ حلال وجائز قرار دیا ہے جس کا معنی ہے کہ ہر جائز تجارت کا منافع باہمی حقیقی رضامندی سے جائز ہے سوائے اس منافع کے جسے حرام قرار دیا گیا ہو جیسے وہ منافع جو ظلم وزیادتی، ناانصافی یا حرام کام پر مبنی ہوں،

اسی طرح منافع کی دیگر وہ صورتیں جن کی حرمت بیان کردی گئی ہو۔

دوسرا ضابطہ: مالی معاملات میں ہر قسم کی شرط جائز ہے سوائے اس شرط (Condition) کے جس کا حرام ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہو

اس ضابطہ کا معنی یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی طرف سے بھی کسی بھی قسم کی شرط لگانا عموماً جائز وحلال ہے، خواہ اس شرط کا تعلق اس عقد کے انعقاد (Execution) سے ہو یا اس کی مصلحت (Advantage) سے اور وہ شرط عقد سے متعلقہ کسی وصف (Quality) کے ساتھ ہو یا عقد کے منافع (Profit) کے ساتھ، ہر قسم کی شرط جائز ہے جب تک کہ کوئی ایسی شرعی دلیل و سبب نہ پایا جائے جو اس شرط کو حرام قرار دے۔

اس ضابطہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

اس ضابطہ کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ہے کہ:

"المسلمون علیٰ شروطھم الّا شرطاً أحلّ حراماً أو حرّم حلالاً".①

ترجمہ: ''مسلمان آپس میں طے شدہ شروط پر عمل کرنے کے پابند ہیں، سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے''۔

رسول اکرم ﷺ کا مذکورہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات میں ہر قسم کی شرط جائز ہے سوائے ان شرائط کے جو شرعی دلائل کی رو سے ناجائز وحرام ہوں۔

تیسرا ضابطہ: ہر قسم کا ظلم حرام ہے لہٰذا تمام معاملات ہر طرح کے ظلم سے پاک ہونے چاہئیں

ظلم سے مراد:

شریعت میں جن امور کے کرنے کا انسان سے مطالبہ کیا گیا ہے ان سے غفلت برتنا اور انہیں ترک کرنا اور جن امور سے انسان کو اجتناب کرنے اور دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا ارتکاب کرنا شرعی اصطلاح میں

① جامع ترمذی: باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر: 1352، امام البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو داود: حدیث نمبر 3594، ابن ماجہ: حدیث نمبر: 2353

''ظلم'' کہلاتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں ظلم کی تمام صورتوں کی سخت حرمت و مذمت بیان کی گئی ہے، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، حاکم کی طرف سے ہو یا محکوم کی، سب سے بڑا ظلم ہو جو کہ شرک ہے یا کوئی ادنیٰ، اسی طرح ظالم کا ساتھ دینا یا اُس کی حمایت کرنا بھی خود ظلم کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا ظالم کو اُس کے ظلم سے حسبِ استطاعت روکنا اور مظلوم کی حمایت و دلجوئی کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے {لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ} [البقرة:279]

ترجمہ: ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں نے اپنے آپ پر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم آپس میں ظلم نہ کرو''۔ (1)

اور سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ''کسی کو نہ ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی بدلے میں''۔ (2)

چوتھا ضابطہ: ہر معاملہ، مقصودہ چیز میں غرر (کسی بھی قسم کے دھوکہ Tricked and uncertainty) اور جہالت (لاعلمی Obscurity) سے پاک ہو

عربی لغت میں غرر سے مراد: دھوکہ وخطر ہے،

اصطلاح میں غرر سے مراد:

ہر وہ چیز ہے کہ جس کا ذریعہ حصول یا حقیقت یا مقدار (Quantity) مجہول ہو، جس کی وجہ سے اس میں دھوکہ کا عنصر پیدا ہو جائے۔

اس ضابطہ سے مراد یہ ہے کہ:

ہر وہ معاملہ جس میں بیچی یا خریدی جانے والی چیز کا ذریعہ حصول معلوم نہ ہو یا اس کی حقیقت یا مقدار

(1) صحیح مسلم: باب تحریم الظلم

(2) سنن ابن ماجه: كتاب الأحكام باب من بنى في حقه مايضر بجاره. (یہ حدیث حسن لغیرہ ہے)

معلوم نہ ہو یااس میں کوئی ایسی جہالت (لاعلمی) موجود ہو جو اس میں دھوکہ کا پیدا کردے تو اسے بیچنے یا خریدنے میں غرر (دھوکہ) کا عنصر موجود رہتا ہے، بشرطیکہ وہ غرر (دھوکہ) مؤثّر (اثرانداز ہونے والا) ہو، لہٰذا ایسا معاملہ کرنا جس میں مؤثّر غرر ہو شرعاً حرام ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ غرر کے ساتھ ہم نے مقصودہ چیز کی قید لگائی ہے جس سے مراد: ہر وہ چیز ہے جس کا بیچنا یا خریدنا مقصود ہو، اگر غرر و جہالت مقصودہ بیع میں نہیں بلکہ اس چیز میں ہے جو ضمناً اس میں شامل ہو تو اس میں غرر مؤثّر (اثرانداز) نہیں ہوگا۔

پانچواں ضابطہ: معاملہ ہر قسم کے سود (Interest) سے پاک ہو

وہ معاشرہ جو اپنی معیشت کو عدل وانصاف کے تقاضوں پر استوار کرنا چاہتا ہو اُس کے لئے سود ایک زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، وہ سود (Interest) خواہ تجارتی قرضوں (Commercial loans) پر لیا جائے یا غیر تجارتی (Non Commercial loans) اور چونکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں معیشت کی بنیاد سود پر قائم ہے لہٰذا اسلامی نظامِ معیشت جس طرح کے عادلانہ، منصفانہ اور ترقی یافتہ معاشرہ کی ضمانت دیتا ہے وہ کم از کم سود کی موجودگی میں تو ہرگز ممکن نہیں ہے، کیونکہ سود جہاں ایک طرف معاشرے میں، ظلم، زیادتی، ناانصافی اور فتنہ وفساد کا بنیادی سبب ہے کہ جس کے ذریعہ ضرورت مند اور کمزور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہاں دوسری طرف شریعتِ اسلامیہ سے کھلی بغاوت اور اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ بھی ہے کہ جس کے بعد سود میں لت پت معاشرہ کیسے یہ امید رکھتا ہے کہ اس میں عدل وانصاف قائم ہو اور ترقی پروان چڑھے؟

{يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○} [البقرة:279،278]

ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے

ہو۔اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے (جنگ) کے لئے تیار ہوجاؤ ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں سود کو حرام اور اُس سے متعلقہ ہر شخص کو ملعون کہا گیا[1] اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان جنگ کے ساتھ ساتھ اس (سود) کے ادنیٰ درجہ کے گناہ کو بھی ماں کے ساتھ اعلانیہ نکاح کے مترادف قرار دیا گیا[2]، جس سے سود کی لعنت، نحوست اور بربادی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چھٹا ضابطہ: معاملہ میں کسی بھی قسم کا "جُوا" (Gambling) شامل نہ ہو

جوئے کو عربی میں ''اَلْمَیْسِر'' کہا جاتا ہے، جس کے لغتِ عرب میں کئی اطلاقات ہیں، جن میں سے ایک ہے ''آسانی''، اور اگر یہ یَسار سے ماخوذ ہو تو معنی ہوگا: غنی یعنی مالدار۔

اصطلاح میں ''اَلْمَیْسِر'' سے مراد:

ہر وہ معاملہ جس کے کرنے سے انسان کو کثیر مال و دولت مفت میں یا آسانی سے حاصل ہوجائے، یا پھر اس کے ہاتھ سے آسانی سے نکل جائے یعنی یا تو اُس معاملہ میں اُسے بڑا فائدہ ہوجائے یا بڑا نقصان۔ اسی کو عرفِ عام میں ''جُوا'' اور ''قمار بازی'' کہا جاتا ہے۔

معاشرہ میں پایا جانے والا جوئے کا قدیم، ظاہری و معروف مفہوم تو شرعاً و قانوناً حرام سمجھا جاتا ہے لیکن دورِ حاضر میں جوئے ہی کی بہت سی اقسام ایسی بھی ہیں جنہیں یا تو حرام سمجھا نہیں جاتا یا پھر ان کی حرمت سے لوگ واقف نہیں۔ بلکہ جوئے کی بعض صورتیں تو ایسی ہیں جن کو حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے، حالانکہ ایسی تمام نئی شکلیں بھی حرام ہی ہیں البتہ بہت کم ایسے معاملات ہیں جن کے جائز یا ناجائز ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ان قلیل معاملات کے علاوہ عموماً جوئے کی رائج شکلیں شرعاً حرام ہی ہیں جیسے:

لاٹری (Lottery)، انعامی بانڈز (Prize bonds)، حکومت جو بانڈز جاری کرتی ہے، اسی

---

[1] صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا وموكله

[2] سنن ابن ماجة: كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا

طرح مزعومہ اسلامک بینکنگ میں جو "صکوک " جاری کئے جاتے ہیں،اسی طرح بیمہ (Insurance) کی بعض صورتیں ،نیز Race course، اور شطرنج (Chess) ،کار ریسنگ ، کرکٹ یا کسی بھی کھیل میں کھیلا جانے والا جوا،وغیرہ سب شامل ہیں۔

جوا بشمول اپنی تمام صورتوں کے علی الاطلاق حرام ہے۔

اگر چہ وہ جُواخانے (Casinos) وغیرہ میں کھیلے جانے والے مختلف گیمز ہوں جیسے:

Table games: Black Jack, Baccarat, Poker etc.

Lottery type games: Slots, Keno, Wheel of fortune etc.

یا کسی گلی،کوچے یا گھر میں جوئے کے طور پر کھیلا جانے والا کوئی بھی کھیل،خواہ وہ لڈو، تاش (Card Game)، شطرنج (Carron game) وغیرہ ہوں یا کوئی دوسرا کھیل۔

اسی طرح ضروری نہیں کہ صرف اُسی کو جُوا سمجھا جائے جس میں قیمت بہت زیادہ لگائی گئی ہو بلکہ اگر ایک روپیہ بھی کوئی جوئے کے طور پر لگاتا ہے، وہ جوئے کے گناہ میں شامل ہوجاتا ہے۔أعاذنا اللہ منہ

تمام معتبر اہلِ علم جوئے کے حرام ہونے پر متفق ہیں،جس کی بنیادی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝} [المائدۃ:90]

ترجمہ:"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں،شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو"۔

جوا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کی حرمت کی حکمت بھی بیان فرمائی:

{اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝} [المائدۃ:91]

ترجمہ:" شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کہ ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تمہیں باز رکھے۔سو اب بھی باز آجاؤ"۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جوئے کے مفاسد ونقصانات، سود کے مفاسد ونقصانات سے بھی بڑھ کر ہیں، کیونکہ جوئے میں دو سنگین خرابیاں پائی جاتی ہیں

❶ (جوئے کے ذریعہ) حرام مال کھانے کی خرابی، ❷ بے مقصد وحرام کام میں مشغولیت کی خرابی، جوانسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز سے روکے اور آپس کی بغض وعداوت، نفرت ودشمنی پیدا کرے، اسی لئے جوئے کو حرام کیا گیا (کیونکہ اس میں معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہے)۔ انتہیٰ

اور مشاہدہ سے یہ بات مسلم ہے کہ جوا چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے، ایک طرف تو یہ فقیری، قلاشی، محتاجگی کا سبب ہے اور دوسری طرف وہ فتنہ، فساد، نفرت ودشمنی بھی پیدا کرتا ہے، اسی لئے دینِ اسلام میں ہر قسم کے جوئے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

ساتواں ضابطہ: ہر معاملہ میں صداقت وامانت کو ملحوظ رکھا جائے

دینِ اسلام ہر معاملہ، خرید وفروخت، تجارت وکاروبار میں سچائی اور امانت داری کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں تمام معاملات میں ہر قسم کی دھوکہ بازی اور دھاندلی (Fraud) کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والے کو انتہائی سخت وعید سنائی گئی ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اے تاجروں کی جماعت! اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو غور سے سنو اور قبول کرو۔ لوگوں نے اپنی گردنوں اور نگاہوں کو اوپر اٹھایا (یعنی لوگ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوگئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً تاجر روزِ آخرت اللہ کے سامنے فاجروں (گناہ گاروں اور فاسقوں) کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے سوائے اُن (تاجروں) کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور نیکی کریں اور سچائی کو اپنائیں''۔

اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

’’تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نہ تو کلام فرمائے گا اور نہ اُن کی طرف نظرِ (رحمت) فرمائے گا اور نہ ہی اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے یہی دہرایا، ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ لوگ ہلاک و برباد ہوجائیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے، اور احسان جتلانے والے، اور اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ بیچنے والے‘‘۔

اہلِ علم نے اس کا ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ:

’’ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے (مسلم) بھائی کے لئے پسند کرے، کیونکہ اگر اس کے ساتھ کوئی غلط معاملہ کیا جائے گا تو اسے بھی ناپسند ہوگا، اس پر ناگوار گزرے گا اور اس کے لئے پریشانی اور تکلیف کا سبب ہوگا، یہی احساس وہ اپنے دوسرے (مسلم) بھائی کے لئے بھی محسوس کرے اور کسی کے ساتھ کوئی غلط معاملہ نہ کرے‘‘۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

’’تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے‘‘۔ [1]

آٹھواں ضابطہ: معاملات میں ’’سد الذرائع‘‘ کا خیال رکھنا

سدّ الذّرائع سے مراد:

’’سدّ الذرائع‘‘ سے مراد اُن اسباب و وسائل کا انسداد (روکنا) ہے جو ظاہراً و اصلاً تو جائز و حلال ہوں مگر امورِ نافرمانی، مفاسد و نقصان کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنیں۔

سادہ سے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ:

وہ افعال و اعمال جو شرعاً حلال و جائز ہوں لیکن اگر وہ کسی ناجائز و حرام اور برائی کی طرف لے جانے کا

[1] صحيح بخاري: كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه

اہم ذریعہ بن جائیں تو معصیت وفساد کے انسداد کے باعث انہیں بھی شریعت ناجائز وحرام قرار دیتی ہے۔

جیسے: قبرستان میں نماز ادا کرنا، مساجد میں قبریں بنانا، قبرستان میں مساجد بنانا وغیرہ، اب بالترتیب نماز ادا کرنا، تدفین وقبریں بنانا اور مساجد کی تعمیر، یہ سب اعمال شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب و واجب بھی ہیں لیکن مذکورہ مقامات پر شریعت نے ان اعمال کے ارتکاب سے منع کیا ہے اور انہیں حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ سب شرک کی طرف لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، جیسے قبرستان میں اللہ کے نیک بندے، اولیاء وصالحین بھی مدفون ہوتے ہیں اور دورانِ نماز، قیام، رکوع وسجود میں اُن کی محبّت، تعظیم و احترام کا خیال قبرستان میں پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے جو کہ شرک کا وسیلہ بن سکتا ہے، اسی طرح مساجد میں تدفین وقبور اور قبرستان میں مساجد بنانے سے منع کرنے میں بھی یہی شرعی علت ومصلحت ہے۔ سابقہ اقوام بالخصوص یہود ونصاریٰ بھی اسی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوئے تھے جس کی وجہ سے رسولِ اکرم ﷺ نے جہاں ایک طرف اُن (یہود ونصاریٰ) پر لعنت فرمائی جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنالیا''۔① وہاں دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو خبردار فرماتے ہوئے قبروں سے متعلق انتہائی سخت احکامات دئے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! تم سے پہلے والوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنایا تھا، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں''۔② اور فرمایا: ''میری قبر کو عید نہ بنانا''۔③

حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنی قبر مبارک پر کسی بھی طرح کی عمارت بنانے سے بھی مطلقاً منع فرمایا تھا۔④ بلکہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی: ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی

---

① صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور

② صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن بناء المساجد

③ سنن ابی داود: کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، حدیث نمبر 2042

④ مسند احمد: تتمۃ مسند الکوفیین، حدیث نمبر 19052

جائے''۔① اسی طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں فوت ہونے والے آپ کے عزیز و جاں نثار صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم، جن میں سرِ فہرست آپ کی زندگی میں فوت ہونے والی زوجات، جو کہ مؤمنوں کی مائیں بھی ہیں، آپ کے تینوں صاحبزادے، آپ کی چار بیٹیوں میں سے تین صاحبزادیاں، آپ کے عزیز چچا سیّد الشہداء سیدنا حمزہ، اصحابِ بدر و اُحد، اہلِ بیعتِ رضوان اور دیگر غزوات میں شہید ہونے والے شہداء وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فوت ہوئے لیکن اُن میں سے کسی کی تدفین بھی آپ ﷺ نے مسجد میں نہیں فرمائی جبکہ پوری دنیا میں، سب سے افضل و اشرف مساجد، حرمین شریفین میں مسجدِ حرام مکۃ المکرّمہ اور مسجد نبوی شریف ہیں۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہستیوں کی تدفین دنیا کی سب سے اشرف مساجد میں اشرف المخلوقات رسولِ اکرم ﷺ نے نہیں فرمائی تو رسولِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر کون ہے جو کسی بھی ہستی کی مسجد میں تدفین کا جواز دے؟ انبیاء کے بعد صحابہ سے بڑھ کر دنیا کی کون سی ایسی ہستی ہے جو مسجد میں دفن کیے جانے کی مستحق ہو؟ اور دنیا کی کون سی ایسی مسجد ہے جو حرمین کی مساجد سے افضل ہو؟

غور کیجیے کہ آج اُمتِ مسلمہ اس حوالہ سے کہاں کھڑی ہے کہ:

رسولِ اکرم ﷺ تو یہود و نصاریٰ کو اس وجہ سے ملعون قرار دیں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا اور خود رسولِ اکرم ﷺ کی امّت غیر نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کو جائز قرار دے!

مالی معاملات میں سدّ الذرائع کی ایک اہم مثال:

مالی معاملات میں سدّ الذرائع کی ایک مثال ''بیع العینہ'' کی ہے۔

''بیع العینہ'' کی تعریف:

بیع العِینَہ: یہ ہے کہ ایک چیز اُدھار، زائد قیمت پر بیچی جائے اور پھر وہی چیز نقداً، کم قیمت پر، واپس خرید لی جائے۔

---

① مؤطا امام مالک: کتاب قصر الصلاۃ، باب جامع الصلاۃ (یہ حدیث حسن لغیرہ ہے)

مثلاً: ایک شخص کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے جو وہ کسی سے ادھار طلب کرتا ہے، ادھار دینے والا اُسے پیسے دینے کے بجائے اُس سے ایک سودا کرتا ہے کہ:

ضرورت مند اُس سے اس کا مال مثلاً کپڑا ایک لاکھ دس ہزار میں ادھار پر خرید لے، اور پھر وہ (مالک) ایک لاکھ دس ہزار کا مال نقداً اُس (ضرورت مند) سے ایک لاکھ میں واپس خرید لے گا۔ اس طرح ضرورت مند کو ایک لاکھ مل جائیں گے اور مالک کو دس ہزار اضافی۔ (جو کہ ضرورت مند مقروض نے اسے بعد میں ادا کرنے ہیں)

شریعتِ مطہّرہ نے اس قسم کے معاملہ سے اس لیے منع فرمادیا کیونکہ یہ سود کے دروازے کھولتا ہے، غور کیجیے کہ فروخت کنندہ نے بظاہراً تو مال کا سودا کیا ہے لیکن درحقیقت ایک لاکھ دیکر، ایک لاکھ دس ہزار یعنی پیسے کے بدلے پیسہ واپس لیے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ صورت میں اگر یہ سودا پہلے سے طے شدہ نہ ہو یا مالک، ضرورت مند سے اُسی قیمت (یعنی ایک لاکھ کے بدلے ایک لاکھ) میں یا کم کے بجائے اضافی قیمت (یعنی ایک لاکھ کے بدلے میں ایک لاکھ دس ہزار) میں واپس خریدتا ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعتِ مطہّرہ میں بے شمار مسائل میں اس اصول ''سدّ الذرائع'' کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہمارے لئے عقائد عبادات ومعاملات وغیرہ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور خلافِ شرع امور سے بچنے کا بنیادی ذریعہ ہے جسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ہی خیر وعافیت ہے۔

قاعدہ سدالذرائع کے چند اہم دلائل

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

{وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ} [الأنعام:108]

ترجمہ: ''(اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالی نہ دو۔ ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ کو گالی دیں گے''۔

کافروں کی عبادت اور اُن کا غیر اللہ کو معبود بنانا باطل ومنکر عمل ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

کافروں کے معبودانِ باطلہ کو گالی دینے، اُن پر سب کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ایسا کرنا جواباً معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ پر سب وشتم کا ذریعہ نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ} [البقرة:104]

ترجمہ:''اے ایمان والوتم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو) راعنا نہ کہا کرو، بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

آیتِ مذکورہ میں نبی مکرم ﷺ کو''راعِنا'' کہہ کر مخاطب کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ''راعِنا'' کا معنی فی ذاتہ غلط نہیں ہے، (راعِنا کا معنی ہے کہ: ہماری طرف متوجہ ہوئیے) لیکن چونکہ یہودی جب اللہ کے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کرتے تو اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کر کے''راعِینا'' (''یا'' کے اضافہ) کے ساتھ مخاطب کرتے جس کا معنی ہے: ہمارے چرواھے۔ اور اس طرح بول کر وہ اپنے زعم میں نبی مکرم ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے والعیاذ باللہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کی شان میں ایسے لفظ استعمال کرنے سے ہی روک دیا جو آپ ﷺ کی اہانت و گستاخی کا سبب بنیں، اگرچہ وہ لفظ فی نفسہ ٹھیک ہی کیوں نہ ہو۔

اس مسئلہ میں اہلِ علم ایک اہم مثال ذکر کرتے ہیں کہ:

رسولِ اکرم ﷺ نے منافقین کو محض اس لئے قتل نہیں کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اور نئے اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان شبہات و غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں، یعنی منافقین کا قتل کہیں سیدنا محمد ﷺ پر طعن و تشنیع اور مسلمانوں کے شبہات میں مبتلا ہونے اور اُن کے باہمی اختلاف وانتشار کا سبب نہ بنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ نہ ہوجائے اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔

سدّ الذرائع کی اقسام

شریعتِ مُطہّرہ میں سدّ الذرائع کو سمجھنے کے لئے اس کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے، امام قرّافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسے اسباب ووسائل جو حرام وفساد کی طرف لے جانے کا سبب بنیں، وہ تین طرح کے ہیں:

1. ناجائز: وہ اسباب جن کا استعمال ناجائز ہے اور اُن سے اجتناب کیے جانے، دور رہنے پر اُمت کا اجماع ہے۔

اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ: ایسے وسائل وذرائع جن کے بارے میں یقینی وقطعی طور پر یہ معلوم ہو کہ وہ فساد کا ذریعہ بنیں گے۔

جیسے مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھودنا، یا پیڑ لگانا یا کچھ تعمیر کرنا یا کوئی بھی ایسا کام کرنا جو جائز اور بظاہر فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو لیکن مسلمانوں کے لئے تکلیف، مشقت اور مصیبت کا ذریعہ بنے۔

2. جائز: وہ اسباب جن کا استعمال بالاجماع جائز ہے اور اُن سے نہ ہی روکا جائیگا اور نہ ہی ان سے دور رہنے کا کہا جائے گا۔

اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ: وہ ایسے وسائل وذرائع ہوں کہ جو بہت شاذ ونادر ہی فساد کا ذریعہ بنیں۔

جیسے لوگوں کا ایک دوسرے کے برابر میں گھر بنانا، ایک دوسرے کے پڑوس میں رہنا، اگرچہ کبھی یہ باہمی نفرت وعناد کا یا بدکاری، چوری وغیرہ کا سبب بھی بن سکتا ہے لیکن ایسا ہونا بہت ہی شاذ ونادر ہے لہٰذا شرعاً اس سے روکا نہیں جائے گا۔

3. اختلافی: تیسری قسم ان اسباب کی ہے کہ جن سے روکنے اور اجتناب کرنے یا نہ کرنے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔

اور اس سے مراد وہ اسباب وذرائع ہیں جو فساد کا ذریعہ تو بنتے ہوں لیکن نسبتاً اغلبیت (اکثریت) کی بنا پر نہیں۔

اور اس قسم میں اختلاف صرف انہی امور میں ہے جن کی ممانعت یا تحریم کتاب وسنت میں صراحتاً نہیں ہے، کیونکہ جن امور کی حرمت کتاب وسنت میں موجود ہے اُن کی حرمت کے اعتبار کرنے میں کوئی

اختلاف نہیں جیسے مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو اس وجہ سے برا نہ کہنا کہ کہیں وہ جواباً اللہ تعالیٰ پر معاذ اللہ سب وشتم نہ کردیں، اسی طرح سورج طلوع وغروب ہوتے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت وغیرہ۔

اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ جس کا ''ذریعہ فساد'' ہونا اہلِ علم ومجتہد کے حکم سے ثابت ہو، نہ کہ کتاب وسنت سے، اوراس ذریعہ کا ذریعہ فساد ہونا قطعی طور پر بھی نہ ہو اور نہ ہی اغلبیت کے طور پر، تو کیا ایسے ذریعہ ووسیلہ کو حکماً بند کیا جائے گا، روکا جائیگا یا نہیں؟

واللہ اعلم شرعی علتوں وحکمتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جن اہلِ علم نے انہیں سدّ الذرائع میں شامل کیا ہے یعنی ایسے ذرائع ووسائل کو روکنے اوران کے ارتکاب سے منع کرنے کو راجح قرار دیا ہے، اُن کا قول ہی اس مسئلہ میں زیادہ صحیح اور احتیاط کے قریب ہے جیسا کہ امام ابنِ قیّم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''اعلام المؤقعین'' میں ۹۹ ننانوے دلائل ذکر کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اسباب، وسائل و ذرائع جو حرام کام اور فساد کی طرف لے جانے کا بنیادی ذریعہ بنیں، ہر حال میں اُن کا سدِّ باب کیا جائیگا اوران کے استعمال سے روکا جائیگا خواہ اُن وسائل کو استعمال کرنے والا اُن کے ذریعہ فساد میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔

قاعدہ سدّ الذرائع کے اعتبار کی شرائط

قاعدہ سدّ الذرائع کا اعتبار دو اہم شرطوں پر موقوف ہے:

1. جس جائز عمل کا ذریعہ فساد بننے کے باعث انسداد مقصود ہو وہ غالب اوقات میں فساد کا ذریعہ بنے، نا کہ کبھی کبھار یا نادر اوقات میں۔

اوراگر وہ نادر اوقات میں ذریعہ فساد بنے تو اُس ذریعہ (عمل) سے روکا نہیں جائے گا۔

2. اُس جائز عمل سے (ذریعہ فساد بننے کے باعث) مرتب ہونے والے مفاسد (نقصانات) اُس کے مصالح (فوائد) کے مساوی (برابر) ہوں یا اُس سے زیادہ ہوں۔

اوراگر اُس کے مفاسد اُس کے مصالح سے کم ہوں تو اُس ذریعہ (عمل) سے روکا نہیں جائے گا۔

اصول تجارت

اسلام میں خرید وفروخت کی بنیادی شرائط

حماد امین چاؤلہ (1)

شرط کی لغوی واصطلاحی تعریف

لغوی تعریف:

شرط: (''را'' پر جزم وسکون کے ساتھ) کا لغوی معنی ہے: کسی بھی چیز کو لازم پکڑ لینا، اس سے چمٹ جانا۔

اصطلاحی تعریف:

فقہاء وعلماء اصول کے مطابق شرط کی تعریف یہ ہے کہ:

''جس کے فقدان سے کسی چیز کا نہ ہونا لازم ہو اور اس کے وجود سے ہونا یا نہ ہونا لازم نہ آئے''۔ (2)

---

(1) فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ دعوت وتبلیغ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

(2) فقہ الحدیث، باب شروط الصلاۃ 343/1

آسان الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ: کوئی بھی عمل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی مطلوبہ شرط مکمل نہ ہو، اگر شرط مکمل نہیں ہوئی تو عمل بھی درست نہ ہوگا۔

لہٰذا خرید وفروخت کی شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں کہ جنہیں شریعتِ مطہرہ نے کسی بھی معاہدہ بیع کی درستگی کے لئے لازمی قرار دیا ہے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو وہ بیع شرعی اعتبار سے صحیح نہیں ہوگی۔

لہٰذا ہر لین دین کرنے والے اور ہر کاروباری تاجر حضرات کیلئے ان شرائط کا علم رکھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ خرید وفروخت کا جائز وناجائز ہونا انہی شرائط پر مبنی ہوتا ہے۔

اہلِ علم نے شرعی نقطہ نگاہ سے کسی بھی بیع کے درست ہونے کیلئے بنیادی طور پر چھے (6) اہم شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی شرط: طرفین (خریدار وفروخت کنندہ) حقیقی طور پر رضامند ہوں

کوئی بھی بیع اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک بیچنے والا اسے بیچنے اور خریدنے والا اُسے خریدنے پر حقیقی طور پر رضامند نہ ہوں۔

مذکورہ شرط کے دلائل:

ربُّ العالمین کا ارشاد ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} [النساء:29]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو۔''

مذکورہ بالا آیت میں تجارت ولین دین کے تمام معاملات میں طرفین کی حقیقی رضامندی کو بنیادی شرط کے طور پر ذکر کیا گیا اور جن معاملات میں فریقین کی باہمی حقیقی رضامندی شامل نہ ہو اُنہیں باطل قرار دیا گیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:" خرید و فروخت صرف باہمی رضامندی سے ہی ہونی چاہئے"۔ (1)

اس طرح عقلِ سلیم بھی اس امر کی متقاضی ہے کہ اگر معاملات میں باہمی حقیقی رضامندی کی شرط عائد نہ کی جائے، تو لوگ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا شروع کردیں گے، ایک طاقتور شخص اگر اپنے سے کمزور کے پاس اپنی من پسند چیز دیکھے گا تو اس سے زور زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جس سے معاشرہ میں سوائے نفرت، دشمنی، فساد اور بربادی کے کچھ باقی نہ بچے گا، لہٰذا اسی بنا پر شریعتِ اسلامیہ میں کسی کی چیز بغیر اجازت حاصل کرنا یا کسی کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کرنا یا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر اُسے خریدنا حرام ہے۔

رضامندی حقیقی ہونی چاہئے

اس حوالہ سے عصرِ حاضر کے معروف عالم فضیلۃ الشیخ حافظ ذوالفقار علی فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ یہ رضامندی حقیقی ہونی چاہئے نہ کہ مصنوعی۔لہٰذا کسی دباؤ کے تحت یا غلط تاثر کی بنیاد پر یا دوسرے فریق کو چیز کی حقیقت سے بے خبر یا اصل قیمت سے دھوکے میں رکھ کر حاصل کی گئی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ مصنوعی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے شریعت نے اس قسم کی دھوکہ دہی کی صورت میں متاثرہ فریق کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اگر انتہائی بے بسی اور مجبوری کی بنا پر اپنی چیز بیچ رہا ہو تو ایسے شخص سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر خریدنا، اگرچہ بظاہر وہ اس پر راضی بھی ہو نا جائز ہے، درست نہیں۔ معمولی کمی بیشی کی تو گنجائش ہے لیکن بہت زیادہ فرق درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قلبی خوشی کی تاکید فرمائی ہے اور یہ بات طے ہے کہ مجبور شخص خوش دلی سے غیر معمولی کم ریٹ پر بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں مجبور شخص سے سستے داموں خریدنے کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ ناپسندیدہ رویہ ہے جس کی اصلاح ہونی چاہئے"۔ (2)

---

(1) سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب بیع الخیار۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو ارواء الغلیل میں صحیح قرار دیا ہے۔

(2) معیشت وتجارت کے اسلامی احکام، ص 30-31

باہمی وحقیقی رضامندی سے متعلق چند اہم وضروری مسائل

پہلا مسئلہ ''بیع المعاطاۃ'' کا حکم

بیع معاطاۃ سے مراد وہ بیع ہے کہ جس میں: خریدار سامان لیکر فروخت کنندہ (بیچنے والے) کو اُس کی قیمت ادا کردے بغیر زبانی کلامی بات کئے یا اس کے برعکس ہو۔ یعنی فروخت کنندہ سامان خریدار کو دیتا ہے اور خریدار اس کی قیمت ادا کردیتا ہے۔ اور اس دوران خریدار وفروخت کنندہ کے درمیان کوئی زبانی بات چیت نہیں ہوتی دونوں طرف سے یا کسی ایک کی طرف سے قیمت وسامان کا لین دین بغیر کسی زبانی ایجاب وقبول کے ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کو یہاں اسی لئے ذکر کیا جارہا ہے کہ ہمارے یہاں بے شمار اس طرح کے سودے ہوتے ہیں جن میں مطلوبہ چیز کو دیکھا اور پسند کیا جاتا ہے، اس کی قیمت معلوم کی جاتی ہے اور بغیر کسی زبانی رضامندی کے قیمت ادا کرکے وہ مطلوبہ چیز لے لی جاتی ہے۔ اور اس مسئلہ کی اہمیت اس صورت میں اور بڑھ جاتی ہے جب معاملہ اور سودا بڑے پیمانہ پر ہو۔

کیا ایسی صورت میں بغیر کسی زبانی رضامندی کے طے پانے والا سودا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ مذکورہ میں اہلِ علم کے مابین اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور بعض نے یہ تفریق کی ہے کہ اگر معاملہ چھوٹے پیمانے پر ہو تو جائز ہے اور بڑے پیمانے پر ہو تو جائز نہیں۔ جبکہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ بیع مکمل طور پر جائز ہے۔

اور دلائل کے مطالعہ سے جمہور علماء کی رائے ہی قریب از صواب اور راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ:

* رضامندی فقط قول ہی سے نہیں بلکہ عمل وفعل سے بھی واقع ہوتی ہے اور یہاں خریدار کا قیمت ادا کرکے چیز کو لینا اور فروخت کنندہ کا چیز کو دیکر قیمت وصول کرنا اُن کی باہمی رضامندی کی صریح دلیل ہے۔
* زمانہ قدیم سے لوگوں کے مابین اس طرح سے معاملات کا لین دین معروف ہے، اگر زبانی ایجاب وقبول صحتِ بیع کی شرط ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے صراحت سے ضرور بیان فرمادیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔

✷ شریعتِ مطہرہ میں خرید وفروخت سے متعلقہ ہدایات واحکامات موجود ہیں ، اور شریعت نے خرید وفروخت کے انعقاد کے سلسلہ میں کچھ خاص و معیّن الفاظ مقرر کرنے کے بجائے اسے معاشرہ میں رائج عرف وطور طریقوں پر چھوڑ دیا، اور جو ناجائز طریقے ہیں وہ بتادیے، اور باہمی حقیقی رضامندی کی قید لگادی تاکہ وہ جو بھی معاملات کریں انہیں باہمی حقیقی رضامندی وخوش اسلوبی سے طے کرلیں۔

دوسرا مسئلہ "بیع المُکرَہ" (زبردستی کی بیع) کا حکم

فقہاء کی اصطلاح میں "إكراه" سے مراد: "ایسا کام جسے کوئی انسان کسی دوسرے کے مجبور کرنے پر کرے جس میں اس کی کوئی رضامندی واختیار نہ ہو"۔

یہاں مراد ایسی بیع ہے جو خریدار یا فروخت کنندہ کو مجبور کرکے ناحق اور زور زبردستی سے کروائی جائے،، خریدار وفروخت کنندہ کو اکراہًا بیع پر آمادہ کرنا شرعًا، قانونًا واخلاقًا کسی طور بھی درست وجائز عمل نہیں، اگرچہ وہ مجبور کرنے والا حاکمِ وقت ہی کیوں نہ ہو! اگر کسی پر زبردستی کرکے مجبورًا اسے کچھ خریدنے یا اسے اس کا سامان بیچنے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کرنے سے یہ بیع شرعًا باطل وفاسد ہوگی اور اس پر کوئی مؤثر نتائج مرتّب نہیں ہوں گے۔

بلکہ ایسے معاملات میں شریک ہونے والوں کیلئے سخت وعید وارد ہوئی ہے انہیں رسولِ اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے آپ ﷺ نے فرمایا: "کسی انسان کے لئے اپنے (دینی) بھائی کے مال سے اُس کی رضا وخوشی کے بغیر کچھ بھی لینا جائز نہیں"۔ (1)

اور دوسری روایت میں فرمایا کہ: "تم میں سے کوئی بھی اپنے (دینی) بھائی کے مال کو اس کی رضا وخوشی کے بغیر مت خریدے"۔ (2)

مذکورہ روایات سے اس مسئلہ کی نزاکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر خریدار یا فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ سودا طرفین میں سے کسی ایک کی بھی رضامندی وخوشی کے بغیر ہو رہا ہے تو سودا کرنا جائز نہیں ہے

---

(1) اس روایت کو امام احمد نے مسند میں "اوّل مسند البصريين" حدیث نمبر: 20578 میں بیان کیا ہے۔

(2) سنن الکبری للبیهقي: كتاب النفقات (یہ روایت صحیح ہے)

حتّٰی کہ اس میں طرفین کی باہمی وحقیقی رضا وخوشی شامل نہ ہو۔

بلکہ اہلِ علم نے مذکورہ روایت کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مسئلہ بھی بیان کیا ہے کہ:

تحفہ وہدیہ بھی اس وقت قبول کرنا جائز نہیں ہے جب یہ معلوم ہوجائے کہ تحفہ دینے والے نے وہ تحفہ ناچاہتے ہوئے یا کسی خجالت وحیاء میں یا مجبوری میں دیا ہے، کیونکہ اگرچہ تحفہ دینے والا اس کی صراحت یا اظہار نہ کرے لیکن اُس کی ظاہری حالت وقرائن یہی ہوں کہ وہ اس پر راضی وخوش نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ "بیع الجبری" زبردستی کی بیع کی چند استثنائی صورتیں

حکومت وقت، عدالت یا کوئی مجاز اتھارٹی بعض ناگزیر صورتوں میں مالک کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔ جسے فقہاء کی اصطلاح میں بیع الجبری کے نام سے جانا جاتا ہے۔

وہ صورتیں جن میں مالک کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے درج ذیل ہیں:

معروف عالمِ دین حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ نے اُن صورتوں کو جمع کیا ہے ہم معمولی ردّوبدل کے ساتھ انہیں ذکر کررہے ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی مقروض اپنے ذمے (واجب الاداء) قرض ادا نہ کررہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو تو عدالت اس کو اپنی جائیداد فروخت کرکے قرض ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اگر وہ عدالتی حکم کے باوجود لیت ولعل سے کام لے تو عدالت قرض خواہ (مقرِض یعنی قرض دینے والے) کی دادرسی کے لئے خود بھی اس (مقروض) کی جائیداد مارکیٹ ریٹ پر فروخت کرسکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی جائیداد یا کوئی اور چیز رہن (گروی) رکھ کر قرض لے رکھا ہو اور مدّتِ ادائیگی گذر جانے کے بعد وہ متعدد مرتبہ کی یاددہانی کے باوجود ادائیگی نہ کررہا ہو تو قرض خواہ رہن شدہ جائیداد فروخت کرکے اپنا حق وصول کرسکتا ہے، چاہے مقروض اس پر راضی نہ بھی ہو بشرطیکہ عدالت اور قرض خواہ منصفانہ قیمت پر بیچنے کو یقینی بنائیں، اپنی رقم کھری کرنے کے لالچ میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

تیسری صورت جب غذائی اشیاء کی قلت ہو اور کچھ لوگ ذخیرہ اندوزی کررہے ہوں تو حکومت کو یہ اختیار

حاصل ہے کہ وہ تاجروں کو ذخیرہ کی گئی اشیاءفروخت کرنے کا حکم دے،اگر وہ حکم کی تعمیل نہ کریں توحکومت ان کی مرضی کے خلاف خودبھی مارکیٹ ریٹ پرفروخت کرسکتی ہے۔

جیساکہ الموسوعةالفقهية،ج2،ص95 میں ہے:

''جب عوام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتو حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے گا بلکہ اس سے ذخیرہ شدہ مال لے کرفروخت کردے گااوراس (ذخیرہ اندوز) کواس مال ہی کا مثل جب موجود ہو یا اس کی قیمت دے گا۔اتنی بات تمام ائمہ میں متفق علیہ ہےاوراس میں کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

چوتھی صورت: یہ ہے کہ حکومت کو مقاصدِ عامہ کے لئے کسی جگہ (جیسے دوکان،گھروغیرہ) یاکسی چیز کی حقیقی ضرورت ہواور مالکان بیچنے پرآمادہ نہ ہوں توحکومت وہ جگہ یا چیز زبردستی بھی حاصل کرسکتی ہے،تاہم حکومت پرفرض ہوگا کہ مالکان کو مارکیٹ ریٹ کے حساب سے قیمت کی ادائیگی کرے۔البتہ حکومت بازاری قیمت اداکئے بغیرکسی شہری کواس کی جائیداد وملکیت سے محروم نہیں کرسکتی۔

چوتھا مسئلہ: بيع التلجئة (مجبوری میں کی جانے والی غیرحقیقی بیع) کا حکم

فقہاء کی اصطلاح میں بيع التلجئة سے مراد وہ معاملہ ہے جس میں فریقین (خریدار وفروخت کنندہ) دلی ارادہ کے بغیر،محض دکھلاوہ کی غرض سے ایک تصوّراتی سودا کریں اور حقیقت میں اُس کا کوئی ارادہ وحیثیت نہ ہو،اوراس سے عاقدین کا مقصد ظالم حاکم یا کسی دشمن کے خوف سے بچنا ہولیکن تمام ارکان وشرائطِ بیع کی تکمیل کے ساتھ حیلہ کے طور پر یہ سودا کیا جائے۔اس بیع کو شافعیہ ''بيع الأمانة'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیاایسی صورت میں شرعاًیہ بیع درست متصور ہوگی کہ نہیں؟؟ کیونکہ عاقدین کا مقصد اگرچہ اس سے حقیقی بیع نہیں ہےلیکن بیع کے تمام شرائط وارکان پورے ہیں۔

ایسے عقد کے صحیح یا باطل ہونے کی دونوں آراء اہلِ علم میں موجود ہیں لیکن دلائل کی روشنی میں راجح ودرست رائے یہی ہے کہ ایساعقد شرعاًباطل ہے،کیونکہ:

✷ باہمی وحقیقی دلی رضامندی اس عقد میں مفقود ہے،جوکہ کسی بھی بیع کی درستگی کے لئے بنیادی شرط ہے۔

✷ معاملات و معاہدات میں اعتبار مقاصد و معانی کا ہوتا ہے نا کہ الفاظ و مبانی کا، جیسے مسائلِ بیوع میں مسلّمہ قاعدہ ہے کہ: ’’العبرۃ فی العقود للمقاصد و المعانی لا للألفاظ و المبانی ‘‘۔

دوسری شرط طرفین خرید وفروخت کی اہلیت وقابلیت رکھتے ہوں

یہاں اہلیت و قابلیت سے مراد یہ ہے کہ عاقد (خریدار یا فروخت کنندہ) اپنے مال وسامان سے متعلقہ امور میں تصرّفات کرنے کا اہل ہو اور وہ جو بھی تصرّف کرے وہ نافذ العمل ہو، اُس کا اعتبار کیا جائے اور اس کے تصرّفات حکم کے اعتبار سے نتائج و اثر رکھتے ہوں۔

اہلیت وقابلیت کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے:

پہلا وصف: وہ آزاد ہو غلام نہ ہو

کیونکہ غلام کا اپنے مالک کی اجازت کے بغیر خرید وفروخت کرنا شرعاً درست نہیں کہ وہ خود کسی کی ملکیت میں ہے جیسا کہ فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ: ’’جو کوئی غلام خریدے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ اس کے خریدار مالک کی ملکیت ہے الا یہ کہ جس سے غلام خریدا گیا ہے وہ اسے مستثنیٰ رکھے‘‘۔ [1] (دورِ حاضر میں غلام کا تصور نہیں ہے لہٰذا اس حوالہ سے مسئلہ کی تفصیل سے اجتناب کیا گیا ہے)۔

دوسرا وصف: کہ وہ بالغ ہو، بچہ نہ ہو۔

تیسرا وصف: کہ وہ عقل مند و باشعور ہو، پاگل نہ ہو کیونکہ پاگل کا تصرّف درست نہیں۔

چوتھا وصف: کہ وہ سمجھدار ہو بے وقوف نہ ہو۔

جو اپنے مال میں صحیح تصرّف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، بے مقصد اشیاء میں پیسے لٹانے والا نہ ہو اور مال و زر کی صحیح قیمت اور ویلیو (Value) وغیرہ سے واقف ہو، جیسے سو کی چیز دس، بیس میں نہ بیچ ڈالے، لہٰذا بے وقوف کا تصرّف اُس کے سرپرست کی اجازت کے بغیر درست نہیں اور نہ ہی نافذ العمل ہے۔

بے وقوفی کا ضابطہ:

اہلِ علم نے معاملات میں بے وقوفی کی پہچان کا یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ: جو لین دین میں اچھے و مناسب

[1] سنن ابی داود: کتاب الاجارۃ، باب فی العبد یباع

کی سمجھ نہ رکھتا ہو یا پھر، اپنے عمل سے یہ ظاہر کرے کہ وہ اپنے مال میں بہتر مصرف کی پہچان نہیں رکھتا۔

نوٹ: بے وقوفی سے مراد پاگل پن نہیں ہے، اگرچہ دونوں ہی تصرف کے قابل نہیں لیکن دونوں میں معنی واحکام کے لحاظ سے واضح فرق موجود ہیں۔

پانچواں وصف: اُس پر مالی تصرّفات میں کسی بھی قسم کی کوئی پابندی وروک نہ لگائی گئی ہو۔

اب خواہ یہ پابندی کسی دوسرے کی مصلحت کی غرض سے ہو۔

جیسے: قرضہ دینے والوں کی مصلحت کی خاطر، مقروض مفلس (کنگال) پر اسکے اپنے مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگانا، یا جس کے پاس کچھ گروی رکھوا کر قرض لیا گیا ہو کی مصلحت کی خاطر گروی رکھنے والے پر پابندی لگانا کہ وہ اپنی گروی رکھی ہوئی چیز میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، یا پھر ورثاء کی مصلحت کی خاطر مرض الموت میں مبتلا مریض پر اس کے اپنے مال میں ثلث (تیسرے حصہ) کی وصیت کرنے پر پابندی لگانا۔

یا یہ پابندی اُس کی اپنی مصلحت کی بناء پر عائد کی جائے۔

جیسے: مجنون، بچے اور بے وقوف وناسمجھ پر اُن کے اموال میں تصرّف کرنے پر پابندی لگانا کہ وہ اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتے۔

مذکورہ پانچ اوصاف کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے عاقد کی اہلیت ونااہلی کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

اہلیت رکھنے والے عاقد میں ان پانچوں اوصاف کا ہونا ضروری ہے، اگر ان میں سے ایک وصف بھی مفقود ہوا تو عاقد شرعی اعتبار سے نااہل قرار پائے گا۔ اور اسے خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہوگی۔

طرفین کی اہلیت سے متعلقہ چند ضروری وضاحتیں:

نابالغ بچہ کی طرف سے سودا (خرید وفروخت) کرنے کا حکم

✷ اگر نابالغ بچہ ممیّز ہو یعنی صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اُس کا اپنے مال میں تصرّف کرنا اپنے سرپرست کی اجازت سے درست ہے۔ (سرپرست کی اجازت شرط ہے)۔ اور یہی رائے راجح اور دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ:

✷ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نابالغ بچہ کی جائداد، کاروبار وملکیت اُس کی بلوغت سے پہلے اُس کے

حوالہ کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ اُس کا امتحان لیا جائے ، اُسے آزمایا جائے (تھوڑا مال اُس کے سپرد کر کے، اُسے کوئی ایک آدھ سودا سونپ کے، اُس کے تصرّفات کا جائزہ لیکر دیکھا جائے) کہ وہ اس قابل بھی ہے کہ نہیں؟

ہاں اگر وہ صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھے اور سمجھداری کے قابل ہو جائے تو اُسے اپنے مال میں تصرّف کی اجازت ہے، اور ولی وسر پرست کی اجازت کی شرط کے ساتھ جو نقصان کے خدشات تھے وہ بھی دور ہو گئے ۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا} [النساء:6]

ترجمہ: ''اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو مال داروں کو چاہیے کہ (یتیم کے مال سے) بچتے رہیں ہاں یتیم کا سر پرست اگر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طرح سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنالو دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے''۔

نوٹ: یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے جس کے والد فوت ہو جائیں۔

✷ بچہ کو بالغ ہونے سے پہلے مالی تصرّفات کی اجازت عموماً اسوجہ سے نہیں دی جاتی کیونکہ اُس میں صحیح اور غلط کی پہچان، ان میں فرق کرنے کی صلاحیت اور معاملات کی مناسب سمجھ بوجھ نہیں ہوتی ،لہٰذا اگر بچہ میں یہ علّتِ ممانعت موجود نہ ہو اور مطلوبہ صلاحیت موجود ہو تو ممانعت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اور پھر ولی وسر پرست کی اجازت کی شرط بھی اس منفی احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔

کیا ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں بائع ومشتری یعنی خریدار اور فروخت کنندہ ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص کسی کو خرید وفروخت کے سلسلہ میں اپنا وکیل

مقرر کرتا ہے:

- اب اگر وہ وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے کسی چیز کو خریدنے کا پابند ہے تو وہ وکیل خود اس مطلوبہ چیز کو اپنے مؤکل کو بیچتا ہے، یعنی وہ خود وکیل بن کر اپنے مؤکل کی طرف سے اُسے خرید بھی رہا ہے اور خود فروخت کنندہ بن کر اُسے بیچ بھی رہا ہے۔
- اس کے برعکس اگر وہ وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے کسی چیز کو بیچنے کا پابند ہے تو وہ وکیل خود اس مطلوبہ چیز کو اپنے مؤکل سے خرید لیتا ہے، یعنی وہ خود وکیل بن کر اپنے مؤکل کی طرف سے اُسے بیچ بھی رہا ہے اور خود خریدار بن کر اُسے خرید بھی رہا ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں کو آسان الفاظ میں یوں سمجھئے کہ:

ایک وکیل جو اپنے مؤکل کی طرف سے اس کی چیز بیچنے والا ہو تو کیا وہ اُسے اپنے لئے خرید سکتا ہے؟ یا وہ جو اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی چیز خریدنے والا ہو تو کیا اپنی چیز اُسے بیچ سکتا ہے؟

- یا اسکی تیسری صورت یہ ہے کہ: اُس وکیل کو اُس کا مؤکل ایک چیز مثلاً ایک زمین بیچنے کا حکم دیتا ہے، اور اُس کا دوسرا مؤکل اُسے ایک زمین خریدنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اُسی زمین کو (اپنے ایک مؤکل کے لئے) بیچتا بھی ہے اور اُسی زمین کو (اپنے دوسرے مؤکل کے لئے) خریدتا بھی ہے، اس طرح وہ اپنے دونوں مؤکلین کی طرف سے اُس ایک ہی زمین کا (وکیل ہونے کی حیثیت سے) خریدار بھی ہے اور فروخت کنندہ بھی۔

اس مسئلہ میں اہلِ علم میں سے کچھ جواز اور کچھ عدمِ جواز کی رائے رکھتے ہیں، جبکہ درست وقوی رائے یہی ہے کہ ایسا کرنا وکیل کے لئے جائز و درست ہے بشرطیکہ:

- وکیل بازاری قیمت (Market Value) سے بہتر ڈیل اپنے مؤکل کو فراہم کرے۔ یعنی اگر وہ اپنے مؤکل سے خود خرید رہا ہے تو اُسے بازاری قیمت (Market Value) سے زیادہ میں خریدے اور اگر اپنے مؤکل کو اپنے پاس سے بیچ رہا ہے تو بازاری قیمت (Market Value) سے کم قیمت میں اُسے بیچے، تاکہ وکیل دھوکہ کی تہمت سے بری ہو سکے۔
- یا پھر اپنے مؤکل کو معاملہ کی مکمل معلومات فراہم کرے اور سب کچھ اس کی اجازت ومرضی سے کرے۔

مذکورہ دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا لازم ہے وگرنہ وکیل کا عمل ناجائز اور قابلِ مذمت وگرفت

ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ میں جواز کی بنیادی دلیل یہ مستقل قاعدہ وضابطہ ہے کہ: معاملات، لین دین وخرید وفروخت میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ جائز ہے سوائے اس کے کہ جس کی حرمت شریعت بیان کرے، لہٰذا ایک ہی وقت میں وکیل کا بائع ومشتری ہونا بیان کردہ تفصیل کے مطابق جائز ہے کیونکہ اس کی حرمت شریعت سے ثابت نہیں ہے اور جہاں تک دھوکہ کے امکان کا تعلق ہے تو وہ مذکورہ شرط سے دور ہو جاتا ہے۔

تیسری شرط: خریدی وفروخت کی جانے والی چیز شرعی اعتبار سے خرید وفروخت کے قابل ہو

یعنی وہ پاک ہو، حلال ہو اور شرعی طور پر نفع بخش ہو۔

الغرض ثمن (قیمت) مثمن (سامان) دونوں شرعی اعتبار سے پاک اور حلال ہوں اور عام حالات میں شرعی طور پر اُس سے فائدہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہو، کیونکہ جن سے عام حالات میں شرعاً فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا اُن کی خرید وفروخت ہر حال میں حرام ہے، جیسے شراب وغیرہ۔

(عام حالت سے مراد عمومی یعنی غیر اضطراری حالات ہیں، کیونکہ اضطرار ومجبوری میں کچھ چیزیں عارضی طور پر جائز ہو جاتی ہیں)۔

مذکورہ تینوں اوصاف (پاک ہونا، حلال، ہونا اور جائز نفع بخش ہونا) ان میں سے اگر ایک وصف بھی مفقود ہوا تو اس چیز کی خرید وفروخت شریعتِ مطہّرہ میں جائز نہیں ہے۔

اس حوالے سے ایک اور مستقل قاعدہ ہے کہ:

"تمام حلال و پاک اشیاء کی خرید وفروخت مطلقاً جائز ہے، اسی طرح جن اشیاء سے نفع وفائدہ اٹھانا شرعاً صحیح ودرست ہو تو ان کی خرید وفروخت بھی درست ہے سوائے اُن صورتوں میں جن میں شریعتِ مطہّرہ نے دیگر حکمتوں ومقاصد کے پیشِ نظر اُن کی خرید وفروخت کو جائز قرار نہیں دیا۔

جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب (خمر)، مردار، خنزیر اور بت ومورتیوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے، کہا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مردہ جانور کی چربی کے بارے

میں آپ کیا فرماتے ہیں (یعنی کیا اس کی بیع بھی حرام ہے؟) جن کے ذریعہ لکڑی کی کشتیوں کی پیوندکاری کی جاتی ہے اور کھالوں کو دھن دیا جاتا ہے (تاکہ وہ نرم پڑ جائیں) اور لوگ اُن کے ذریعہ روشنی حاصل کرتے ہیں۔؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں وہ (چربی کی خرید وفروخت) بھی حرام ہے پھر اس وقت رسول اکرم ﷺ نے (تین مرتبہ) یہ فرمایا کہ: اللہ یہودیوں کو ہلاک وبرباد کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے چربیوں کو حرام قرار فرمایا مگر اُنہوں نے (اُسے خود تو استعمال نہیں کیا بلکہ) اسے پگھلایا، پھر اُسے بیچا اور اُسکی قیمت کھا گئے"۔ ①

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یقیناً جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کسی چیز کے کھانے کو حرام فرمادیتا ہے تو اُس قوم پر اُس کی قیمت کو بھی حرام فرمادیتا ہے، (یعنی اُسے بیچنا اور بیچ کر اُس کی قیمت کھانا بھی حرام ہے)۔ ②

اور شراب کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

بے شک جس اللہ تعالیٰ نے شراب کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اُس نے اُس کی خرید وفروخت، تجارت وکاروبار کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

نوٹ: گذشتہ حدیث میں میتۃ یعنی وہ حلال خشکی کا جانور جو بغیر ذبح کیے مرجائے اسے حرام قرار دیا گیا ہے لیکن دوسری روایات میں کچھ چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسے:

- جراد یعنی ٹڈی کا استثناء موجود ہے کہ جس کا کھانا، استعمال اور بیع بھی حلال ہے، ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ چھے یا سات غزوات میں شرکت کی جن میں ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے رہے"۔ ③
- اسی طرح مردہ جانور کی کھال کو رنگ دیا جائے تو اسے بھی استعمال اور خریدا و بیچا جاسکتا ہے جیسا کہ

---

① صحيح البخاري: باب بيع الميتة والأصنام، صحيح مسلم: باب تحريم بيع الخمر

② سنن أبي داود: باب في ثمن الخمر والميتة

③ صحيح البخاري: كتاب الذبائح والصيد، باب أكل الجراد

حدیث میں اس کا استثناء موجود ہے، البتہ بغیر رنگے مردہ جانور کی کھال بالاتفاق ناپاک ہے۔

- اسی طرح اس کے وہ اجزاء جن پر زندگی اثر نہیں کرتی وہ بھی اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں، جیسے بال، اون وغیرہ کا استعمال اور خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں جسم سے لگی کھال یعنی جڑ سے الگ کردیا جائے ورنہ وہ پاک و جائز نہ ہوں گے۔

حرام اشیاء میں شامل دیگر امور

شریعتِ مطہّرہ میں شراب، مردار، خنزیر بشمول اُس کے تمام اجزاء اور بت و مورتیوں کے علاوہ: جوا، فال نکالنے کے تمام طریقے، حلال جانور کو ذبح کرتے وقت بہایا جانے والا خون اور بے مقصد، دلفریب اور غافل کرنے والی باتوں کی حرمت بیان کی گئی ہے"۔

- شراب کے علاوہ دیگر منشیات اور مخدّرات کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح بتوں کے علاوہ باقی شرکیہ آلات بھی اس حرمت میں داخل ہیں۔ جب کہ بے مقصد، دلفریب اور غافل کرنے والی باتوں میں گانے، موسیقی اور اُس کے تمام آلات، گانوں اور موسیقی پر مشتمل آڈیو، ویڈیو کیسٹیں، سی ڈیز، فحاشی وعریانیت پر مشتمل رومانوی ناول، فحش لٹریچر سب شامل ہیں، جبکہ جادو اور علمِ نجوم کی تعلیم پر مبنی کتابیں اور اسی طرح تمام باطل افکار و نظریات پر مشتمل کتب، مذکورہ تمام اشیاء کی تجارت حرام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر اُس چیز کی بیع جو شرعی اعتبار سے ناپاک ہو یا حرام کردہ ہو یا عام حالات میں اُن سے شرعی طور پر فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تو وہ جائز و درست نہیں ہے ان سے کُلی اجتناب کرنا ہر مسلم پر واجب ہے۔

چوتھی شرط: مال وزر فروخت کنندو خریدار کی ملکیت میں ہو

اس شرط سے مراد یہ ہے کہ: کسی بھی شخص کا کسی متعیّن شے پر کلی ملکیت و اختیار سے پہلے اس کا سودا کرنا جائز و درست نہیں ہے، اور اس ملکیت کے حکم میں مال اور زر دونوں شامل ہیں یعنی خریدنے والے کا مال اُس کی ذاتی ملکیت ہو اور اُسے اس میں تصرّف کا اختیار ہو اور بیچنے والے کا سامان اُس کی ذاتی ملکیت میں ہو۔

ہمارے معاشرے میں یہ بات بہت عام ہے کہ لوگ اس چیز کا سودا طے کر لیتے ہیں جو سودے کے وقت اُن کی ملکیت میں نہیں ہوتی یعنی انہوں نے اُسے خریدا ہی نہیں ہوتا بلکہ اُن کا مقصد بعد میں مارکیٹ سے خرید کر اسے خریدار تک پہنچانا ہوتا ہے جو کہ شرعاً ایک ناجائز عمل ہے، کیونکہ اس میں نقصان کے کافی احتمالات ہیں، جیسے: اُس چیز کا مارکیٹ سے ہی ختم ہوجانا، جس قیمت پر اُس نے سودا کیا ہو وقتِ خرید اُس قیمت کا بڑھ جانا وغیرہ وغیرہ، اور پھر اس کے نتیجہ میں تنازع، نفرت، عداوت وفساد بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا مال وزر، عزت وجان کی حفاظت کی خاطر شریعت ایسے کاموں سے سختی سے روکتی ہے۔

قرآن حکیم میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} [النساء:29]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو۔''

اور باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے۔

اسی طرح یقیناً کوئی شخص بھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ کوئی دوسرا اُس کے مال میں تصرّف کرے اور اُسے بیچ ڈالے۔ صورتِ ہٰذا میں بیچنے والا کسی دوسرے کے مال کو جو ابھی اِس کی ملکیت میں نہیں آیا اُسے بیچ رہا ہے جو مالِ غیر میں تصرّف کے مترادف ہے۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک آدمی آتا ہے جو مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس چیز کا اس سے سودا کرلوں پھر وہ چیز بازار سے خرید کر اسے دے دوں؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: جو چیز تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں، یا قدرت و اختیار میں) موجود نہیں اُسے فروخت نہ کرو''۔ (1)

---

(1) سنن أبي داؤد: كتاب الإجارة، باب في الرجل يبيع ماليس عنده [صحيح] سنن نسائي: 4617 باب بيع ما ليس عند البائع

نوٹ (الف)

خرید وفروخت کی جانے والی شے دو قسم کی ہوتی ہے:

1. کبھی تو متعیّن ومحدّد ہوتی ہے، جسے دیکھا جا سکتا ہو، جیسے کوئی کہے کہ: میں تمہیں یہ گاڑی جو اُس کی نظروں کے سامنے ہو، جو Honda کمپنی کی ہے جس کا نام Civic ہے اسے بیچتا ہوں۔
2. اور کبھی وہ شے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی مخصوص قسم کی صفات واضح ہوتی ہیں، لیکن وہ شے نہ ہی سامنے ہوتی ہے اور نہ ہی اُسے دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں تمہیں فلاں کمپنی کی فلاں صفات والی گاڑی بیچتا ہوں۔

مذکورہ روایت میں سیدنا حزام رضی اللہ عنہ کے سوال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا سوال پہلی قسم سے تھا یعنی متعین شے کے سودے کے حوالہ سے تھا، جس کا معنی ہے کہ اگر خرید وفروخت کی جانے والی چیز متعیّن ہو تو ایسا سودا ملکیتِ کاملہ سے پہلے جائز نہیں۔

مسئلہ بیع السلم یا بیع السلف

لیکن اگر چیز کے تعیّن کی بجائے اُس کی مخصوص صفات بیان ہوں اور بیچنے والا اسے مستقبل کی ایک خاص مدّت کے اندر (جس میں فریقین کا اتفاق طے پائے) مہیّا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اُس کی مکمل قیمت پیشگی ادا کر دی جائے تو یہ سودا جائز ہے جسے شرعی اصطلاح میں بیع السلم یا بیع السلف کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ، آیۃ نمبر: 282 اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیث کی روشنی میں بیع سلم یا سلف صحیح ودرست ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ: تم میں سے جو بھی بیع سلف (سلم) کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ معلوم ومتعیّن وزن و پیمانے (یعنی معلوم صفات) اور معلوم ومتعیّن مدّت کے ساتھ کرے۔ (1)

---

(1) صحيح البخاري: كتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم.

بیع سلم یہاں ہمارا موضوع نہیں ، لہٰذا بیع سلم میں رأس المال اور مسلم فیہ والیہ وغیرہ سے متعلق شرائط واحکامات ودیگر تفصیل اس کے اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے، یہاں مذکورہ شرط کے حوالہ سے جو ضروری وضاحت تھی وہ کردی گئی ہے۔[1]

یہاں یہ بھی معلوم ہو کہ اگر قیمت و مال دونوں ہی ادھار پر ہوں، تو یہ ''بیع الکالی بالکالی '' ہوجائیگی جو شرعاً ناجائز ہے۔

نوٹ (ب): مذکورہ شرطِ ملکیت کے حکم سے چار قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں

جو مالک تو نہیں بلکہ مالک کے قائم مقام تصوّر کیے جاتے ہیں اور وہ ملکیت کی مذکورہ شرط سے اس طور سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ مال وزر میں ذاتی ملکیت رکھے بغیر کچھ شروط وقیود کے ساتھ خرید وفروخت اور تصرّف کے مجاز ہیں، اور وہ درجِ ذیل ہیں:

1) وکیل (Agent)۔
2) وصی۔
3) ناظر: (نگہبان، Supervisor)۔
4) ولی (سرپرست، Guardian)۔

ان چاروں کی مختصراً وضاحت درجِ ذیل ہے:

وکیل (Agent): وہ شخص جسے مالک کی طرف سے اُس کی زندگی میں اُس کے مال میں تصرّف کی اجازت واختیار دیا گیا ہو، یا: جو اپنے مالک کی طرف سے کسی متعین چیز کی خریداری یا فروخت کے لئے مقرر ہو۔

جیسے مینیجر، بروکر اور ایجنٹ وغیرہ، مثال کے طور پر مالک ایک شخص کو اپنی کوئی جائداد، یا گاڑی وغیرہ دیکر اُسے اس کے بیچنے کی ذمہ داری سونپ دے۔ وہ شخص مالک کی طرف سے اس کی متعیّن چیز کا وکیل ہوگا اور اسکی بیع بھی درست ہوگی۔

وصی: وہ شخص جسے مالک کے اپنے مکمل مال کے ثلث (تیسرے حصے) میں کی ہوئی وصیت میں، اس کی

[1] بیع السلم اور سلف کے حوالے سے مکمل بحث ''البیان'' کی اس خصوصی اشاعت میں موجود ہے جسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

موت کے بعد تصرّف کی اجازت واختیار دیا گیا ہو۔

یہ بھی عرفِ عام میں وکیل ہی ہوتے ہیں لیکن انہیں عربی میں وصی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وصیت کے مال میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔جیسے ایک شخص اپنے ثلث المال میں سے کسی خاص مصرف مثلاً فی سبیل اللہ کی مد میں پیسہ دینا چاہتا ہو اور وہ کسی خاص شخص کو اپنا وصی مقرر کرے تو وہ وصی، وصیت کئے گئے مال کو فی سبیل اللہ کے مصارف میں سے کسی بھی مناسب مصرف میں خرچ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

ناظر(نگہبانSupervisor): اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی بھی وقف(Endowment) وٹرسٹ پر نگہبان وذمہ دار بنایا گیا ہو۔[1]

اب اس وقف کا نگہبان، ذمہ دار(Supervisor) اس میں مطلوبہ ہدف کی تکمیل کے تصرّفات کا اختیار رکھتا ہے، جیسے ایک شخص اپنے کسی گھر کو فقراء ومساکین کے لیے وقف کردیتا ہے اور اس کے معاملات دیکھنے کی ذمہ داری عبد اللہ کو سونپتا ہے تو عبداللہ کو اس میں مطلوبہ مقصد کی تکمیل کے لئے تصرّف کا اختیار ہے۔

ولی(سرپرست،Guardian): ولایت(سرپرستی) کی دو قسمیں ہیں: ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ۔

ولایتِ عامہ سے مراد: حکمران کی ولایت ہے، جیسے ملک کے وہ اموال، اراضی واملاک کہ جن کا کوئی مالک نہیں اُن کی ملکیت وتصرّف کا اختیار حاکم کے پاس ہوتا ہے، اسی طرح اس یتیم کے اموال واملاک کہ جس کا کوئی خاص ولی وسرپرست نہیں، اُن کی ولایت بھی حاکم کے پاس ہوتی ہے۔

ولایتِ خاصہ سے مراد: وہ ولایت ہے جو یتیم کے کسی خاص ولی وسرپرست کی ہوتی ہے، جیسے چچا کی ولایت اس کے یتیم بھتیجے پر۔ایسی صورت میں یتیم اور اس کے مال کی کفالت اور سرپرستی اس کے خاص ولی کی

---

[1] وقف سے مراد:

ذاتی ملکیت کی کوئی بھی منافع بخش شے جیسے جائداد، کاروبار، فیکٹری، پیسہ یا کوئی بھی مد جسے کسی خاص مقصد کے لئے مقرر و متعیّن کیا گیا ہو۔جیسے کوئی شخص اپنی جائداد میں سے کسی ایک حصہ کو ہمیشہ یا کسی خاص مدّت تک کے لئے فقراء، یتیموں وبیواؤں کی کفالت یا دیگر خیری معاملہ کے لئے مختص کردے، یا اس جائداد کو استعمال میں لاتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مختص کردے وغیرہ، الغرض وقف کا بہت وسیع مفہوم ہے جو چھوٹی سطح سے لیکر بڑی سطح تک جاسکتا ہے۔

ذمہ داری ہے جسے شریعت یتیم کے مال میں جائز وحلال طریقہ سے اس وقت تک تصرّف کی اجازت دیتی ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوجائے یا ممیز یعنی صحیح اور غلط میں فرق پہچاننے والا نہ ہوجائے۔

ولی اور وکیل میں فرق:

مذکورہ چاروں صورتوں میں ملکیت نہ ہونے کے باوجود تصرّف کا اختیار حاصل ہے لیکن پہلی تین صورتیں وکالت ہیں جن میں تصرف کا اختیار مالک کی طرف سے حاصل ہوتا ہے جبکہ چوتھی صورت میں یعنی ولی کو تصرّف کا اختیار شرع کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

پانچویں شرط: خریدی ہوئی چیز کو قبضہ میں لینا اور قبضہ سے قبل اُسے فروخت نہ کرنا

خرید و فروخت کی شرائط میں سے ایک اہم و بنیادی شرط جس سے آج عوام الناس بالخصوص کاروباری وتاجر حضرات بہت غفلت برتتے ہیں وہ قبضہ وانتقال سے قبل ہی خریدی ہوئی شے کا آگے سودا کردینا یعنی اُسے بیچ دینا ہے جو شرعی لحاظ سے ناجائز عمل ہے۔

لہٰذا خریدا ہوا مال قبضہ میں لیں اور اُسے خریدی ہوئی جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کریں اور پھر اُسے آگے جہاں چاہیں فروخت کریں، قبضہ سے پہلے اور خریدی ہوئی جگہ پر بیچنا دونوں ہی شرعاً ممنوع ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص غلہ خریدے، تو اُسے اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ وہ پوری طرح اُسے اپنے قبضہ میں نہ کرلے''۔ ①

اسی طرح صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ خریدتے تو ہمارے پاس (آپ ﷺ کی طرف سے) ایک شخص کو بھیجا جاتا جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم اُسے بیچنے سے پہلے خریدی ہوئی جگہ سے اُٹھا کر کسی دوسری جگہ منتقل کرلیں''۔ ②

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدی ہوئی جگہ پر

---

① صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب الكيل على البائع والمعطي

② صحيح المسلم: كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض

فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ تاجر اُسے اپنے مقامات پر منتقل کرلیں"۔ (1)

قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت کی علت

یہ عمل آج اتنا عام ہوگیا ہے کہ درآمد کی جانے والی اشیاء ملک میں آتے آتے کئی جگہ فروخت ہوچکی ہوتی ہیں، جو اسلامی شریعت میں ایک مذموم عمل ہے۔

- اس کے دنیاوی نقصانات میں سے اہم ترین نقصان یہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کئی ہاتھوں میں فروخت ہوچکی ہوتی ہے اس لئے جب وہ گھر میں پہنچتی ہے تو اُس کی انتہائی مہنگی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے مارکیٹ میں چڑھاؤ آتا ہے جو غریب ومتوسط طبقہ کے لئے بالخصوص ظلم کے مترادف ہے۔
- اور دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بار برداری کے شعبہ سے وابستہ مزدوروں کا روزگار متاثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمت وبصیرت، دوراندیشی اور عدل وانصاف پر مشتمل اسلامی شریعت اس عمل کی بلکہ ہر اُس عمل کی سختی سے مذمت کرتی ہے جو عدل وانصاف کے تقاضوں پر پورا نہ اترے، بلکہ معاشرے میں موجود متوسط اور غریب افراد پر ناحق بوجھ اور ظلم وزیادتی کا باعث بنے۔
- گذشتہ اسباب کے علاوہ شریعت میں اس کی حرمت کا بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ یہ بیع الغرر (Uncertainty) اور جہالت، ودھوکہ) میں سے ہے اور بیع الغرر سے رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بیع الغرر سے مراد وہ بیع ہے جس میں کسی بھی لحاظ سے جہالت (لاعلمی)، یا دھوکہ ہو، یا جس میں بیچی یا خریدی جانے والی چیز کا ذریعہ حصول معلوم نہ ہو یا اس کی حقیقت یا مقدار معلوم نہ ہو۔

اور جب تک انسان کے قبضہ میں مال نہیں آجاتا اس وقت تک اس کی حقیقت مجہول ہی کے حکم میں ہے جو کہ غرر ہے، اور غرر اس طور پر بھی ہے کہ قبضہ سے قبل فروخت کرنے والا اگر اُسے سستی قیمت میں بیچتا ہے اور خریدار کو وہ چیز حاصل ہوجاتی ہے تو وہ فائدہ مند ہوگا وگرنہ نقصان میں، اور فائدہ ونقصان کے درمیان یہی

(1) سنن أبي داود: كتاب الإجارة، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفي [صحيح لغيره]

غرر ہے۔

✿ اس کے علاوہ اس میں سود کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ اس کی ممانعت کی علّت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ذاک دراهم بدراهم والطّعام مرج" کہ "یہ درہم کے بدلے درہم کا لین دین ہے جبکہ (خریدا ہوا بغیر قبضہ میں لیا) غلہ وہیں اپنی جگہ موجود ہے"۔ یعنی یہ سودا ایک طرح سے نقدی کا لین دین ہی ہے، جیسے کسی نے ایک لاکھ میں غلّہ خریدا اور اسے اپنے قبضہ میں لئے بغیر اور منتقل کیے بغیر وہیں ایک لاکھ دس ہزار میں بیچ دیا گویا ایک لاکھ کی نقدی کے بدلہ دس لاکھ کی نقدی کا سودا کر کے منافع کمایا۔

✿ امام ابنِ قیّم رحمہ اللہ نے اس حوالہ سے انتہائی مفید گفتگو فرمائی ہے، آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ عمل ممنوع اس لئے ہے کہ: خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر اُسے منتقل کیے بغیر نہ تو قبضہ مکمل ہوا ہے اور نہ ہی فروخت کنندہ سے تعلق کُلّی طور پر ختم ہوا ہے، لہٰذا جب فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہوگا کہ اُس سے خرید کر آگے فروخت کرنے والے کو اس سے خوب نفع حاصل ہو رہا ہے تو وہ قبضہ دینے میں حیل وحجت سے کام لے گا یا پھر وہ سودا ختم بھی کر سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ سودا ختم کرنے کے لئے بات تنازع تک اور پھر عداوت و دشمنی تک جا پہنچے جیسا کہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حکمت پر مبنی شریعتِ کاملہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے خریدار پر یہ شرط عائد کر دی ہے کہ وہ خریدی گئی چیز پر اس وقت تک کوئی تصرّف نہ کرے جب تک اُسے فروخت کنندہ سے لیکر اپنے قبضہ میں نہ لے لے اور فروخت کنندہ سے اس کا مکمل تعلق ختم نہ ہو جائے، تاکہ وہ سودا فسخ (ختم) کرنے یا قبضہ نہ دینے کا سوچ بھی نہ سکے۔ یہ وہ حکمتیں وفوائد ہیں جن کو شارع نے نظر انداز نہیں کیا، یہاں تک کہ شریعت کا علم نہ رکھنے والے تاجر و کاروباری حضرات بھی اُنہیں تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں بھی ایک طرف مصلحت اس کی متقاضی ہے اور دوسری طرف معاملات میں موجود فساد و خرابیوں کا خاتمہ بھی اسی طرح ممکن ہے۔"[1]

بعض اہلِ علم کے نزدیک مکمل قبضہ کے لئے خریدی گئی شے کا کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں بشرطیکہ فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو خریدی گئی شے میں تصرّف کا مکمل اختیار حاصل ہو اس طور پر کہ:

[1] تھذیب: ج 5، ص: 137

خریدی گئی چیز کا نفع بھی اور نقصان کی ذمہ داری بھی دونوں خریدار کی طرف منتقل ہو جائیں۔ کیونکہ عموماً خریدار کے قبضہ میں آنے تک خریدی ہوئی چیز کی ذمہ داری فروخت کنندہ (بیچنے والے) کی ہوتی ہے اور اُسے خریدار تک صحیح وسالم بحفاظت پہنچانا فروخت کنندہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اوران لوگوں کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "لاٗ رِبحَ مَالَم یضمَن "①

کہ ''اُس چیز کا منافع جائز ہی نہیں کہ جس میں نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو''۔

اس روایت کی روشنی میں ان کا کہنا ہے کہ قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت کی علّت نقصان کا خدشہ ہے اور جب نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہوگئی تو علّتِ ممانعت بھی ختم ہوگئی لہٰذا اس صورت میں قبضہ و منتقلی سے قبل فروخت کرنا جائز ہوا۔

مذکورہ استدلال درجِ ذیل وجوہات کی بناء پر درست نہیں:

- امام ابنِ قیم رحمہ اللہ ان کی بیان کی ہوئی علّت کی تردید اور نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہونے کے باوجود اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کی علت (کے تعین) نے بعض فقہا کو مشکل میں ڈال دیا ہے، حالانکہ یہ شریعت کے محاسن میں سے ہے کہ جب پوری طرح قبضہ نہیں ہوگا اور فروخت کنندہ (بیچنے والے) کا اس سے تعلق ختم نہیں ہوگا تو وہ مشتری (خریدنے والے) کو فائدہ ہوتا دیکھ کر معاملہ منسوخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا لالچ کرے گا۔ اور اگر قبضہ دے گا بھی تو آنکھیں بند کر کے اور نفع سے محرومی کا افسوس لئے ہوئے دے گا، چنانچہ اس کا نفس ادھر ہی متوجہ رہے گا، اس کا طمع ختم نہیں ہوگا، یہ مشاہدے سے ثابت ہے، لہٰذا یہ شریعت کا کمال اور خوبی ہے کہ خریدار جب تک چیز کو حاصل نہ کر لے اور وہ اس کی ذمہ داری میں نہ آجائے، اُس سے حصولِ نفع ممنوع ہے تاکہ فروخت کنندہ سودا منسوخ کرنے سے مایوس ہو جائے اور سودے سے اُس کا تعلق ختم ہو جائے''۔②

- ممانعت سے متعلقہ فرامین رسول ﷺ جن میں فروخت کرنے سے پہلے خریدی ہوئی شے کے قبضہ اور اُسے منتقل کرنے کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

---

① جامع الترمذي: كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية ماليس عندك (امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

② تھذیب: ج5، ص153، 154

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی کے قائل وفاعل تھے جیسا کہ ممانعت کے تحت مذکورہ روایات سے ظاہر ہے۔
- قبضہ وانتقالِ ملکیت کے بغیر فروخت کرنے میں غرر ہے۔
- قبضہ وانتقالِ ملکیت کے بغیر فروخت کرنا سود کے لین دین کے مشابہ ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ذکر کیا گیا۔

نوٹ: صحیح قول کے مطابق خریدی گئی چیز کو فروخت کرنے سے پہلے اس کے قبضہ ونقل وحمل کا حکم صرف غذائی اجناس کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اشیاء داخل ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتی ہیں، جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے جس میں غلّے کی بجائے سامان کا تذکرہ ہے۔

البتہ وہ اشیاء جن کی نقل وحمل ممکن نہیں جیسے اراضی اور مکانات وغیرہ، ان میں قبضہ کا معنی صرف اتنا ہے کہ ہر قسم کی کاغذی کاروائی کو مکمل کیا جائے اور فروخت کنندہ تمام رکاوٹیں دور کرکے خریدار کو تصرف کا پورا موقع فراہم کردے۔ اسی طرح جو اشیاء ہاتھوں ہاتھ لے کر قبضہ کی جاتی ہیں جیسے کرنسی نوٹ، وغیرہ تو ان کا قبضہ یہ ہے کہ ان کو ہاتھوں میں وصول کرلیا جائے۔

چھٹی شرط: خرید وفروخت کی جانے والی شیئ سے متعلق مکمل علم رکھنا

خرید وفروخت کی شرائط میں آخری شرط یہ ہے کہ: جس چیز کو خریدا یا فروخت کیا جارہا ہے، اس سے متعلقہ مکمل علم فریقین (خریدار وفروخت کنندہ) کو حاصل ہو۔

خرید وفروخت کی جانے والی شے کا علم اُس سے متعلقہ تین چیزوں کی مکمل معرفت سے حاصل ہوتا ہے:

1. خریدی یا فروخت کی جانے والی چیز کیا ہے؟ (جس کی معرفت زبان سے اُس کا نام لے کر یا اس کی وضاحت کے ذریعہ یا اشارہ کے ذریعہ حاصل ہوگی)۔
2. مقدار یعنی وزن وپیمانہ کی معرفت۔ (اگر خرید وفروخت کی جانے والی چیز کا تعلق وزن وپیمانہ سے ہو)۔
3. صفات کی معرفت۔ (اگر خریدی وفروخت کی جانے والی چیز کا تعلق اس کی صفات کی معرفت سے ہو یا وہ چیز سامنے موجود نہ ہو)۔

مذکورہ اشیاء کی مختصر وضاحت

مذکورہ تینوں اعتبار سے طرفین کو سودے، اُس کی نوعیت، جنس، مقدار اور مکمل صفات سے متعلقہ کُلی علم ہونا لازمی ہے، ان میں کسی بھی طرح کا ابہام، شبہ یا لاعلمی شرعی اعتبار سے بیع کو مشکوک بنا دیتی ہے، جسے شرعی اصطلاح میں "غَرَر (Uncertainty)" سے تعبیر کیا جاتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے اور جس کی وضاحت سابقہ سطور میں گذر چکی ہے۔

خرید وفروخت کی جانے والی شے کا علم

سب سے پہلے شے کا تعیّن ہونا چاہئے خواہ وہ اس کا نام لیکر کیا جائے یا اس کی طرف اشارہ کرکے اور اس حوالہ سے طرفین میں سے کسی کو کسی بھی قسم کا کوئی مغالطہ یا شبہ نہ ہو ورنہ بیع درست نہ ہوگی۔

مقدار کا علم

یعنی وزن و پیمانہ کی معرفت، تو اس میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جن کی خرید وفروخت وزن، ناپ تول کے حساب سے کی جاتی ہے جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور سائل مادّہ وغیرہ۔ ان اشیاء کی بیع اُس وقت تک درست اور مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ طرفین میں وزن، ناپ تول کے حوالہ سے اتفاق واطمینان نہیں ہوجاتا۔

ناپ تول اور وزن میں کمی کرنا

یہاں فروخت کنندہ کو خاص اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ جان بوجھ کر وزن یا ناپ تول میں کمی نہ کرے، کیونکہ یہ عمل دھوکہ دہی کی بدترین قسم ہے جو انتہائی بڑا گناہ، غضب الٰہی کے نزول، برکت کے خاتمہ اور معاشرے میں بگاڑ، فتنہ وفساد کا ذریعہ ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

{وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ o الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ o وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ} [المطففين:1-3]

ترجمہ: "ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"۔

سابقہ قوموں میں قومِ شعیب علیہ السلام پر عذابِ الٰہی کے نزول کی بنیادی وجہ شرک و بدعقیدگی کے بعد یہی ناپ تول میں کمی کرنا تھا، وہ بدبخت آسودگی و امیری کے باوجود اس لعنت میں مبتلا تھے جس کا انجام اُن کی بربادی کی صورت میں ہوا۔

اس کے علاوہ نبی مکرم ﷺ نے کسی بھی قوم پر ظالم حکمرانوں کے تسلّط اور اس قوم کی غربت، فقیری اور لاچارگی کا بنیادی سبب اسی قبیح عمل ناپ تول میں کمی کو قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لم ينقصوا المكيال والميزان إلا اخذوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان عليهم "[1]

ترجمہ: ''جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت و مشقت (تنگی) اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے''۔

لہٰذا ناپ تول میں کمی کرنے والا اس بات کو ہمیشہ اپنے مدِّ نظر رکھے کہ وہ تھوڑے سے دنیاوی عارضی مفاد کی خاطر حقیقت میں اپنی برکت، اطمینان و سکون ختم کر رہا ہے اور نہ صرف اپنی دنیا و آخرت برباد کر رہا ہے بلکہ معاشرے میں عذابِ الٰہی کے نزول کا ذریعہ بھی بن رہا ہے۔

صفات کا علم

اسی طرح شئے سے متعلّقہ صفات کی معرفت بھی اس لئے ضروری ہے تاکہ بعد میں اسے لیکر طرفین کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی تنازع پیدا نہ ہو جائے۔ خریدار کو چاہئے کہ خریدنے سے پہلے اُس کی مکمل صفات اچھی طرح معلوم کرلے۔ اور فروخت کنندہ کو چاہئے کہ مطلوبہ صفات کی مکمل وضاحت کرے۔

جان بوجھ کر عیب چھپانا

فروخت کنندہ کا جان بوجھ کر اپنے سامان سے متعلقہ کسی بھی صفت کو چھپانا اور خریدار سے اُسے مخفی رکھنا درست نہیں ہے، اپنے سامان میں عیب کا علم ہوتے ہوئے بھی اُسے خریدار سے چھپانا ایک نہیں کئی بڑے گناہوں کا ارتکاب ہے جیسے جھوٹ، دھوکہ دہی، فریب، کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا اور اُس نقصان کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا وبال بھی اسی فروخت کنندہ کو حاصل ہوگا، اب اندازہ لگایئے کہ گناہوں

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الفتن، باب العقوبات [یہ روایت صحیح ہے]

اور نقصانات کے نا ختم ہونے والے سلسلہ کے مقابلہ میں عیب چھپا کر اپنی چیز کو بیچ کر حاصل ہونے والے فائدہ کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ سچ بول کر حاصل ہونے والا تھوڑا فائدہ دنیا و آخرت میں حاصل ہونے والی، بے برکتی، بے اطمینانی اور رسوائی و ذلت سے کہیں بہتر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر وہ دونوں (فروخت کنندہ و خریدار) سچائی کو اپنائیں اور ایک دوسرے پر حقیقتِ حال واضح کر دیں تو ان کا سودا بابرکت ہوگا اور اگر دونوں نے عیب کو چھپایا اور جھوٹ کو اپنایا تو ان کے سودے سے برکت ختم کردی جائے گی''۔ (1)

بعض بیچنے والے اپنی چیز کا نقص جانتے ہوئے بھی واضح نہیں کرتے بلکہ اس کی ذمہ داری خریدار پر ڈال دیتے ہیں کہ جی آپ خود ہی دیکھ لیں، اگر بعد میں کوئی خرابی نکلی تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے، معلوم ہو کہ اُن کا یہ طریقہ خلافِ شریعت ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی بھی مسلم کے لئے یہ حلال وجائز نہیں کہ وہ اپنی چیز میں موجود عیب کی وضاحت کئے بغیر اُس کا سودا اپنے بھائی کے ساتھ کرے''۔ (2)

رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے شخص سے بیزاری و لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے جو چیز کا عیب ظاہر کیے بغیر اُسے فروخت کر دیتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا غلّے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا۔ آپ کی اُنگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے غلّے والے! یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکتے؟ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دھوکا دیا، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے''۔ (3)

آخر میں ربّ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام معاملات میں قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و العلم عند اللہ

---

(1) صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب مایمحق الکذب و الکتمان فی البیع

(2) رواہ ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ

(3) صحیح مسلم: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا

اسلامی بینکاری

مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج

مضاربہ
کی شرعی حیثیت

فضیلۃ الشیخ حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ (1)

الحمد للہ وحدہ و الصلوۃ و السلام علی من لا نبي بعدہ أمّا بعد فاَعُوذُ بِاللہ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجِیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

{وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ} [ص:24]

ترجمہ: ’’اور اکثر شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان دار ہوں اور نیک عمل کرتے ہوں اور ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔‘‘

---

(1) شیخ الحدیث ابوہریرہ اکیڈمی لاہور

یہ امر طے شدہ ہے کہ روپے پیسے میں اضافہ کرنے اور اسے بڑھانے کے لئے اسے کسی کاروبار میں لگانا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس دس لاکھ روپیہ موجود ہو اور وہ اسے کسی کاروبار میں نہ لگائے تو وہ دس سال کے بعد بھی دس لاکھ ہی رہے گا، اس کو دس لاکھ پچاس ہزار کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے کوئی کاروبار کیا جائے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جن کے پاس سرمایہ تو موجود ہے مگر وہ کاروبار کی صلاحیت نہیں رکھتے یا وہ کاروبار کرنا ہی نہیں چاہتے اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کاروبار کے ماہر تو ہوتے ہیں لیکن ان پاس سرمایہ نہیں ہوتا لہٰذا ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے، یعنی جن لوگوں کے پاس سرمایہ نہیں وہ ان لوگوں سے سرمایہ لے کر اس سے کاروبار کر سکیں یا اپنے پہلے سے جاری کاروبار کو ترقی دے سکیں جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سرمایہ موجود ہو اور اس کا فائدہ سرمایہ کار کو بھی پہنچے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں اس کی دو صورتیں رائج تھیں۔

1. سرمایہ دار ضرورت مند کو سرمایہ دے کر اس کا ایک طے شدہ کرایہ وصول کرتا۔ اسلام کی نگاہ میں یہ طریقہ سراسر باطل اور حرام ہے کیونکہ روپیہ پیسہ ایسی چیز نہیں جس کا کرایہ لیا جا سکے، لہٰذا قرآن نے اسے سود قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی۔

2. سرمایہ دار اس شرط پر سرمایہ دیتا کہ کاروبار سے جو منافع حاصل ہوگا وہ اس کے اور کاروباری فریق کے درمیان ایک طے شدہ تناسب (Ratio) سے تقسیم ہوگا۔ اس طریقِ کار کو مضاربہ کہا جاتا ہے جس کا لغوی معنی ہے "سفر کرنا" اور اس کا نام مضاربہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ کاروباری فریق اپنی سفری کوشش اور محنت کے بدلے نفع کا حق دار بنتا ہے۔ مضاربہ میں چونکہ سرمایہ کار اپنے مال کا کچھ حصہ الگ کر کے دوسرے فریق کے حوالے کر دیتا ہے اس لئے بعض اہل علم اسے قراض یا مقارضہ بھی کہتے ہیں جس کا معنی ہے "کاٹنا"۔ اسلامی شریعت نے بھی اس کو برقرار رکھا اور بعض شرائط اور پابندیوں کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی بعثت سے قبل حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے مال

سے مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی اور بہت سے صحابہ کرام نے مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار کئے۔

مضاربہ کے بارے میں روایات

کتب حدیث میں ہمیں مضاربہ کے متعلق درج ذیل روایات ملتی ہیں۔

1 سنن ابن ماجہ میں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ثلاثٌ فِیھِنَّ الْبر کة الْبَیْعُ إِلَی أَجَلٍ وَالمقَارَضة وَإِخْلاطُ الْبرِ بِالشَّعِیرِ لِلْبَیْتِ لا لِلْبَیْعِ "[1]

ترجمہ:''تین چیزوں میں برکت ہے۔ (1) معینہ مدت کے لئے ادھار فروخت کرنا۔ (2) مضاربہ کی بنیاد پر کسی کو مال دینا۔ (3) گھریلو ضرورت کے لئے گندم میں جو کی ملاوٹ کرنا البتہ فروخت کرنے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔''

2 سنن بیہقی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں کے بارے میں منقول ہے:

"إذا دفع مالاً مُضاربةً اشترط علی صاحبه أن لا یسلک به بحرًا و لا ینزل به وادیا و لا یشتری به ذات کبدٍ رطبةٍ فإن فعل فھو ضامنٌ فرُفع شرطه إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فأجازه ".[2]

''جب کسی کو وہ مضاربت پر مال دیتے تو یہ شرط لگاتے کہ وہ یہ مال سمندر میں نہیں لے جا سکتا اور کسی وادی میں بھی نہیں لے جائے گا اور نہ اس سے جانور خریدے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو نقصان کا ضامن وہ خود ہوگا۔ ان کی یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔''

سند کے لحاظ سے یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔

3 سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی انہی شرائط کے ساتھ مضاربت پر مال دیا کرتے تھے۔[3]

---

[1] ابن ماجه: کتاب التجارة، باب الشرکة والمضاربة [2] سنن البیهقی: کتاب القراض

[3] سنن دار قطنی: کتاب البیوع، (یہ حدیث صحیح ہے)

4 سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی مضاربہ کی بنیاد پر مال دیا تھا۔[1]

5 سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ جب وہ واپس آرہے تھے تو ان کی ملاقات بصرہ کے گورنر ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انہوں نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ تمھیں کوئی فائدہ پہنچا سکوں۔ میرے پاس بیت المال کا کچھ مال ہے جو میں مدینہ منورہ امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں وہ مال تمھیں بطور قرض دے دیتا ہوں تم یہاں سے کچھ سامان خرید لو اور مدینہ منورہ میں وہ سامان بیچ کر اصل سرمایہ بیت المال میں جمع کرا دینا اور نفع خود رکھ لینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے اسے مضاربہ قرار دے کر اصل سرمائے کے علاوہ ان سے آدھا نفع بھی وصول کیا۔[2]

6 سنن بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مضاربہ میں ہر سرمایہ کار اپنے سرمائے کے تناسب سے نقصان برداشت کرے گا اور منافع طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہوگا۔''

مضاربہ کے اصول وضوابط

مضاربہ میں دو فریق ہوتے ہیں۔

1. کاروبار کے لئے سرمایہ فراہم کرنے والا جسے رَبُّ المال کہا جاتا ہے۔
2. کاروبار کرنے والا فریق جسے مضارب کہتے ہیں۔

رب المال یعنی سرمایہ فراہم کرنے والا براہ راست کاروبار یا مینجمنٹ میں حصہ تو نہیں لے سکتا البتہ اسے کاروباری پالیسیوں کے متعلق اعتماد میں لینا، حسابات کی تفاصیل معلوم کرنا اور کاروبار کی مناسب نگرانی کرنا تاکہ مضارب بد دیانتی اور غفلت کا مرتکب نہ ہو اس کا بنیادی حق ہے جس سے کسی عالم، فقیہ اور مجتہد کو اختلاف نہیں کیونکہ یہ دونوں کاروبار میں ایک دوسرے کے شریک ہیں کہ ایک کی محنت اور دوسرے کا سرمایہ شامل ہے لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سرمایہ کار کو کاروبار کی نگرانی اور اس بات کو یقینی بنانے کا اختیار

---

[1] مؤطا امام مالک [2] مؤطا امام مالک

دیا جائے کہ مضارب اپنا فرض پوری دیانت داری سے ادا کر رہا ہے یا نہیں اور اگر عقلی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی ہے کہ ایک شخص نے خطیر رقم دی ہو اور اسے کاروبار سے بالکل ہی الگ تھلگ رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے یہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کو مضاربت پر مال دیا، اس نے محنت کی جس کے نتیجے میں اسے منافع حاصل ہوا۔ اب مضارب یہ چاہتا ہے کہ وہ سرمایہ کار کی غیر موجودگی میں منافع سے اپنا حصہ وصول کر لے تو کیا یہ درست ہے؟ اس پر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لا ينبغي له أن يأخذ منه شيئًا إلا بِحَضرة صَاحِبِ المالِ" [1]

''جب تک رَبُّ المال موقع پر موجود نہ ہو مضارب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ منافع سے اپنا حصہ وصول کرے۔''

مروجہ اسلامی بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹس کے علاوہ بقیہ تمام اکاؤنٹس عام طور پر مضاربہ کی بنیاد پر ہی کھولے جاتے ہیں یعنی بینک میں رقم رکھنے والے ربُّ المال اور بینک مضارب ہوتا ہے لیکن کسی بھی اسلامی بینک میں اس اصول پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ ہر اسلامی بینک کے اکاؤنٹ اوپننگ فارم میں یہ عبارت درج ہوتی ہے کہ:

''بینک کی جانب سے متعین کردہ کوئی بھی رقم بطور نفع یا نقصان حتمی ہوگی اور تمام صارفین اس کے پابند ہوں گے۔ کسی صارف کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ ایسے نفع یا نقصان کے تعین کی بنیاد کے بارے میں سوال کرے۔''

بینک کی طرف سے اکاؤنٹ ہولڈر پر یہ پابندی عائد کرنا عدل وانصاف کے منافی اور ربُّ المال کی حق تلفی ہے۔ اس ناروا شرط کا ہی نتیجہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے منافع میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے مگر ڈپازٹر کے منافع کی شرح وہی ہے حتی کہ بعض اسلامی بینکوں کے منافع میں ایک سال کے دوران ایک سو چھ فیصد تک اضافہ ہوا ہے لیکن ڈپازٹرز کے پرافٹ میں اس حساب سے اضافہ نہیں کیا گیا، صرف ایک آدھا فیصد اوپر

[1] مؤطا: باب المحاسبة في القراض

نیچے کیا جاتا ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مروجہ اسلامی بینک بددیانتی کے مرتکب ہیں اور ان میں رائج مضاربہ حقیقی معنوں میں مضاربہ نہیں ہے۔

دوسرا اصول

مضاربہ کے صحیح ہونے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ فریقین بالکل شروع میں ہی منافع کے تقسیم کی شرح طے کر لیں یعنی یہ فیصلہ کر لیں منافع سرمایہ کار اور مضارب میں مساوی تقسیم ہوگا یا سرمایہ کار منافع کے ساٹھ فیصد اور مضارب چالیس فیصد کا حق دار ہوگا کیونکہ مضاربہ میں منافع ہی معقود علیہ ہوتا ہے اور اگر یہ مجہول ہو تو مضاربہ فاسد ہوگا۔ چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں مرقوم ہے:

"يشترط في الربح أن تكون كيفية توزيعه معلومة علمانافيا للجهالة ومانعا للمنازعة"

''منافع میں یہ شرط ہے کہ اس کی تقسیم کی کیفیت اس طرح معلوم ہو کہ اس میں کوئی بے خبری اور نزاع کا امکان نہ ہو۔''

جب کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں اکاؤنٹ کھولتے وقت منافع کے تقسیم کی شرح بالکل واضح نہیں کی جاتی بلکہ بینک اس کا اعلان مضاربہ شروع ہونے کے بعد کرتا ہے۔ چنانچہ اسلامی بینکوں کے اکاؤنٹ اوپننگ فارم میں یہ عبارت درج ہوتی ہے:

''بینک ڈپازٹر کے ساتھ کاروبار سے حاصل ہونے والے اجمالی نفع (Gross Income) میں اس شرح سے شریک ہوگا جس کا اعلان بینک نے ہر مہینے یا عرصے کے آغاز میں کیا ہوگا۔ بینک کا حصہ وقتاً فوقتاً تبدیل ہوسکتا ہے اور اس کا بھی متعلقہ مہینے یا عرصے کے پہلے ہفتے کے اندر اندر اوزان کے ساتھ کیا جائے گا۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ مروجہ اسلامی بینکوں میں مضاربہ شروع کرتے وقت منافع کے تقسیم کی شرح معلوم نہیں ہوتی بلکہ بعد میں بتائی جاتی ہے اور بینک جب چاہے اس کو تبدیل بھی کر سکتا ہے جس سے مضاربہ باطل ہو جاتا ہے۔

تیسرا اصول

شرعی نقطۂ نظر سے مضاربہ ایگریمنٹ میں سرمایہ کار کا حق فائق ہوتا ہے یعنی وہ مضارب پر کسی مخصوص شخص یا کمپنی کے ساتھ لین دین کرنے یا کسی خاص جگہ پر کاروبار کرنے کی پابندی عائد کرسکتا ہے اوران اشیاء کا تعین بھی کرسکتا ہے جن کے علاوہ تجارت نہیں کی جاسکتی اور اگر مضارب اس کی ہدایات پر عمل نہ کرے تو وہ سرمایہ کار کے سرمائے کا ذمہ دار ہوگا جیسا کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ کسی کو مضاربہ پر مال دیتے تو یہ شرط عائد کرتے:

"أن لا تجعل مالي في كبد رطبة ولا تحمله في بحر ولا تنزل به في بطن مسيل، فان فعلت شيئا من ذلك فقد ضمنت مالي". (1)

''میرے مال سے جانور نہیں خریدو گے اور نہ اس سے سمندر اور کسی وادی میں تجارت کرو گے اور اگر تم نے ایسا کیا تو میرے مال کے نقصان کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

مروجہ اسلامی بینکوں کے کھاتے داران اس حوالے سے بھی بے بس دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ان کا کام صرف رقوم جمع کرانا ہے۔ ان رقوم سے کونسا کاروبار کرنا ہے یا بینک اس کو کہاں استعمال کرے گا یہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے، کھاتے دار اس کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ہر اسلامی بینک کے اکاؤنٹ اوپننگ فارم میں یہ صراحت ہوتی ہے:

''بینک بحیثیت مضارب اپنی صوابدید پر صارفین سے وصول شدہ رقم کی سرمایہ کاری و عدم سرمایہ کاری کسی بھی کاروبار (کاروبار، ٹرانزیکشن، پروڈکٹ) میں کرسکتا ہے جو بینک کے شریعہ ایڈوائزر سے منظور شدہ ہو۔''

یہ درست ہے کہ سرمایہ کار مضارب کو یہ اختیار دے سکتا ہے کہ وہ جس کاروبار اور تجارت میں پیسہ لگانا

---

(1) بلوغ المرام: باب القراض

چاہے لگا سکتا ہے یا جس علاقے میں مناسب سمجھے کاروبار کرسکتا ہے لیکن مضارب کی طرف سے سرمایہ کار کا یہ حق سلب کیا جانا غیر منصفانہ اقدام ہے جس کی تائید نہیں کی جاسکتی۔

چوتھا اصول

مضاربہ میں سرمایہ کار یہ گارنٹی تو طلب نہیں کرسکتا کہ اسے اتنے فیصد منافع ہر حال میں ادا کیا جائے گا خواہ مضارب کو فائدہ ہو یا نقصان کیونکہ ایسا منافع سود کے زمرے میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا لیکن وہ مضارب سے یہ گارنٹی لے سکتا ہے کہ وہ اپنا فرض پوری دیانتداری اور تندہی سے ادا کرے گا اور ان شرائط کے مطابق ہی کاروبار کرے گا جو فریقین کے مابین طے ہوئی ہیں اور اگر معاہدے میں طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی یا اس کی غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے کوئی نقصان ہوا تو وہ اس کا ازالہ کرے گا جیسا کہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"يجوز لرب المال أخذ الضمانات الكافية والمناسبة من المضارب بشرط أن لا ينفذ رب المال هذه الضمانات الا اذا ثبت التعدى أو التقصير أو مخالفة شروط عقد المضاربة".

’’ربُّ المال مضارب سے کافی اور مناسب ضمانتیں لے سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ رب المال ان ضمانتوں کو اسی صورت نافذ کرے گا جب مضارب کی زیادتی یا کوتاہی یا عقد مضاربہ کی شرائط کی خلاف ورزی ثابت ہوجائے۔‘‘

خود اسلامی بینک بھی سیکورٹی ڈپازٹ کے بغیر اپنے کلائنٹ کے ساتھ اجارہ وغیرہ کا معاملہ نہیں کرتے لیکن ایک بھی اسلامی بینک ایسا نہیں جو اپنے ڈپازٹر کو یہ گارنٹی دیتا ہو۔

پانچواں اصول

کتب فقہ میں مضاربہ کی بحث میں ایک اصول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مضاربہ کی بنیاد پر لئے گئے سرمائے سے صرف تجارت (Trading) ہی کی جا سکتی ہے، تجارت کے علاوہ اسے کسی اور مقصد کیلئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عقد القراض يقتضى تصرف العامل فى المال بالبيع والشراء ، فإذا قارضه على أن يشترى به نخلا يمسك رقابها ويطلب ثمارها لم يجز لانه قيد تصرفه الكامل بالبيع والشراء ، ولان القراض مختص بما يكون النماء فيه نتيجة البيع والشراء وهو فى النخل نتيجة عن غير بيع وشراء فبطل أن يكون قراضا ولا يكون مساقاة، لأنه عاقده على جهالة بها قبل وجود ملكها، وهكذا لو قارضه على شراء دواب أو مواشي يحبس رقابها ويطلب نتاجها لم يجز لما ذكرنا". [1]

''عقد مضاربہ کا تقاضا یہ ہے کہ مضارب خرید وفروخت کے ذریعے ہی مال میں تصرف کرے لہٰذا جب وہ اس طرح مضاربہ کرے کہ وہ اس مال سے کھجوروں کے درخت خریدے گا اور ان سے پھل حاصل کرے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ قید یہ ہے کہ کامل تصرف خرید وفروخت کے ذریعے ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربہ ان معاملات کے ساتھ مختص ہے جہاں مال میں اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں ہو جبکہ کھجوروں میں یہ اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں نہیں اس لیے اس کا مضاربہ باطل ٹھہرا اور یہ مساقات کا معاملہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں یہ کھجوروں کی ملکیت وجود میں آنے سے پہلے مجہول درختوں پر عقد ہوگا۔ اسی طرح اگر اس طرح مضاربہ کرلے کہ وہ جانور یا مویشی خریدے گا جو بذات خود تو اس کے پاس محفوظ ہوں گے مگر ان کی پیداوار حاصل کرے گا تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے یعنی یہ نفع خرید وفروخت کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوا۔''

---

[1] المجموع: ج14 ص371

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" لو قارضه على أن يشتري الحنطة فيطحنها ويخبزها والطعام ليطبخه ويبيعه والغزل لينسجه، والثوب ليقصره، أو يصبغه، والربح بينهما، فهو فاسد ... قارضه على دراهم على أن يشتري نخيلا أو دواب أو مستغلات ويمسك رقابها لثمارها ونتاجها وغلاتها وتكون الفوائد بينهما فهو فاسد لأنه ليس ربحاً بالتجارة بل من عين المال ". ①

''اس کا مطلب یہی ہے کہ مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری پیداواروں سکیموں میں استعمال نہیں ہوسکتا جیسے کوئی اس بات پر مضاربہ کرلے کہ وہ گندم خرید کر اسے پیسے گا اور روٹی پکا کر اسے بیچے گا اور نفع دونوں میں تقسیم ہوگا تو یہ مضاربہ فاسدہ ہوگا کیونکہ یہ نفع تجارت کے ذریعے حاصل نہیں ہوا بلکہ اس نے خود مال سے جنم لیا ہے''

امام ابوالقاسم عبدالکریم الرافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" لو قارضه على أن يشترى الحنطة فيطحنها ويخبزها والطعام ليطبخه ويبيع والربح بينهما فهو فاسد وتوجيه الملتئم من كلام الاصحاب أن الطبخ والخبز ونحوهما أعمال مضبوطة يمكن الاستئجار عليها وما يمكن الاستئجار عليه فيستغني عن القراض إنما القراض لما لا يجوز الاستئجار عليه وهو التجارة التى لا ينضبط قدرها ". ②

''یعنی مضاربہ کے مال سے صرف تجارت کی جاسکتی ہے دوسرے نفع بخش کاموں میں لگانے کی اجازت نہیں کیونکہ مضاربہ وہاں ہوتا ہے جہاں اجارہ نہ ہوسکے اور وہ تجارت ہے۔ جہاں اجارہ ہوسکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

---

① روضة الطالبين: ج2، ص188

② فتح العزيز شرح الوجيز: ج12 ص11

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مضاربہ کا مال صرف تجارت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں ہی لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"فينتظم العقد صنوف التجارة وماهو من صنيع التجار". ①

''مضاربہ کا عقد تجارتی سرگرمیوں کو ہی شامل ہے جبکہ یہ (ایک خاص مسئلہ کی طرف اشارہ) تاجروں کا کام نہیں ہے۔''

دوسری جگہ ایک مسئلہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''کہ یہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس لیے جائز نہیں کہ یہ تجارت میں شامل نہیں اور عقد مضاربہ کا مقصد صرف تجارت میں کسی کو ایجنٹ بنانا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''جب یہ تجارت نہیں ہے تو مضاربہ میں بھی شامل نہیں ہے''۔ ②

علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

" لَوْ قَارَضهُ عَلَى أَنْ يشْترِىَ بِالدَّرَاهم نَخْلًا ليستغِله ، وَالرِّبحُ بينهما ؛ لِأَنَّ مَا حَصَلَ لَيْسَ بِتَصرف الْعَامِلِ وَإِنَّماهوَ مِنْ عَيْنِ المالِ". ③

''اگر کوئی اس طرح مضاربہ کرے کہ وہ دراہم سے کھجوروں کے درخت خریدے گا تاکہ ان کی آمدن حاصل کرے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں جو نفع حاصل ہوا ہے وہ مضارب کے تصرف کا نتیجہ نہیں ہے وہ تو خود مال کا کمال ہے۔''

جب کہ اسلامی بینک مضاربہ کی بنیاد پر لیا گیا سرمایہ اجارہ وغیرہ میں بھی لگاتے ہیں جس سے اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ مشکوک قرار پاتا ہے۔ چونکہ اس نقطہ نظر کے حق میں دلائل نہیں ہیں اس لیے اسلامی بینکاری کے حامی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بنیادی طور پر مضاربہ تجارت میں ہی ہوتا ہے۔

---

① هداية مع البناية: ج10ص52 ② هداية مع البناية: ج10ص87

③ البهجة الوردية: باب القراض ج11ص480

زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کیا جانے لگا ہے۔
چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں ہے:

" والمضاربة من الصيغ التي تستخدم غالبا في التجارة ثم توسعت استخداماتها حتى شملت مجالات الاستثمار التجارية والزراعية والصناعية والخدمية وغيره ". ①

''مضاربہ ان طریقوں میں سے ہے جو زیادہ تر تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ تجارتی، زرعی اور صنعتی سرمایہ کاری وغیرہ کو بھی شامل ہوگیا۔''

مضاربہ کے مفہوم میں یہ وسعت کس نے پیدا کی، کب کی اور کس بنیاد پر کی؟ اسلامی بینکوں کے مفتیان کرام اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

چھٹا اصول

مضاربہ میں نفع کا صحیح اندازہ تب ہی ہوسکتا ہے جب مضاربہ کاروبار کے غیر نقد اثاثوں کو بیچ کر نقد میں تبدیل کر لیا جائے۔ اسی لئے ماہرین شریعت یہ کہتے ہیں کہ لیکویڈیشن سے پہلے منافع کی تقسیم درست نہیں ہے۔ چنانچہ معروف حنفی فقیہ جناب علامہ علاؤالدین کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" ويشترط لجواز القسمة قبض المالك رأس المال ،فلاتصح قسمة الربح قبل قبض رأس المال ". ②

''مضاربہ میں نفع کی تقسیم کی شرط یہ ہے کہ ربّ المال اپنے رأس المال پر قبضہ کرلے۔ چنانچہ اصل سرمائے کو قبضہ میں لینے سے قبل نفع کی تقسیم درست نہیں ہوگی۔''

---

① ایضاً۔ص 232

② الموسوعة الفقهية

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لیکویڈیشن کے بغیر منافع تقسیم کر دیا جائے اور بعد میں مال ضائع یا بازار میں مندی ہو جائے تو اس سے رب المال کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی کاروبار کو ایک مدت کے دوران نقصان اور دوسری مدت کے دوران منافع ہو تو پہلے اس منافع سے نقصان کو پورا کیا جائے گا اور اگر نفع کی کوئی رقم باقی بچ رہی ہو تو وہ ربُ المال اور مضارب کے درمیان طے شدہ فارمولے کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لیکویڈیشن سے قبل منافع کی تقسیم کی صورت میں چونکہ مضارب سابقہ مدت کے نفع سے اپنا حصہ وصول پا چکا ہوتا ہے جس کی واپسی کا مطالبہ فریقین کے مابین نزاع اور کشیدگی کا سبب بن سکتا ہے اس لئے لیکویڈیشن سے پہلے منافع کی تقسیم کا عمل درست نہیں ہوسکتا۔

اسلامی بینکوں میں چونکہ رقمیں جمع کرانے اور نکالنے کی کوئی تاریخ متعین نہیں ہے کہ تمام اکاؤنٹ ہولڈر اسی ایک تاریخ میں رقمیں جمع کرائیں اور نکالیں بلکہ یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے اس لئے منافع کی تقسیم سے قبل غیر نقد اثاثوں کو بیچ کر نقد میں تبدیل کرنے کی نوبت نہیں آتی، صرف ان اثاثوں کی بازاری قیمت کا اندازہ کیا جاتا ہے، عملاً کاروبار ختم نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی بیان کردہ شرط کا تقاضا پورا کرتا ہے یہ غور طلب پہلو ہے جس کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔

(بخاری۔ مسلم)

مروجہ اسلامی بینکوں کے ذرائع تمویل

مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کی شرعی حیثیت

عثمان صفدر [1]

اسلامی بینکوں میں کیا جانے والا مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ وہ معاملات ہیں جو ان بینکوں کے دیگر معاملات پر حاوی ہیں۔ سب سے زیادہ معاہدے اور ٹرانزیکشن انہی معاملات کے تحت ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر یوں بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح سودی بینکوں کا اصل کاروبار سود پر قرض دینا ہے، اسی طرح اسلامی بینکوں کا اصل کاروبار ''مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ'' ہیں۔ مروجہ ذرائع تمویل (Financing) کی شرعی حیثیت کے تعین کے لئے اس کا شرعی مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کی شرائط وضوابط سے تقابل ضروری ہے۔

''مرابحہ'': مرابحہ کا اصل ماخذ ''ربح'' یعنی منافع ہے۔ مرابحہ کا لغوی طور پر مطلب یہ ہوگا کہ ایسا معاملہ کرنا جس میں ربح یعنی منافع طے ہو۔

---

[1] چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

فقہاء کے نزدیک مرابحہ کی اصطلاحی تعریف:

"کسی چیز کی خرید وفروخت اس کی اصل قیمت اور معلوم منافع کے ساتھ"۔

یعنی ایک شخص کسی چیز کی فروخت کرتے وقت خریدنے والے کو چیز کی اصل قیمت اور اپنا منافع بیان کر کے فروخت کرے۔

یہی وہ تعریف ہے جو فقہاء اسلام نے کتب فقہ مثلاً ہدایہ (1)، بدائع الصنائع (2)، المغنی (3) روضۃ الطالبین (4) میں بیان کی ہے اگرچہ ان کی عبارات میں کچھ فرق ہے۔

بیع مرابحہ کے جواز کی دلیل:

1. اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} [البقرة: 275] "اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے"۔لہذا ہر وہ معاملہ جو بیع کے زمرے میں آتا ہے وہ حلال ہے، اور مرابحہ بھی بیع کی ایک قسم ہے۔
2. علماء نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ: "الأصل في المعاملات الحل" کہ تجارتی وعوضی معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہیں سوائے ان معاملات کے جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔اور چونکہ بیع مرابحہ بھی معاملات سے متعلق ہے اور قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص نہیں ملتی جس میں اس کی حرمت کا تذکرہ ہو لہذا یہ بیع حلال ہے۔

بیع مرابحہ اور عام بیع میں فرق اور مرابحہ کی ضرورت

عام بیع (خرید وفروخت کا معاملہ) میں بھی اگرچہ بیچنے والا اپنا منافع رکھ کر بیچتا ہے لیکن اس میں اور بیع مرابحہ میں فرق اس منافع کو بیان کرنے کا ہے۔بیع مرابحہ میں دوکاندار چیز کی اصل قیمت اور اپنا منافع دونوں بیان کرتا ہے۔بیع مرابحہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خریدار کو ہمیشہ یہ خدشہ رہا ہے کہ بیچنے

---

(1) البناية في شرح الهداية 486/6 (2) بدائع الصنائع للكاساني 3163/7. (3) المغني 259/4 (4) روضة الطالبين للنووي 526/3

والا جائز منافع سے زیادہ وصول نہ کرلے، اسی لئے جب بیچنے والا چیز کی صحیح قیمت اور اپنا منافع بیان کردیتا ہے تو خریدار مطمئن ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ''بیع مرابحہ'' کو علماء نے بیوع الامانہ کی ایک قسم قرار دیا ہے کہ یہ عام بیع کی نسبت زیادہ امانتداری کی متقاضی ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ

مروجہ مرابحہ، شرعی مرابحہ سے کافی مختلف ہے۔ مروجہ مرابحہ دراصل مرابحة للآمر بالشراء کہلاتا ہے۔ اس کی بنیادی صورت یوں ہوتی ہے کہ صارف بینک سے مخصوص چیز خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے جسے وہ خود خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ بینک مطلوبہ سامان صارف کے کہنے پر خرید کر مرابحہ کی صورت میں اسے فروخت کردیتا ہے، اور صارف اس کی قیمت اقساط میں ادا کرتا ہے۔

مروجہ مرابحہ اور شرعی مرابحہ میں فرق

مروجہ مرابحہ اور شرعی مرابحہ میں کافی حوالوں سے فرق پایا جاتا ہے جس میں سے تین بنیادی فرق یہ ہیں:

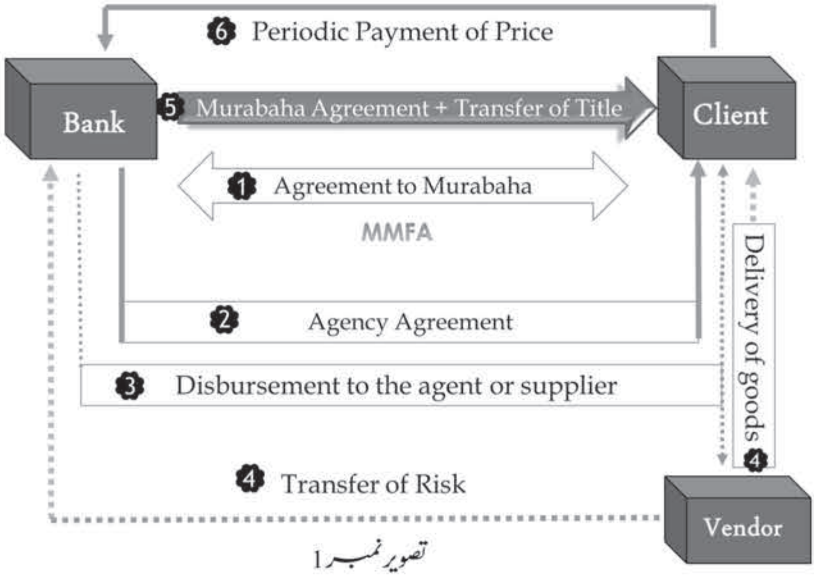
1. شرعی مرابحہ میں بیچنے والے کے پاس سامان پہلے سے موجود ہوتا ہے جسے وہ معلوم منافع پر فروخت کرتا ہے۔ مروجہ مرابحہ میں بینک کے پاس سامان موجود نہیں ہوتا بلکہ وہ صارف کے کہنے پر مطلوبہ سامان خرید کر اسے فروخت کرتا ہے۔
2. شرعی مرابحہ میں ادائیگی عموماً نقد ہوتی ہے، جبکہ مروجہ مرابحہ میں نقد ادائیگی کا کوئی تصور نہیں۔
3. شرعی مرابحہ دراصل ایک بیع یعنی خرید و فروخت کا معاملہ ہے، جبکہ مروجہ مرابحہ اسلامی بینکوں میں طریقہ ہائے تمویل (mode of financing) کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے حامی مفتی تقی عثمانی صاحب خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ: ''بنیادی طور پر مرابحہ طریقہ تمویل نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم ہے''۔ [1]

---

[1] اسلامی بینکاری کی بنیادیں۔ص 8

مروجہ مرابحہ کی تفصیل

مروجہ مرابحہ کی تفصیل تصویر نمبر(۱) اوراس کی وضاحت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:



تصویر نمبر 1

وضاحت:

1 سب سے پہلے صارف بینک سے ایک معاہدہ کرتا ہے جسے (Master Murabaha Facility Agreement) کہا جاتا ہے۔اس معاہدہ میں:

- صارف بینک سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مطلوبہ سامان بینک سے خریدے گا۔
- اس وعدہ کو مزید پختہ کرنے کیلئے بینک صارف سے ایک مخصوص رقم بطور سیکیورٹی جمع کرانے کا تقاضا کرتا ہے، تاکہ صارف کے وعدہ سے مکر جانے کی صورت میں اگر بینک وہ سامان خرید چکا ہوتو اسے واپس کرنے یا کسی اورکو بیچنے کی صورت میں ہونے والے نقصان کواس سیکیورٹی سے پورا کرے۔
- بینک صارف کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ مطلوبہ سامان خرید کر مقررہ مدت میں اسے بیچے گا۔

- ادائیگی کا طریقہ کار اور بینکاری کے دیگر معاملات کی تفصیلات طے کی جاتی ہیں۔

2. پھر بینک اسی صارف سے ایک معاہدہ کرتا ہے جسے (Agency Agreement) کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کے تحت بینک اسی صارف کو اپنا وکیل مقرر کرتا ہے کہ وہ بینک کی وکالت یا نیابت میں جا کر مطلوبہ سامان خرید لے۔

3. بینک اس سامان کی قیمت ادا کرتا ہے جو کبھی تو وکیل کے ذریعہ یا کبھی براہ راست بیچنے والے تک پہنچتی ہے۔

4. سامان صارف کو موصول ہوتا ہے اور جب تک وہ سامان صارف تک نہ پہنچے اور صارف اسے خرید نہ لے وہ بینک کی ملکیت ہوتا ہے اور سامان کی تلفی یا کسی نقصان کی صورت میں بینک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

5. پھر ایک الگ معاہدہ کے تحت صارف بینک سے وہ سامان خرید لیتا ہے اور اس کی ملکیت حاصل کرتا ہے۔

6. صارف اس سامان کی قیمت اقساط میں بینک کو ادا کرتا ہے۔

اسلامی بینکوں کے (Murabaha Financing) اور سودی بینکوں کے (Interest base Financing) میں بنیادی فرق:

اسلامی بینکوں کے ربح (منافع) اور سودی بینکوں کے ربا (سود) میں بنیادی فرق مخاطرت (Risk) کا ہے۔ سودی بینک قرض دیتے ہیں اور اس پر سود وصول کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا۔ مرابحہ میں اسلامی بینک صارف کا مطلوبہ سامان خریدتے ہیں پھر صارف کو بیچتے ہیں اور اس دوران انہیں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، یہی اندیشہ اور رسک اسلامی بینکوں کے منافع کو ربا سے نکال کر ربح بناتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اسلامی بینک اس پورے عمل میں کسی قسم کے اندیشہ، رسک، یا ضمانت کو قبول کرتے ہیں؟

کیا مرابحہ میں اسلامی بینک حقیقی خرید و فروخت کرتے ہیں؟ کیونکہ ضمانت اور رسک حقیقی خرید و فروخت میں ہے، کاغذی بیع میں نہیں!۔

کیا اسلامی بینک حقیقی بیع کی تمام شرعی شرائط پر عمل پیرا ہوتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر سرسری نظر سے بھی اسلامی بینکوں میں جاری مرابحہ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کسی قسم کا رسک، مخاطرت نظر نہیں آتی۔

حقیقی خرید وفروخت میں بازار میں موجود ایک تاجر کو عمومی طور پر دو بنیادی اندیشوں کا سامنا ہوتا ہے:

1. جو سامان اس کے پاس موجود ہے وہ کوئی خریدے گا بھی یا نہیں؟۔
2. سامان فروخت ہو کر خریدنے والے کے پاس اس کی منتقلی تک اس کے ضائع ہونے تلف ہو جانے اور دیگر ہر قسم کے نقصان کو تاجر نے ہی برداشت کرنا ہوتا ہے۔

اسلامی بینک کو عملی طور پر ان دونوں اندیشوں کا سامنا نہیں ہوتا۔

1. بینک کے پاس کوئی سامان نہیں جس کے نہ بکنے کا اسے کوئی اندیشہ ہو۔
2. صارف کے کہنے پر بینک کوئی بھی سامان خریدنے سے پہلے صارف سے تحریری صورت میں وعدہ لیتا ہے کہ وہ یہ سامان بینک سے لازماً خریدے گا۔
3. بینک اس وعدہ پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ پہلے سے صارف سے ایک مخصوص رقم سیکیورٹی کی مد میں وصول کرتا ہے تاکہ صارف کے وعدہ سے مکر جانے کی صورت میں ہونے والے نقصان کو پورا کیا جاسکے۔
4. سامان خریدنے سے لے کر صارف تک پہنچنے تک بینک کا عملاً کوئی کردار نہیں ہوتا۔ بلکہ سامان بیچنے والے کے پاس سے براہ راست صارف تک منتقل ہوتا ہے اور بینک پہلے اسے اپنے قبضہ میں لینے کی کوئی زحمت نہیں کرتا۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینک مرابحہ کے حوالہ سے کسی قسم کا رسک یا مخاطرت کا سامنا کرتا ہے؟ اور اگر بینک کو مرابحہ میں تمویل کے ذریعہ جو منافع حاصل ہو رہا ہے اس کا دارومدار مخاطرت پر نہیں تو اس ''ربح'' کو ''ربا'' سے الگ حکم دینے کا کیا جواز ہے؟۔

مروجہ مرابحہ پر چند بنیادی شرعی اعتراضات:

(پہلا اعتراض)

(Master Murabaha Facility Agreement) میں صارف سے لیا جانے والا وعدہ اور اس کا لازمی ایفاء:

وعدہ کی پاسداری شریعت میں اخلاقی طور پر یقیناً فرض ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ

إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا} [الإسراء:34]، ''وعدے پورے کرو، بیشک وعدوں کی پاسداری کے متعلق پوچھا جائے گا''۔اسی لئے ایک مسلمان کا یہ دینی تقاضا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کی پاسداری کرے، لیکن قانونی طور پر کسی وعدے کو جبراً پورا کرانا یا قانونی طور پر وعدے کے ایفاء کو لازم قرار دینا خصوصاً بیوع کے معاملات میں بہت سے شبہات کو جنم دیتا ہے۔اسلامی بینکنگ کے کتنے ہی مسائل ایسے ہیں جس میں صارف سے وعدہ لیا جاتا ہے اور اسے قانوناً لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس حیلہ کے ذریعہ بینک اپنے حصہ کا سارا رسک صارف کے کھاتے میں ڈال کر بے نیاز ہوجاتا ہے۔

مروجہ مرابحہ میں بھی اسی حیلہ کا استعمال کیا گیا ہے، صارف سے وعدہ لیا جاتا ہے کہ جب بینک اس کا مطلوبہ سامان حاصل کرلے گا تو صارف اسے ضرور خریدے گا، یا یہ وعدہ لیا جاتا ہے کہ اگر صارف نے اس سامان کو نہ خریدا تو بینک کو ہونے والا نقصان صارف برداشت کرے گا، اور اس حیلہ کے استعمال سے مرابحہ میں جو شرعی مخالفات سامنے آتی ہیں ان سے قطعی طور پر صرف نظر کیا جاتا ہے۔ان شرعی مخالفات میں سب سے بدتر مخالفت مروجہ مرابحہ کا سودی تمویل سے مشابہ ہوجانا ہے۔ان مخالفات کا ذکر آئندہ سطور میں ہوگا ان شاء اللہ۔

مروجہ مرابحہ میں صارف سے لئے جانے والے یکطرفہ وعدہ اور اس کے لازمی ایفاء کے حوالہ سے اسلامی بینکوں کے ذمہ داران دو بنیادی دلائل پیش کرتے ہیں:

(پہلی دلیل) مذہب مالکیہ میں ایفاء وعدہ کو لازم قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اسی کو دلیل بناتے ہوئے مرابحہ میں صارف پر ایفاء وعدہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔[1]

اس دلیل کے جواب میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا:

1. پاکستان میں بالخصوص اسلامی بینکاری کی بنیاد مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اور ان کے رفقاء نے رکھی ہے، اور مفتی صاحب اور ان کے رفقاء نے اسلامی بینکاری کی بنیادوں کو عموماً فقہ حنفی پر استوار کیا ہے کیونکہ مفتی صاحب کا تعلق مسلک حنفی سے ہے۔یہاں سوال یہ ہے کہ جب تمام بنیادیں اور اصول فقہ حنفی سے مستمد ومستفاد ہیں تو اس معاملہ میں فقہ حنفی سے درخور اعتناء کا کیا مطلب؟ کیا یہ خروج عن

[1] کانفرنس اسلامی بینک دبئی 1979ء۔ مجلہ مجمع فقہ اسلامی ع5،ج2،ص753

المذہب نہیں؟۔خود مفتی تقی عثمانی صاحب اسلامی بینکاری کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ میں فرماتے ہیں: ''خروج عن المذہب اس کو کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں کوئی مسئلہ مصرح ہو کہ یہ چیز ناجائز ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر مالکی یا شافعی مذہب سے مسئلہ لے لیں جب کہ وہاں اس کو جائز کہا گیا ہو۔ یہ خروج عن المذہب ہے''۔ (1)

عرض یہ ہے کہ فقہ حنفی میں بھی وعدہ کے ایفاء کو مستحب تو کہا گیا ہے لیکن قانونی طور پر اس ایفاء وعدہ کو لازم قرار نہیں دیا گیا۔جیسا کہ ابن عابدین نے ''العقود الدریۃ'' میں ذکر کیا ہے (2)۔سوال یہ ہے کہ جب فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے تو پھر فقہ مالکی کی طرف جانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟۔کیا یہ خروج عن المذہب نہیں؟۔

بہرحال یہ ایک الزامی توجیہ ہے، ہمارا تعلق الحمدللہ اہلحدیث مسلک سے ہے جس میں مذہب قرآن وحدیث ہے اوراس میں خروج عن المذہب کا کوئی تصور نہیں۔

2 فقہ مالکیہ کی طرف جس بات کی نسبت کی گئی ہے، میں بہت احترام سے ذکر کرنا چاہوں گا کہ یہ نسبت غلط ہے۔ مالکیہ نے ایفاء وعدہ کو اخلاقاً اور قانوناً دونوں لحاظ سے واجب قرار تو دیا ہے لیکن وہ صرف تبرعات میں ہے، یعنی جب ایک شخص کسی سے بھلائی کا ارادہ کرے، اس سے وعدہ بھی کرلے، تو دینی لحاظ سے بھی اور قانونی لحاظ سے بھی اس پر یہ واجب ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرے، اوراس کے لئے بھی انہوں نے ایک شرط رکھی ہے کہ جب اس وعدہ کی وجہ سے جس سے وعدہ کیا گیا ہو وہ کسی معاملہ میں یا کام میں داخل ہوجائے تو وعدہ کرنے والے پر ایفاء دینی اور قانونی طور پر واجب ہے۔

امام سحنون مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس وعدہ کا ایفاء لازم ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ تم اپنا مکان گرادو میں تمہیں قرض دوں گا تاکہ تم نیا مکان بنا سکو، یا تم حج کے لئے نکلو میں تمہیں زادراہ فراہم کروں گا، یا تم فلاں سامان خریدلو میں تمہیں ادھار پیسے دوں گا، یا تم شادی کرلو میں تمہیں قرضہ فراہم کروں گا تو

(1) اسلامی بینکاری۔غلط فہمیوں کا ازالہ،ص 46 (2) العقود الدریۃ لابن عابدین،ج/2، ص 321

ایسے وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے، کیونکہ وہ شخص اس وعدہ کی بناء پر اس کام میں داخل ہوا ہے، جہاں تک محض وعدہ کا تعلق ہے تو اسے پورا کرنا مکارم اخلاق سے تعلق رکھتا ہے لیکن واجب نہیں ہے"۔ ①

جہاں تک عقود معاوضات (یعنی تجارتی معاملات) کا تعلق ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ نے وعدہ ایفاء کو واجب قرار نہیں دیا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس معاملہ میں وعدہ کو شامل کر کے اس کے ایفاء کو مالکیہ کی طرف نسبت کر کے لازم قرار دیا جا رہا ہے، مالکیہ نے تو اس معاملہ کو ہی سرے سے ناجائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ بغیر وعدہ کے ہی کیوں نہ ہو!!۔

امام ابن جزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بیع عینہ کی تین اقسام ہیں: پہلی قسم: یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ تم فلاں سامان میرے لئے دس درہم میں خرید لو میں تمہیں کچھ عرصہ بعد پندرہ درہم دوں گا۔ یہ سود ہے اور حرام ہے"۔ ②

امام ابن رشد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تم میرے لئے فلاں سامان دس درہم نقد میں خرید لو میں تم سے بارہ درہم ادھار میں خرید لوں گا، تو یہ معاملہ حرام ہے" ③۔ یہی بات دیگر فقہاء مالکیہ نے بھی کہی ہے جن میں الباجی ④، ابن عبدالبر ⑤ اور قاضی عیاض رحمہم اللہ ⑥ جیسے جلیل القدر فقہاء شامل ہیں۔ اور جس حرام معاملہ کی ان علماء نے نشاندہی کی ہے وہ بعینہ مروجہ مرابحہ کی صورت ہے۔ تو ایک ایسے معاملہ میں وعدہ کے لازمی ایفاء کی نسبت ان علماء کی طرف کیسے کی جا سکتی ہے جس معاملہ کو انہی علماء نے صریح حرام قرار دیا ہو؟

عقود معاوضات میں الوعد الملزم (لازمی ایفاء کا وعدہ) کی مالکیہ کی طرف نسبت کو بہت سے علماء نے غلط قرار دیا ہے، ان میں سے اسلامی بینکاری کے ماہر علماء میں ڈاکٹر سلیمان الاشقر ⑦، ڈاکٹر رفیق

① الفروق للقرافی، ج4، س56 ② القوانین الفقھیة 407 ③ المقدمات 58/2 ④ المنتقی 38/5
⑤ الاستذکار 255/19 ⑥ التنبیھات 604/2 ⑦ بحوث فقھیة فی قضایا اقتصادیة عصریة ص 96

یونس المصری ①، محترم ربیع محمود الروبی ②، علامہ عبداللہ بن بیہ ③، ڈاکٹر علی احمد سالوس ④، فضیلۃ الشیخ بکرابوزید ⑤ جیسے جلیل القدر علماء بھی شامل ہیں۔

(دوسری دلیل) نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''لا ضرر ولا ضرار''۔ کہ ''نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ خود نقصان اٹھاؤ''۔ اس حدیث کی روشنی میں صارف سے لیا جانے والا وعدہ بالکل جائز ہے، کیونکہ اگر بینک صارف کے کہنے کے مطابق سامان خرید لے پھر صارف سامان لینے سے انکاری ہوجائے اور بینک کو کوئی اور ایسا صارف نہ ملے جو بینک سے یہ سامان خریدے تو بینک کو بہت نقصان ہوگا، اسی لئے بینک صارف سے وعدہ لیتا ہے، کیونکہ بینک نے یہ سامان صارف کے کہنے پر خریدا تھا، اپنے لئے تو نہیں خریدا!، لہٰذا صارف کے انکاری ہوجانے پر بینک کو ہونے والے نقصان کا ذمہ دار صارف ہے اور اسے یہ نقصان برداشت کرنا چاہئے۔

اس دلیل کا جواب چند نکات کی صورت میں دینا چاہوں گا:

- اگر بینک نے یہ سامان صارف کے لئے خریدا ہے تو بینک تو صارف کا وکیل ہوا، اور اس صورت میں بینک کا سامان کی قیمت ادا کر کے صارف سے اس سے زیادہ وصول کرنا قرض دے کر سود طلب کرنے کے مترادف ہے اور قطعی حرام ہے۔
- اگر بینک نے یہ سامان اپنے لئے خریدا ہے تو صارف اس کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہے، کیونکہ اگر صارف وہ سامان خریدنے سے انکار کردیتا ہے اور بینک وہ سامان کسی اور کو بیچے اور اس میں بینک کو منافع ہو تو کیا وہ منافع بینک اپنے پاس رکھے گا یا صارف کو دے گا؟۔ اگر نقصان صارف نے برداشت کرنا ہے تو اصولی طور پر منافع بھی صارف ہی کو ملنا چاہئے، اس منافع کا تذکرہ بینک کیوں نہیں کرتا؟۔
- اگر بینک اس پورے معاملہ میں رسک نہیں اٹھاتا تو پھر منافع کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے؟۔ فضیلۃ الشیخ بکر ابوزید رحمہ اللہ بیع مرابحہ کے جواز کی صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ جواز اس لئے ہے کہ

---

① بحوث في المصارف الاسلامية، ص 253 ② بيع المرابحة للواعد الملزم لشراء، ص 21

③ مجلة المجمع الفقه الاسلامی، ع 5، ج 2، ص 945– 989 ④ سابق مصدر ⑤ سابق مصدر

اس صورت میں ایفاءِ وعدہ کا التزام نہیں ہے، نہ ہی نقصان کا عوض ادا کرنے کی شرط ہے، تو اگر سامان تلف ہو جائے تو صارف پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، بینک یہ سامان خریدتے وقت رسک لیتا ہے، اسے مکمل یقین نہیں ہوتا کہ صارف اس سے یہ سامان خریدے گا یا نہیں؟ اور یہی مخاطرت (رسک اٹھانا) اس معاملہ کو جواز کی شکل دیتا ہے"۔ یعنی اگر بینک اس معاملہ میں کسی قسم کا رسک اٹھانے پر رضامند نہیں تو مرابحہ کی صورت میں حاصل ہونے والا منافع بھی اس کے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ عدم مخاطرت کی صورت میں یہ معاملہ قرض پر سود لینے کے مشابہ ہو جائے گا۔

✿ "لا ضرر و لا ضرار" والا قاعدہ بینک صرف اپنے لئے ہی کیوں استعمال کرتا ہے، کیا یہ قاعدہ صارف پر منطبق نہیں ہوتا، جو بیچارہ سامان نہ لینے کے باوجود بھی ایک بھاری رقم ادا کرنے کا پابند ہے!، کیا یہ اس کے لئے نقصان اور ضرر نہیں؟۔

وعدہ کا لازمی ایفاء: ایک جادو کی چھڑی!

اسلامی بینکاری نظام میں "وعدہ کا لازمی ایفاء" ایک جادو کی چھڑی ثابت ہوئی ہے، جہاں کوئی شرعی قباحت آئی وہاں اس جادو کی چھڑی کو استعمال کرکے اس حرام کو حلال بنالیا گیا ہے، مثلاً:

✿ مشارکہ متناقصہ میں مشارکہ کے معاہدہ میں ہی صارف سے وعدہ لے لیا جاتا ہے کہ وہ اس مشارکہ کے ذریعہ جو چیز خریدی گئی ہے اس میں بینک کے جو حصص (شیئرز) ہیں انہیں خریدے گا۔ اب اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو یہ ایک معاہدہ میں دو معاہدے ہیں: (1) مشارکہ کا معاہدہ۔ (2) مشارکہ کے تناقص (بتدریج ختم کرنے) کا معاہدہ، جسے (Diminishing Musharakah) کہا جاتا ہے۔ اور اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين في صفقة واحدة"۔[1] کہ "نبی ﷺ نے ایک معاہدہ میں دو معاہدے کرنے سے منع فرمایا ہے"۔ اب یہاں معاہدے کو لازمی وعدہ کا نام دے کر جائز کرلیا گیا ہے، اور راقم یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ معاہدہ میں اور وعدہ کے لازمی ایفاء میں سوائے نام کے اور کیا فرق ہے؟ کیا لازمی ایفاء،

---

[1] مسند احمد بن حنبل: مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

معاہدہ کی خصوصیت نہیں کہ جسے وعدہ کے ساتھ منطبق کردیا گیا ہے؟۔

- اسلامی بینکوں میں لیزنگ جسے اجارہ المنتھیہ بالتملیک کہا جاتا ہے میں صارف سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر صارف نے ایک مخصوص عرصہ تک کرایہ ادا کیا تو بینک اسے وہ چیز جس کا وہ کرایہ ادا کررہا تھا بالکل معمولی قیمت میں بیچ دے گا یا ہدیہ کردے گا۔ کسی چیز کو بیچنا یا عوض کے بدلہ ہدیہ کرنا دونوں ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور دونوں میں سے ایک معاہدہ کا ذکر اجارہ کے معاہدہ میں ضرور ہوتا ہے، یعنی پھر ایک معاہدہ میں دو معاہدے (1) اجارہ کا معاہدہ۔ (2) ہدیہ یا بیچنے کا معاہدہ۔ اور اس معاملہ کو بھی لازمی وعدہ کہہ کر حلال کرلیا جاتا ہے۔
- مضاربہ میں سرمایہ کی ضمانت لینا سود ہے، اسلامی بینک اول تو کسی سے مضاربہ کرتے نہیں ہیں اگر کسی کو مضاربہ پر سرمایہ فراہم کرتے ہیں تو اس سے یہ وعدہ لیتے ہیں کہ وہ ان کا سرمایہ انہیں ضرور لوٹائے گا، اور اس سود کو بھی لازمی وعدہ کا نام دے کر جائز کرلیا جاتا ہے۔
- مرابحہ میں بھی صارف سے لئے جانے والا وعدہ جو کہ دراصل معاہدہ ہے اس سے بہت سی شرعی قباحتیں جنم لیتی ہیں:

{1} ملکیت میں آنے سے پہلے چیز کی فروخت

جب صارف سے یہ وعدہ لیا جاتا ہے کہ وہ بینک سے مطلوبہ سامان ضرور خریدے گا تو یہ وعدہ بذات خود ایک معاہدہ کی حیثیت اختیار کرجاتا ہے کیونکہ معاہدہ میں بھی وہی خصوصیات ہوتی ہیں جو اس وعدہ میں پائی جارہی ہیں، یعنی سامان کی تعیین، قیمت کا تعین، ادائیگی کا طریقہ کار، ایجاب وقبول، یہ سب کچھ اس وعدہ میں شامل ہوتا ہے، اور پھر بعد میں جو الگ سے مرابحہ کا ایگریمنٹ کیا جاتا ہے وہ صرف دکھلاوا ہوتا ہے، کیونکہ صارف تو اس وعدہ کے ذریعہ سامان خریدنے کا پابند ہوچکا ہوتا ہے۔ تو اس میں سب سے پہلی قباحت یہ آتی ہے کہ بینک جب صارف سے یہ وعدہ لے رہا ہوتا ہے اس وقت مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا تو گویا کہ بینک صارف کو وہ چیز بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں اور اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ،

اگر ایک شخص میرے پاس آکر مجھ سے ایسی چیز مانگتا ہے جو اس وقت میرے پاس نہیں ہوتی تو کیا میں بازار سے خرید کر پھر اس کو بیچ دوں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں، جو چیز تمہارے پاس نہیں تم اس کا معاہدہ نہ کرو"۔ ① اس حدیث میں بالکل واضح ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی سامان طلب کیا جائے جو اس کے پاس موجود نہیں تو وہ طالب سے اس سامان کے متعلق کوئی وعدہ یا معاہدہ ہرگز نہ کرے جب تک کہ وہ سامان اس کی ملکیت میں نہ آجائے۔ جبکہ بینک سامان کی ملکیت حاصل کرنا تو درکنار ابھی اسے اس کی مکمل معلومات بھی نہیں ہوتیں کہ وہ پہلے ہی صارف سے تمام وعدے لے چکا ہوتا ہے، اور اس شرعی قباحت کو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ یہ تو صرف ایک وعدہ ہے کوئی معاہدہ تو نہیں!۔

② خیار البیع کی نفی

نبی ﷺ کا فرمان ہے: "البیعان بالخیار مالم یتفرقا، و کانا جمیعا" ② کہ تاجر اور صارف دونوں کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ دونوں بیع کی جگہ پر اکٹھے ہوں۔ یعنی جب جدا ہو جائیں تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس اختیار کو علماء خیار البیع کہتے ہیں، یہ اختیار تاجر اور خریدار دونوں کے لئے ہے اور شریعت کا عطا کردہ ہے اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، اور تمام علماء کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔ لیکن مروجہ مرابحہ میں صارف سے وعدہ لے کر اس اختیار کو چھین لیا جاتا ہے اور شریعت کے حکم کی صریحاً نافرمانی کی جاتی ہے۔

③ سودی معاملہ سے مشابہت

جیسا کہ بحث کے آغاز میں یہ ذکر ہوا کہ سودی بینکوں اور اسلامی بینکوں کے معاملات میں بنیادی فرق مخاطرت (رسک) کا ہے۔ سودی بینک کے کسی معاملہ میں مخاطرت نہیں ہے اس لئے ان کا منافع ربا (سود) کہلاتا ہے۔ اسلامی بینکوں کا منافع اس وقت تک جائز ہوگا جب تک ان کے معاملات میں مخاطرت کا عنصر

① الترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیة بیع مالیس عندک [صحیح]

② صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب اذا بین البیعان ولم یکتما و نصحا

موجود رہے گا۔لیکن مرابحہ میں جو تھوڑا بہت مخاطرت کا عنصر موجود تھا اسے بھی صارف سے لئے گئے وعدہ کے ذریعہ ختم کردیا گیا۔

مروجہ مرابحہ میں الوعد الملزم (لزوم وعدہ) کے معاشرہ پر اثرات

مروجہ مرابحہ میں صارف سے لئے گئے لازمی وعدہ کے معاشرہ پر بھی بہت گہرے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب بینک کو یہ اطمئنان ہوتا ہے کہ صارف نے اس سے یہ سامان لازمی خریدنا ہے تو اسے نہ اس بات سے کوئی غرض ہوتی ہے کہ یہ سامان ضرورت کا ہے یا تعیش کا؟ یہ چیز معاشرہ میں زیادہ پھیل رہی ہے اور مقبول ہے یا کوئی اور چیز؟ اور نہ ہی اسے اس بات سے کوئی غرض ہوتی ہے کہ یہ سامان مناسب قیمت میں کہاں سے ملے گا؟، اسے صرف یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ سامان مل جائے، چاہے جتنی قیمت پر ملے اور یہ سامان صارف کے سپرد کر کے اس سے زائد رقم وصول کی جائے۔اسلامی بینکوں میں جو (Assets Financing) ہے اس میں عموماً ایسی چیزیں طلب کی جاتی ہیں جو معاشرہ میں زیادہ رائج نہیں ہوتیں۔ اسلامی بینک کے اس رویہ کی وجہ سے معاشرہ میں حقیقی تجارتی ماحول پیدا نہیں ہوسکتا، تاجروں کے درمیان چیز بیچنے میں مقابلہ بازی کا جو رجحان ہوتا ہے اور اس رجحان کی وجہ سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہوتی ہے یہ رجحان بھی مروجہ مرابحہ کی وجہ سے ختم ہوسکتا ہے، اور بینک کا صرف اپنے منافع کو سامنے رکھنے کی وجہ سے ایسی چیزوں کی خریداری کرنا جو معاشرہ میں رائج نہ ہوں اس سے معاشرہ کی حقیقی تجاری سرگرمیوں کے متاثر ہوجانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔

مرابحہ میں الوعد الملزم (لازمی وعدہ) کا شرعی متبادل

صارف کا مطلوبہ سامان کی خریداری سے انکاری ہونے کے سبب اسلامی بینک کو ہونے والے نقصان سے بچنے کے لئے دیگر شرعی متبادل موجود ہیں جنہیں اختیار کر کے بینک ممکنہ نقصان سے تحفظ بھی حاصل کرسکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی موجود نہیں۔ان متبادل میں سے چند اہم یہ ہیں:

- اسلامی بینک سامان خریدتے وقت تین دن کے خیار الشرط کا مطالبہ کرے۔خیار الشرط سے مراد یہ ہے

کہ خریدار یہ شرط لگائے کہ مجھے تین دن کا اختیار دیا جائے اگر میں سامان لوٹانا چاہوں تو ان تین دنوں میں لوٹا سکتا ہوں، اگر بیچنے والا اس پر رضامند ہوجائے تو یہ اختیار خریدار کو مل جاتا ہے اور بیچنے والا پابند ہوتا ہے کہ تین دن میں سامان واپس ہونے کی صورت میں اس کی قیمت لوٹا دے۔ یہ اختیار شریعت کی طرف سے بیچنے والے اور خریدار دونوں کو حاصل ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''أو یخیر أحدهما الآخر فتبایعا علی ذلك فقد وجب البیع ''[1]۔ کہ تاجر یا خریدار میں سے کوئی ایک دوسرے کو اختیار دیدے، اور وہ دونوں اس پر معاہدہ کرلیں تو بیع ہوجائے گی''۔ یعنی وہ اختیار بھی حاصل ہوجائے گا اور بیع بھی مکمل ہوجائے گی۔ بیع مرابحہ میں اس سہولت کی جانب سب سے پہلے امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ نے ''کتاب الحیل''[2] میں اور پھر علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''إعلام الموقعین''[3] میں ذکر کیا ہے۔ جب اسلامی بینک کے پاس تین دن کا اختیار ہوگا تو وہ صارف سے یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ سامان دیکھ لیں اگر صارف کو منظور ہوا تو بیع کرلے گا اور صارف کے انکار کرنے پر بینک یہ سامان خیار الشرط کی بناء پر واپس لوٹا سکتا ہے، اور اس کا کوئی نقصان بھی نہ ہوگا۔

- اسلامی بینک بیع مرابحہ میں ہر ایک سے معاہدہ نہ کرے، بلکہ صرف انہی سے معاہدہ کرے جن کے حوالہ سے اسے مکمل اطمئنان ہو کہ اپنے وعدے سے نہیں پھریں گے۔
- نقصان سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسلامی بینک صارف کی ہر مطلوبہ چیز نہ خریدے، بلکہ صرف انہی چیزوں کے متعلق بیع مرابحہ کرے جو معاشرہ میں رائج ہوں تاکہ صارف کے انکار کی صورت میں یہ چیز بازار میں بیچ سکے اور اسے نقصان نہ ہو۔

دوسرا اعتراض

اسلامی بینک کا مطلوبہ سامان کی خریداری میں صارف ہی کو وکیل مقرر کردینا

مروجہ مرابحہ میں مطلوبہ سامان کی خریداری کے لئے بینک اسی صارف کو اپنا وکیل بنا دیتا ہے کہ وہ بینک کی طرف سے جاکر مطلوبہ سامان خرید لے اور پھر بینک وہ سامان صارف کو زائد نفع پر بیچ دیتا ہے۔ جیسا

[1] صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب اذا خیر احدهما صاحبه بعد البیع فقد وجب البیع

[2] کتاب الحیل: ص 79، 127 [3] اعلام الموقعین: 4/23

کہ اسٹیٹ بینک مرابحہ کے بارے میں اصول بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"Agency Agreement" means the Agency Agreement between the Institution and the Client as provided in the Murabaha Document # 2".[1]

''ایجنسی اگریمنٹ سے مراد وہ وکالتی معاہدہ ہے جو ادارہ (بینک) اور صارف کے درمیان ہوتا ہے، جیسا کہ مرابحہ کی دستاویز نمبر 2 میں تحریر ہے''۔

اس کے جواز کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جو سامان صارف کو درکار ہے اس کے بارے میں بینک یا کسی اور سے زیادہ معلومات صارف کو ہی ہوتی ہیں اور وہی بہتر چیز کی خریداری کر سکتا ہے، بینک کو اس معاملہ میں چونکہ کوئی تجربہ نہیں ہوتا اس لئے وہ صارف ہی کو وکیل بنا دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بینک کو اس معاملہ کا تجربہ نہیں ہے تو اسے یہ معاملہ کرنا ہی نہیں چاہئے، اور اگر صارف کو زیادہ معلومات ہیں تو اس کی معلومات سے استفادہ کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ سامان کہاں سے مل سکے گا، یا کہاں سے لینا زیادہ بہتر ہے، اسے وکیل بنا دینا ہی تو واحد حل نہیں۔

صارف ہی کو سامان کی خریداری میں وکیل بنا دینے سے مرابحہ کا معاملہ مزید مشتبہ ہو جاتا ہے:

- صارف ہی کو وکیل بنا دینے سے بینک کا عملی طور پر مرابحہ میں کوئی کردار باقی نہیں رہتا اس کی کوئی محنت نہیں ہوتی تو مرابحہ کے منافع کو جائز کہنے کا پھر کیا جواز رہ جاتا ہے؟۔
- بعض بینک صارف کو وکیل بنا دینے کے بعد مطلوبہ سامان کی قیمت کے برابر رقم صارف کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیتے ہیں، اور پھر صارف کی طرف سے ملنے والی سامان کی رسید پر مرابحہ کا معاہدہ کر لیتے ہیں۔ یہ معاملہ تو بالکل ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی کو کوئی چیز خریدنے کے لئے قرض فراہم کرے اور پھر اس قرض پر سود وصول کرے۔
- صارف کو وکیل بنا دینے کا کچھ افراد ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جھوٹی رسید بنا کر بینک سے رقم لیتے ہیں اور پھر اسے کسی اور مد میں استعمال کر کے زائد رقم قسطوں میں بینک کو لوٹاتے رہتے ہیں اور یہ

[1] Murabaha document # 1 , Clause 1.02 State Bank of Pakistan

معاملہ صریحاً سود اور حرام ہوجاتا ہے۔

اسی لئے خود مفتی تقی عثمانی صاحب کہتے ہیں: ''کلائنٹ کو وکیل بنادینا تاکہ وہ تمویل کار کی طرف سے اس چیز کو خرید لے، مرابحہ کو مشتبہ بنادیتا ہے''[1]۔ اسی طرح اسلامی بینکوں کے لئے شرعی معیار مقرر کرنے والی کتاب ''المعاییر الشرعیہ'' میں ہے کہ: ''الأصل أن تشتري المؤسسة السلعة بنفسها مباشرة من البائع ويجوز لها تنفيذ ذلك عن طريق وكيل غير الآمر بالشراء و لا يلجأ لتوكيل العميل [الآمر بالشراء] إلا عند الحاجة الملحة''[2]۔ ''اصل یہ ہے کہ بینک خود براہ راست بیچنے والے سے سامان خریدے، اوراس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ کسی وکیل کے ذریعہ خریداری کرے لیکن یہ وکیل صارف نہ ہو، اور صارف کو کسی انتہائی ضرورت کے بنا وکیل نہ بنایا جائے''۔

اس کے باوجود بھی تقریباً تمام اسلامی بینک بنا کسی خاص ضرورت کے صارف ہی کو وکیل مقرر کرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض

مروجہ مرابحہ میں نفع کے لئے شرح سود کے بینچ مارک (KIBOR) یا (LIBOR) کو معیار مقرر کرنا۔

اسلامی بینک مروجہ مرابحہ میں نفع کے تعین کے لئے شرح سود کو معیار مقرر کرتا ہے۔ (KIBOR) سے مراد ہے Karachi Interbank Offered Rate جو کہ دراصل قرض پر سود وصول کرنے کے لئے ایک تناسب یا شرح ہے جو پاکستان کے تمام سودی بینکوں کے سود کی شرح کو دیکھ کر یومیہ، یا ہفتہ وار یا ماہانہ طے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر (LIBOR) ایک شرح سود ہے جو کہ London Interbank Offered Rate کا مخفف ہے، اور یہ دنیا کے تقریباً دس بڑے بینکوں کے شرح سود کو سامنے رکھ کر لندن میں بینکرز کی ایک فرم طے کرتی ہے اور دنیا کے تمام بینک اس شرح کو مستقبل کے سودوں کے لئے معیار بناتے ہیں۔

اسلامی بینک کا شرح سود کو معیار بنانا نہ صرف یہ کہ مروجہ مرابحہ کو مشتبہ کردیتا ہے بلکہ پورے اسلامی بینکاری نظام کو مشکوک کردیتا ہے۔ ایک عام شخص کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ آخر اسلامی بینک کا شرح سود سے کیا تعلق ہے؟۔

---

[1] اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص 164 [2] المعايير الشرعية، المرابحة، رقم المعيار 3/1/3، ص 95

شرح سود کو معیار بنانے کے حوالہ سے اسلامی بینک کے سرکردہ افراد کا یہ کہنا ہے کہ یہ اسلامی بینک کی مجبوری ہے کیونکہ اسے مارکیٹ میں رہنا ہے اور چونکہ دیگر بینکوں سے بھی اس کے معاملات ہوتے ہیں اس لئے اپنے معاملات کو منضبط کرنے کے لئے اسے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑتا ہے۔

اس دلیل کو دیکھتے ہوئے تو ہمارے ذہن میں ایک اور انتہائی کربناک سوال جنم لیتا ہے کہ کیا اسلامی بینک جس کے قیام کا بنیادی مقصد سود کو بینکاری نظام سے مٹانا تھا وہ خود سودی بینکوں سے سودی لین دین میں اس حد تک ملوث ہو چکا ہے کہ اسے مجبوراً شرح سود کو اپنے شرعی معاملات میں بھی معیار مقرر کرنا پڑ رہا ہے؟۔ اگر اسلامی بینکوں کے معاملات کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو بادی النظر میں معاملات ایسے ہی محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ:

- اسلامی بینکوں میں ملنے والا منافع سودی بینکوں سے ملنے والے منافع سے بالکل قریب ہوتا ہے، اور جس طرح سودی بینکوں میں شرح منافع بڑھتا ہے اسلامی بینک بھی اپنا منافع بڑھاتے ہیں۔

اس کی وضاحت درج ذیل چارٹ میں ملاحظہ کیجئے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مختلف بینکوں کا ماہ ستمبر 2012 میں (Saving Account) پر منافع کا کیا تناسب تھا۔ ان بینکوں میں اسلامی اور سودی دونوں بینکوں کا شرح منافع بیان کیا گیا ہے، جو کہ ان بینکوں کی ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

Bank	A/C	Amount	Profit Rate
Meezan Bank	Saving	Rs 100 and above	6.00%
AL Baraka	=	Rs1 – 9,999,999	6.00%
MCB	=	N/A	6.00%
Allied	=	N/A	6.00%
Al Habib	=	Rs1 – 9,999,999	6.01%
Dubai Islamic	=	Less than 25k – 1(M)	6.02%

اس چارٹ میں چھ بینکوں کا شرح منافع درج ہے، ان میں سے تین اسلامی بینک ہیں اور تین سودی بینک ہیں اور تمام بینکوں کا ایک مہینہ کا شرح منافع بالکل یکساں ہے۔

- اسلامی بینکوں سے ہونے والے مرابحہ، اجارہ میں لئے جانے والے منافع یا کرایہ کی شرح بھی سودی بینکوں سے دیئے جانے والے قرضہ پر سود کی شرح کے بالکل قریب یا کبھی کبھی زیادہ ہوتی ہے۔
- اسٹیٹ بینک کی جانب سے شرح سود میں کمی زیادتی کا اسلامی بینک کے مارک اپ اور ڈیپازٹرز کو ادا کئے جانے والے منافع پر بہت نمایاں اثر ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی بینک کا شرح سود کو معیار مقرر کرنا خالی از معنی نہیں ہے، بلکہ یقیناً اسلامی بینکوں کے معاملات میں ایسی خامیاں موجود ہیں جن کی بناء پر انہیں اپنے منافع کو شرح سود سے مربوط کرنا پڑتا ہے اور یہی چیز ان بینکوں کو اسلامی قرار دینے میں اصل رکاوٹ ہے۔

ایک اور دلیل

مفتی تقی عثمانی صاحب، مرابحہ میں منافع کو شرح سود سے مربوط کرنے کے جواز کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اس کی مثال یوں ہے کہ دو بھائی کاروبار کرتے ہیں، ایک بھائی شراب بیچتا ہے اور اس میں وہ منافع کی شرح پانچ فیصد رکھتا ہے، دوسرا بھائی شراب نہیں بیچتا بلکہ کوئی حلال مشروب بیچتا ہے لیکن اس میں وہ اپنے بھائی کی شرح منافع کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا منافع بھی پانچ فیصد ہی رکھتا ہے، تو ہم دوسرے بھائی کے کاروبار کو حرام تو نہیں کہیں گے، کیوں کہ وہ تو بالکل جائز چیز بیچ رہا ہے بس شرح منافع میں وہ اپنے بھائی کے شرح منافع کو معیار مقرر کرتا ہے، اسی طرح اسلامی بینک کا مرابحہ کا معاملہ بالکل حلال ہے اور شریعت کے مطابق ہے، وہ صرف شرح منافع میں سودی بینکوں کے شرح منافع کو معیار مقرر کرتا ہے سودی کام تو نہیں کرتا لہٰذا ایسا کرنے سے اسلامی بینک کا معاملہ حرام نہیں ہوتا''[1]

اس دلیل کے جواب میں دو باتیں عرض کروں گا:

1. اگرچہ یہ ایک عقلی دلیل ہے اور اس کا نصوص سے کوئی تعلق نہیں اس کے باوجود بھی یہ دلیل برمحل نہیں ہے،

[1] An Introduction of Islamic Finance (82)

کیونکہ مفتی صاحب نے جو مثال دی ہے اس میں دوسرے بھائی نے پہلے بھائی کی اس چیز کو اپنایا ہے جو حرام نہیں تھی یعنی شرح منافع، پہلے بھائی کے کاروبار میں اصل جو چیز حرام تھی وہ شرح منافع نہیں تھا بلکہ وہ چیز تھی جو بیچی جا رہی تھی یعنی شراب۔ اگر دوسرا بھائی اس شراب کو اپناتے ہوئے کوئی ایسی چیز بیچتا جو شراب کے مثل ہوتی یعنی کوئی نشہ آور چیز بیچتا تو وہ حرام کے زمرے میں داخل ہو جاتا۔ جبکہ اسلامی بینک اس چیز کو اپنا رہے ہیں جو اصلاً حرام ہے یعنی شرح سود! دونوں مثالوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، لہٰذا اس مثال کو یہاں منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

2 دوسری بات یہ ہے کہ مرابحہ کے منافع کو (KIBOR) سے منسلک کردینے کی صورت میں مرابحہ کے جواز کیلئے علماء کی بیان کردہ ایک انتہائی اہم شرط میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ مرابحہ میں بیچنے والا اپنا منافع صاف اور متعین کر کے بتائے۔ جبکہ (KIBOR) اور (LIBOR) منضبط شرح سود نہیں ہیں بلکہ ان میں یومیہ، ہفتہ وار، یا ماہانہ بنیادوں پر تغیر واقع ہوتا رہتا ہے اور اس کے کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں منافع میں کمی یا زیادتی واقع ہوتی رہے گی جو کہ ناجائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے لئے قوانین مرتب کرنے والی کتاب "المعايير الشرعية" میں درج ہے کہ: "مرابحہ میں واجب ہے کہ سامان کی قیمت اور منافع معین ہو اور معاہدہ کرتے وقت طرفین کے علم میں ہو۔ اور کسی بھی حال میں یہ جائز نہیں کہ سامان کی قیمت یا منافع کو کسی نامعلوم تناسب پر چھوڑ دیا جائے یا کسی ایسے تناسب پر جو مستقبل میں قیمت یا منافع تعیین کرے۔ جیسا کہ یہ جائز نہیں کہ بیع مرابحہ کرتے وقت منافع کو (LIBOR) کے تناسب پر چھوڑ دیا جائے"۔ (1)

چوتھا اعتراض

اقساط کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ۔ اس جرمانہ کو صدقہ کا نام دیا جاتا ہے۔

المعایير الشرعیہ میں ہے:

"يجوز أن ينص في عقد المرابحة للآمر بالشراء على التزام العميل المشتري بدفع مبلغ أو نسبة من الدين تصرف في الخيرات في حالة تأخره عن سداد الأقساط في مواعيدها

(1) المعايير الشرعية: المرابحة، رقم المعيار 6/4، ص96

المقررة، على أن تصرف في وجوه الخير بمعرفة هيئة الرقابة الشرعية للمؤسسة ولا تنتفع بها المؤسسة". (1)

"جائز ہے کہ مرابحہ کے معاہدے میں صارف (خریدار) کا مقررہ وقت پر اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں ایک مخصوص رقم یا قرض کے تناسب سے کچھ رقم کی ادائیگی کا التزام بھی تحریر کر دیا جائے جو کہ فلاحی کاموں میں استعمال کی جائے گی، ایسے فلاحی کام جو اس بینک کے شریعہ سپروائزری بورڈ کی معرفت میں ہوں، اور اس رقم سے بینک کوئی فائدہ حاصل نہ کرے"۔

اسٹیٹ بینک کی ہدایات کے مطابق:

"Where any amount is required to be paid by the Client under the Principal Documents on a specified date and is not paid by that date, or an extension thereof, permitted by the Institution without any increase in the Contract Price, the Client hereby undertakes to pay directly to the Charity Fund, constituted by the Institution(2) ".

"جب بنیادی معاہدہ کے تحت صارف پر ایک مقررہ وقت میں مخصوص رقم کی ادائیگی لازم ہو اور وہ ادائیگی نہ کر سکے، اگرچہ بغیر کسی اضافی رقم کے بینک کی جانب سے اس مدت میں توسیع کر دی جائے تو بھی نادہندہ رہے، تو اس معاملہ میں صارف اپنے اوپر یہ لازم کرے کہ وہ بینک کے خیراتی فنڈ میں کچھ رقم دے گا"۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: "تاخیر کے سدباب کا ایک معقول طریقہ وہ ہے جو میں نے ابتداء میں پیش کیا تھا اور وہ بعد میں کافی مقبول ہوا، وہ یہ کہ مرابحہ یا اجارہ کے معاہدے میں مدیون یہ بات بھی لکھے کہ اگر میں نے ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنی رقم کسی خیراتی کام میں خرچ کروں گا۔ یہ رقم دین (قرض) کے تناسب سے بھی طے کی جا سکتی ہے۔ ایسی رقم سے ایک خیراتی فنڈ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس فنڈ سے کسی کی

(1) المعايير الشرعية: المرابحة، رقم المعيار 6/5، ص 97-98

(2) Murabaha document # 1 , Clause 10.1 State Bank of Pakistan

امداد بھی کی جاسکتی ہے اور اس سے لوگوں کو بلا سود قرض بھی دیا جاسکتا ہے۔لیکن یہ رقم بینک کی آمدنی میں شامل نہیں ہوگی۔ یہ طریقہ زیادہ مفید اس لئے ہے کہ اس طریقہ میں رقم کی شرح متعین نہیں، زیادہ سے زیادہ بھی رکھی جاسکتی ہے، اس سے قرضدار پر دباؤ ہوگا"۔ (1)

دلیل: اس صدقہ کے جواز کے لئے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ بعض مالکیہ کا مؤقف ہے کہ اگر کوئی شخص قرض لیتے ہوئے ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اپنے اوپر صدقہ کی شرط لگالے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس شرط کو پورا کرے اور اس کے لئے امام حطاب المالکی کی اس عبارت کو پیش کیا جاتا ہے:

"إذا التزم أنه إذا لم يوفه حقه في وقت كذا، فعليه كذا وكذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذا محل الخلاف المعقود له هذا الباب، فالمشهور أنه لا يقضي به... وقال ابن دينار يقضى به"۔

"جب قرضدار اپنے اوپر یہ لازم کرے کہ اس نے قرض خواہ کا حق اس کے وقت پر ادا نہیں کیا تو اس پر فلاں (غیر قرض خواہ) کے لئے اتنا مال لازم ہے یا مساکین کو صدقہ کرنا لازم ہے، تو اس میں اختلاف ہے، اور اسی کو بیان کرنے کے لئے یہ باب باندھا گیا ہے، پس مشہور (راجح قول) یہ ہے کہ اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اور ابن دینار کہتے ہیں کہ اس پر فیصلہ کیا جائے گا"۔ (2)

اس دلیل کے جواب میں چند نکات پر بات کرنی ہوگی:

(1) **راجح قول کے مقابلہ میں مرجوح کا اختیار:** اس معاملہ میں مالکیہ کے علاوہ دیگر تمام مسالک میں اجماع ہے کہ ادائیگی قرض میں تاخیر کی صورت میں قرضدار پر کسی بھی قسم کا جرمانہ یا قرضدار کا اپنے اوپر التزام جائز نہیں۔صرف مالکیہ میں اختلاف ہے اور وہ بھی جیسا کہ امام حطاب مالکی رحمہ اللہ نے خود ذکر کیا کہ یہ قول مالکیہ میں سے صرف ابن دینار اور ابن نافع کا ہے اور مالکی مسلک میں یہ قول "مرجوح یعنی ناقابل قبول" ہے، اور راجح قول وہی ہے جو دیگر تمام ائمہ ومفتیان کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک کی راجح بات یا قول پر عمل کرنا تو شاید بعض علماء کے

(1) اسلام اور جدید معیشت وتجارت 144—145 (2) تحرير الكلام في مسائل الالتزام، ص 170-172

نزدیک بعض صورتوں میں جائز ہو، لیکن کسی اور مسلک کے مرجوح قول کو اختیار کرنا تو کسی بھی عالم کے نزدیک جائز نہیں خاص طور پر اس صورت میں جبکہ وہ قول سود جیسے گناہ کی طرف لے جائے، بلکہ صاحبِ مسلک کا اپنے مسلک کے راجح قول کو چھوڑ کر مرجوح اختیار کرنے کو بھی علماء نے ناجائز قرار دیا ہے تو پھر کسی اور مسلک کے مرجوح اقوال کو اختیار کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟۔

علامہ قاسم ابن قطلوبغا حنفی کہتے ہیں:

"إني قد رأيت من عمل في مذهب أئمتنا بالتشهي، حتى سمعت من لفظ بعض القضاة: وهل ثمّ حجر؟ فقلت: نعم. اتباع الهوى حرام، والمرجوح في مقابلة الراجح بمنزلة العدم" (1)۔

"میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو ہمارے ائمہ کے مسلک میں اپنی خواہشات سے عمل کرتے ہیں، حتی کہ میں نے بعض قاضیوں کو یہ کہتے سنا: کہ کیا یہ ممنوع ہے؟، میں نے کہا: جی ہاں بالکل، خواہشات کی پیروی حرام ہے، اور راجح قول کے مقابلہ میں مرجوح، معدوم (بالکل نہ ہونے) کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح ابن عابدین حنفی لکھتے ہیں:

"الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه، أو يفتي غيره أن يتبع القول الذي رجحه علماء مذهبه، فلا يجوز له العمل أو الافتاء بالمرجوح" .

"جو شخص خود کوئی عمل کرنا چاہے یا کسی اور کو فتوی دینے لگے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قول کو اختیار کرے جسے اس کے مذہب کے علماء نے راجح قرار دیا ہے، اور اس کے لئے کسی مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا جائز نہیں" (2)۔

خود مالکی مسلک کے عالم ابو الولید الباجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وأما الحكم والفتيا بما هو مرجوح

---

(1) تصحيح القدوری، ص 1 (2) عقود رسم المفتی، ص 4

فخلاف الإجماع "۔ ”مرجوح قول پر فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا (علماء کے) اجماع کے خلاف ہے“۔ (1)

(2) تنگ دست اور مالدار میں فرق نہ کرنا

اسلامی نظام معیشت کی بنیادی خوبی اور اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس نظام نے جہاں حقوق کی ادائیگی کے حوالہ سے سختی رکھی ہے وہاں مجبور کی مجبوری کا بھی احساس کیا ہے، اور تنگ دست قرضدار کی مجبوری کا احساس کرتے ہوئے ایک سنہرا اصول بیان کیا کہ: ”{وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ} [البقرۃ:280] کہ اگر: ”(قرضدار) تنگ دست ہو تو اسے مہلت دو اس کی آسانی تک، اور اگر تم (یہ قرض) اس پر صدقہ کر (کے چھوڑ) دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو“۔ سودی نظامِ بینکاری کا ظلم و استحصال ہی یہی ہے کہ وہ سود لینے کے ساتھ ساتھ وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں تنگدست و مالدار میں کوئی فرق کئے بغیر جرمانہ عائد کرتا ہے، اور وہ تنگ دست جو اصل رقم دینے کی سکت بھی نہیں رکھتا بینک کے ظالمانہ شکنجے میں دبا رہتا ہے۔

مروجہ اسلامی نظام بینکاری کی بنیاد اگر اسلام کے اصولوں پر رکھی گئی ہے تو اس کی یہ بنیادی خوبی ہونی چاہئے تھی کہ یہ اسلام کی طرف سے تنگدست و مجبور افراد کے لئے عطا کی گئی ہمدردی، سہولت، احسان جیسے اعلیٰ اوصاف سے مزین ہوتا تا کہ سودی نظام بینکاری کے صحیح اور حقیقی متبادل کی صورت میں پوری دنیا میں متعارف ہوتا، لیکن مروجہ اسلامی نظام بینکاری، اسلامی نظام معیشت کے اس بنیادی وصف سے کوسوں دور نظر آتا ہے اور بالکل سودی نظام بینکاری کی مانند بے رحم اور بے حس قرض خواہ کا کردار ادا کرتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی بینک مرابحہ کے آغاز ہی میں صارف سے یہ وعدہ لے لیتا ہے کہ مقررہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں ایک مخصوص رقم ادا کرنا ہوگی جسے اسلامی بینک صدقہ کا نام دیتا ہے، اور بینک کو اس بات سے کوئی غرض و دلچسپی نہیں ہوتی کہ صارف کی عدم ادائیگی کی کیا وجہ ہے؟ کیا وہ تنگدست یا مجبور تو نہیں؟ کیا وہ قرآن میں بیان کردہ ”ذو عسرۃ“ میں تو شامل نہیں کہ جو قرآن کے مطابق مہلت کے

---

(1) الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام وتصرفات القاضي والإمام للقرافي ص 92

حقدار ہیں؟۔یہی وجہ ہے کہ اس پورے معاہدے میں عملی طور پر تو درکنار تحریری صورت میں بھی ایسی کوئی شرط یا شق نہیں ملتی جس میں بینک صارف کو کسی طرح کی مہلت دینے کا پابند نظر آئے۔

اسلامی بینک اپنے ہر صارف کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ ٹال مٹول کر کے اس کا مال کھانے کی کوشش میں ہے اور کسی طرح اس سے وہ پیسہ واپس وصول کر لیا جائے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سودی نظام بینکاری کو چھوڑ کر اسلامی نظام بینکاری کی جانب آنے والے افراد یقینی طور پر اچھے مسلمان ہیں جو کسی نہ کسی طرح سود سے بچنا چاہتے ہیں، اسلامی بینک کو بھی چاہئے کہ اپنے صارفین کا احترام کرتے ہوئے اوران کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے انکے بارے میں حسن ظن رکھے اور یہ کوشش کرے کہ اپنے نادہندگان میں تنگدست اور مالدار کا فرق رکھے،اور ایسا تنگدست جو کہ اپنی اصل رقم ادا کرنے سے بھی قاصر ہے اس پر مزید بوجھ ڈالنے کے بجائے اسے مہلت دی جائے اور اگر وہ بالکل ہی تہی دامن ہو تو اس سے صدقہ لینے کے بجائے قرآنی حکم کے مطابق اس پر صدقہ کرے،اور فرمان الٰہی کے مطابق یقیناً یہی اسلامی بینک کے حق میں بہتر ہے۔

③ کیا یہ واقعی صدقہ ہے یا تاخیر پر جرمانہ ہے؟

اسلامی بینک کی جانب سے صارف کو تاخیر کی صورت میں اضافی رقم کا پابند کیا جانا کسی صورت بھی صدقہ نہیں کہلایا جاسکتا کیونکہ:

1.اس رقم کی بنیاد قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہے۔

2.اس رقم کا تعین قرض کی بقایہ رقم اور تاخیر کی مدت کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ اسٹیٹ بینک نے مرابحہ کے حوالہ سے اس رقم کو (PENALTY) تصور کیا اوراس کے تعین کا طریقہ کار بیان کیا کہ:‘‘

"A sum calculated @ ------% per annum for the entire period of default, calculated on the total amount of the obligations remaining un-discharged-"

رقم کا حساب مدت نادہندگی کے۔۔۔۔فیصد (جسے بینک طے کرے گا) سالانہ سے ہوگا، جسے قرض کی

بقایہ رقم سے حساب کر کے متعین کیا جائے گا۔

3. نام نہاد صدقہ کی رقم خود بینک ہی وصول کرتا ہے، اور صارف پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ یہ رقم بینک میں ہی جمع کرائے۔ بلکہ بینک اس رقم کو اپنا حق تصور کرتا ہے اور اس کی وصولی کے لئے عدالت میں بھی جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اسٹیٹ بینک کی اسی مرابحہ دستاویز میں تحریر ہے:

"In case (i) any amount(s) referred to in clause 10.01 above, including the amount undertaken to be paid directly to the Charity Fund, by the Client, is not paid by him, or (ii) the Client delays the payment ... the Institution shall have the right to approach a competent Court ... (ii) for imposing of a penalty on the Client".

''درج بالا شق نمبر 10.01 میں مذکور رقم، اور خیراتی فنڈ میں دی جانے والی وہ رقم جس کا صارف نے اپنے اوپر التزام کیا تھا اگر وہ صارف کی طرف سے ادا نہیں کی جاتی یا اس کی ادائیگی میں تاخیر کی جاتی ہے ۔۔۔ تو بینک مجاز عدالت میں جانے کا حق رکھتا ہے ۔۔۔ تاکہ صارف پر جرمانہ نافذ کیا جا سکے''۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی بینک صدقہ کی رقم کو اپنا حق سمجھتا ہے اور اس کی وصولی کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے۔ تو اس رقم کو صدقہ کہنے کی پھر کیا دلیل رہ جاتی ہے؟۔

4. صدقہ ایک عبادت اور خیرات و تعاون ہے، اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جو عمل تبرع محض ہے، صرف تعاون پر مبنی ہے اس میں کوئی الزام و جبر نہیں کیا جا سکتا۔ مؤیدین اسلامی بینک یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ صدقہ بینک نے صارف پر لازم نہیں کیا بلکہ صارف نے خود اس کا التزام لیا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی نیک کام مثلاً، صدقہ، ہدیہ وغیرہ کو اپنے اوپر لازم کرے تو وہ لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ مالکیہ و دیگر بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کیا یہ دلیل درست ہے یا نہیں؟، اور کیا واقعتاً جب کوئی

شخص اپنے اوپر کوئی نیک کام لازم کرلے تو اس پر لازم ہوجاتا ہے یا نہیں؟، اور اس حوالہ سے علماء کے اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اس دلیل کو اگر قبول کر بھی لیتے ہیں تو چند سوال ذہن میں ابھرتے ہیں جن کا تسلی بخش جواب نہیں مل سکا کہ:

- کیا مرابحہ کا معاہدہ بینک تیار کرتا ہے یا صارف؟۔ اگر معاہدہ بینک بناتا ہے اور تمام شرائط بینک نے پہلے سے تحریر کی ہوئی ہوتی ہیں اور صارف نے صرف دستخط کرنے ہوتے ہیں تو اس میں صارف کی رضامندی اور التزام صرف دستخط ہی سے تصور کئے جاتے ہیں؟۔
- اگر صارف یہ کہے کہ میں اس صدقہ کا التزام نہیں کروں گا تو کیا بینک اس سے مرابحہ کا معاہدہ کرے گا؟۔
- کیا بینک کا بغیر التزام کے صارف سے معاہدے سے انکار کردینے کو صارف پر صدقہ کے التزام کے حوالہ سے جبر تصور نہیں کیا جائیگا؟۔
- کیا کبھی مروجہ اسلامی بینک نے کسی صارف سے اس صدقہ کے التزام کے بغیر کوئی ایک معاہدہ بھی کیا ہے؟۔

④ تاخیر کی صورت میں مالی جرمانہ لگایا جاسکتا ہے؟

اگر قرضدار مالدار اور قرض ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود ادائیگی میں جان بوجھ کر تاخیر کا مرتکب ہو تو وہ شریعت کی نظر میں ظالم ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "مطل الغني ظلم" "مالدار (قرضدار) کا (ادائیگی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے" [1]۔ بلکہ شریعت نے اس حوالہ سے قرض خواہ کی رہنمائی بھی کی ہے کہ وہ اس صورت میں کیا کرے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "لي الواجد يحل عرضه وعقوبته" "مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس پر سزا کو حلال کردیتا ہے"۔ [2]

لیکن تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ جرمانہ مالی نہیں لگایا جائے گا، ابن المبارک رحمہ اللہ اس حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں: "عزت حلال ہونے سے مراد ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور اس کی سزا سے مراد ہے کہ

---

① صحيح بخاری: كتاب الحوالات، باب الحوالة وهل يرجع في الحوالة

② سنن أبي داؤد كتاب الاقضية، باب في الحبس في الدين وغيره [حسن]

اسے قید کردیا جائے گا"①۔ امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " والمراد بالعقوبة هنا الحبس لأن أحدا لا يوجب غيره "اس حدیث میں سزا سے مراد قید ہے کیونکہ (علماء میں سے) کسی نے بھی اس کے علاوہ کوئی اور سزا واجب نہیں کی۔② بلکہ علماء نے اس کے برعکس بطور جرمانہ کسی بھی قسم کے مالی اضافہ کو حرام کہا ہے اور بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت کا اصل سود یہی تھا، امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "دور جاہلیت کا اصل سود یہی تھا کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز ادھار پر بیچتا، جب ادائیگی کا وقت آتا اور خریدار کے پاس رقم نہ ہوتی تو وہ مطلوبہ رقم میں اضافہ کر کے اس کو مزید مہلت دے دیتا"③۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ: "دور جاہلیت کا سود یہ تھا کہ اگر ایک شخص نے کسی کو قرض دیا ہوتا اور ادائیگی کا وقت آتا تو قرض خواہ، قرضدار سے پوچھتا کہ: "ادائیگی کروگے یا (مزید مہلت لے کر) سود ادا کروگے؟، اگر قرضدار اس وقت ادائیگی کردیتا تو وہ لے لیتا ورنہ اس پر سود لگا دیتا"④۔ شریعت نے قرض کے بدلہ ہر قسم کے منافع کو ناجائز کہا ہے، اس بارے میں ایک حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے کہ: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" "ہر وہ قرض جس سے قرض خواہ کو کوئی فائدہ ملے وہ سود ہے"⑤۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس معنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح آثار منقول ہیں، ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ہر وہ قرض جس میں اضافی رقم کا مطالبہ ہو وہ سود اور حرام ہے بغیر (علماء کے) کسی اختلاف کے، اور اس حوالہ سے ابی بن کعب، ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے صحیح آثار منقول ہیں"۔ اسی طرح اس کی حرمت پر اجماع کو ابن المنذر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية فأسلف على ذلك: أن أخذ الزيادة على ذلك ربا

"اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جب قرض دینے والا، قرض لینے والے پر یہ

---

①سنن أبي داؤد، 3628، أيضاً ②أحكام القرآن للجصاص ص 647 ③تفسير القرطبي 67/3

④الاستذكار 259/20 ⑤سنن البيهقي 5/350-351

شرط لگائے کہ وہ اسے بڑھا کر دے گا، یا کوئی ہدیہ دے گا اور اس شرط پر وہ اسے
قرضہ دے تو اس کا یہ زائد رقم لینا سود ہے"۔ (1)

ڈاکٹر نزیہ حماد لکھتے ہیں: "خلافت راشدہ سے لے کر خلافت عثمانی کے اختتام تک اس مالی جرمانہ کا کوئی حکم ہم تک نہیں پہنچا، جبکہ یقیناً اس پوری مدت میں بہت سی تاخیر اور ٹال مٹول کا سامنا رہا ہوگا، لیکن تعزیر کی بنیاد پر حبس وقید و دیگر سزاؤں کے احکامات صادر ہوئے لیکن اس مالی جرمانہ کا کوئی حکم کتب فقہ میں مذکور نہیں"۔ (2)

(5) بینک کا صدقہ سے منفعت حاصل کرنا

اگر ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ صدقہ جائز ہے تو یہ بات تو طے ہے کہ اس صدقہ سے بینک کا کوئی منفعت حاصل کرنا قطعی حرام ہے، اس کا اقرار خود مفتی تقی عثمانی صاحب اور دیگر علماء نے بھی کیا ہے اور یہی بات المعايير الشرعية میں بھی تحریر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ لیکن اگر عملی طور پر بینک کے معاملات کی جانب دیکھا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلامی بینک اس سے اگر مادی نہ صحیح معنوی منفعت ضرور حاصل کرتا اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ:

- یہ صدقہ جہاں خرچ کیا جاتا ہے وہاں بینک ہی کی تشہیر کی جاتی ہے۔
- بہت سی کانفرنسز میں اور ذرائع ابلاغ میں یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ فلاں اسلامی بینک نے اس سال اتنے روپے خیراتی کاموں پر خرچ کئے جس سے بینک کو نیک نامی کی منفعت حاصل ہوتی ہے۔
- یہ صدقہ جن اداروں کو دیا جاتا ہے انہیں بھی اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا اکاؤنٹ اسی بینک میں کھلوائیں۔

یہ اور اسی قسم کے دیگر مادی و معنوی فوائد ہیں جنہیں اسلامی بینک ان نام نہاد صدقات سے حاصل کرتا ہے۔ کیا یہ منفعت کا حصول اس کے لئے جائز ہے؟۔

---

(1) المغني لابن قدامة 354/4 (2) دراسات في أصول المداينات، ص 291

⑥ سودی بینکوں کے ظلم اور استحصال کے لئے شرعی دلیل کی فراہمی

اس صدقہ کے حامی علماء کو چاہیئے تھا کہ اگر ایسا صدقہ لگانا تھا تو کم از کم اس کے لئے دلائل فراہم کرتے وقت اتنا ضرور خیال کرلیا جاتا کہ کہیں ان دلائل کا سہارا سودی بینک نہ لیں، کہ جن کی مخالفت میں اسلامی بینکنگ کی پوری مارکیٹ قائم ہے، لیکن اتنے زور وشور سے دلائل دئے گئے اور بودے دلائل کا اتنا ڈھیر لگا دیا گیا اور اتنی بحوث لکھ دی گئیں کہ سودی بینکوں کو اپنا ظلم واستحصال شرعی سانچہ میں ڈھالنا آسان ہوگیا۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ"۔

نام نہاد صدقہ وجرمانہ کا صحیح وحقیقی متبادل

- مروجہ اسلامی بینکوں کو چاہیئے کہ وہ کسی صارف سے معاہدہ کرنے سے پہلے اس کی حقیقی مالی استعداد کا علم ضرور حاصل کریں تاکہ ادائیگی میں تاخیر سے بچنا ممکن ہو۔
- صارف سے ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں کسی بھی عملی اقدام سے پہلے تنگدست اور مالدار میں فرق ضرور رکھا جائے۔تنگدست وہ شخص ہے جس کے پاس موجود رقم اس کی اور اس کے خاندان کی کفالت سے زائد نہ ہو۔ایسا تنگدست شریعت کی نظر میں مہلت کا مستحق ہے، بلکہ اکثر علماء کے نزدیک اسے مہلت دینا واجب ہے۔
- اگر صارف قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود تاخیر کرتا ہے تو اس پر مالی جرمانہ کے علاوہ اور کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔
- ایسے معاملہ میں بینک کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ صارف پر یہ شرط لگائے کہ ادائیگی کی صلاحیت ہونے کے باوجود تاخیر کی صورت میں اسے باقی ساری اقساط ایک ساتھ ادا کرنی ہوں گی۔
- اسی طرح بینک ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں بیع فسخ کرنے کا بھی مجاز ہے اور اسے یہ شرعی حق حاصل ہے کہ جو چیز اس نے صارف کو بیچی تھی وہ اس سے واپس لے کر اس کی ادا کردہ رقم لوٹا دے۔

خلاصہ کلام

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں بہت سی شرعی قباحتیں موجود ہیں جو مروجہ مرابحہ کے ''ربح'' (Markup) کوسودی بینکوں کے ''ربا'' (Interest) کی مانند کردیتی ہیں۔ان شرعی قباحتوں میں :

1. بینک کا صارف سے مرابحہ کی ابتداء میں لیا جانے والا وعدہ جس کا قانوناً التزام کرایا جاتا ہے۔جو مروجہ مرابحہ کو''بیع مالا یملک'' جیسی ممنوع بیع کے حکم میں داخل کردیتا ہے۔
2. بینک کا مرابحہ میں مطلوبہ سامان کی خریداری کے لئے صارف ہی کو وکیل مقرر کرنا۔جو اس معاملے کو سودی تمویل سے مشابہ کردیتا ہے۔
3. بینک کا مروجہ مرابحہ میں منافع کا شرح سود کے ذریعہ تعین کرنا۔
4. اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں صارف پر لگایا جانے والا جرمانہ جسے صدقہ کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ وہ بنیادی شرعی قباحتیں ہیں جن کی موجودگی میں کسی مزعومہ اسلامی بینک سے معاملہ کرنا حرام ٹھہرتا ہے۔

مرابحہ! اسلامی بینکنگ پر ایک سوالیہ نشان ؟

اسلامی بینکنگ کے آغاز کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ اسلامی بینک سودی بینک کی طرح صرف تمویل پر منافع حاصل نہیں کریں گے، بلکہ ان کا اصل کام تجارت ہوگا، وہ صرف ایک مالیاتی ادارہ کی حیثیت سے کام نہیں کرے گا جو لوگوں سے پیسہ لے کر آگے فراہم کرے۔ بلکہ وہ ایک حقیقی تجارتی ادارہ ہوگا جو کہ سرمایہ داروں سے شراکت داری کی بنیاد پر سرمایہ لے کر تجارت میں لگائے گا اور یہ شراکت داری نفع نقصان دونوں میں ہوگی، جہاں تک مرابحہ اور اجارہ کا تعلق ہے، یہ معاملات انتہائی ہلکی سطح پر جاری رکھیں جائیں گے، تاکہ تمویل کی ضروریات کو بھی پورا کیا جاسکے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مرابحہ خود بھی کوئی مثالی طریقہ تمویل (Mode of Financing) نہیں، جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:''یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ مرابحہ اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں۔ یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں جو اسلام کے

معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو"۔ (1) یعنی اس کا استعمال ایک حیلہ کے طور پر کرنا چاہئے، دوسرے الفاظ میں اس کا استعمال انتہائی ضرورت کے وقت میں کرنا چاہئے اور جہاں اس سے بچنا ممکن ہو بچنا چاہئے، اس تناظر میں تو مرابحہ کا استعمال اسلامی بینکوں میں انتہائی کم ہونا چاہئے تھا۔

لیکن موجودہ حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں، تقریباً تمام اسلامی بینکوں کا اصل کاروبار اب مرابحہ ہی رہ گیا ہے، کیونکہ یہ سودی بینکنگ کے مزاج کے بالکل قریب ہے، اور جہاں پر تھوڑا سا فرق ہے، تھوڑا سا خطرہ ہے، وہاں مزید حیلوں کا سہارا لے کر بالکل ہی سودی صورت کے مطابق بنالیا گیا ہے، تاکہ بازارِ سود میں لوٹ پوٹ ہونے والی عالمی معیشت میں جہاں کچھ لوگ اپنا دامن سود سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں بھی اسلامی نام سے دھوکہ دے کر، سودی پراڈکٹ پر اسلام کا لیبل لگا کر بیچ دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے پرزور حامی اور بانیوں میں شمار ہونے والے علماء اور تاجر حضرات بھی اب اس حقیقت کو ماننے لگے ہیں کہ اسلامی بینکنگ کو جس مزاج پر چلانے کا تہیہ کیا گیا تھا وہ اس میں ناکام ہو چکے ہیں۔ بطور مثال دو اقوال درج ذیل ہیں:

(1) علامہ یوسف قرضاوی

جو کہ معروف عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی بینکنگ کے پرزور حامی بھی ہیں اور قطر اسلامی بینک اور فیصل اسلامی بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین ہیں کہتے ہیں:

"أن المرابحة هي قريبة من التمويل الربوي" "مشيرا إلى أنه للأسف أصبحت المصرفية الإسلامية سجينة للمرابحة وأصبحت 95 في المائة من عملياتها في المرابحة–بحسب تقديراته"

"مرابحہ سودی تمویل کے بہت قریب ہے اور افسوس ہے کہ اسلامی بینک مرابحہ کے "قیدی" بن گئے ہیں، اور میرے اندازے کے مطابق اسلامی بینکوں کے تمام معاملات میں مرابحہ کی

(1) اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص 108

نسبت 95 فیصد ہے"۔①

⑦ ڈاکٹر صالح کامل

جو اسلامی بینکوں کی جنرل کونسل کے سربراہ، اور البرکہ اسلامی بینک اور اردن اسلامی بینک کے بانی ہیں کہتے ہیں:

"بشرنا الناس بأن [المصرف الإسلامي سيقود الأمة] نحو التنمية الاقتصادية وزيادة المصادر وتشغيل العاطل وتأهيل العاجز، ولكن أقول بكل الصدق والتجرد: أننا أخذنا مفهوم البنك [الربوي]، ولم نستطع أن نتجاوز نمط الوساطة المالية؛ فأصبحت الصيغ الاستثمارية المفضلة لدى البنوك الإسلامية هجينًا بين القرض والاستثمار يحمل معظم سمات القرض الربوي وعيوب نظام الرأسمالي الغربي ويعجز عن إبراز معالم الاستثمار الإسلامي المبني على المخاطرة وعلى الاستثمار الحقيقي۔"

"اسلامی بینکنگ کے آغاز میں ہم نے لوگوں کو یہ خوشخبری دی تھی کہ اسلامی بینک اس امت کو اقتصادی ترقی، ذرائع آمدنی میں اضافہ، بے روزگار کو روزگار اور عاجز کو با صلاحیت بنانے کی جانب گامزن کرے گا، لیکن اب میں بالکل سچائی اور غیر جانبداری سے کہتا ہوں کہ: ہم نے سودی بینکوں کا ہی مفہوم اپنا لیا ہے، ہم ایک درمیانی مالی واسطہ کی حیثیت سے آگے ہی نہ بڑھ سکے، اور اب اسلامی بینکوں کا سب سے پسندیدہ طریقہ سرمایہ کاری، قرض اور سرمایہ کاری کا دوغلی نسل کا بچہ ہے، جس میں سودی قرض کی اکثر علامات بھی ہیں اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں بھی ہیں، اور یہ اسلامی بینک اسلامی سرمایہ کاری کی اکثر صفات کے اظہار سے لاچار ہے جو کہ مخاطرت اور حقیقی سرمایہ کاری پر مبنی ہے"۔

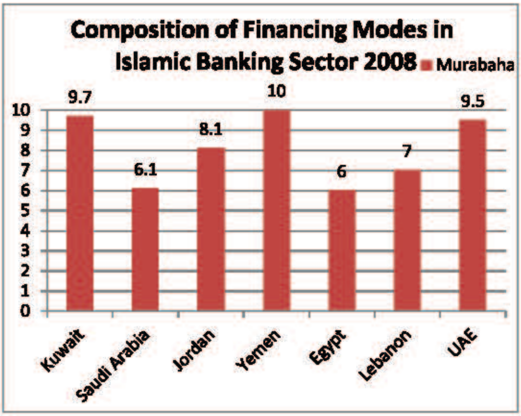
یہ دو اقوال ہی عبرت کے لئے کافی ہیں، یہ ان افراد کا اعتراف ہے جو کہ نہ صرف اسلامی بینک کے بھرپور مؤید رہے ہیں، بلکہ اسلامی بینکوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور اسلامی بینکوں کے معاملات سے

① الشرق الاوسط۔ 24/10/2010

بہت اچھی طرح سے واقف ہیں۔

جو باتیں ان حضرات نے کہی ہیں وہ حقیقت ہے، اور درج ذیل دو چارٹ اس کے آئینہ دار ہیں۔

درج ذیل پہلا چارٹ عالمی بینک (World Bank) کی جانب سے تیار کردہ ہے جسے سلیمان سید علی نے تیار کیا ہے۔ (1) اس چارٹ میں سات اسلامی ممالک میں اسلامی بینکنگ کے معاملات کا تناسب ذکر ہے۔ ہم نے صرف مرابحہ کا تناسب ذکر کیا ہے۔ اس چارٹ میں واضح دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں مرابحہ کا تناسب کتنا زیادہ ہے، حتی کہ بعض ممالک میں جیسے یمن میں اسلامی بینکوں کا سو فیصد معاملہ صرف مرابحہ ہی ہے، اور بعض ممالک جیسے کویت اور متحدہ عرب امارات میں یہ تناسب 90 فیصد سے زیادہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ جائزہ رپورٹ 2008ء میں تیار کی گئی تھی، گزشتہ چار سالوں میں یقیناً اس تناسب میں اضافہ ہی ہوا ہے کمی نہیں۔



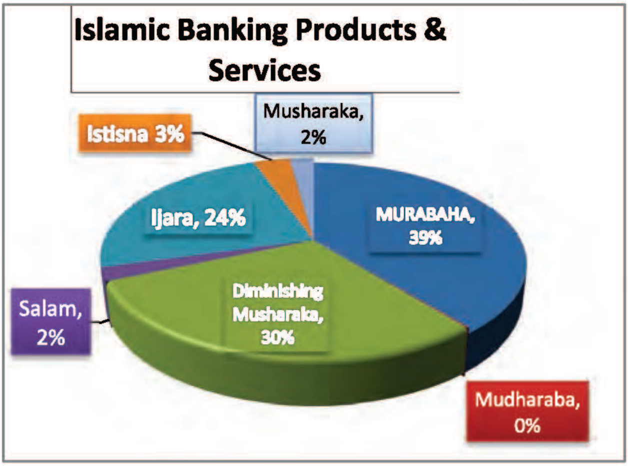
دوسرا چارٹ اسٹیٹ بینک پاکستان کے اسلامی بینکنگ ڈیپارٹمنٹ کا تیار کردہ ہے جس میں پاکستان کے اسلامی بینکوں کے معاملات کا فیصدی تناسب ذکر کیا گیا ہے، یہ رپورٹ بھی 2008ء کی تیار کردہ ہے۔ (2)

اس رپورٹ میں پاکستان کے اسلامی بینکوں کے معاملات کا فیصدی تناسب ذکر کیا گیا ہے، جس میں یہ واضح ہے کہ اسلامی بینکوں میں ذرائع تمویل (Modes of Financing) یعنی مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کا تناسب بینک کے باقی دیگر تمام معاملات کے تین چوتھائی سے بھی زیادہ ہے یعنی تقریباً 90

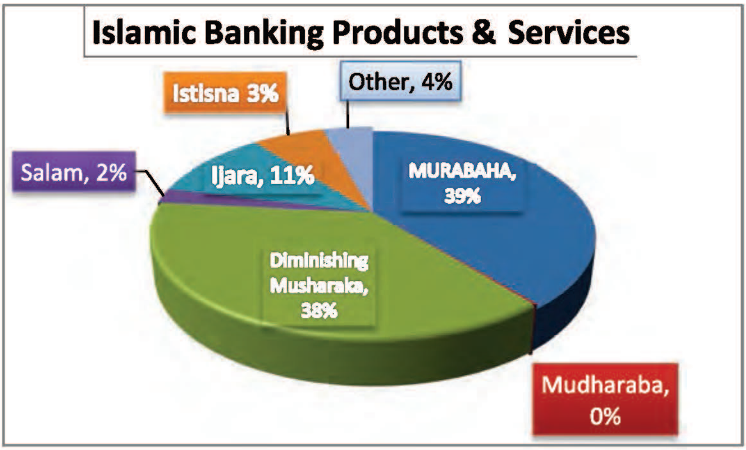
(1) Islamic Banking in the Mena Region, Salman Syed Ali (page 18)

(2) Handbook of Islamic Banking Products & Services (page : 4)

فیصد!۔اور نفع ونقصان کی شراکت داری جس کی بنیاد پر اسلامی بینک وجود میں آیا تھا اس کا تناسب صرف 2 فیصد ہے اور اس میں بھی مضاربہ کا کوئی حصہ نہیں!۔



اسی طرح ایک اور رپورٹ جو اسٹیٹ بینک کے اسلامی بینکنگ ڈپارٹمنٹ نے سال 2012ء میں ستمبر کے مہینہ میں جاری کی، جس میں اسلامی بینکوں کی سال 2012ء کی تیسری سہ ماہی جو کہ جولائی تا ستمبر ہے کا جائزہ لیا گیا۔اس رپورٹ کے اعداد وشمار بھی گزشتہ اعداد وشمار سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ ①



①Islamic Banking Bulletin , September 2012 , SBP (page 11)

خلاصہ کلام

اسلامی بینک کے قیام کا بنیادی مقصد معاشرہ کو سود اور عوام کو مالی ظلم و استحصال سے بچانا اور اسلامی معاشی نظام کے نفاذ کی سنجیدہ کوششیں کرنا تھا۔ اسی لئے ابتداء میں علماء نے یہ طے کیا تھا کہ اسلامی بینک مضاربہ اور مشارکہ جیسے شراکت داری والے معاملات کی طرف زیادہ توجہ دے گا، اور چونکہ ابتداء میں اسلامی بینک کو مشکلات کا سامنا تھا اس لئے مرابحہ اور اجارہ کو عبوری دور کے لئے اسلامی بینکاری نظام میں شامل کیا گیا تھا بلکہ کئی علماء نے اس کی عبوری دور کے لئے بھی اجازت نہیں دی تھی۔ اب اسلامی بینک اپنے ابتدائی دور سے گزر کر پختہ دور تک پہنچ چکا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جن بینکوں نے مرابحہ کو ابتدائی طور پر عبوری نظام کی حیثیت سے اپنایا تھا وہ بتدریج اس کو ختم کر کے مضاربہ اور مشارکہ کی جانب آتے، لیکن صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اسلامی بینکوں نے اب مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے، جبکہ اس میں سود کا شائبہ بھی ہے، صارف کا استحصال بھی، سودی حیلہ بھی اور مشکوک معاملات بھی!، اب ایسے نظام سے یہ توقع رکھنا کہ یہ معاشرہ کو اسلامی معاشی نظام کی جانب لے کر جائے گا بالکل عبث اور بیکار ہے، خصوصاً اب جبکہ اس نظام کو تقریباً ایک تہائی صدی سے زیادہ بلکہ نصف صدی گزر چکی ہے۔ اس لئے جو علماء اب بھی اس نظام کے حامی ہیں انہیں چاہئے کہ یا تو اس نظام کی اصلاح کے لئے انقلابی اقدامات اٹھائیں یا پھر اس نظام کو یہ سمجھ کر جائز نہ کہیں کہ یہ نظام ابھی اپنی ابتدائی عمر سے گزر رہا ہے اس لئے اسے وقت دیا جائے!۔ بلکہ ہماری نظر میں مروجہ مرابحہ اور سودی بینکوں کا سودی قرضہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، بلکہ اس سے بھی کڑوی حقیقت تو یہ ہے کہ صارفین کے لئے سودی بینک، اسلامی بینکوں سے کہیں زیادہ رحم دل واقع ہوئے ہیں۔

مروّجہ اجارہ کی شرعی حیثیت

اجارہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے اجرت دینا۔

فقہاء کی اصطلاح میں: اجارہ سے مراد ایسا معاہدہ ہے جس میں ایک متعین چیز کے مخصوص فائدہ کو محدود مدت تک معلوم عوض کے بدلہ دیا جائے، یا کسی عمل کے بدلہ عوض ادا کیا جائے۔ [1]

اس کی مثال یوں ہے کہ: ایک شخص اپنا گھر کسی کو محدود مدت تک رہائش کے لئے دے اور اس کے عوض اس سے کرایہ وصول کرے جو کہ دونوں فریقین کے علم میں ہو۔

مروجہ اجارہ کی صورت

اسلامی بینکوں میں کیا جانے والا اجارہ، شرعی اجارہ سے صورت میں کافی مختلف ہے، اسے اجارة المنتهيه بالتمليك (Purchase Hire) کہتے ہیں۔ یعنی کرایہ کا ایسا معاہدہ جس کے آخر میں چیز کی ملکیت کرائے دار کو منتقل ہوجائے۔ اجارہ کی یہ صورت فقہاء نے ذکر نہیں کی اور نہ ہی اس طرح اجارہ کا تصور فقہاء نے دیا بلکہ (Purchase Hire) کا آغاز ہی اسلامی سرزمین پر نہیں ہوا، اس کا آغاز سب سے پہلے امریکہ میں 1905ء میں ہوا۔ [2] بعد میں اسے سودی بینکوں نے (Leasing Contract) کے نام سے ترویج دی، اور اسی صورت کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اسلامی بینکوں میں اجارہ کے نام سے شروع کیا گیا۔ اس معاہدہ کا بنیادی مقصد کسی چیز کو کرایہ پر دینا نہیں ہے، بلکہ اس چیز کو فروخت کرنا ہے، اور خریدنے والا اس چیز کی قیمت اقساط میں ادا کرتا ہے، جبکہ اس کی ملکیت بیچنے والے کے پاس رہتی ہے، اور بظاہر معاہدہ کرایہ کا کیا جاتا ہے، خرید وفروخت کا نہیں۔ اسلامی بینکوں میں اجارہ کے ذریعہ (Car Financing) اور (Home Financing) کیجاتی ہے۔

---

[1] الروض المربع شرح زاد المستقنع، ص 318 اور حاشیۃ ابن عابدین 9/6-7

[2] Wikipedia, (Hire – Purchase)

مروجہ اجارہ میں ملکیت کے انتقال کی صورتیں

اسلامی بینکوں میں کیئے جانے والے اجارہ کے معاہدے میں گاڑی یا گھر کی ملکیت پہلے بینک حاصل کرتا ہے پھر اسے صارف کو کرایہ پر دیتا ہے، کرایہ کی مدت کے اختتام پر ملکیت منتقل کرنے کی کئی صورتیں اسلامی بینکوں میں رائج ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ عام صورتیں یہ ہیں:

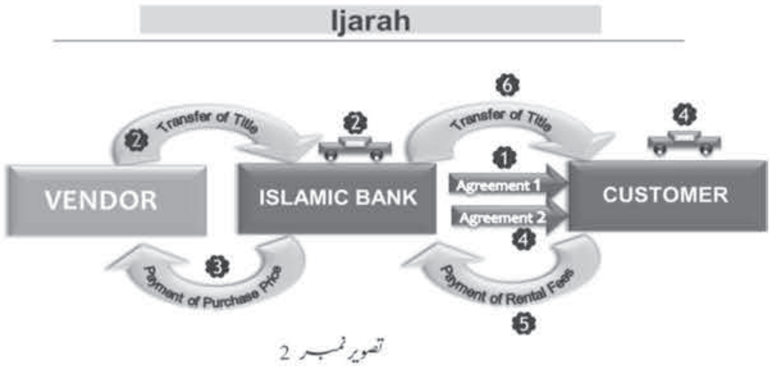
1 کرایہ کی مدت کے اختتام پر کرایہ کو ہی قیمت تصور کر کے چیز کی ملکیت صارف کو منتقل کرنا۔ یعنی کرایہ کا معاہدہ اور پھر بغیر کسی الگ معاہدہ کے ملکیت کی منتقلی۔

2 بینک اپنے صارف سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر اس نے مقررہ مدت تک کرایہ ادا کیا تو بینک اسے مذکورہ چیز ہدیہ کر دے گا۔ یعنی کرایہ کا معاہدہ اور اس معاہدہ میں ہدیہ کا وعدہ۔

3 بینک اپنے صارف سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر اس نے مقررہ مدت تک کرایہ ادا کیا تو بینک اسے مذکورہ چیز الگ معاہدہ کر کے نمائشی قیمت کے بدلہ بیچ دے گا۔ یعنی کرایہ کا معاہدہ اور اس معاہدہ میں بیچنے کا وعدہ۔

اول الذکر صورت بالاتفاق حرام ہے اور اس پر مجمع فقہ اسلامی اور ہیئۃ کبار علماء سعودی عرب کا فتوی بھی ہے، کیونکہ اس میں ایک ہی چیز پر بیک وقت دو معاہدوں کو ملا دیا گیا ہے، جس سے بہت سی شرعی مخالفتیں جنم لیتی ہیں، اور اب یہ صورت اسلامی بینکوں میں موجود نہیں ہے۔

مروجہ اجارہ کی صورت تصویر نمبر 2 میں ملاحظہ کریں



تصویر نمبر 2

وضاحت:

1 صارف، بینک سے معاہدہ کرتا ہے کہ وہ بینک سے مطلوبہ سامان (گھر، گاڑی) کرایہ پر حاصل کرے گا، اوراس کے لئے بطور ضمانت (Security) مخصوص رقم بینک میں جمع کراتا ہے۔

2 بینک مطلوبہ سامان یا تو خود خریدتا ہے یا پھر صارف کو اپنا وکیل بناتا ہے اور صارف بینک کی طرف سے مطلوبہ سامان خریدتا ہے۔

3 بینک مطلوبہ سامان کی قیمت فروخت کنندہ کو نقد ادا کرتا ہے۔

4 صارف بینک سے اجارہ کا معاہدہ کر کے گاڑی حاصل کرتا ہے۔

5 صارف مخصوص مدت تک بینک کو کرایہ ادا کرتا ہے، یہ کرایہ عموماً (KIBOR) یا (LIBOR) سے منسلک ہوتا ہے۔

6 کرایہ کی مدت ختم ہونے کے بعد درج بالا انتقال ملکیت کی صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ذریعہ چیز کی ملکیت صارف کو منتقل ہوجاتی ہے۔

مروجہ اجارہ اور شرعی اجارہ میں کئی بنیادی فرق ہیں

1 شرعی اجارہ میں مطلوبہ سامان مؤجر (کرایہ لینے والا) کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کے پاس موجود ہوتا ہے، جبکہ مروجہ اجارہ میں مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا بلکہ وہ بعد میں خرید کر اسے صارف کے حوالہ کرتا ہے۔

2 شرعی اجارہ میں مؤجر کا مقصود سامان کی ملکیت اپنے پاس رکھ کر صرف اس کی مخصوص منفعت کو کرایہ پر دینا ہے، اور مستاجر (کرایہ دار) کا مقصد بھی سامان کے عین کا حصول نہیں بلکہ اس کی منفعت کا حصول ہوتا ہے، جبکہ مروجہ اجارہ میں بینک کا مقصود صرف منفعت کو کرایہ پر دینا نہیں ہوتا بلکہ سامان بیچنا ہوتا ہے، اور صارف کا مقصد بھی کوئی مخصوص منفعت کا حصول نہیں بلکہ سامان کی ملکیت کا حصول ہوتا ہے۔

مروجہ اجارہ، درحقیقت اجارہ ہے یا بیع

شریعت کا قانون ہے کہ ''العبرة في العقود بالمقاصد والمعاني لا بالألفاظ والمباني '' کہ شرعی

رو سے معاملات میں مقاصد کا اعتبار کیا جاتا ہے، ظاہری الفاظ کا نہیں۔ مروجہ اجارہ میں اسلامی بینکوں کا مقصود سامان کی فروخت ہوتا ہے اور صارف کا مقصود سامان خریدنا ہوتا ہے، بظاہر معاملہ کرایہ داری کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے، اور کرایہ بھی چیز کی قیمت کے حساب سے متعین کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم ابواللیل کہتے ہیں: "یہ معاہدہ دراصل قسطوں پر بیع کی نئی شکل ہے"[1]، اسی طرح دیگر کبار اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں کہ یہ اجارہ نہیں بیع ہے، ان میں سلیمان بن ترکی الترکی[2]، شیخ عبداللہ محمد عبداللہ[3]، شیخ دبیان محمد الدبیان[4] شامل ہیں، اسی طرح بعض ممالک کے قوانین میں بھی اسے بیع ہی تصور کیا گیا ہے جیسا کہ مصر کا شہری قانون[5] اور کویت کا تجارتی قانون[6]۔ اسی لئے مروجہ اجارہ کو (Ijarah Financing) اور (Ijarah Loan) کہا جاتا ہے، اور اسی لئے کوئی ایک اسلامی بینک بھی مروجہ اجارہ کے تحت دی گئی چیز کی واپسی کا تقاضہ نہیں کرتا، اب چونکہ مقصد چیز کی بیع ہے لہذا مروجہ اجارہ پر، کرایہ داری کے احکامات لاگو نہیں ہوں گے بلکہ بیع کے احکامات کا اطلاق کیا جائے گا۔ اور اجارہ کی مکمل صورت کا جائزہ لینے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ دراصل اقساط پر چیز کی فروخت ہے جسے اجارہ کا نام دیا گیا ہے۔

اسلامی بینک قسطوں پر چیز کی فروخت کا طریقہ کار کیوں اختیار نہیں کرتے؟

یہ ایک بہت اہم سوال ہے کہ جب مروجہ اجارہ میں قسطوں پر فروخت کے طریقہ سے بہت حد تک مماثلت ہے اور مروجہ اجارہ میں اصل مقصد بھی چیز کی فروخت ہی ہے تو پھر اتنا حیلہ کر کے اجارہ اور بیع کو ملانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسلامی بینک، اسے بیع التقسیط ہی کیوں نہیں کہہ دیتا اور اپنی اور صارف کی حیثیت کو مالک اور کرایہ دار کے بجائے، فرخت کنندہ اور خریدار کی حیثیت سے متعارف کیوں نہیں کراتا؟۔

اس کا آسان اور سیدھا سا جواب یہ ہے کہ، تاکہ بینک سامان قسطوں پر فروخت کرنے کے باوجود بھی

---

[1] البیع بالتقسیط والبیوع الائتمانیۃ الأخری، ص:315−317

[2] مجلۃ مجمع الفقہ الإسلامي، العدد الخامس 2599/4 [3] البیع بالتقسیط، ص:195

[4] الإجارۃ المنتہیۃ بالتملیك ص:2 [5] القانون المدني المصري، شق نمبر 430

[6] القانون التجاري الکویتي، شق نمبر 140

سامان کی ملکیت اپنے پاس رکھے اور اسے مکمل اطمینان رہے، اور وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہے، وہ اس طرح کہ:

- اجارہ میں کرایہ دار سامان کا مالک نہیں ہوتا، اگر کسی موقع پر کرایہ دار، کرایہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو بینک اس سے اپنا سامان واپس لے سکتا ہے، اور اس سے جو رقم بینک نے وصول کی تھی وہ چونکہ کرایہ تھا اس لئے بینک اسے واپس نہیں کرتا کیونکہ صارف اس کرایہ کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے، اور اجارہ فسخ ہونے کی صورت میں مؤجر کرایہ واپس نہیں کرتا، جبکہ قسطوں پر فروخت کی صورت میں سامان کی ملکیت صارف کو مل جانے کے بعد اگر صارف اقساط ادا نہ کر سکے اور وہ تنگ دست ہو تو شرعی طور پر بینک اس پر جرمانہ نہیں لگا سکتا اور نہ ہی وہ سامان زبردستی واپس لے سکتا ہے، اور اگر سامان واپس لے تو شرعی اور قانونی طور پر بینک پر یہ واجب ہوتا ہے کہ صارف کی ادا کردہ رقم میں سے سامان کے استعمال کے برابر رقم منہا کر کے باقی رقم صارف کو واپس کرے۔
- مروجہ اجارہ میں بینک سامان کی انشورنس کراتا ہے اور سامان تلف ہو جانے کی صورت میں انشورنس سے حاصل شدہ رقم کا سامان کے مالک ہونے کی حیثیت سے قانونی حقدار ٹھہرتا ہے، جبکہ صارف چونکہ صرف کرایہ دار ہے اس لئے وہ خالی ہاتھ رہتا ہے، اور دوسری طرف سامان (گھر، گاڑی) پر لگنے والے ٹیکس، اور سامان (مثلاً گاڑی) کے خراب ہونے کی صورت میں درستگی وغیرہ کے اخراجات کو ''جاری اخراجات'' (Running Expenses) کہہ کر بینک صارف کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیتا ہے۔
- شرعی اجارہ میں بعض صورتوں میں کرایہ دار سے کرایہ معاف ہو جاتا ہے جب کرایہ دار کو سامان کی مخصوص منفعت حاصل نہ ہو، مثال کے طور پر اگر اس نے گھر کرایہ پر حاصل کیا اور گھر پر کسی نے جبراً قبضہ کر لیا تو ایسی صورت میں چونکہ اسے گھر کی مطلوبہ منفعت حاصل نہیں، اس لئے وہ کرایہ ادا نہیں کرتا، لیکن مروجہ اجارہ میں چونکہ بینک صارف کو گھر کرایہ پر نہیں دے رہا ہوتا بلکہ درحقیقت بیچ رہا ہوتا ہے اس لئے وہ بہر صورت صارف سے ماہانہ رقم وصول کرتا رہتا ہے، چاہے صارف کو منفعت حاصل ہو یا نہیں۔

✿ صارف چونکہ کرایہ دار ہے اس لئے وہ یہ سامان (مثلاً گھر) کسی کو بیچ نہیں سکتا، جبکہ بینک چونکہ مالک مکان ہے اس لئے وہ جب چاہے کسی کو بھی وہ سامان بیچ سکتا ہے، اور صارف اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

الغرض کہ اسلامی بینک اجارہ اور بیع کے ملاپ سے بننے والے مروجہ اجارہ میں ہر جائز و ناجائز فائدہ سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ اس اجارہ کی حقیقت ہے جسے اسلامی بینک سودی بینکوں کے لیزنگ (Leasing Contract) کا متبادل قرار دیتے ہیں۔

مروجہ اجارہ میں شرعی اعتراضات

(پہلا اعتراض) بینک کا صارف سے وعدہ لینا کہ وہ مطلوبہ سامان کو بینک سے کرایہ پر حاصل کرے گا۔

یہ بالکل اسی وعدہ کی طرح ہے جو مروجہ مرابحہ کے (Master Murabaha Facility Agreement) میں بینک صارف سے لیتا ہے، اور مزید اطمینان کے لئے مخصوص رقم سیکیورٹی کے طور پر بھی لی جاتی ہے۔ اس حوالہ سے گزشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے کہ اگر صارف پر اس وعدہ کے ایفاء کو قانوناً لازم کیا جاتا ہے تو اس سے معاملہ ناجائز ہوجاتا ہے، کیونکہ اس وعدہ کی وجہ سے معاہدہ منعقد ہوجاتا ہے اور بعد میں الگ سے جو اجارہ یا مرابحہ کا معاہدہ کیا جاتا ہے وہ محض دکھلاوا ہے، کیونکہ جس ایگریمنٹ میں صارف سے پہلے ہی وعدہ لے لیا گیا ہے اسی میں مطلوبہ سامان کی تفصیلات، کرایہ کا تعین، ادائیگی کا طریقہ کار طے کرلیا جاتا ہے، جبکہ ابھی بینک نے مطلوبہ سامان حاصل نہیں کیا ہوتا۔ اور بیع کی طرح اجارہ میں بھی یہ شرط ہے کہ مؤجر (سامان کرایہ پر دینے والا) کے پاس سامان موجود ہو۔

(دوسرا اعتراض) بینک کا صارف کو وکیل بنانا۔

اس حوالہ سے بھی مرابحہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ بینک کا صارف کو ہی وکیل بنادینے سے معاملہ مشتبہ ہوجاتا ہے اور سودی تمویل کے مشابہ ہوجاتا ہے۔

(تیسرا اعتراض) بینک کا سامان کی ملکیت کو اپنے پاس رکھنا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا ہے کہ مروجہ اجارہ دراصل بیع (خرید و فروخت) کا معاملہ ہے، لہذا

اس پر بیع کے احکامات کا ہی اطلاق کیا جائے گا۔ بیع کے احکامات میں سے ایک یہ ہے کہ معاہدہ ہونے کے بعد سامان کی ملکیت بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، چاہے قیمت مکمل ادا کی گئی ہو یا ادائیگی جاری ہو مجمع الفقہ الاسلامی کی قسطوں پر خرید وفروخت کے بارے میں قرار داد کے مطابق: ''لا حقَّ للبائع في الاحتفاظ بِملكيّة المبيع بعد البيع '' بائع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بیع ہوجانے کے بعد ملکیت کو اپنے پاس محفوظ رکھے ①۔ جبکہ مروجہ اجارہ میں بینک چیز کی ملکیت کو اپنے پاس رکھتا ہے، اور بعد میں آخری قسط کی ادائیگی کے بعد خود بخود یا پھر الگ معاہدہ کے تحت یا ہدیہ کے ذریعہ سامان کی ملکیت منتقل کی جاتی ہے۔

(چوتھا اعتراض) ''ایک معاہدہ میں دو معاہدے'' کی قباحت

مروجہ اجارہ میں صارف کو ملکیت کی منتقلی کے لئے عموماً بینک کی جانب سے ہدیہ کا وعدہ کیا جاتا ہے، یا مدت کے اختتام پر رسمی قیمت کے بدلہ فروخت کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ مرابحہ کی بحث میں تفصیلاً گزر چکا ہے کہ کسی معاہدہ میں کسی چیز کا دوطرفہ یا یکطرفہ وعدہ اور اس کا التزام دراصل بذات خود ایک معاہدہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ قانوناً وقضاءً لازمی ایفاء، معاہدہ کی صفت ہے نا کہ وعدہ کی۔ لہٰذا اسلامی بینک کا صارف سے کیا گیا وعدہ ایک معاہدہ ہے اور اس طرح اجارہ کے معاہدہ میں دو معاہدے شامل ہیں: اجارہ کا معاہدہ، بیع کا معاہدہ۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اجارہ کے ساتھ بیع کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور دونوں معاہدوں کو ایک معاہدہ میں جمع کیا جاسکتا ہے، ڈاکٹر علی قرۃ الداغی کہتے ہیں: ''جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ) نے اجارہ اور بیع کو ایک معاہدہ میں جمع کرنے کو جائز کہا ہے۔ شرح الخرشی میں ہے: ''اجارہ اور بیع کو ایک معاہدہ میں جمع کرنا جائز ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے کھال خریدے اس شرط پر کہ بیچنے والا اس کھال سے مشتری کو جوتا بنا کر دے گا'' ②۔ اسی طرح المغنی میں ہے: ''اگر دو مختلف قیمت والے عقد ایک عوض کے بدلہ جمع کردئے جائیں۔۔۔ جیسے وہ یوں کہے: میں تمہیں یہ گھر بیچتا ہوں اور دوسرا گھر کرایہ پر دیتا ہوں ایک ہزار کے عوض، تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ ③

---

① مجمع فقه الإسلامی کا فیصله نمبر [53–6/2]

② شرح الخرشي علی مختصر خلیل: [4/7] ③ المغني لابن قدامة: [4/260]

اس کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً: مروجہ اجارہ درحقیقت اجارہ نہیں بلکہ بیع ہے، کیونکہ اس میں مؤجر (بینک) اور مستاجر (صارف) کا مقصد سامان کی منفعت نہیں ہوتا بلکہ تملیک اور تملک ہوتا ہے، یعنی چیز بیچنا اور خریدنا مقصود ہوتا ہے، لہٰذا مروجہ اجارہ میں بیع کا وعدہ ایک معاہدہ میں دو معاہدے کی قباحت کو شامل ہے۔

ثانیاً: مروجہ اجارہ میں اجارہ اور بیع کے جمع ہونے سے بیع میں غرر اور جہالت داخل ہوجاتی ہے، چونکہ بیع آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ معلق ہوتی ہے، اور بیع میں ضروری ہے کہ مبیع (سامان) کی کیفیت سے فروخت کنندہ اور خریدار دونوں مکمل آگاہ ہوں، لیکن مروجہ اجارہ میں بینک اور صارف دونوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ آخری قسط کی ادائیگی تک مبیع (سامان) کی کیا کیفیت ہوگی؟ بینک صارف سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اجارہ کی مدت کے اختتام پر یہ چیز اسے بیچ دے گا، اور دونوں کو ہی اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ مقررہ مدت تک چیز باقی بھی ہوگی یا نہیں، اگر موجود ہوگی تو اس کی کیفیت کیسی ہوگی؟۔

جہاں تک ہدیہ کا تعلق ہے تو یہ ہدیہ اقساط پوری کرنے کے عوض دیا جارہا ہے اور اگر ہدیہ کسی عوض کے بدلہ ہو تو اس کا حکم ہدیہ کا نہیں ہوتا بلکہ بیع کا حکم ہوتا ہے، ایسے ہدیہ کو ہدیۃ الثواب کہتے ہیں، شرح حدود ابن عرفہ میں ہے: ''هبة الثواب.. عطية قصد بها عوض مالي.. وحكمها حكم البيع'' ہدیہ ثواب ایسا عطیہ ہے جس میں مالی عوض کا حصول مراد ہو، اور ایسے ہدیہ پر بیع کا حکم لگتا ہے''۔ دلیل الطالب میں ہے: ''فإن كانت بعوض معلوم فبيع'' اگر ہدیہ کسی معلوم عوض کے بدلہ ہو تو وہ بیع ہے۔ امام کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: ''اگر وہ ہدیہ دیتے وقت عوض (بدلہ) کی شرط لگادے یعنی وہ یوں کہے کہ: ''میں تمہیں یہ چیز تحفہ میں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے وہ کپڑا دو گے'' تو ایسے معاہدہ کی نوعیت میں اختلاف ہے، ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ) یہی کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ ہے تو ہدیہ کا لیکن اس کا حکم تجارت کا ہوگا'' [1]۔ تو واضح ہوا کہ اس ہدیہ کا حکم بھی بیع کا ہی ہے کیونکہ بینک صارف کو یہ ہدیہ اقساط پوری کرنے کے عوض دیتا ہے، اور چونکہ یہ بیع ہے لہٰذا اس کا وعدہ کرنا، بیع کا وعدہ ہے اور وعدہ میں جب یکطرفہ یا دوطرفہ التزام ہو تو ایسا وعدہ معاہدہ میں بدل جاتا ہے، لہٰذا مروجہ اجارہ

(1) بدائع الصنائع: 1326

میں سامان کی ملکیت کی منتقلی کے لئے بینک کا صارف سے ہدیہ کا وعدہ کرنا دراصل دو معاہدوں کو ایک معاہدہ میں جمع کرنا ہے۔

اسلامی بینک کی طرف سے ہدیہ کے حوالہ سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہم یہ ہدیہ اقساط کے بدلہ نہیں دے رہے، بلکہ یہ محض ہدیہ ہے جو ہم اپنے صارف کو اچھے مراسم کی بنیاد پر دے رہے ہیں، تو ہمارا اسلامی بینک سے یہ سوال ہے کہ کیا وہ گاڑی اور گھر جو انہوں نے صارف کو اجارہ کے طور پر دیئے تھے اور پانچ سال، دس سال تک اس کا کرایہ (بقول بینک) وصول کیا، کیا بینک وہ گھر اور گاڑی اپنے صارف سے واپس لے سکتا ہے؟، ایک اور سوال یہ ہے کہ پاکستان جیسے غریب ملک میں جہاں غربت اپنی حدوں کو چھو رہی ہے لاکھوں کروڑوں افراد ایسے ہیں جنہیں کوئی رہائش میسر نہیں، جن کے پاس کوئی سواری نہیں، تو اسلامی بینک ایسے صارف کو جو مہنگی رہائش کے بھی متحمل ہو سکتے ہیں، اور مہنگی سواری بھی خرید سکتے ہیں کو ہی گھر اور گاڑی ہدیہ کرنے پر مصر کیوں ہیں، کیا وہ یہ گاڑیاں اور گھر جنہیں وہ بلاعوض اپنے صارفین کو ہدیہ کر رہے ہیں ان غریبوں کو نہیں دے سکتے جو اس کے اصل مستحق ہیں؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی بینک ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ یہ ہدیہ ان اقساط کے عوض دے رہے ہیں جو انہوں نے وصول کی ہیں، لہذا اسے ہدیہ نہیں بیع ہی کہا جائے گا۔

خلاصہ کلام

✷ مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، شرعی اجارہ سے عملی اور ماہیتی اعتبار سے بہت مختلف ہے۔

✷ مروجہ اجارہ درحقیقت بیع کا معاملہ ہے اور اس پر بیع کے احکامات کا ہی اطلاق کیا جائے گا۔

✷ مروجہ اجارہ میں درج ذیل شرعی قباحتیں پائی جاتی ہیں:

✷ بینک کا صارف سے اجارہ کی ابتداء میں لیا جانے والا وعدہ جس کا قانوناً التزام کرایا جاتا ہے یہ وعدہ مروجہ اجارہ کو ''بیع ما لا یملک'' (ایسی چیز کی فروخت جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو) جیسی ممنوع بیع کے حکم میں داخل کر دیتا ہے۔

✷ بینک کا اجارہ میں مطلوبہ سامان کی خریداری کے لئے صارف ہی کو وکیل مقرر کرنا۔ جو اس معاملہ کو سودی

تمویل سے مشابہ کردیتا ہے۔

✱ بینک کا مروجہ اجارہ میں کرایہ کے تعین میں شرح سود کو معیار مقرر کرنا۔جس کے سبب اجارہ میں کرایہ مجہول(نامعلوم) ہوجاتا ہے۔

✱ اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں صارف پر لگایا جانے والا جرمانہ جسے صدقہ کا نام دیا جاتا ہے۔

✱ بینک کا سامان کی ملکیت کو اپنے پاس رکھنا۔

✱ ایک معاہدہ میں دو معاہدے کی قباحت۔

ان تمام شرعی اعتراضات کی موجودگی کے سبب اسلامی بینکوں میں جاری اجارہ کا معاہدہ شرعی لحاظ سے صحیح نہیں۔اس کے ناجائز وحرام ہونے کا فتوی سعودی عرب کی کبار علماء کمیٹی نے بھی دیا ہے اوراس کا بنیادی سبب ایک معاہدہ میں دو معاہدوں کی قباحت قرار دیا ہے۔ [1]

مروجہ اجارہ کا شرعی متبادل

مروجہ اجارہ کا حقیقی شرعی متبادل ،قسطوں پر بیع ہے،اوراس میں بینک کے لئے یہ سہولت بھی ہے کہ وہ چیز فروخت کرنے کے بعد اس کی ملکیت بطور رہن کے اپنے پاس رکھ لے،اور جب اقساط مکمل ہوجائیں تو اس کی ملکیت صارف کو واپس کردی جائے۔یہی وہ متبادل ہے جس کی طرف سعودی عرب کی علماء کمیٹی نے بھی درج بالا فتوی میں رہنمائی کی ہے۔

[1] فتوی کبار علماء کمیٹی۔تاریخ فتوی(29/10/1420ھ)

مشارکہ متناقصہ
Diminishing Musharakah

مشارکہ عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے شراکت داری۔ اصطلاحی طور پر فقہاء نے مشارکہ کی مختلف تعریفات کی ہیں جو کہ تقریبا ہم معنی ہیں، ان تعریفات میں سے ایک یہ ہے کہ: "الاِجتماع في إستحقاق أو تصرف" کسی چیز کے استحقاق (حق ملکیت) یا اس کے تصرف میں (دو یا دو سے زائد افراد کا) جمع ہوجانا[1]۔ یعنی دو یا دو سے زائد افراد مل کر کوئی چیز خریدیں یا اس کی ملکیت بغیر کسی معاہدہ کے دونوں کو مل جائے، یا دو یا دو سے زائد افراد مل کر سرمایہ لگا کر کوئی کاروبار شروع کریں اور اس کے منافع میں حصہ دار بنیں۔

مشارکہ کے جواز کی دلیل

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ} [النساء: 12]
"اگر (میت) کی وراثت میں (میت کے بھائی بہن) دو سے زائد ہوں تو وہ مال کے تیسرے حصہ میں شراکت دار ہیں"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے: {ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ}[الزمر: 29]
"اللہ تعالی مثال بیان کرتا ہے ایسے شخص کی جس (کی ملکیت) میں کئی شراکت دار ہیں جو ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں"۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ}[ص: 24]
ترجمہ: "اور بیشک بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے"۔

---

[1] المغنی لابن قدامة [3/5]

اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے: إن اللہ عز وجل یقول: أنا ثالث الشریکین مالم یخن أحدھما صاحبہ فإذا خانہ خرجت من بینھما

بیشک اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں دو شراکت داروں کے ساتھ تیسرا ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے شریک کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، جب وہ خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

مشارکہ کی اقسام

مشارکہ کی بنیادی طور پر دو قسام ہیں: (۱) شرکۃ الملك۔ [۲] شرکۃ العقد۔

(1) شرکۃ الملك: اس سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی چیز کی ملکیت میں شراکت دار ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ دونوں کی شراکت داری برابر ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ شراکت داری کا سبب خرید وفروخت ہی ہو، بلکہ وصیت یا ہدیہ وغیرہ کے ذریعہ بھی دو یا دو سے زائد افراد کسی چیز کی ملکیت میں شریک بن سکتے ہیں۔

(2) شرکۃ العقد: عقد کا مطلب ہے معاہدہ، اس سے مراد ایسا معاہدہ ہے جس کے ذریعہ دو یا دو سے زائد افراد مال میں یا عمل میں یا دونوں میں شریک (پارٹنر) بنتے ہیں، اور تمام شرکاء کو مال یا عمل میں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، اور شراکت داری سے وجود میں آنے والے کاروبار وتجارت کا منافع طے شدہ تناسب کے مطابق تمام شرکاء میں تقسیم ہوتا ہے اسے (Joint Commercial Enterprise) کہا جاتا ہے۔ شرکۃ العقد کی مزید پھر کچھ اقسام ہیں:

1 مال میں شراکت

یہ قسم مالی شراکت کے تناسب، اور حق تصرف کے لحاظ سے دو اقسام پر مبنی ہے:

(1) شرکۃ العنان: اس سے مراد ایسی شراکت داری ہے جس میں مالی، عملی شراکت داری کا تناسب، حق تصرف، منافع کی تقسیم برابری کی سطح پر نہ ہو، یعنی کسی شریک کا مال زیادہ ہو، کسی کو تصرف کا اختیار زیادہ

دے دیا جائے، اسی طرح کسی شریک کو دیگر شرکاء کی نسبت زیادہ منافع ملے۔ البتہ خسارہ کی صورت میں ہر شریک اپنی مالی شراکت داری کے حساب سے نقصان برداشت کرتا ہے۔

(2) شركة المفاوضة: اس سے مراد ایسی شراکت داری ہے جس میں تمام شرکاء مالی، عملی شراکت داری، حق تصرف، منافع کی تقسیم اور خسارہ اٹھانے میں برابر ہوں، اس کے شرعی حکم میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ شركة المفاوضة جائز ہے۔

2 عمل میں شراکت

3 ایک شریک کی جانب سے مال اور دوسرے شریک کی جانب سے عمل

اس شراکت داری کو اصطلاحاً مضاربہ کہتے ہیں۔

مشارکہ متناقصہ کی تعریف

درج بالا تفصیل ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ مشارکہ متناقصہ شراکت داری کی ایک نئی قسم ہے جس کا ذکر کتب فقہ میں نہیں ملتا اور سب سے پہلے اس کا استعمال اسلامی بینک میں ہی کیا گیا ہے۔ متناقصہ نقص سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کمی۔

مشارکہ متناقصہ سے مراد ایسا مشارکہ ہے جس میں ایک شریک دوسرے شریک کا حصہ تدریجاً خریدنے کا وعدہ کرتا ہے حتی کہ آخر میں وہ شریک پورے اثاثہ کا مالک بن جاتا ہے۔[1]

اسلامی بینکوں میں مشارکہ متناقصہ کا استعمال عموماً ٹھوس اثاثہ جات کی تمویل (Fixed Asset Financing) میں کیا جاتا ہے، اور کبھی کسی کاروبار میں مشارکہ متناقصہ کے ذریعہ مالی تمویل کاری کی ضروریات کو بھی پورا کیا جاتا ہے۔ شرعیہ اسٹینڈرز کے مطابق مشارکہ متناقصہ کا شمار شركة العقد کی قسم شركة العنان میں سے ہے۔[2] جبکہ مروجہ اسلامی بینکوں کے تعامل سے یہ محسوس ہوتا ہے وہ اسے شركة الملك کی حیثیت دیتے ہیں۔

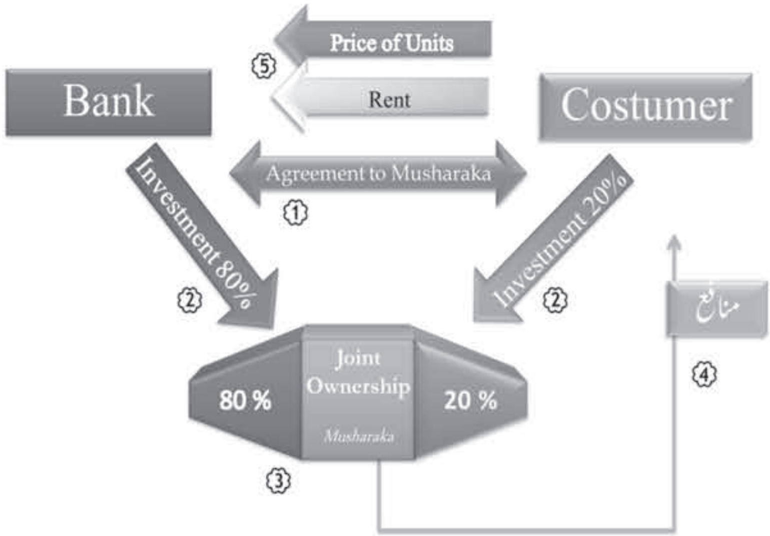
اسلامی بینکوں میں مشارکہ متناقصہ کے ذریعہ عموماً جن چیزوں میں تمویل کی جاتی ہے ان میں:

---

[1] المعايير الشرعية [171] [2] المعايير الشرعية [171]

* House Financing
* Plant and machinery financing
* Car Financing

وغیرہ شامل ہیں۔



مشارکہ متناقصہ کی صورت

وضاحت:

❶ سب سے پہلے صارف بینک سے اپنے مطلوبہ سامان کے لئے تمویل (Financing) کی خواہش کا اظہار کرتا ہے، اور بینک صارف سے مشارکہ کا معاہدہ کرتا ہے۔ اسی معاہدہ میں صارف بینک سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ مطلوبہ سامان میں بینک کا جو حصہ (Share) بنتا ہے وہ الگ الگ (Units) کی صورت میں ماہانہ یا سہ ماہی بنیادوں پر خریدے گا۔

❷ بینک اور صارف دونوں مل کر مطلوبہ سامان میں مخصوص رقم ادا کر کے ملکیت میں شراکت دار بن جاتے ہیں، جس میں بینک کا حصہ کم از کم 80 اور زیادہ سے زیادہ 90 فیصد تک ہوتا ہے اور اگر کوئی کاروبار ہے تو صارف اور بینک شرکۃ العقد کے ذریعہ پارٹنر بن جاتے ہیں۔

❸ صارف اور بینک کے سرمایہ سے مطلوبہ سامان حاصل کیا جاتا ہے یا کوئی کاروبار شروع کیا جاتا ہے۔

❹ اگر مشارکہ متناقصہ کے ذریعہ کوئی سامان خریدا گیا ہے تو مذکورہ سامان کو صارف استعمال کرتا ہے مثلاً

گھر میں رہائش رکھتا ہے یا گاڑی کو استعمال کرتا ہے، اسی استعمال کو بینک منافع تصور کرتا ہے جو کہ صارف کو مل رہا ہے اور اگر کوئی کاروبار ہے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی یا منافع بینک اور صارف کے مابین شراکت داری کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔

5 بینک اپنی شراکت داری کو اکائیوں (Units) میں تقسیم کرتا ہے، مثلاً اگر بینک کا حصہ 80 فیصد ہے تو بینک اسے آٹھ آٹھ فیصد کی دس یا دس دس فیصد کی آٹھ اکائیوں (Units) میں تقسیم کرتا ہے، اور صارف اپنے وعدہ کے مطابق مخصوص مدت میں ان اکائیوں کو خریدنے کا پابند ہوتا ہے، حتیٰ کہ آخری اکائی کی خریداری کے ساتھ ہی شراکت داری ختم ہو جاتی ہے اور صارف اس چیز کی مکمل ملکیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور جب تک وہ ان اکائیوں کو مکمل خرید نہیں لیتا اس وقت تک چونکہ وہ محصولہ سامان میں بینک کا حصہ استعمال کر رہا ہے لہذا وہ بینک کو اس کے حصہ کے تناسب سے کرایہ ادا کرتا ہے۔

اس مکمل وضاحت کی روشنی میں مشارکہ متناقصہ کی صورت یوں بنتی ہے کہ گھر کی خریداری کا خواہش مند صارف بینک سے مشارکہ کی بنیاد پر گھر خریدنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، بینک اور صارف سرمایہ لگا کر ایک گھر جس کی قیمت مثلاً دس لاکھ روپے ہو خریدتے ہیں، اس میں صارف دو لاکھ روپے ادا کرتا ہے اور بینک آٹھ لاکھ روپے، اس طرح صارف کا اس شراکت داری میں حصہ بیس فیصد ہوتا ہے اور بینک کا اسی فیصد، پھر مشارکہ کی ابتداء میں کئے گئے معاہدہ کے مطابق صارف متعین مدت میں بینک کا حصہ خریدتا ہے، بینک اپنے حصہ کو اکائیوں (Units) میں تقسیم کرتا ہے، مثلاً وہ ایک لاکھ کے آٹھ یونٹس بناتا ہے اور صارف اپنے وعدہ کے مطابق ہر تین مہینہ بعد ایک یونٹ خریدنے کا پابند ہوتا ہے۔

مروجہ مشارکہ متناقصہ پر شرعی اعتراضات

(پہلا اعتراض) بینک کا صارف سے وعدہ لینا کہ وہ شراکت داری کے ذریعہ حاصل کردہ سامان میں بینک کا جو حصہ بنتا ہے اسے مختلف اکائیوں (Units) کی صورت میں خریدے گا۔

بینک یہ وعدہ صارف سے اس وقت لیتا ہے جب ابھی مشارکہ کی تکمیل نہیں ہوتی اور نہ ہی ابھی کوئی سامان خریدا گیا ہوتا ہے، یعنی مشارکہ کی ابتداء ہی میں مشارکہ کے تناقص (Diminish) کا عہد لے لیا جاتا ہے۔ اس وعدہ کی وجہ سے مشارکہ متناقصہ میں کئی شرعی اشکالات وارد ہوتے ہیں:

① سرمایہ کی ضمانت

مشارکہ میں دو یا دو سے زائد افراد نفع اور نقصان کی بنیاد پر شراکت داری کرتے ہیں، اگر نفع ہو تو طے شدہ بنیاد پر تقسیم ہو جاتا ہے، اور اگر نقصان ہو تو شراکت داری کے تناسب سے ہر شریک نقصان اٹھاتا ہے اور اس میں کسی کو استثناء نہیں ہوتا، اور مشارکہ میں کسی بھی شریک کے سرمایہ کی ضمانت نہیں دی جاتی، یہی بات مشارکہ کو سودی معاملہ سے الگ کرتی ہے۔ لیکن مروجہ مشارکہ میں بینک کا صارف سے مشارکہ کی ابتداء ہی میں یہ وعدہ لے لینا کہ بینک کا جو حصہ بنتا ہے وہ صارف خریدے گا اور جب تک وہ بینک کا حصہ خرید نہیں لیتا وہ بینک کو کرایہ بھی ادا کرے گا، اور پھر اس وعدہ کو قانوناً لازمی ایفاء کرانا دراصل مشارکہ میں سرمایہ کی ضمانت لینا ہے، اور یہ صورت بالکل یوں ہی بن جاتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو مکان خریدنے کے لئے دس لاکھ روپے قرض دے پھر اس سے گیارہ لاکھ روپے وصول کرے، یعنی مشارکہ میں سرمایہ کی ضمانت لینے یا ضمانت دینے سے مشارکہ سودی معاملہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

② ایک معاہدے میں دو معاہدے

مشارکہ متناقصہ میں بینک مشارکہ کے معاہدے کے ساتھ ہی صارف سے وعدہ لیتا ہے کہ وہ موجودہ مشارکہ میں بینک کا جو حصہ بنتا ہے اسے ضرور خریدے گا، اسے بینک وعدہ کا نام دیتے ہیں جبکہ اس وعدہ کا قانوناً التزام کرایا جاتا ہے، اور یہ بات گزشتہ صفحات میں بارہا مقام پر تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئی ہے کہ ایسا وعدہ جس میں قانوناً التزام کا عنصر پایا جائے وہ دراصل معاہدہ ہے، وعدہ نہیں۔ اور اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مروجہ مشارکہ متناقصہ میں بھی یہ قباحت موجود ہے کہ ایک معاہدے میں دو معاہدے جمع کر دیئے جاتے ہیں۔

③ بیع مالا یملك (ایسی چیز فروخت کرنا جس کا وہ مالک نہ ہو) کی قباحت

بینک صارف سے مشارکہ کے آغاز ہی میں یہ وعدہ لے لیتا ہے کہ صارف بینک کا حصہ خریدے گا، اور جس وقت یہ وعدہ لیا جاتا ہے اس وقت مطلوبہ سامان کی ملکیت حاصل کرنا تو الگ بات، وہ سامان ابھی

خرید ابھی نہیں گیا ہوتا، اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ جس وعدہ کا قانوناً التزام کرایا جاتا ہو اس کی حیثیت معاہدے کی ہوتی ہے، تو گویا اس معاہدے کے ذریعہ بینک ایسا سامان صارف کو بیچ رہا ہے جو کہ ابھی خود بینک کے پاس موجود نہیں، اور ایسی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں۔

(دوسرا اعتراض) بینک کے (Units) خریدنے میں صارف کی طرف سے تاخیر کی صورت میں ''صدقہ'' کا التزام:

جیسا کہ مرابحہ اور اجارہ کی بحث میں یہ ذکر ہوا کہ کسی بھی مالی معاملہ میں ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اگر قرضدار جان بوجھ کر تاخیر کا مرتکب ہوا ہو تو اس پر مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی اور سزا دی جاسکتی ہے، اور جہاں تک بات ہے صدقہ کی تو یہ دراصل مالی جرمانہ ہے اور قطعاً حرام ہے۔

لیکن مشارکہ متناقصہ میں صدقہ کا التزام نہایت حیران کن ہے، کیونکہ مروجہ مشارکہ میں صارف بینک سے (Units) خریدتے وقت ہر (Unit) کے لئے الگ معاہدہ کرتا ہے جس میں ہر دفعہ الگ ایجاب وقبول ہوتا ہے کیونکہ بینک محصولہ سامان میں خود کو شریک تصور کرتا ہے گویا کہ وہ سامان میں حق ملکیت رکھتا ہے اور صارف نے جب بھی شراکت داری میں اپنا حصہ بڑھانا ہو تو وہ بینک سے ان (Units) کو خریدتا ہے جو کہ محصولہ سامان میں بینک کی حق ملکیت وشراکت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ (Units) بینک کی ملکیت ہیں اور ہر دفعہ صارف یکمشت ادائیگی کر کے ایک ایک (Unit) الگ الگ خریدتا ہے تو وہ شرعاً وقانوناً بینک کا قرضدار تو نہ ہوا، پھر تاخیر اور سبب تاخیر پر بحث کیوں ہو؟ پھر صارف پر صدقہ کا التزام چہ معنی دارد؟ اور اگر بینک صارف کو اپنا قرضدار سمجھتا ہے اور اس کی نظر میں ان اکائیوں (Units) کی قیمت صارف پر قرض ہے، تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صارف ان (Units) کا مالک ہے اور اب اس نے صرف ان کی قیمت ادا کرنی ہے، اگر ہم اس بات کو تسلیم کریں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر بینک ان (Units) کا کرایہ کیوں وصول کرتا ہے؟، وہ تو حق ملکیت وحق شراکت ہی نہیں رکھتا کہ اپنے حصہ کو استعمال کرنے پر صارف سے کرایہ کا تقاضا کرے؟۔

الغرض یہ کہ صدقہ کا التزام اور اس کی منطق مرابحہ اور اجارہ میں تو پھر کسی حد تک معقول نظر آتی ہے اگرچہ شرعاً وہ ناجائز ہی سہی، لیکن مشارکہ متناقصہ میں تو صدقہ کا التزام دائرہ معقولیت سے بھی خارج

ہے چہ جائیکہ ہم اس پر کوئی شرعی بحث کریں۔

مشارکہ متناقصہ کی مجوزہ شرعی صورت

مشارکہ متناقصہ کی درست شرعی صورت اسی وقت بن سکتی ہے جب اس میں وارد شرعی اعتراضات کو ختم کیا جائے:

① بینک مشارکہ کے آغاز میں صارف سے وعدہ لے سکتا ہے کہ صارف بینک کا حصہ خریدے گا، لیکن اس وعدہ کا قانونی التزام نہ ہو۔

② مشارکہ کا معاہدہ اور مشارکہ میں بینک کا اپنا حصہ بیچنے کا معاہدہ الگ الگ ہونا چاہئے، دونوں معاہدوں کو ایک ہی معاہدے میں جمع نہ کیا جائے۔

③ مشارکہ متناقصہ میں صدقہ کا کوئی جواز نہیں، چونکہ یہ ایک خرید وفروخت کا معاہدہ ہے لہذا اس میں بینک صارف پر کوئی جبر وزبردستی نہیں کرسکتا، البتہ اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ صارف پر یہ واضح کردیا جائے کہ اگر وہ بینک سے اس کا حصہ نہیں خریدے گا تو بینک اپنا حصہ (Share) کسی اور کو فروخت کرنے میں آزاد ہوگا۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے، مروجہ اسلامی بینکوں کے سرکردہ افراد کو یہ توفیق دے کہ وہ انہیں حقیقی اسلامی مالیاتی وتجارتی ادارہ بنائیں اور پوری دنیا میں سودی اقتصادی نظام کی بیخ کنی کرکے عالمی اسلامی اقتصادی نظام کے نفاذ کو ممکن بنائیں۔

واللہ اعلم وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے (ایک) تندرستی (دوسری) خوش حالی [فراغت]۔

اسلامی بینکاری

بینک گارنٹی

کی شرعی حیثیت

فضیلۃ الشیخ علامہ بکر ابوزید رحمہ اللہ (1)

ترجمہ وتہذیب: شاہ فیض الابرار صدیقی (2)

عصر حاضر کے جدید مسائل میں سے اقتصادی معاملات کی اہمیت کا انکار کسی ذی عقل کیلئے ممکن نہیں اور اقتصادی معاملات میں ایک اہم ترین معاملہ بینکوں کی طرف سے جاری کردہ ''ضمانت'' کا (3) ہے جس کی حیثیت قانونی، معاشرتی اور بھروسہ کی ہوتی ہے۔ اس نوعیت کی ضمانت کا شرعی جائزہ اس امر کا متقاضی ہے کہ اس ضمانت کا مکمل تصور اور مفہوم جاننا بہت ضروری ہے جو اس امر کی وضاحت پر مبنی ہو کہ اس قسم کی

(1) ممتاز عالم دین سعودی عرب

(2) فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ پی ایچ ڈی سکالر شعبہ عربی جامعہ کراچی۔ استاد جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی

(3) بینک ضمانت اور گارنٹی سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص کسی دوسرے ملک سے کوئی چیز درآمد کرنا چاہتا ہے تو اس دوسرے ملک کا تاجر یہ ضمانت چاہتا ہے کہ اگر اس نے مطلوبہ سامان بھیج دیا تو کیا اس کی قیمت اسے ادا کی جائے گی یا نہیں؟ اس لئے وہ اس بات کا اطمینان چاہتا ہے کہ سامان کی ترسیل کے بعد اسے یقینی طور پر قیمت وصول ہو جائے گی۔ اس اطمینان دلانے کی صورت بینک گارنٹی ہے کہ درآمد کنندہ برآمد کنندہ کو اعتماد دلانے کیلئے بینک سے ایک ضمانت نامہ حاصل کرتا ہے جس میں بینک بیچنے والے کو یہ ضمانت دیتا ہے کہ اس کی قیمت کا ذمہ دار میں ہوں۔ (البیان)

ضمانت کی ممکنہ مشتملات وجزئیات کیا ہوسکتی ہیں؟ اس ضمانت کو کن اصولوں کے مطابق جاری کیا جاتا ہے؟ اس کی میعاد کتنی ہوسکتی ہے؟ اور کیا اس کی تجدید ممکن ہے؟ اور سب سے اہم ترین امر یہ کہ احکامِ شریعت کی رو سے اس کے مکمل خدوخال کیا ہوسکتے ہیں۔

موضوع کی مناسبت سے بحث کو دو ابواب میں بیان کیا جارہا ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلا باب درج ذیل نکات پر مشتمل ہے

☆ بینک گارنٹی کی تعریف ☆ مستفید کی نوعیت ☆ گارنٹی کا مقصد

☆ گارنٹی اجراء کا طریقہ کار ☆ گارنٹی کی انواع واقسام

دوسرا باب: بنک گارنٹی کی شرعی حیثیت

پہلا مبحث: بینک گارنٹی[1]

بینک گارنٹی لیٹر کی حقیقت

گارنٹی لیٹر ایک ایسا قطعی وعدہ ہے جو محدود وقت کے لیے نا قابل واپسی ہے اور جو بینک کی جانب سے اس وقت جاری کیا جاتا ہے جب کوئی کاروباری فریق دوسرے فریق کے ساتھ مالی یا لین دین کے معاملات طے کرتے وقت ضمانت طلب کرتا ہے۔ یہ ضمانت کسی ٹینڈر کے حوالے سے ہو یا کسی منصوبہ کے آغاز کے حوالے سے اس میں دونوں شامل ہیں اور اس کا اصل مقصد مستفید کے لیے معاہدہ کی پابندی کروانا ہے تا کہ اگر کلائنٹ یعنی فریق اول طے شدہ معاہدہ کی پابندی کرنے میں کوتاہی سے کام لے یا منصوبہ کی تکمیل کے حوالے سے قوانین کی پابندی نہ کرے تو ایسی کیفیت میں بینک فریق اول سے اس معاہدہ کی پابندی کرواتا ہے۔

---

[1] درج بالا مبحث کی تیاری کے حوالے سے سعودی عرب مانیٹری ایجنسی کے تعارفی نوٹ سے رجوع کیا گیا ہے، جو کہ اس نے سعودی وزارت عدل کو مؤرخہ 28/03/1404ھ ارسال کیا تھا۔ نیز اس کے ساتھ کتاب المصارف مصنف غریب جمال، اور البنک اللاربوي فی الاسلام مصنف محمد باقر الصدر، اور الربا والمعاملات المصرفية مصنف شیخ عمر المترک رحمہ اللہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔

بینک گارنٹی کے ارکان

سابقہ بحث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بنک گارنٹی کے چار ارکان ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

1. بینک
جس کی حیثیت ضامن کی ہے۔اور ضامن وہ ہوتا ہے جو کسی غیر کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے ۔
2. کلائنٹ: وہ فریق جس کی ضمانت دی جائے۔
3. مستفید: وہ فریق جس کو ضمانت دی جائے۔
4. مالیت ضمانت: وہ مالیت جس کی ضمانت دی جارہی ہو۔

بینک گارنٹی کی اصطلاح عمومی طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے یہ چار عناصر ہی مراد ہوتے ہیں۔

کلائنٹ: جس کی ضمانت دی جائے

عمومی طور پر کلائنٹ کوئی کمپنی بھی ہوسکتی ہے اور ایسا ادارہ بھی جس کی قانونی حیثیت فاؤنڈیشن کی حیثیت سے ہو لیکن اس کے معاملات طے کرنے کے لیے کسی منیجر کا ہونا ضروری ہے۔جسے منیجنگ ڈائریکٹر بھی کہا جاسکتا ہے۔

مستفید

عمومی طور پر کوئی قابلِ اعتبار شخصیت ہوتی ہے جیسا کہ گورنمنٹ انٹرسٹ ہو فاؤنڈیشن یا کوئی معروف کمپنی ہو شخصی اعتبار سے کوئی فرد شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

اہداف و مقاصد

درحقیقت بینک ضمانت اُس فریق کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے جس نے اسے طلب کیا ہوتا ہے خواہ اس کی حیثیت حکومتی ہو یا کمپنی کی ہو، چونکہ اس کا مقصد منصوبوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانا یا خرید کردہ اشیاء کی کوالٹی، ورائٹی، ڈیلیوری ٹائمنگ، کیلیئے انشورنس کرانا ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں مستفید کیلیئے اس ضمانت کی فراہمی کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ کسی بھی نوعیت کی کمی، کوتاہی اور ناکامی کی ذمہ داری

کلائنٹ یعنی فریق اول پر ہوگی جس کے بارے میں ضمانت دی جا رہی ہے۔ اس عمل میں بینک بھی اس وقت تک کسی قسم کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جب تک اسے مکمل تسلی نہ ہوجائے کہ جس کی وہ ضمانت دے رہا ہے وہ مکمل طور پر مالی اور معنوی حیثیت سے اس معاہدے کی پاسداری کا اہل ہے۔ لہذا بینک گارنٹی کے معاہدے میں ایک اضافی ضمانت بھی فراہم ہوجاتی ہے کہ منصوبوں اور ٹینڈرز میں صرف اور وہی شخص شرکت کرسکتا ہے جو یہ اہلیت رکھتا ہو کہ وہ اپنے ذمہ لئے گئے تمام معاہدات کو پورا کرنے پر قادر ہے۔

بینک ضمانت جاری کرنے کا طریقہ کار

عمومی طور پر بینک ضمانت اس وقت جاری کی جاتی ہے جب کوئی فریق اسے بینک سے طلب کرتا ہے اور وہ فریق اپنی اس طلب میں ضمانت کی رقم اور اس کی مدت کا تعین کرتا ہے اور اس امر کا بھی ذکر کرتا ہے کہ یہ کس مد میں لی جارہی ہے۔

ضمانت جاری کرنے والے بینک کے لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ضمانت دیتے وقت وہ کلائنٹ کے بارے میں مکمل طور پر مطمئن ہو کہ وہ واقعتاً مالی اور معنوی طور پر حسب ضرورت عند الطلب اس کی ادائیگی کرسکتا ہو بلکہ بوقت ضرورت اس کی مدت صلاحیت میں توسیع بھی کرسکتا ہو۔ اور جب ضمانت کی رقم بڑی ہو تو اس صورت میں بینک عموماً کچھ تامینات یعنی ضمانت کے طور پر کلائنٹ سے چند مالیت والی چیزیں بطور گروی طلب کرتا ہے جیسا کہ کوئی رجسٹرڈ ریئل اسٹیٹ یا مختلف کمپنیوں میں حصص کے پیپرز بینک میں جمع کرائے، کہ اگر بینک سے کفالت کی رقم طلب کی جائے تو وہ باآسانی گروی شدہ چیزوں کو نقد میں تبدیل کرواسکے۔ یہ چیزیں گروی رکھوانے کے ساتھ گروی رکھنے والے کلائنٹ سے اس معاہدے پر دستخط لئے جاتے ہیں کہ بوقت ضرورت وہ ان چیزوں سے دست بردار ہوجائے یا پھر وہ اس پر راضی نہیں تو کسی اور معروف بینک کی کفالت جمع کرائے۔

بینک گارنٹی میں عمومی طور پر بینک کلائنٹ سے ضمانت کی 25% فیصد نقد رقم بطور انشورنس اپنے پاس جمع کرتا ہے۔ بسا اوقات منصوبے کی نوعیت اور کلائنٹ کی مالی و معنوی پوزیشن دیکھتے ہوئے اس رقم میں کمی وبیشی بھی ممکن ہوتی ہے۔ لہذا ان تمام ضروری مراحل کے بعد بینک گارنٹی لیٹر کا اجراء کردیتا ہے۔

بینک ضمانت کی اقسام

اول: ابتدائی ضمانت (bid bond): یہ ضمانت کسی پروجیکٹ یا ٹینڈر کی بولی میں شرکت کیلئے دی جاتی ہے۔ اور اس کی مالیت ٹینڈرز کی طے شدہ مالیت کا ایک فیصد یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، یہ ضمانت ایک مخصوص مدت کیلئے ہوتی ہے عمومی طور پر اس کی مدت تین ماہ ہوتی ہے۔

یہ بینکنگ معاہدہ کلائنٹ دوسرے فریق کو پیش کرتا ہے جس میں کوئی ذمہ دار حیثیت اس پر ضامن ہوتی ہے۔ تاکہ فریق اول کیلئے ٹینڈرز کی بولی میں شریک ہونا ممکن ہو سکے۔ لہٰذا ابتدائی ضمانت کی حیثیت ایک طرح سے ابتدائی گروی کی ہے جو اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ کلائنٹ اس ٹینڈر میں شرکت کا اہل ہے۔ اور اس لیٹر کو کالعدم کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوتا الا کہ قانونی طور پر مستفید اس کا مطالبہ کرے۔

دوم: نہائی ضمانت (performance bond): بنک ضمانت کی اس قسم کا تعلق طے شدہ معاہدہ کی عملی تطبیق سے ہے اور اس امر سے بھی کہ دوران معاہدہ منصوبہ یا ٹینڈرز کی کسی بھی طے شدہ شق کی مخالفت نہ ہونے پائے۔ اور اس کی مالیت ہمیشہ منصوبہ یا ٹینڈرز کے 5 % فیصد کے برابر ہوتی ہے اور اس کی مدت ایک سال کی ہوتی ہے جس میں اضافہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا مقررہ شرائط وصفات میں اگر کلائنٹ کی جانب سے کمی پائی گئی تو مستفید مذکورہ ضمانت کی رقم سے اس کی تلافی کرے گا۔ لہٰذا اس کی حیثیت بوقت ضرورت گارنٹی کی ہے۔ اور یہ کسی بھی صورت میں ختم یا منسوخ نہیں کی جاسکتی سوائے یہ کہ مستفید یعنی دوسرا فریق اس کا مطالبہ کرے۔

سوم: منصوبے اور ٹینڈر کے اخراجات کے لئے ایک فل مارجن (FULL MARGIN) پر ضمانت لیٹر حاصل کرنا۔

یعنی کلائنٹ بینک کو بطور ایڈوانس موجودہ منصوبہ کی مد میں اتنی مالیت کی ضمانت دیتا ہے جو دوسرے فریق یعنی مستفید کے مالی حقوق کے تحفظ کی خاطر ہو اور اس کا مقصد بھی ضمانت کی سابقہ قسم کی طرح ہی ہے۔

چہارم: ضمانت کا لیٹر (Shipping Guarante)

بینک گارنٹی کی مذکورہ تین اقسام کے علاوہ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو بینک شپنگ کمپنیوں یا اسٹیمرز ایجنسیز (Steamers agencies) کے حوالے سے وضع کرتا ہے۔ اس کا اجراء بینک اس وقت کرتا ہے جب درآمد کیا گیا سامان تو معینہ بندرگاہ تک پہنچ جاتا ہے لیکن دستاویزات وقت پر نہیں پہنچ پاتیں جن کا تعلق درآمد شدہ سامان کی مالیت اور قیمت سے ہوتا ہے۔ بسا اوقات اس میں یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ یہ سامان اگر اسی طرح بندرگاہ پر کچھ عرصہ پڑا رہا تو خراب یا ضائع ہو جائے گا۔ لہٰذا مذکورہ بالا ضمانت میں بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مال سے متعلق تمام دستاویزات فوراً اسٹیمرز کے ایجنٹس کے حوالے کر دے گا۔ بینک کی اس ضمانت کی بنیاد پر درآمد کرنے والا (شپنگ کمپنی سے) اپنا سامان وصول کر لیتا ہے۔

اس ضمانت کے اجراء کیلئے امپورٹر بینک کو درخواست دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس درآمدی ضمانت (Import L/C) کی تمام قیمت بھی ادا کر دیتا ہے جو کہ درآمد شدہ سامان کی قیمت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے بعد بینک کلائنٹ کے نام گارنٹی جاری کر دیتا ہے۔ اور کلائنٹ جاری کردہ ضمانتی خط کو جہاز راں کمپنیوں کے مخصوص ایجنٹوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

گارنٹی لیٹر کے اجراء سے بینک کو حاصل ہونے والا فائدہ

یہ وعدہ یا معاہدہ جس کی بناء پر بینک نے کلائنٹ کی ذمہ داری کو اپنے ذمہ لیا ہے کہ وہ کلائنٹ کی طرف سے مستفید کو گارنٹی لیٹر معاہدہ اور اس کی شرائط کی رو سے لاگو ہونے والی رقم کی ادائیگی کرے گا اس تمام عمل کے پیچھے بینک کو حاصل ہونے والا مالی فائدہ کارفرما ہوتا ہے۔ یعنی بینک تمام معاملات میں ثالث اور ضامن بننے کیلئے کمیشن وصول کرتا ہے جس کی نسبت عموماً 2% یا حسب اتفاق کم زیادہ ہوتی لہٰذا اس ذمہ داری اور سروس کی ادائیگی پر بینک 2 فیصد کمیشن کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

یہاں پہلا باب اختتام پذیر ہوا جس میں بینکوں کی جانب سے جاری ہونے والے ان گارنٹی خطوط کا ایک مکمل تصور اور اس کے خدوخال اور طریقہ اجراء کو واضح کیا گیا جو بینک اپنے کلائنٹ کو مستفیدین

کیلئے جاری کرتے ہیں۔

بینک ضمانت خط کی حیثیت شریعت اسلامیہ کی رو سے

شریعت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں ضمانت کا جواز موجود ہے
جس کی صورت فقہاء نے ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''ضم ذمة الضامن إلى ذمة المضمون في التزام الحقوق المستحقة '' واجب الادا حقوق میں ادائیگی کے لئے ضامن کا ذمہ مضمون (جس کیلئے ضمانت دی جارہی ہے) کے ذمہ سے منسلک کرنا۔
یعنی کسی کا قرض کسی دوسرے پر لازم کرنا۔
فقہاء نے اسے عقدارفاق واحسان میں شامل کیا ہے، نیز اس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے حقوق کوضیاع سے بچایا جاسکے، اور حقوق کی ادائیگی زیادہ مأمون ومحفوظ ہوجائے۔
سابق الذکر بحث میں جو کچھ بیان ہوا اس کا خلاصہ درجِ ذیل دو اہم فقروں میں محصور ہے:

اس سروس کی فراہمی پر بینک کی طرف سے حاصل کیا جانے والا کمیشن

جہاں تک سابقہ بیان کردہ چار اقسام کا تعلق ہے تو بظاہر ان میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہو اور اس کی حدود سے تجاوز کرتی ہو اور اس کی شروط کی موجودگی بھی اس امر کے جواز کی متقاضی ہے۔ بینک ضامن ہوتا ہے اور اس کی اہلیت ایسی ہے کہ اس کا تبرع جائز ہے کیونکہ اس میں ضامن کی رضامندی شامل ہے اور حق بھی معلوم ہے اور اس کی مدت بھی معلوم ہے یعنی مجہول نہیں ہے۔
البتہ پہلی قسم (ابتدائی ضمانت) میں ایک چیز ہے جو قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس کا تعلق اس ضمانت سے ہے جو بعد میں واجب ہوگی اور جو ضمانت ابھی واجب نہیں ہوئی اس کا شمار معلق وعدہ کا ہوگا۔ کیونکہ شرعی رو سے ضمانت ایک ایسا معاہدہ ہے جو ایک واجب شدہ چیز کی ادائیگی کا ذمہ لینے کا نام ہے لہٰذا اس رو سے اسے معلق نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ دوسرے معاہدات میں اس کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی صورت

تو یہ ہوگی کہ ضامن نے ایسی چیز کی ضمانت لی ہے جو ابھی تک مضمون عنہ (یعنی جس کی ضمانت دی جا رہی ہے) اس کے ذمہ بھی ابھی واجب نہیں ہوئی۔ لیکن اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں جن میں تینوں امام یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اپنے قدیم مذہب میں جبکہ امام شافعی کے جدید قول میں سابقہ رائے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس معاملے میں جمہور اہل علم کی رائے اصول شریعت سے زیادہ موافق اور قریب تر ہے کہ شرعی اصول کے موجب معاملات اپنی اصل میں حلت پر قائم ہیں تاوقتیکہ ان میں کوئی ایسا مانع نہ پیدا ہوجائے جیسا کہ دھوکہ ابہام وغیرہ وغیرہ۔ اور اس چیز کی ضمانت اپنے ذمہ لینا جو ابھی واجب نہیں ہوئی اس میں کسی قسم کی غرر دھوکہ ابہام نہیں پایا جاتا لہٰذا اس کا حکم عموم پر باقی رہے گا اور وہ ہے جواز کا[1]۔ واللہ اعلم۔

یہی وجہ ہے کہ حنابلہ نے ضمانت کی تعریف یوں کی ہے: ''ضمانت ایک ایسی دستاویز کا نام ہے جس میں مخصوص پابندی جو غیر پر لازم ہو چکی یا مستقبل میں ہوگی کو اپنے ذمہ لینا ساتھ اس کے کہ وہ پابندی اصل فرد پر بہر صورت قائم رہے گی۔ یا انسان کا کسی کام یا عمل کے بارے میں ذمہ داری اٹھانا جو حال میں یا مستقبل میں اس پر لازم ہوگی۔''[2]

ضمانت پر معاوضہ لینا

ضمانت پر اجرت (کرایہ) کا لینا نہ کہ رائلٹی لینا کیونکہ رائلٹی کا مفہوم یہ ہے کہ: ''کوئی بھی صاحب تصرف کوئی معینہ چیز مقرر کردے کہ جو شخص ایک معلوم یا مجہول کام کسی معلوم یا مجہول مدت میں انجام دے گا تو اسے وہ چیز دی جائے گی، جعالہ میں کام اور مدت کے تعین کی شرط نہیں ہوتی اور نہ ہی بوقت ضرورت کسی عامل کا تعین کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

---

[1] دیکھئے: فتح القدير 5/402، حاشية ابن عابدين 5/301، الشرح الكبير مع الدسوقي 3/333، اور قوانين ابن جزي، ص: 353، روضة الطالبين للنووي 4/244، اور الغاية القصوى للبيضاوي 4/592، كشف المخدرات للبعلي ص252، بداية المجتهد 2/298.

[2] شرح منتهى الإرادات 2/108، 110

اس طرح سے اجارہ اور جعالہ (رائلٹی) میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ اجارہ کی ابتداء اً عقد لازم کی حیثیت ہے۔ جبکہ جعالہ (رائلٹی) عقد لازم نہیں بلکہ عقدِ جائز ہے طرفین اس کو کسی وقت بھی منسوخ کر سکتے ہیں۔

الغرض رائلٹی کا مفہوم کرایہ کے مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع ہے کیونکہ رائلٹی کے بارے میں آپ نے جیسا کہ سابقہ سطور میں جان لیا ہے کہ اس میں کسی بھی کام کے معلوم ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی اور نہ ہی مدت کا تعین ہوتا ہے اور جس امر کا تعین ہی نہ ہو تو اس کا وسیع ہونا بالکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل کرایہ ایک طے شدہ منافع کا نام ہے یا پھر دونوں فریقوں کے مابین طے پائی جانے والی کیفیت کا نام ہے جو دونوں فریقوں میں سے کسی بھی فریق کو اسے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

اسی وجہ سے جمہور اہل علم اس امر کے قائل ہیں کہ ضمانت فراہم کرنے پر کوئی معاوضہ نہ لیا جائے جیسا کہ مختلف کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ جیسے مجمع الضمانات علی مذهب الإمام أبي حنيفة للبغدادي ص 282، اور الشرح الكبير للدردير مع حاشية الدسوقي 3/404، اور الشرح الصغير 3/ 242، اور الفروع لإبن مفلح الحنبلي 4/ 207، اور كشاف القناع /262۔

نیز دیگر کتب میں بھی صراحتاً منع اور عدم جواز کا ذکر ہے۔ ضمانت پر معاوضہ نہ لینے کے حوالے سے مندرجہ ذیل دلائل اور توجیہات پیش کی جاتی ہیں:

1. یہ ایسا قرض ہے جو نفع لانے کا موجب بنتا ہے، اور اس کہ وجہ یہ ہے کہ جب ضامن اپنے کلائنٹ کی طرف سے دوسرے فریق کو ادائیگی کرتا ہے تو اس پر اگر کمیشن لے گا تو یہ معاوضہ اس ادائیگی کے بدلے میں ہوگا جو کہ کلائنٹ پر بطور قرض واجب الادا تھی۔ اور ضمانت کے خط کی بعض کیفیات میں تو یہ صورت میں مضبوط نظر آجاتی ہے کہ یہ قرض پر ہی نفع حاصل کیا جارہا ہے کیونکہ مستفید براہ راست کلائنٹ سے رابطہ نہیں کرتا کہ وہ ادائیگی کرے بلکہ بینک سے ہی طلب کرتا ہے۔ گویا بینک اپنی طرف سے کلائنٹ کا قرضہ ادا کر رہا ہے اور اس قرضے پر معاوضہ وصول کر رہا ہے۔

2. یہ معاہدہ اور عقد احسان اور نرمی و وسعت پر مبنی ہے لہٰذا اس پر معاوضہ لینا مقاصدِ شریعت کے سراسر خلاف ہے۔

3 گارنٹی کی بعض صورتوں میں مستفید کلائنٹ سے براہ راست وصولی کرتا ہے۔لہٰذا ایسی صورت میں اگر ضامن (یعنی بینک) اپنا کمیشن لے گا تو گویا اس نے ناحق لیا کیونکہ ادائیگی تو کلائنٹ نے خود اپنی طرف سے کی ہے۔ پھر ضامن کس چیز کا معاوضہ لے رہا ہے؟ اور یہ معاوضہ لینا سراسر باطل ہے۔ کیفیات میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کے لیے ضمانت دی جارہی ہو وہ خود جس کی ضمانت دی جارہی ہو اس سے طلب کرتا ہے پس اس کیفیت میں تو ضامن کا اس عمل پر کوئی معاوضہ لینا قطعی صحیح نہیں اور یہ باطل ہے۔اور یہ طرز عمل لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے مترادف ہے۔

اور ابتدائی ضمانت اور دستاویزاتی ضمانت خط میں تو مستفید براہ راست کلائنٹ سے مطالبہ کرتا ہے نہ کہ بینک سے۔

تنبیہات: یہاں دو باتیں انتہائی قابل توجہ ہیں

اول: فقہی قواعد میں ایک قاعدہ ہے کہ اجرت اور ضمانت بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں۔اور یہ قاعدہ اس ضمانت سے متعلق نہیں جو کہ زیرِ بحث ہے۔بلکہ اس ضمانت سے مراد (ضمان المتلفات یعنی تلف ہونے والی چیزوں کی ضمانت) ہے۔

دوم: فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے کہ:''ہر وہ کام جس کا کرنا جائز ہو اس پر معاوضہ لینا جائز نہیں ہوجاتا''۔ بلکہ اس میں کچھ کام تو ایسے ہیں جن پر معاوضہ لینا جائز ہوتا ہے جیسا کہ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کے لئے کوئی معاوضہ اور رائلٹی مقرر کرنا۔اور کچھ پر معاوضہ لینا جائز نہیں جیسا کہ ضمانت پر یا جائز کھیل کھود پر معاوضہ لینا،، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب مجموع الفتاوی (30/ 215-216) میں بیان کیا ہے۔

خلاصہ بحث

سابقہ سطور میں جو کچھ گزرا اس کی روشنی میں دو اہم حقیقتیں آشکار ہوتی ہیں۔

کلائنٹ کی جانب سے ضمانت کے لیٹر کے مارجن کے حوالے سے تین صورتیں ہیں

1 ضمانت کا وہ لیٹر جو زیرو مارجن (Zero Margin) ہو: اس صورت پر وہی حکم لاگو ہوگا جس کا جمہور اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ضمانت پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔ لہٰذا اس صورت پر یہی حکم لگے گا۔

2 ضمانت کا وہ خط جو کلائنٹ کی جانب سے فل مارجن (full Margin) پر حاصل کیا گیا ہو:

اس صورت کے بارے میں واللہ اعلم، ضمانت پر معاوضہ لینے کی ممانعت کا حکم نہیں لگے گا۔ کیونکہ یہ معاوضہ کام کی مکمل کاروائی انجام دینے پر خدمات و سروسز کا معاوضہ ہے۔ تو اس صورت میں اگر تو بینک مستفید کو ادائیگی کرتا ہے تو وہ کلائنٹ کے پیسے سے ہی کر رہا ہے۔ جس پر معاوضہ لیتا ہے اور اگر وہ ادا نہیں کرتا تو وہ کلائنٹ سے اس کے مال کی حفاظت کرنے اور اسے سروسز مہیا کرنے پر کمیشن حاصل کرتا ہے۔ (جس میں بظاہر قباحت نہیں)۔

3 ضمانت کا وہ لیٹر جو فیصد مارجن پر حاصل کیا گیا ہو۔

اس صورت پر سابقہ دونوں صورتوں کے احکامات لاگو ہوں گے۔ اس حصے پر معاوضہ جائز ہوگا جس کی ادائیگی ہو چکی ہے۔ اور اس حصہ پر نہیں ہوگا جس ک ادائیگی نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم۔

یہ بحث میں شیخ عمر بن عبدالعزیز المترک کی رائے پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی کتاب ''الربا و المعاملات المصرفیة'' میں بیان کی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

''کہ جو کچھ مجھے صحیح محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ضمانت سے قبل ضمانت کی مکمل رقم مستفید کو ادا کر دی جائے یا پھر وہ فل مارجن پر ہو تو اس پر رائلٹی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس حالت میں وہ کمیشن جو بنک حاصل کرتا ہے وہ مہیا کردہ خدمات کے مقابل ہوتا ہے جیسا کہ وہ چیک کے ذریعے تبادلے کے حوالے سے کمیشن لیتا ہے کیونکہ یہ کیفیت نہ تو قرض ہے اور نہ ہی قرض جیسی ہے۔ کیونکہ بینک اپنے مال میں سے کچھ نہیں ادا کرتا بلکہ وہ تو اس مال میں سے ادا کرتا ہے جو کہ کلائنٹ کی رقم کی صورت میں اس کے پاس موجود ہوتا ہے۔

اور اگر ضمانت کا خط زیرو مارجن پر ہے تو اس کیفیت میں رائلٹی لینا جائز نہیں سمجھتا کیونکہ یہ ضمانت قرض کی صورت میں ہو سکتی ہے اور یہ صورت قرض پر نفع حاصل کرنے کی ہو جائے گی جو سود ہے اور سود کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور سود ایسی رذیل برائی ہے کہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ اس کے

راستے روکے جائیں، اوراس کے سامنے بند باندھا جائے۔

لہٰذا میرے خیال میں ضمانت کے طلب گار پر لازم ہے کہ ضمانت فراہم کرنے والے کے پاس اتنی مالیت کی رقم رکھوادے جس سے ادائیگی ممکن ہوسکے۔اور یہ کاروائی ان اصولوں سے بالکل متفق ہے جوکہ بعض بینک لازم قرار دیتے ہیں کہ کلائنٹ ضمانت کے خط کے مساوی رقم جمع کرائے۔اوراسی کیفیت کوفل مارجن کا نام دیا گیا ہے۔توکلائنٹ کی جانب سے بینک میں رکھوائی گئی یہ رقم بینک کے پاس بطوررھن تصور کی جائے گی۔تاکہ بوقت ضرورت بینک اس رقم سے مستفید کوادائیگی کرسکے۔ (1)

اس کاروائی میں بیش بہافوائد ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1. ان افراد کا راستہ روکنا جوٹینڈرز اور منصوبوں میں شامل ہونے کے بعد خود کے ذمہ عائد معاہدات کی پاسداری کرنے کی اہلیت اوراستطاعت نہیں رکھتے۔یعنی یہ شرط لاگو کرنے سے ٹینڈرز اور بولیوں میں وہی شخص دلچسپی لےگا اور شریک ہوگا جواس کی تنفیذ کی بھی اہلیت رکھتا ہو۔
2. ایسا طریقہ کار اختیار کرنے سے کاموں کا دائرہ پھیلانے کی لالچ اور حرص کے سامنے بھی بند باندھنا ممکن ہوگا۔کہ انسان کسی ایسے کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالے جس کو وہ کرنہیں سکتا۔اوراگر انسان ایسے کام میں داخل ہوا جووہ کرنہیں سکتا تو وہ اس صورت میں بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا، اوراس کی معیشت اور مالی

---

(1) نوٹ: بینک گارنٹی کی بعض صورتوں میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے البتہ مندرجہ بالا مسئلہ کی جملہ صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جورائے قریب ترصواب ہے اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

- تمام فقہاء کے نزدیک ضمانت کی اجرت جائز نہیں۔لہٰذا اس بنا پر بینک گارنٹی کی مروجہ صورت صحیح قرار نہیں پاتی۔

کیونکہ: گارنٹی ایک رضاکارانہ عمل ہے جو بغیر معاوضہ کے انجام دیا جاتا ہے۔جبکہ صارف کی طرف سے جو رقم یا کوئی قیمتی چیز بطور گروی رکھوائی جاتی ہے وہ بینک کے پاس بطور قرض ہوتی ہے اور جب قرض پر اجرت کا مطالبہ صحیح نہیں تو اس کی ضمانت پر بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے اس کے ناجائز ہونے کی وجہ کی نشاندہی فرمائی کہ" بطور کور (غطاء) جمع کرائی گئی رقم بینک کے پاس رہن کی حیثیت رکھتی ہے۔ضامن (بینک) کا اس سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔(أبحاث هيئة كبار العلماء ج5، ص283)

بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

حیثیت پر بہت برے اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ کیونکہ بولی دینے والا کبھی کبھار بولی کیلئے بینک کی ضمانت تو جمع کرا دیتا ہے لیکن وہ ضمانت اتنی بھاری رقم کی ہوتی ہے کہ اس کی استطاعت سے باہر ہوتی ہے اور نتیجتاً وہ ایسے سودی چنگل میں پھنس جاتا ہے کہ جس کا مطالبہ بینک اس سے کرتے ہیں اور اس کی پاسداری اس پر لازم بھی ہوتی ہے۔ اھ (واللہ اعلم)

تنبیہ یہاں یہ کہا جانا کہ گارنٹی اگر فل مارجن ہو تو بینک سروس اور محنت کا معاوضہ لے سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں بینک صارف کا مزدور ہوگا نہ کہ ضامن۔ تو اس شبہ کے حوالے سے یہ واضح رہے کہ یہاں معاوضہ کی توجیہ صحیح نہیں کیونکہ بینک یہ کمیشن رقم اور مدت کو ملحوظ رکھ کر طے کرتے ہیں جس سے اس کی صورت ضمانت پر اجرت اور سود کا ایک حیلہ بن جاتی ہے۔

2 اور اس کی دوسری قباحت یہ کہ: اس گارنٹی میں لیا جانے والا معاوضہ (اگر اسے اجرت مان لیا جائے) مارکیٹ میں اس سے مشابہ خدمات پر لئے جانے والے معاوضہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

اگر اسے دفتری امور پر اجرت بھی سمجھا جائے تو اس رو سے بھی یہ معاملہ جائز نہیں ٹھہرتا کیونکہ المعاییر الشرعیۃ میں دفتری معاملات کے معاوضہ کو اسی صورت جائز قرار دیا گیا ہے جب وہ اجرت مثل سے زائد نہ ہو۔ (ص 61)

شرعی حل: بینک گارنٹی کے حوالے سے بینک جو گارنٹی دیتے ہیں ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس میں موجود قباحتیں اور سود سے مشابہ معاملات کو دور کریں۔

1 گارنٹی صرف اسی وقت دی جائے جب فل مارجن ہو۔

2 ضمانت پر کسی قسم کا معاوضہ نہ لیا جائے۔

3 دفتری امور کے حوالہ سے یا خدمات پر جو اجرت اور معاوضہ لیا جائے اس میں مدت اور رقم کا تناسب مدنظر نہ رکھا جائے، بلکہ جتنا عمل ہو اسی کے بقدر اجرت طے کی جائے۔ (البیان)

بیع سلم

کی مروجہ صورتیں اور ان کا شرعی حکم

مولانا عبدالوکیل ناصر [1]

جائز کاروباری معاملات میں سے ایک صورت بیع السلم (بیع السلف) کی بھی ہوتی ہے درج ذیل سطور میں ہم بالکل عام فہم انداز میں بیع السلم، اس کی تعریف، حکم اور شرائط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ وباللہ التوفیق

بیع سلم کی تعریف

کتب فقہ نیل الاوطار، الفقہ السلامي وأدلتہ اور الملخص الفقھی وغیرہ میں بیع السلم کی تعریف کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

"لین دین کا وہ معاملہ کہ جس میں فروخت کنندہ یہ ذمہ داری قبول کرے کہ وہ مستقبل کی فلاں

[1] نائب مدیر ادارہ فروغ قرآن وسنت کراچی ومفتی ہفت روزہ حدیبیہ کراچی

تاریخ پر خریدار کو ان ان متعین صفات کی حامل چیز مہیا کرے گا اور خریدار مطلوبہ شئے کی مکمل قیمت پیشگی (Advance) اُسی مجلسِ عقد میں ادا کرے۔"

مزید آسان الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "مخصوص صفات کی حامل چیز خریدنے کا معاملہ طے کر کے قیمت مکمل طور سے پہلے فوری ادا کر دینا اور چیز بعد میں یا کچھ تاخیر سے حاصل کرنا، بیع السلم یا بیع السلف کہلاتا ہے۔"

بیع سلم کا حکم

یہ معاملات کی ایسی قسم ہے کہ جو کتاب وسنت اور اجماع امت کی رو سے جائز ہے۔

قرآن کریم سے ثبوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ} [البقرة: 282]

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک ادھار کا معاملہ کیا کرو تو اس کو لکھ لیا کرو"۔

مفسر قرآن، حبر امت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی "بیع السلف" کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے، اور پھر انہوں نے بطور دلیل کے مذکورہ آیت پڑھی۔"[1]

سنت نبوی ﷺ سے ثبوت

✷ نبی مکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیع کا یہ سلسلہ اپنے حساب سے موجود تھا، تو آپ ﷺ نے اسے کچھ اصلاحات کے ساتھ باقی رکھا۔

✷ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص بیع السلف (بیع السلم) کرنا چاہتا ہے وہ معلوم وزن، معلوم ومتعین پیمانے اور معلوم ومتعین مدت کے ساتھ کرے۔"[2] یہ حدیث بیع السلم کے جواز کی دلیل ہے، مزید

---

[1] کتاب الام: باب السلف۔ مصنف عبدالرزاق: ص 14064

[2] صحیح بخاری: کتاب السلم، باب السلم فی وزن معلوم

تفصیل کتب ستہ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اجماعِ امت سے ثبوت

امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس کے جواز پر اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ (1)

لوگوں کی حاجت وضرورت بھی اس کی متقاضی ہے کہ یہ بیع جائز ہو، کیونکہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک فائدہ اٹھاتا ہے، فروخت کنندہ جلد وفوری رقم وصول کر کے اور خریدار (فوری ادائیگی کی وجہ سے) چیز سستی حاصل کر کے۔ (2)

حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

سلم کی اجازت کا فلسفہ

بعض کسانوں اور مینوفیکچررز کے پاس ضرورت کے مطابق مثلاً بیج، کھاد، آلات، خام مال خریدنے اور لیبر وغیرہ کے لئے رقم نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کو اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ حصول رقم کی خاطر اپنی فصل یا پیداوار قبل از وقت فروخت کر سکتے ہیں تاکہ قرض کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے رہیں۔ اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی چیز بیچنے کے لئے کسٹمر تلاش کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا سودا پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔

اس سے خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ سلم میں قیمت ان چیزوں کی نقد قیمت سے کم ہوتی ہے جو نقد ادا کی جاتی ہو، مزید برآں اگر چیز آگے بیچنا چاہتا ہو تو مارکیٹنگ کیلئے مناسب وقت بھی اسے مل جاتا ہے۔ (3)

محقق العصر الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ امام ابن قیم رحمہ اللہ سے بیع سلم کی رخصت میں حکمت تحریر فرماتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں:

> اسلام نے جب اس بیع کو جائز قرار دیا ہے تو اسے سود نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ تو ایک اسلامی تدبیر ہے، جس کی وجہ سے انسان سود پر قرض لینے سے بچ سکتا ہے۔ لوگ اس کو اپنا لیں تو سود پر قرض لینے

---

(1) الاجماع ص: 112 (2) المغنی از ابن قدامہ مفہوماً (3) دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم ص 164

سے مسلمانوں کی جان چھوٹ سکتی ہے۔①

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بیع السلم بیع معدوم ہے اور خلافِ قیاس ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں۔

اس حوالہ سے ہم معروف محقق الشیخ مبشر احمد ربانی اور پھر امام ابن قیم رحمہ اللہ کے جوابات تحریر کریں گے۔

شیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''معدوم (غیر موجود) کی بیع جائز ہے۔قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ میں یا کسی صحابی رسول ﷺ سے اس کی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ہاں جس طرح بعض موجودہ اشیاء کی بیع حرام ہے، اسی طرح بعض معین معدوم چیزوں کی بیع سے روکا گیا ہے۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو لفظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تبع مالیس عندک'' ''جو تیرے پاس نہیں اس کی بیع نہ کر''②

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان کسی معین چیز کے بارے میں ہے، جیسا کہ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ھذا بیوع الاعیان دون بیوع الصفات'' کہ یہ ممانعت معین چیزوں کی بیع میں ہے صفات کی بیع میں نہیں یعنی جس میں عدم (نہ ہونے) کی صفت پائی جائے، اس کے لئے نہیں۔③

یا پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز فروخت نہ کر جس کے دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔④

پھر شیخ نے بیعِ سلم کی تعریف اور اس کے جواز کے دلائل لکھنے کے بعد فرمایا:

''خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ایسی چیز کی بیع کی اجازت دی ہے جو معدوم ہو جبکہ اس کے اوصاف وزن اور مدت وغیرہ معلوم ہو جائیں اور اس میں کسی قسم کی جہالت باقی نہ رہے''۔⑤

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ بیعِ سلم کے خلافِ قیاس یا بیعِ معدوم ہونے کے اعتراض کے حوالہ سے جواباً

---

① آپ کے مسائل اور ان کا حل 413/1

② ترمذي: کتاب البیوع، باب ماجاء في کراھیة البیع مالیس عندك (صحیح)

③ شرح السنة 140/8 ④ مجموع الفتاوی: 530/20 ⑤ آپ کے مسائل اور ان کا حل 411/1-413

فرماتے ہیں:

بعض حضرات بیع سلم کو خلافِ قیاس کہتے ہیں، ان کے پاس دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اسے مت بیچو''[1] پس بیعِ سلم بھی معدوم ہے لہٰذا وہ ناجائز ہونی چاہیے۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ بیعِ سلم میں جس چیز کا سودا ہوتا ہے وہ (اپنی صفات کے اعتبار سے واضح و) ظاہر ہوتی ہے،فروخت کنندہ کے ذمہ ہوتی ہے،اور اُسے عموماً سونپے جانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔

اور یہ تو بالکل ایسی ہی صورت ہے جیسے نفع کے عوض مزدوری کرنا۔اور اس صورت کا مطابقِ قیاس ہونا ہم زبردست دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔لہٰذا بیع معدوم پر اس کا قیاس غلط ہے۔

بیع معدوم میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسے حاصل کرنے پر قدرت ہوگی بھی یا نہیں۔اس میں فروخت کنندہ اور خریدار دونوں ہی دھوکہ میں رہتے ہیں پھر اس پر اس کے مخالف چیز کو قیاس کرنا یہی تو بدترین قیاس ہے، ظاہری بھی اور باطنی بھی ،صورۃً بھی اور معناً بھی، کسی طرح بھی یہ قیاس کسی عقلمند کے نزدیک تھوڑی دیر کیلئے بھی صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔کہاں وہ (بیعِ معدوم کہ) جو نہ پاس ہو، نہ ملکیت میں ہو اور نہ ہی اُسے سونپنے پر قدرت و طاقت حاصل ہو اور کہاں وہ (بیعِ سلف کہ) جو فروخت کنندہ کے ذمے ہو، خریدار کو مل سکتی ہو، اور جسے سونپے جانے پر قدرت و طاقت حاصل ہو۔

اب ان دونوں کو جمع کر دینا ایسے ہی ہے جیسے مردار اور ذبیحہ کو ایک کہنا، جیسے سود اور تجارت کو ایک سمجھنا۔

اور جو حدیث (بیعِ سلم کے عدمِ جواز کے لئے) پیش کی گئی ہے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ:

آپ ﷺ نے یہ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا'' کہ جو تمہارے پاس نہیں اُسے مت بیچو''[2]

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ: کوئی شخص کسی معین چیز کو جو اس کے پاس نہ ہو بلکہ دوسرے کی ملکیت میں

---

[1] ترمذي: كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية البيع ما ليس عندك [صحيح]

[2] ترمذي: كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية البيع ما ليس عندك [صحيح]

ہو، وہ اُسے کسی کو بیچ دے پھر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا پھرے اور اسے خریدار تک پہنچانے کی سعی میں رہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ: وہ اس چیز کو بیچنے کی کوشش کرتا ہے جسے خریدار تک پہنچانے کی قدرت وطاقت اسے نہیں۔ گو وہ ایسی ذمہ داری اٹھالیتا ہے کہ جس کے بارے میں اُسے معلوم نہیں کہ وہ اُسے ادا کر بھی پائے گا کہ نہیں۔

اس طرح اس میں کئی ایک خرابیاں لازم آتی ہیں:

1. ایک ایسی معین چیز کا بیچنا جو اس کی ملکیت میں نہیں۔
2. ایسا معاملہ اپنے ذمہ لینا جسے پورا کرنے کی طاقت نہیں۔
3. ایسی چیز کا ادھار کرنا جس کے ملنے کی عادتاً توقع نہیں۔

(اور جہاں تک بیع سلم کا تعلق ہے تو) جب مذکورہ تینوں خرابیاں نہ ہوں تو بیشک اور قرضوں کی طرح یہ بھی ایک طرح کا قرض ہوگا۔ جیسے کوئی چیز مؤخر قیمت پر قرضاً لے لی جائے۔

پس قیاس ومصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ ادھار کی خرید وفروخت جائز ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ’’ایمان والو! جب تم قرض کا لین دین کرو جس میں مدت مقرر کی گئی ہو تو لکھت پڑھت کرلیا کرو‘‘ [البقرة:282]

یہ آیت قیمت اور مال دونوں کو شامل ہے (یعنی دونوں میں ادھار جائز ہے) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو قرآن کریم کے ترجمان ہیں انہوں نے اس سے یہی سمجھا اور سمجھایا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ: اپنی ذمہ داری پر قرض حلال ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہما نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

پس ادھار کی خرید وفروخت قیاس کے مطابق اور مصلحت کے موافق ہے۔ شریعت جو مکمل ہے اور مکمل انصاف پر مبنی ہے وہ اسے کبھی ناجائز نہیں کرسکتی۔ (بیع سلم میں) مکمل قیمت تو اسی وقت لے لی جاتی ہے اور چیز بعد میں دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اگر قیمت بھی نہیں لی جائے تو ذمہ داری بے فائدہ ہوگئی اسی کا نام سلم رکھا گیا ہے (یعنی ایسی بیع کہ جس میں) قیمت ہاتھوں ہاتھ سونپ دی جاتی ہے، اور اگر قیمت اور چیز دونوں ہی ادھار ہوں تو یہ "بیع الکالی بالکالی "’’یعنی ادھار کے بدلے ادھار کی بیع‘‘ ہوجائے گی جو حدیث

کی رو سے ناجائز ہے اور جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔اس میں خطرے بڑھ جائیں گے اور معاملہ غرر ودھوکے کا ہوجائے گا۔

اسی لئے شارع علیہ السلام نے اس مسئلہ میں مخصوص باغ یا کھیتی کے پھل واناج کومنع فرمادیا۔اس لئے کہ ممکن ہے اس میں پھل نہ آئے اور نہ اناج نکلے تو دے گا کہاں سے؟؟

اور پھر ابنِ قیم رحمہ اللہ تھوڑا آگے چل کے فرماتے ہیں:

اس (بیعِ سلم) کا جواز انسانی حاجت کو پورا کرنے کے لئے ہے اس میں (خریدار وفروخت کنندہ) دونوں کے لئے سہولت ہے۔ایک کو قیمت پہلے مل جاتی ہے اور دوسرے کو چیز سستی مل جاتی ہے۔

پس سچ تو یہ ہے کہ شریعت میں جو ہے اسی میں آسانی ہے، اسی میں مصلحت ہے، وہی مطابق قیاس ہے۔وہی عقل سے بھی ملتا ہے۔۔۔۔۔۔[1]

بیعِ سلم کی شرائط

بیع سلم میں ان تمام شروط وپابندیوں کوملحوظ رکھنا ضروری ہے جوشریعت نے عام بیع میں مقرر کی ہیں۔البتہ سلم کوغرر (جہالت ودھوکہ) سے صاف رکھنے کے لئے کچھ خاص شرائط بھی رکھی گئی ہیں جودرجِ ذیل ہیں:

رأس المال (قیمت) سے متعلقہ شرائط یہ ہیں:

1. اس کی جنس معلوم ہو۔

   جیسے سونے چاندی میں ہے، روپیہ میں ہے، ڈالر میں ہے یا کسی اور صورت میں۔

2. اس کی مقدار معلوم ہو۔
3. اسے مکمل طور سے مجلس عقد میں ہی ادا کردیا جائے۔

مسئلہ: بیعِ سلم میں قیمت مؤخر کرنے کا حکم؟

جمہور اہلِ علم مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ کے مطابق بیعِ سلم میں خریدی گئی چیز کی مکمل قیمت پیشگی مجلسِ عقد ہی

---

[1] اعلام الموقعین مترجم 314/1

میں ادا کرنا شرط ہے، اُسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا اور اگر مکمل قیمت کی ادائیگی سے قبل دونوں فریق یعنی فروخت کنندہ وخریدار الگ الگ ہوجائیں تو عقد باطل قرار پائے گا کیونکہ اس طرح یہ ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع ہوجائیگی جوکہ حدیث کی رو سے حرام ہے [1]، البتہ مالکی فقہاء کے مطابق اس میں دو سے تین دن تک کی تاخیر کی اجازت ہے، کیونکہ یہ معمولی تاخیر ہے جو قابلِ برداشت ہے لیکن اگر معاہدہ میں مکمل قیمت کی ادائیگی کی مدت تین دن سے زیادہ طے ہوتو مالکیہ کے مطابق بھی عقد باطل ہوجائے گا۔

تاخیر سے ملنے والی شئے، سامان (مسلم فیہ) کی شرائط یہ ہیں:

1. وہ ضمانت کے تحت ہو۔ (فروخت کنندہ اسے حوالہ کرنے کا ضامن ہو)
2. اس کا ایسا مکمل وصف بیان کردیا جائے کہ جس سے اس کی مقدار و وزن اور ممتاز صفات کا علم ہوجائے تاکہ کسی بھی قسم کے دھوکہ وتنازع کا خدشہ باقی نہ رہے۔
3. اس کی مدت معلوم ہو کہ کب تک وہ چیز خریدار کے حوالہ کردی جائیگی۔ [2]

بعض اہل علم نے شرائط کو کچھ مزید پھیلا کر اور کھول کر بیان کیا ہے، جس سے مجموعی طور پر کبھی تو سات شرائط دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ ''الملخص الفقہی'' میں شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ نے لکھا ہے اور کبھی شرائط اس تعداد سے بھی آگے نظر آتی ہیں جیسا کہ شیخ وہبہ زحیلی رحمہ اللہ نے ''الفقہ الاسلامی'' میں گیارہ تک شرائط ذکر کی ہیں۔

اس سلسلہ میں قارئین کی مزید وضاحت کے لئے اپنے وقت کے معروف ومعتبر اہلِ علم کی لکھی جانے والی حواشی، تعلیقات، تشریحات، فتاویٰ جات اور آراء تحریر کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ سلم، اس کی شرائط کا فہم اور بھی سہل ہوجائے اور دیگر متعلقہ مسائل کی مکمل وضاحت ہوجائے۔

مجتہد العصر حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

بیع سلم کے جائز ہونے کی شرطیں حسب ذیل ہیں

1. مبیع (سامان) کی جنس معلوم ہو مثلاً کہ وہ گیہوں ہے یا جو، مکئی یا باجرہ۔

---

[1] الموسوعة الفقهية:202/25 [2] فقه السنة:152/3

2 اس کی صفت معلوم ہو کہ وہ جید یعنی کھری ہے یا ردی۔

3 اس کی نوع معلوم ہو مثلاً بارانی زمین کی ہے یا نہری زمین کی۔

4 وقت ادائیگی معلوم ہو جو کم از کم ایک مہینہ ہے اور اس سے زائد وقت جو وہ مقرر کرے وہ بھی معلوم ہو۔ (کم از کم ایک مہینہ کی شرط کی وضاحت آگے آرہی ہے)

5 جو چیز فروخت کی جارہی ہے اس کی مقدار معلوم ہو۔

6 سرمایہ جو کہ اب دیا جارہا ہے جس کے بدلے مقررہ وقت پر سامان وصول کرنا ہے اگر یہ سرمایہ (قیمت) تولنے یا ماپنے یا گننے کی چیز ہو تو اس کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔

7 اگر فروخت کردہ سامان ایسی چیز ہے جس کے اٹھانے میں مشقت اور کرایہ خرچ ہوتا ہو تو جس جگہ سے وصول کرنا ہے اس کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔

بطور تصدیق ووضاحت کے حافظ محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جوابات صحیح ہیں.......... بازاری نرخ سے اتنا کم مقرر نہ کیا جائے کہ سال میں کبھی بھی اتنا کم ہونے کا خیال نہ ہو، اگر ایسا ہو تو اس میں بھی سود کا شبہ ہے، نیز یہ بھی شرط ہے کہ غلہ کے بدلے غلہ نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کو سود کہا گیا ہے اور مدت کم از کم ایک ماہ شرط نہیں کیونکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔[1]

شیخ الحدیث علامہ داؤد راز دھلوی رحمہ اللہ، صحیح بخاری کی مختصر تشریح، ترجمہ وفوائد کے ضمن میں کچھ نکات علمیہ تحریر فرماتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

- جو چیزیں ماپ تول کر بیچی جاتی ہیں ان میں ماپ تول ٹھہرا کر سلم کرنا چاہیئے۔ اگر ماپ تول مقرر نہ کئے جائیں تو یہ بیع سلم جائز نہ ہوگی الغرض اس بیع کے لئے ضروری ہے کہ وزن مقرر ہو اور مدت مقرر ہو ورنہ بہت سے مفاسد کا خطرہ ہے۔ مثلاً سو روپے کا اتنے وزن کا غلہ آج سے پورے تین ماہ بعد تم سے وصول کرلوں گا یہ طے کر کے خریدار نے سو روپیہ اسی وقت ادا کر دیا۔ یہ بیع سلم ہے جو جائز ہے۔ اب مدت پوری ہونے پر وزن مقررہ کا غلہ اسے خریدار کو ادا کرنا ہوگا۔

---

[1] فتاوی اہلحدیث 266-67/2

✿ کیل اور وزن سے ماپ تول مراد ہیں۔اس میں جس چیز سے وزن کرنا ہے،(وہ) کلو(ہے) یا قدیم سیر،من۔یہ بھی جملہ باتیں طے ہونی ضروری ہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔''اس امر پر اجماع ہے کہ بیع سلم میں جو چیزیں ماپ یا وزن کے قابل ہیں ان کا وزن مقرر ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں محض عدد سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تعداد کا مقرر ہونا ضروری ہے۔حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں اس قسم کے لین دین کا عام رواج تھا''۔[1]

دیارِ عرب کے معروف عالم دین شیخ ابوبکر الجزائری حفظہ اللہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

✿ میعاد ادائیگی اتنی ہو کہ اس مدت میں قیمت کا اتار چڑھاؤ ہوسکتا ہو مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ اس لئے کہ دو چار دن کی مدت کا حکم عام ''بیع'' والا ہے اور بیع میں یہ شرط ہے کہ مبیع کو اچھی طرح دیکھ لے یا اس کی معرفت حاصل کرلے۔

✿ وقت ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت مطلوبہ جنس کا پایا جانا ممکن ہو لہٰذا بہار کے موسم کو تازہ کھجور کی ادائیگی کا وقت یا سردیوں میں انگور کی ادائیگی کا وقت مقرر نہ کیا جائے، اس لئے اس صورت میں مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوگا۔[2]

بیع سلم سے متعلق اہم مسائل

❶ کیا مدت کا تعین شرط ہے؟

اگر چہ علماء نے مدت معینہ کے تقرر کو شرط قرار دیا ہے مگر شافعیہ کہتے ہیں کہ جب بیع سلم تاخیر سے (جس میں دھوکہ بھی ہوسکتا ہے) جائز ہے تو معاہدہ کے وقت ادائیگی بالاولیٰ جائز ہے، حدیث میں اجل (مدت) کا ذکر اس لئے نہیں کہ صرف یہی شرط ہے (یا اس کا موجود ہونا ہر حال میں ضروری ہے) بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ اجل (مدت) سے متعلق ہو تو اس میں وہ معلوم ہونی چاہئے۔

---

① صحیح بخاری: کتاب السلم، ترجمہ وتشریح از مولانا محمد داؤد راز، جلد3

② منہاج المسلم: مترجم، ص547

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

صحیح اور حق بات یہی ہے جسے شافعیہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ کسی بھی حکم کو بغیر دلیل کے لازم کر لینا درست نہیں۔ ①

② مدتِ مقررہ تک مال ادا نہ کیا گیا

معروف عالم شیخ عبدالستار حماد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اگر اس (طے شدہ) مدت میں مال مہیا نہ کیا جائے تو تاجروں کے عرف میں اسے جرمانہ تو کیا جا سکتا ہے، لیکن ریٹ وغیرہ میں کمی کرنے کا دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا، (کیونکہ) اس (بیع سلم) میں رقم پیشگی ہی ادا کرنا پڑتی ہے، بصورت دیگر طرفین سے ادھار ہوگا جو شرعاً درست نہیں ہے۔'' ②

③ ''معاہدہ بیع سلم'' میں ادائیگی کی جگہ کا تعین نہیں کیا گیا ہو تو؟

الشیخ ابوبکر الجزائری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر ''معاہدہ بیع'' میں ادائیگی کی جگہ کا تعین نہیں کیا گیا تو ''مقام معاہدہ'' ہی ادائیگی کی جگہ طے پائے گا۔ اگر جگہ کا تعین کیا گیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اس بارے میں جس جگہ ادائیگی پر دونوں متفق ہوں، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اس لئے کہ مسلمان معاملات میں جو شرطیں طے کرلیں ان کی پابندی ضروری ہے۔ ③

④ کیا مسلم فیہ (طے شدہ چیز) کا مسلم الیہ (جسے قیمت دی گئی یعنی فروخت کنندہ) کے پاس ہونا ضروری ہے؟

اس سلسلے میں معلوم ہو کہ یہ شرط تو بہر حال نہیں ہے، البتہ انتہائے مدت تک اس کا دستیاب ہونا ضروری ہے۔ صحیح بخاری شریف میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ لوگوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ (بیع سلم کے وقت) کیا ان لوگوں کے پاس کھیتی موجود ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم ان سے اس کے متعلق پوچھتے نہیں تھے۔

جس سے یہ بات واضح ہے کہ مطلوبہ چیز کا فروخت کنندہ کے پاس ہونا شرط نہیں ہے وگرنہ اُس چیز کا اگر فروخت کنندہ کے پاس ہونا ضروری ہوتا تو وہ اُس کا سوال ضرور کرتے۔

---

① فقہ السنة 152/3 ② فتاویٰ اصحاب الحدیث 253/2 ③ منہاج المسلم : مترجم ص :547

علامہ محدث داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سلم ہر شخص سے کرنا درست ہے۔ مسلم فیہ (یعنی وہ سامان جس میں سلم کیا گیا ہے) یا اس کی اصل اس کے پاس موجود ہو یا نہ ہو اتنا ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ معاملہ کرنے والا ادا کرنے اور وقت پر بازار سے خرید کر یا اپنی کھیتی یا مزدوری وغیرہ سے حاصل کر کے اس کے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ [1]

5 تمام اجناس میں بیع سلم جائز ہے

جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود یہ الفاظ اس بات کے مؤید ہیں ''من أسلف في شيء......'' جو کسی بھی چیز میں سلف (سلم) کا معاملہ کرے۔

یہاں ''في شيء'' کہا گیا جو تمام جائز اشیاء کو شامل ہے۔ البتہ شرائط ضرور ملحوظ رکھی جائیں۔

6 قلاش آدمی اور بیع سلم

علامہ محدّث داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص قلاش محض ہو اور وہ بیع سلم کر رہا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دھوکہ سے اپنے مسلمان بھائی کا پیسہ ہڑپ کرنا چاہتا ہے اور آج کل عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے (لہٰذا سلم کے وقت اس کا دھیان بھی رکھنا چاہئے)۔ [2]

7 مخصوص باغ یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع سلم کرنے کا حکم

مخصوص باغ یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع سلم کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے، ممکن ہے وہ باغ پھل نہ دے یا قطعہ زمین میں فصل ہی نہ ہو۔

خود نبی کریم ﷺ نے مخصوص باغ کی کھجور میں بیع سلم نہیں کی۔

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع ذکر کیا ہے کہ متعین باغ وزمین کی پیداوار میں سلم کی ممانعت پر علماء متفق ہیں۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب السلم، ترجمہ وتشریح از مولانا محمد داؤد راز، جلد 3

[2] صحيح بخاري: كتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم [3] دیکھئے المغنی از ابن قدامہ۔ البیوع

جواز کی استثنائی صورت

علامہ داؤد راز دھلوی رحمہ اللہ" باب الکفیل فی السلم " کے تحت وارد ہونے والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی خاص کھیت کے غلہ میں یا کسی خاص درخت کے میوہ میں سلم کرے اور ابھی وہ غلہ یا میوہ تیار نہ ہوا ہو تو یہ سلم درست نہ ہوگی۔لیکن تیار ہونے کے بعد خاص کھیت اور خاص پیداوار میں بھی سلم کرنا درست ہے۔اس (ممانعت) کی وجہ یہ ہے کہ جب تک غلہ یا میوہ پختگی پر نہ آیا ہو اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہوسکتا کہ غلہ یا میوہ اگے گا یا نہیں؟۔احتمال ہے کہ کسی آفت ارضی یا سماوی سے یہ غلہ اور میوہ تباہ ہو جائے پھر دونوں میں جھگڑا ہو۔ (1)

(8) شیئرز کے سودوں میں بیع سلم جائز نہیں

حافظ ذو الفقار علی حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

شیئرز کے سودوں میں چونکہ کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں سلم کی ہو جاتی ہے جو ناجائز ہے،ممکن ہے جب سپردگی کا وقت آئے مارکیٹ میں اس کمپنی کے شیئرز دستیاب نہ ہوں لہذا شیئرز میں بیع سلم جائز نہیں۔ (2)

(9) کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے

مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ نے کپڑوں میں بھی بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔ (3)

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے کپڑوں میں بیع سلم کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ (4)

(10) سلم میں رہن اور ضمانت (گارنٹی) طلب کرنا

بیع سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے لہذا خریدار حوالگی یقینی بنانے کے لئے رہن یا گارنٹی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت سے بیع سلم کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اس کے

---

(1) صحیح بخاری: کتاب السلم، ترجمہ وتشریح از مولانا محمد داؤد راز، جلد 3

(2) دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم،ص:169 (3) فقہ الحدیث 312/2 (4) الاجماع، مترجم ص 112

بعد والی آیت میں بصورتِ ادھار رہن کی اجازت دی گئی ہے۔لہٰذا رہن کا جواز بیع سلم میں قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب الرھن فی السلم "کا عنوان قائم کیا ہے اوراس میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین مدت کے لئے ایک یہودی سے غلہ لیا تو اس کے عوض میں اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی۔

11 سلم میں کسی کو ضامن بنانا

شارح صحیح بخاری علامہ داؤد راز دھلوی رحمہ اللہ "باب الکفیل فی السلم " کے تحت وارد ہونے والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معلوم ہوا سلم یا قرض میں اگر کوئی دوسرا شخص سلم والے یا قرض دار کا ضامن ہو تو یہ درست ہے۔

12 سلم کے ذریعہ خریدی گئی چیز کو قبضہ سے قبل آگے فروخت نہ کیا جائے

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کرنے کی حرمت میں ہم کسی اختلاف کا علم نہیں رکھتے۔ بلا شبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبضہ سے قبل غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔''(2)

13 تجارت میں سلم کا استعمال

اکثر علماء کی رائے میں یہ رعایت تاجروں کے لئے بھی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں چنانچہ انہوں نے ''باب السلم الی من لیس عندہ اصل '' قائم کر کے اس کا اثبات کیا ہے۔

اس باب کے تحت جو وہ روایت لائے ہیں وہ مختصراً پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس سے بیع سلم کا معاملہ کرتے اس سے مال کی موجودگی کا دریافت نہ فرماتے تھے۔(3)

---

(1) سورۃ البقرۃ :282 (2) دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

(3) تفصیل کیلئے حوالہ مذکورہ بالا

مزعومہ اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال

حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

بلا شبہ سلم ایک بہترین غیر سودی تمویل (financing) ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصاً کاشتکاروں اور مینوفیکچررز کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔لیکن ہمارے ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق میں گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اصول کے مطابق نہیں رہتا۔ وہ یوں کہ گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملز مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں، بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہیا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے شوگر ملز کی طرف سے فراہمی یقینی بنانے کے لئے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لئے گاہک تلاش کرتا پھرے اس لئے معاہدے کے وقت ہی یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کریگا۔ بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔ اگر شوگر مل بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔

بینک کا خود قبضہ کرنے کے بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اصول کے خلاف ہے۔

چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’اس کا مطلب یہ ہے کہ سلم کے ذریعے بیچی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ ادھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لئے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ ادھار ہو‘‘۔ (1)

(1) المبسوط: ج 15 ص 101

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر سلم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک چیز کی مارکیٹنگ کے لئے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کردے خواہ اس کی اجرت دے یا نہ دے۔ تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے مربوط ایگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں“۔ ①

15 سلم متوازی

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں سلم سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اسلامک بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو "سلم متوازی" کہتے ہیں۔ یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ سلم کا معاہدہ کرلے جس کی تاریخ ادائیگی پہلی سلم والی ہی ہو۔ متوازی سلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے جو شرعاً درست نہیں۔ ②

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر زکوۃ وغیرہ مساکین کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہوں، تو دولتمند لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے فقراء کے لیے خوراک، سردی اور گرمی کے لیے مناسب کپڑے اور مکان کا انتظام کریں، جو انہیں بارش، گرمی، اور سردی سے بچا سکے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو حکومت انہیں اس بات پر مجبور کرے“۔ (محلی: 6/152)

---

① بحوث فقهية قضايا اقتصادية معاصرة: ج 1 ص: 214

② دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم از حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

عقد استصناع کی اسلامی بینکوں میں رائج صورتیں اور ان کا شرعی حکم[1]

استصناع(Manufacturing Contract) کی صورت:

استصناع سے مراد"آرڈر پر کوئی چیز تیار کروانا"

فقہاء کی اصطلاح میں استصناع سے مراد: ایک انسان کسی دوسرے کو مخصوص رقم کے عوض معینہ اقسام اور صفات پر مشتمل کسی ایسی چیز بنانے کا آرڈر دے جو ابھی تک تیار نہیں۔

استصناع اور عام بیع میں فرق

عام بیع اور استصناع میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ اگرچہ استصناع میں بھی خرید وفروخت ہوتی ہے لیکن نوعیت کے لحاظ سے اور شرعی حکم کے لحاظ سے یہ مسئلہ بیع سے قدرے مختلف ہے کیونکہ بیع کی جو بنیادی

[1] تحریر: شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

شرط شریعت نے متعین کی ہے وہ یہ کہ "لا تبع مالیس عندک"[1] ایسی چیز مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں۔ استصناع کے مسئلہ کو اگر بیع کی نوعیت سے دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ آرڈر پر مال تیار کرانا جائز نہ ہوا کیونکہ چیز تیار کرنے والا ایسی چیز فروخت کر رہا ہے اور ایسی چیز پر معاہدہ کر رہا ہے جو ابھی کسی کی بھی ملکیت میں نہیں بلکہ سرے سے معدوم ہے۔ لیکن شریعتِ مطہرہ چونکہ لوگوں کی آسانی کیلئے نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے {يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} [البقرة:185]

اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔

{وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} [الحج:78]

(اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔

لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے معاہدات کو عمومی احکام سے چند صورتوں میں الگ کر کے استثنائی طور پر ان کی اجازت مرحمت فرمادی گئی تاکہ لوگ تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

وہ ضروریات جن کے پیش نظر عقد استصناع کی اجازت دی گئی

- **بیچنے اور بنانے والے کا فائدہ:** کہ اس کو بنانے کی قیمت وصول ہوتی ہے۔ اور چیز بننے سے پہلے ہی اس کا گاہک موجود ہوتا ہے، اور مینوفیکچرر اگر بیع وشراء کرے گا تو ممکن ہے وہ چیز اس سے بکے گی یا نہیں یا جلدی بک جائے یا دیر سے۔

  پھر اس کی مارکیٹنگ کی ضرورت پڑے گی۔ لہذا یہاں شریعت نے صانع کا فائدہ بھی ملحوظ رکھا ہے۔
- **خریدار کا فائدہ:** خریدار اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چیز تیار کروا سکتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ جو چیز مارکیٹ میں موجود ہے وہ اس کی ضرورت ٹھیک طرح سے پوری نہ کرتی ہو، لہذا اس معاہدہ کے ذریعہ وہ اپنی مرضی کی چیز تیار کروا سکتا ہے۔
- **: دیگر اقتصادی فوائد:** شیخ مصطفیٰ زرقا نے ان اقتصادی فوائد کی جانب اشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ: بہت سے ایسے سامان اور چیزیں ہوتی ہیں جن کا اس وقت تک بنانا ناممکن ہوتا ہے جب تک ان کا کوئی

[1] جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء في كراهية بيع ماليس عندك

خریدار نہ مل جائے، جیسے مختلف مواصفات وخصوصیات پر مبنی مخصوص جگہ پر گھر اور عمارت کی تعمیر ہے، یا مختلف خصوصیات کا حامل پل مخصوص مقام پر تعمیر کرانا، یا پیٹرولیم ریفائنری (Petroleum refinery) لگوانا، اس کا ناممکن ہونا بسا اوقات قدرتی ہوتا ہے، جیسے صفات کی خصوصیات کا اختلاف جو کہ خریداروں کے مزاج کے اختلاف کے سبب ہوتا ہے۔ یا پھر اس کے ناممکن ہونے کی وجہ مالیاتی ہوتی ہے کہ بنوائی جانے والی چیز اتنی مہنگی ہوتی ہے کہ اس پر لاگت (Cost) بہت زیادہ آتی ہے اور تیار کرنے والا اسے بغیر آرڈر کے تیار نہیں کرتا کہ اگر کرلیا تو بکے یا نہیں؟۔۔۔۔"[1]

استصناع کے جواز کے دلائل

قرآن مجید سے دلیل:

بعض اہل علم نے قرآن مجید کی آیت: {فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا} [الکھف:94]

"کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کردیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں"۔

سے استصناع کے جواز کی دلیل لی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت میں لفظ "خَرْجًا" کی تفسیر "أجرا عظيما" یعنی بہت بڑا معاوضہ۔ کی گئی ہے۔ اس آیت میں قرآن مجید نے اس قسم کے معاہدہ کے صحیح ہونے کی رہنمائی کی ہے۔

حدیث سے دلیل:

❀ نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی بنوانے کا حکم دیا۔

❀ آپ ﷺ کا آرڈر پر منبر بنوانا: حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک انصاری عورت سے کہا کہ "تم اپنے بڑھئی لڑکے کو حکم دو کہ وہ میرے واسطے ایسی لکڑیاں بنادے کہ جب میں لوگوں سے مخاطب

---

[1] الإستصناع، ص12

ہوں، تو اس پر بیٹھوں، چنانچہ اس عورت نے اس لڑکے کو اس کے بنانے کا حکم دیا....''۔[1]

نیز ان دلائل کے علاوہ زمانہ اول سے لوگ اس طرح کے معاملات کرتے آئے ہیں، کہ گھر، چپلیں اور دیگر ضروریات کی اشیاء آرڈر پر بنواتے رہے ہیں۔ لہذا اس بنا پر بعض اہل علم نے عملی طور پر ایسے معاملات کے جواز پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔

استصناع کے معاہدہ کی صحت کیلئے متعین کردہ شرعی شرائط

استصناع پر بالعموم بیع کی عمومی شرائط لاگو ہوتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ چند اہم شرائط ایسی ہیں جو بیع سے ہٹ کر ہیں ان کا استصناع کے معاہدے میں خیال رکھا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط:

جس چیز کا آرڈر دیا جا رہا ہے وہ معاشرہ میں رائج ہو اور لوگ اسے تیار کرواتے ہوں کیونکہ اس معاہدے کو بیع معدوم سے مستثنی ہی اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس کی صورت و ماہیت اور خصوصیات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے جس کے سبب جہالت اور غرر کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

دوسری شرط:

آرڈر پر تیار کرائے جانے والی چیز کی تمام جملہ خصوصیات کا معاہدہ کے وقت مکمل تعین کر لیا جائے۔ اور ہر اس شق سے بچا جائے جس سے معاہدہ متنازع ہونے کا خدشہ ہو۔

تیسری شرط:

بعض فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ عقد استصناع کرتے وقت معاہدہ میں وقت کا تعین نہ کیا جائے اگر وقت کا تعین کیا گیا تو وہ چیز استصناع سے نکل کر بیع سلم میں داخل ہو جائے گی اور اس پر سلم کے احکامات لاگو ہوں گے نہ کہ استصناع کے۔

لیکن معاصر محققین کے نزدیک یہ شرط قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ اگر وقت کا تعین نہ کیا گیا تو تنازع کی صورت باقی رہے گی لہٰذا وقت کا تعین ضروری ہے تا کہ تنازعہ سے بچا جا سکے۔

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ، أبواب إستقبال القبلة.

مجمع فقہ اسلامی جدہ کی جانب سے استصناع کے حوالے سے متعین کردہ چند ضابطے:

1 عقد استصناع کے معاہدہ میں اگر مطلوبہ شرائط، ارکان، چیز کا معیار، اس کی تیاری کی مدت معین ہو تو طرفین یعنی بینک اور صارف کے لئے اس معاہدے کی پاسداری لازم ہو جاتی ہے۔ فریقین میں سے کوئی بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔

2 صارف کیلئے ضروری ہے کہ وہ مطلوبہ چیز کی جنس کا معاہدہ کے وقت تعین کرے اور اس کی سپردگی کا وقت بھی متعین کرے۔

3 عقد استصناع میں قیمت پیشگی بھی دی جاسکتی ہے اور قسطوں کی صورت میں بھی۔

4 استصناع کے معاہدہ میں فریقین کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ معاہدے کی شق میں اس شرط کا تذکرہ کر دیں کہ تاخیر کی بظاہر صورت کوئی وجہ نہ ہونے کے باوجود اگر بینک نے مقررہ وقت پر چیز تیار کر کے نہ دی تو اس کی کیا سزا ہوگی؟۔

عقد استصناع میں درج ذیل معاملات جائز ہیں

❁ عقد استصناع میں قیمت کی پیشگی ادائیگی ضروری نہیں، بلکہ پیشگی بھی دی جاسکتی ہے اور چیز لیتے وقت یا اس کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے، اور اقساط میں ادا کرنا بھی جائز ہے۔

❁ استصناع میں یہ ضروری نہیں کہ مطلوبہ چیز معاہدہ طے ہونے کے بعد ہی بنائی جائے۔ بلکہ اگر کسی کمپنی یا فرد نے کسی سے استصناع کا معاہدہ کیا اور وہ کمپنی یا فرد مطلوبہ کوالٹی اور صفات کی حامل چیز لے آئے تو یہ بھی عقد استصناع ہی ہوگا۔ لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ چیز بعینہ ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہو جو خریدار نے معاہدہ میں ذکر کی تھیں۔

کیا استصناع کا معاہدہ کرنے والی کمپنی وہ کام کسی اور سے کروا سکتی ہے؟

اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ بطور مثال A نامی کمپنی سے صارف نے معاہدہ کیا کہ میں آپ سے گھر کا فرنیچر جو ان صفات کا حامل ہو بنوانا چاہتا ہوں اس کمپنی نے آرڈر تو لے لیا لیکن وہ کام بعد میں اپنا تھوڑا

منافع رکھ کر کسی اور کو دے دیا کہ اس معیار کا حامل فرنیچر تیار کردو۔ تو کیا ایسا کرنا اس کمپنی کیلئے جائز ہے۔؟

اس مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے فقہاء نے اس مسئلہ کو اجارہ کے مسئلہ سے تشبیہ دی ہے۔ ایک شخص کسی کو اجرت اور مزدوری پر کوئی کام کرنے کو دیتا ہے کہ اتنے پیسے لے لو اور میرا گھر تعمیر کردو یا پھر کسی کو ٹھیکے پر مخصوص صفات کی حامل دیوار بنانے کی ذمہ داری دیتا ہے، تو اس ٹھیکہ دار یا اجیر نے انہی پیسوں میں یا ان سے کچھ زیادہ یا کم میں وہ کام آگے کسی اور کے سپرد کردیا تو فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ تیسرا شخص انہی صفات کی حامل چیز تیار کرے جس کا آرڈر دیا گیا ہے کیونکہ یہاں مطلوب کام ہے نہ کہ فرد لیکن یہاں ذمہ داری اسی ٹھیکہ دار یا اجیر پر ہوگی جس سے صارف نے معاہدہ کیا ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ کے جواز سے اہل علم نے دو مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے

پہلا مسئلہ:

اگر صارف معاہدہ میں یہ شرط لگاتا ہے کہ یہ چیز آپ ہی نے بنانی ہے، یا پھر آپ کے پاس کام کرنے والے فلاں شخص نے تیار کرنی ہے تو یہاں کمپنی کو پاسداری کرنا ضروری ہے کسی اور کو وہ کام نہیں دے سکتی۔

دوسرا مسئلہ:

تیار کنندہ کی شہرت اور اہلیت کو دیکھتے ہوئے آرڈر دیا گیا ہو۔ جیسے کسی مشہور ڈیزائنر کو اس کی کام میں مہارت یا کسی مشہور انجینئر کو اس کی اہلیت کے باعث کام دیا جائے اور اسے مارکیٹ ویلیو سے بڑھ کر قیمت بھی ادا کی جائے، کیونکہ اس کی بنائی گئی چیزیں پائیدار ہوتی ہیں، اور ڈیزائن بہترین ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ فرد یا کمپنی یہ آرڈر کسی اور کو نہیں دے سکتی اسے خود ہی تیار کرنا پڑے گا ورنہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

عقد استصناع کا معاہدہ کب لازم ہوتا ہے؟

اس کا مطلب یہ کہ جیسا کہ بیع میں فریقین کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاہدہ کی مجلس میں سودا منسوخ کرنا چاہتے ہیں تو شریعت نے انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ معاہدہ منسوخ کرسکتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: ''بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں، پھر فرمایا اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع کی برکت ختم کردی جائے گی''۔[1]

اور عام بیع میں خیار الشرط[2] کا ضابطہ بھی لاگو ہوتا ہے؟۔ تو کیا عقد استصناع کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس میں خیار المجلس اور خیار الشرط کا ضابطہ بیع کی طرح ہی لاگو ہوگا یا اس معاہدہ کے لاگو ہونے کی کوئی اور صورت ہے۔؟

عہد عثمانی میں لکھے جانے والے قوانین کے مجموعہ ''مجلة الأحكام العدلية'' میں شق نمبر 392 کے تحت لکھا ہے کہ: ''استصناع میں فریقین معاہدہ کے وقت یعنی معاہدہ مکمل ہونے کے فوارا بعد سے چیز کے سپرد کرنے تک اس معاہدے کے پابند ہوجاتے ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یہ معاہدہ ختم نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر مطلوبہ چیز مطلوبہ آرڈر کے مطابق تیار نہ کی گئی تو اس صورت میں صارف کو اس معاہدہ کی منسوخی کا اختیار ہوگا''۔

مجمع فقہ اسلامی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ کیونکہ معاملات اس کے بغیر سلجھ نہیں سکتے۔ بالخصوص عصرِ حاضر میں تو بڑی مہنگی مہنگی چیزیں بحری جہاز، پل، ہوائی جہاز، ٹرینیں وغیرہ آرڈر پر تیار کرائی جاتی ہیں۔ اگر چیز کی تیاری تک فریقین کو معاہدہ منسوخی کا اختیار دیا گیا تو اس سے عظیم منفی اثرات جنم لیں گے۔ جس کے پیش نظر اس معاہدہ کو وقت انعقاد سے ہی عقد لازم سمجھا جانا ضروری ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے ایسی چیزیں جو اتنی بھاری مالیت کی نہیں ہوتیں جیسے جوتے، کپڑے وغیرہ ہیں تو اس کم قیمت چیزوں میں خیار الرؤیہ (چیز کے دیکھنے تک معاہدہ کو موقوف کرنا) کی شرط کا اعتبار کیا ہے۔

---

[1] صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب إذا بين البيعان ولم يكتما ونصحا

[2] خیار الشرط یا خیار الرؤیۃ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی خریدار معاہدہ کے وقت فروخت کنندہ سے یہ شرط طے کرلے کہ میں یہ چیز اس شرط پر خریدتا ہوں کہ چیز دیکھنے کے بعد اس میں کوئی کمی پیشی پائی گئی تو معاہدہ ختم کردوں گا۔

استصناع اور سلم میں بنیادی فرق

1. استصناع کا معاہدہ صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کے تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم سب چیزوں میں ہو سکتی ہے خواہ انہیں تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔
2. سلم میں قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ استصناع میں قیمت پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے، اور قسطوں میں بھی یا بعد میں بھی۔

اسلامی بینکوں میں رائج استصناع

اسلامی بینک استصناع (Manufacturing Contract) کی بنیاد پر دو طرح کے معاہدے کرتے ہیں۔

پہلی صورت

بحیثیت خریدار استصناع کا معاہدہ: جو شخص بینک یا مالیاتی ادارے سے رقم کے حصول کی خواہش رکھتا ہے اور وہ مینوفیکچرر ہے تو بینک یا مالیاتی ادارہ بحیثیت خریدار اس کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں۔

جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بینک مینوفیکچرر کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ اس کے لئے ان صفات کی حامل چیز تیار کر دے۔ اس ضمن میں بینک کی جانب سے جو پیشگی رقم دی جاتی ہے اسے پیشگی قیمت تصور کیا جاتا ہے۔ مطلوبہ چیز تیار ہونے کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔

ایک شرعی قباحت

مذکورہ طریقہ کار میں اگر بینک خود فروخت کرنے کی بجائے اسی مینوفیکچرر سے معاہدہ کر لے کہ وہ بینک کا ایجنٹ بن کر اس چیز کو مخصوص منافع کے ساتھ فروخت کر کے رقم بینک کے حوالے کرے تو ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔ چاہے یہ چیز ضبط تحریر میں لائی گئی ہو یا ذہن میں ہو۔ کیونکہ اس صورت میں بینک کا کردار محض ایک مالیاتی ثالثی کا رہ جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ نفع حاصل کرتا ہے۔ اور یہ عمل رقم کے لین

دین پر نفع حاصل کرنے کے مترادف ہے اور سود سے مشابہ ہے لہذا یہ جائز نہیں۔

دوسری صورت

جن صارفین کو گھر، آلات، یا مشینری وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بینک انہیں طے شدہ صفات کے آلات، گھر اور مشینری فراہم کرنے کا معاہدہ کرتا ہے۔ اور صارف سے قیمت اقساط میں وصول کرتا ہے۔

یہاں واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بینک وہ چیز یا آلات خود ہی تیار کرے بلکہ وہ متوازی استصناع کے معاہدے کے ذریعہ کسی تیسرے فریق سے بھی وہ چیز تیار کرواسکتا ہے۔ لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہئے۔ اور شرعی نقطہ نگاہ سے کلائنٹ کو ایجنٹ مقرر کرنا، یا اسے کام کی نگرانی سونپنا بھی صحیح نہیں۔

علامہ محمد سلیمان الاشقر فرماتے ہیں: ''استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں کے باہمی ربط، یا خریدار کو متوازی استصناع کے معاہدے کا وکیل بنانے، یا اس پر قبضہ کرنے، یا تعمیر کی نگرانی کرنے، یا کوئی ایسا کردار سونپنے جس سے بینک کا کردار سکڑ کر صرف رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہوجائے سے پرہیز کرنا چاہیے''۔ (1)

اسلامی بینکوں میں مینوفیکچرنگ کا طریقہ کار

1. صارف بینک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ بینک اس کے لئے ایک بلڈنگ تیار کرے۔ اس ضمن میں وہ بینک کو ایک درخواست بھی پیش کرتا ہے جس میں اس بلڈنگ کی صفات، خصوصیات اور نقشہ وغیرہ ملحق ہوتے ہیں۔
2. درخواست کے ساتھ صارف ٹوکن منی کے طور پر کچھ رقم بھی بینک کو جمع کراتا ہے، ضمانت، اور ادائیگی کا طریقہ کار (کہ آیا یک مشت کرنی ہے، یا قسطوں میں) طے کرتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ فیزیبلٹی رپورٹ بھی جمع کراتا ہے۔

(1) بحوالہ: دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم از حافظ ذوالفقار علی ص 199

3 بینک فزیبلٹی رپورٹ کا ماہرین کے ساتھ جائزہ لیتا ہے۔

4 اگر بینک صارف کی اس پیشکش سے مطمئن ہے تو وہ اس سے فائنانس کے حوالے سے آخری ڈاکومینٹشن پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ضروری ضمانتیں فراہم کرنے کا کہتا ہے۔

5 حتمی اتفاق کے بعد صارف اور بینک کے درمیان مینوفیکچرنگ معاہدہ پر دستخط ہوتے ہیں جس میں طرفین کیلئے معاہدے کی ضروی پابندیوں کا ذکر ہوتا ہے۔

معاہدے کے اہم ترین مشتملات مندرجہ ذیل ہیں

بینک کی طرف سے صارف کیلئے تعمیر کی جانے والی بلڈنگ کی قیمت، سپردگی کا وقت، ادائیگی کا دورانیہ، معینہ قسط کی تحدید، ایڈوانس قیمت کی ادائیگی کی صورت میں رقم کا تعین۔

6 جب صارف اور بینک کے درمیان استصناع کا معاہدہ طے پا جاتا ہے تو بینک اسٹیٹ ایجنٹ سے اس پروجیکٹ پر عمل درآمدی کا معاہدہ کرتا ہے۔ اسے عموما متوازی استصناع کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ بلڈنگ کوئی تیسرا فریق تعمیر کرے گا جس کو بینک نے منتخب کیا ہے۔

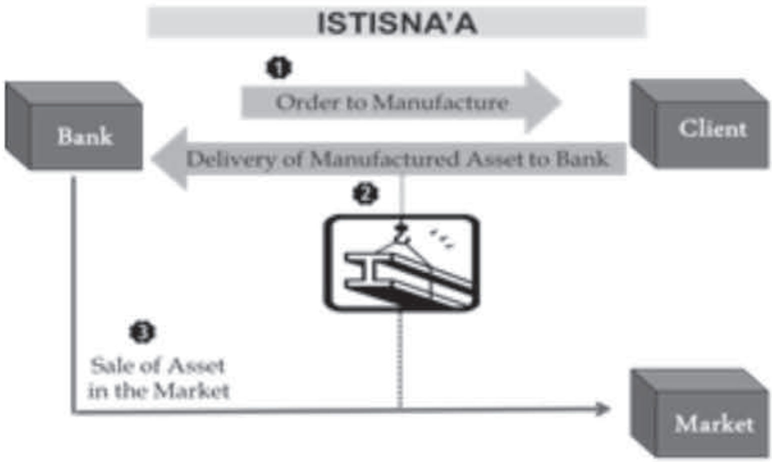
پاکستان کے اسلامی بینکوں میں بھی عموماً یہی طریقہ کار رائج ہے۔ چنانچہ پاکستان کے معروف اسلامی بینک میزان بینک نے استصناع معاہدے میں جو مراحل ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1 صارف اور ایم بی ایل (M B L) استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں جس میں ایم بی ایل اپنے کلائنٹ کو آرڈر دیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص سامان/ چیز بینک کے لئے تیار کرے جس کی اسے کیش یا اقساط میں پیشگی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

2 سامان کی تیاری کے بعد کلائنٹ بینک کو سامان پہنچا دیتا ہے۔

3 سامان وصول کرنے کے بعد بینک اسے مارکیٹ میں براہ راست یا کسی ایجنٹ کے ذریعے فروخت کر دیتا ہے۔

مذکورہ طریقہ کار کو تصویر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔



اسلامی بینکوں میں رائج استصناع کے طریقہ کار اور صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ اسلامی بینکوں کی یہ پراڈکٹ بھی سقم اور شرعی قباحتوں سے خالی نہیں ہے۔جس کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

1. بینک کا تیار کرائی جانے والی چیز کو قبضہ میں نہ لینا۔
2. صارف کو ہی وکیل مقرر کرنا۔

اس طریقہ سے واضح ہوتا ہے کہ بینک محض ایک مالیاتی ثالثی کے فرائض انجام دیتا ہے حقیقی کاروبار میں حصہ نہیں ڈالتا جس سے بینک کا کردار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جاتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔

صحیح طریقہ کار

شرعی رو سے اس معاہدہ کو صحیح کرنے کیلئے اسلامی بینکوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ مینوفیچرنگ معاہدوں سے

شرعی قباحتوں کو دور کریں۔

1. چیز کو مارکیٹ میں بیچنے سے پہلے اپنے قبضے میں لیا جائے۔
2. صارف کو وکیل اور ایجنٹ مقرر نہ کیا جائے۔
3. استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حنیف کی سربلندی کیلئے کوشاں رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے معاشی نظام کو شرعی خطوط پر استوار کرنے میں ہماری مدد فرمائے۔

انہ ولی التوفیق والعلم عند اللہ
وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

فرمانِ الٰہی ہے

اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے، دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتلا دیں گے۔ پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلی یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اس طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔ (یونس 23-24)

البیان

لین دین کے مسائل

نقد و ادھار سودے

فضیلۃ الشیخ حافظ محمد سلیم [1]

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة واحدة" [2]

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے دو سودوں میں ایک سودے سے منع فرمایا ہے"۔

اسی طرح مسند احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة۔"

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا ہے"۔ [3]

---

[1] مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، نائب شیخ الحدیث المعہد السلفی للتعلیم والتربیۃ

[2] سنن ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ۔ [3] مسند احمد 1، 3774/657۔(حسن)

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ قیمت کے فرق کے ساتھ نقد و ادھار بیع جائز نہیں۔لہٰذا ہم بتوفیق اللہ وعونہ اس حدیث کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے اس مسئلے کے حکم کو ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں واضح کریں گے۔

اولاً: یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نقد و ادھار بیع میں قیمت کا فرق شرعاً بلا کسی کراہت کے حسب ذیل وجوہ کی بناء پر جائز و حلال ہے۔

1. شرعاً ایسی کوئی نص نہیں جس میں نقد و ادھار ایک ہی قیمت پر فروخت کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔
2. شرعاً نقد بیع میں منافع کو متعین (fixed) نہیں کیا گیا، تو ادھار میں نقد والے منافع کو متعین کر دینا بلا دلیل ہوگا جو کہ صحیح نہیں ہے۔
3. رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کرام آپس کی تجارت میں نقد و ادھار کے لئے ایک ہی قیمت رکھتے تھے اسکا صراحۃً یا اشارۃً کہیں ذکر ملتا ہو، راقم کی نظر سے نہیں گذرا۔

ان نکات کو سمجھنے کے بعد اب ہم مذکورہ بالا روایتوں (جن کی بناء پر بعض اہل علم یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ نقد و ادھار کا ریٹ ایک ہی ہونا چاہئے) کی صحیح توضیح ومفہوم اہل علم کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں، تا کہ مسئلہ سمجھنا مزید آسان ہو جائے۔نیز اس مسئلے کی توضیح مختلف جہات سے ہدیہ قارئین ہے۔

اولا: اس روایت میں ایک ہی چیز کی بیع دوسودوں کے ساتھ یا دو شرطوں کے ساتھ منع کی جارہی ہے۔ جبکہ نقد بیچی جانے والی چیز نقد میں ایک بیع ہے اور وہ جائز ہے۔اسی طرح ادھار بیچی جانے والی چیز ادھار میں ایک بیع ہے اور وہ بھی جائز ہے۔

بیک وقت دونوں کا ریٹ بتا دیا جائے اور مشتری وہ چیز اس بات کی وضاحت کئے بغیر لے جاتا ہے کہ سودا نقد ریٹ پر ہو یا ادھار پر تو یہ بیع جہالت ثمن ہونے کے سبب منع ہے یہی اس کی توضیح متعدد علماء نے کی ہے:

1. امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة، أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس

إذا كانت العقدة على أحد منهما۔"[1]

''بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ وضاحت کی ہے کہ ایک سودے میں دوسودوں کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس درہم کا اور ادھار میں بیس درہم کا بیچتا ہوں اور کسی ایک بیع کو طے نہ کرے پس جب ان دونوں میں کسی ایک بیع کو طے کردے گا تو پھر کوئی حرج نہیں ورنہ جہالت ثمن کی وجہ سے جائز نہیں''۔

❷ یہی توجیہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے:

"إذا قلت: أبيعك بالنقد إلى كذا، وبالنسيئة بكذا وكذا، فذهب به المشتري، فهو بالخيار في البيعين ما لم يكن وقع بيع على أحدهما، فإن وقع البيع هكذا، فهذا مكروه، وهو بيعتان في بيعة، وهو مردود، وهو الذي ينهى عنه."[2]

یعنی''جب تو کہے کہ میں تمہیں یہ چیز نقد میں اتنے روپے کی دیتا ہوں اور ادھار میں اتنے روپے کی اب خریدار اسے لے گیا پس وہ بااختیار ہے دونوں میں سے کسی ایک بیع کو اختیار کرنے پر۔ جب تک کسی ایک بیع پر فیصلہ نہیں ہوا ہوا گر یہ بیع اسی طرح برقرار رہے تو یہ مکروہ ہے اور یہ ایک سودے میں دوسودے کہلائیں گے۔ اور یہ مردود ہے اور اسی سے روکا گیا ہے''۔

❸ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وتفسير ما نهى عنه من بيعتين في بيعة على وجهين: أحدهما: أن يقول: بعتك هذا الثوب نقدا بعشرة، أو نسيئة بخمسة عشر، فهذا لا يجوز؛ لأنه لا يدري أيهما الثمن الذي يختاره منهما فيقع به العقد، وإذا جهل الثمن بطل البيع".[3]

یعنی:''نبی ﷺ نے جو ایک سودے میں دوسودوں سے منع کیا ہے، اس کی دوصورتیں ہیں:

ایک یہ کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تمہیں یہ کپڑا نقد میں دس درہم کا اور ادھار میں پندرہ درہم کا بیچا۔ یہ ناجائز ہے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس قیمت کو اس نے اختیار کیا ہے، اور کس پر عقد

---

[1] سنن ترمذی:357/4. [2] مصنف عبدالرزاق:3/138 [3] عون المعبود:9/238

واقع ہوا ہے۔ لہٰذا جب قیمت مجہول ہو تو بیع باطل ہے"۔

4 یہی بات امام ابن اثیر رحمہ اللہ نے "النهاية" میں ذکر کی ہے۔

5 امام شافعی رحمہ اللہ اس کا معنی تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن معنى نهي النبي صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك داري هذه بكذا على أن تبيعني غلامك بكذا، فإذا وجب لي غلامك وجب لك داري، وهذا يفارق عن بيع بغير ثمن معلوم، ولا يدري كل واحد منهما على ما وقعت عليه صفقته"[1]

"نبی ﷺ کا ایک سودے میں دو سودوں میں روکنے کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں تمہیں اپنا گھر بیچتا ہوں اتنے کا، اس شرط پر کہ تم اپنا غلام مجھے بیچ دو اتنے کا۔ اب جب آپ کا غلام میرا ہوجائے گا تو میرا گھر آپ کا ہوجائے گا۔ اور یہ بیع اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بیع ثمن معلوم کے بغیر واقع ہوئی ہے۔ (یعنی قیمت کا علم نہیں) اور ان میں سے کوئی نہیں جانتا کس پر انکی بیع واقع ہوئی"۔ (یعنی قیمت کسی چیز کو ٹھہرایا)

6 امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کا مصداق ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"وفي السنن عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا فيه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال إذا تبايعتم بالعينة واتبعتم أذناب البقر وتركتم الجهاد في سبيل الله أرسل الله عليكم ذلا لا يرفعه عنكم حتى ترجعوا الى دينكم وهذا كله في بيعة العينة وهو في بيعة".[2]

یعنی نبی ﷺ کا یہ فرمان: "من باع بيعتين في بيعة ـــــ" الخ[3] (یعنی جو دو بیع کرتا ہے ایک بیع میں پس یا تو وہ کم قیمت لے ورنہ سود ہے) "اذا تبايعتم بالعينة ـــ" الخ[4] (یعنی جب تم بیع عینہ

(1) سنن ترمذی: 4/358، (2) مجموع الفتاوی: 29/432

(3) سنن أبي داود: كتاب الاجارة، باب فيمن باع في بيعة، (حسن) حدیث نمبر 3461

(4) سنن أبي داود: كتاب الاجارة، باب النهي عن العينة، حدیث نمبر 3462

کرو اور گائیوں کی دموں کو پکڑلو(معنی یہ کہ زراعت کرنے لگ جاؤ گے۔)اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت بھیجے گا کہ جو تم پر سے اٹھائی نہیں جائے گی حتیٰ کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ) کے بارے میں ہے۔

اور "بیع عینة" کی تعریف یہ ہے کہ بیچنے والا کوئی چیز ادھار پر مہنگے داموں بیچ کر پھر خود ہی خریدار سے نقد کم قیمت پر خرید لیتا ہے۔

مثلاً زید نے عمرو کو ایک مہینہ کے ادھار پر ایک کار دو لاکھ روپے (200000) میں بیچی اور پھر خود ہی عمرو سے وہ کار نقد میں ایک لاکھ اسی ہزار (180000) میں خرید لی اس حیلہ کے ذریعے بائع کو عین اس کی چیز واپس مل گئی اسی لئے اس کو بیع عینہ کہا جاتا ہے۔

اور عمرو کو اصل میں رقم کی ضرورت تھی جو ایک بیع کو حیلہ بنا کر اس نے حاصل کرلی یہ ایک ہی چیز تھی جس کے دو سودے ہوئے لہٰذا یہ اس بنا پر ناجائز اور حرام ہے۔نا کہ نقد اور ادھار میں قیمت کے فرق کی وجہ سے۔

بیع عینہ کی عصر حاضر میں ایک مروجہ شکل

ہمارے معاشرے میں اس کی ایک شکل جو کثرت سے رائج ہے اور عام طور پر اس پر عمل درآمد ہوتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص رقم کی ضرورت کے پیش نظر اپنا مکان یا دوکان کسی ایسے شخص کو فروخت کر دیتا ہے جس کا مقصد بھی رقم انویسٹ کرنا ہوتا ہے اب مکان یا دوکان فروخت کرتے ہوئے وہ یہ ایگریمنٹ کرتا ہے کہ آپ ابھی مجھ سے پچیس لاکھ میں خرید لیں اور دو سال بعد مجھے ستائیس لاکھ میں فروخت کر دینا۔مزید یہ ہے جب تک میں اس مکان یا دوکان کو فروخت کرنے کے بعد استعمال کروں گا آپ کو ماہانہ دس ہزار روپے بطور کرایہ ادا کروں گا۔اس خرید فروخت کے معاملے کو بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہاں تجارت ایک بہانہ اور حیلہ ہے حقیقتاً تو رقم کے عوض رقم حاصل کرنا ہے

گویا ہر ایسی تجارت جس کا مقصد کسی چیز کا فروخت نہیں بلکہ تجارت کو بنیاد بنا کر رقم پر طے شدہ منافع رقم کی صورت میں حاصل کرنا ہو تو یہی صورت بیع عینة ہے جو کہ "نهى النبي ﷺ عن بيعتين في بيعة" کے تحت حرام قرار پاتی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ "نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة" کا مصداق نقداورادھار کو قرار دینے والوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"وأبعد كل البعد من حمل الحديث على البيع بمائة مؤجلة وخمسين حالة وليس ههنا ربا ولا جهالة وغرر ولا قمار ولا شيء من المفاسد فإنه خيره بين أي ثمنين شاء". (1)

یعنی یہ حقیقت سے بہت دور کی بات ہے جس نے بھی اس حدیث "نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة" کو نقد وادھار بیع کی ممانعت پر محمول کیا ہے۔ یعنی ادھار ۱۰۰ میں دیتا ہے اور نقد ۵۰ میں دیتا ہے۔ اسلئے کہ اس (نقد وادھار) میں نہ سود ہے نہ قیمت کا ابہام ہے نہ دھوکہ نہ کوئی جوااور نہ ہی کوئی خرابی، بلکہ اس میں بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہے کہ جس قیمت پر چاہو خریدلو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ بھی بیع عینہ ہی کو اسکا مصداق بناتے ہیں۔

نوٹ: موجودہ اسلامی بینکوں میں اجارہ کے غلط وناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں بھی ایک بیع میں دو بیع لازم آتی ہے۔ جس طرح کہ مرابحہ، اجارہ کے بارے میں معلومات رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ (2)

ثانیا: ان ائمہ کرام کی توجیہات کو ابوداؤد کی روایت نے مزید واضح کردیا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتادیا ہے کہ جس بیع میں نقد وادھار میں سے کوئی ایک معاملہ طے نہ ہوسکا ہو۔ اسکا شرعاً حکم کیا ہے؟ اسکو برقرار رکھا جائے یا نہیں؟۔ حدیث ملاحظہ فرمائیے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من باع بيعتين في بيعة، فله أوكسهما أو الربا" (3)

یعنی: جس نے بیچ دیا ایک بیع کو دو سودوں کے ساتھ یا تو وہ کم قیمت لے ورنہ وہ سود ہوگا۔

الحدیث یفسر بعضہ بعضا بعض روایت بعض کی وضاحت کرتی ہیں کے اصول کے تحت، اس روایت پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ روایت کو صرف نقد وادھار کے ساتھ خاص

---

(1) بحوالہ تہذیب السنن شرح ابوداؤد (2) تفصیل کے لئے البیان کی اسی اشاعت خصوصی میں شائع تحریر بعنوان: "مروجہ اسلامی بینکوں کے ذرائع تمویل کی شرعی حیثیت" از: عثمان صفدر، صفحہ نمبر 136

(3) سنن أبي داود: کتاب الاجارۃ، باب فیمن باع فی بیعۃ، حدیث نمبر 3461

نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روایت میں لفظ "بیعتین" یعنی دوسودے کرنے کا ذکر ہے۔جو تمام صورتوں کو شامل ہے جن کا ابھی مختلف فقہاء محدثین کے حوالے سے ذکر ہوا۔لہٰذا حدیث کو صرف نقد وادھار سے مقید و مخصوص کرنا محتاج دلیل ہے۔

مذکورہ روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نقد وادھار بیع جائز ہے۔نیز اگر کسی ایک بیع کو طے نہ کیا گیا ہو اوراب بیع کو برقرار رکھا جائے تو کم قیمت پر برقرار رکھا جائے۔مثلاً ایک شخص اگر یہ کہتا ہے کہ میں یہ چیز نقد میں تمہیں 10 روپے میں بیچتا ہوں اور اگر ادھار میں لوگے تو 15 روپے کی۔اب ان میں سے کوئی ایک بیع طے نہ ہوئی ہو تو بیع جہالت ثمن کی وجہ مردود ہوگی اور اگر بیع کو برقرار رکھنا ہے تو کم قیمت پر یعنی 10 روپے پر بیع ہوگی،15 روپے کا مطالبہ سود ہوگا۔

ثالثاً: نقد وادھار بیع کے فرق کو بیع سلم کی روشنی میں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع سلم کا جواز بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نقد وادھار بیع میں قیمت کا فرق جائز ہے۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''اللہ کے نبی ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو مدینہ کے رہائشی پھلوں کی ایک سال یا دوسال کی پیشگی بیع کیا کرتے تھے۔اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" من أسلف في تمر فليسلف في كيل معلوم و وزن معلوم الى اجل معلوم۔"(1)

''جو شخص کھجوروں میں پیشگی بیع کرے اسے چاہیئے کہ وہ ادھار بیع کرلے (یعنی قیمت پہلے ہی ادا کردے)ان شروط کے ساتھ۔اسکا ماپ تول وزن معلوم ہونا چاہیئے۔اسکی ادائیگی کی مدت معلوم ہونی چاہیئے یعنی وہ چیز مشتری کو کب ملے گی''۔

روایت پر غور کرنے سے واضح ہوا کہ ایک چیز کی کوالٹی،اسکی مقداراور اسکے قبضہ کا وقت معلوم ہونے کے بعد اسکی پیشگی قیمت ادا کی جاسکتی ہے اور بائع وقت معین پر وہ چیز مشتری کو دینے کا پابند ہوگا۔

واضح رہے کہ بیع سلم کا تعلق زراعت سے مخصوص ہے،مطلقاً کسی بھی چیز کی بیع سے نہیں۔

(1) صحیح مسلم: كتاب المساقاة، باب السلم، حدیث نمبر:1604

اب جو شخص قبل از وقت بیع کر رہا ہے کیا وہ بائع کو وہ ریٹ دیگا جو اس وقت مارکیٹ میں ہوگا یا وہ پیشگی رقم دینے میں اپنا فائدہ بھی دیکھے گا یقینا بائع کو جس وقت چیز تیار ہو کر مارکیٹ میں آئیگی اور اسکا جو ریٹ ہوگا وہ ریٹ سال بھر پہلے یا چھ ماہ قبل رقم لینے کی صورت میں اسے نہیں ملے گا تو جب یہاں مشتری کو فائدہ ہو رہا ہے۔تو ادھار میں زیادہ قیمت کے سبب سے بائع کو فائدہ ہو رہا ہے اور تجارت اسی چیز کا نام ہے۔لہٰذا دونوں ہی شرعاً جائز وحلال ہیں۔

رابعاً: نقد وادھار بیع کے فرق کے جواز کو مؤطا امام مالک میں مذکور اس واقعہ کی روشنی میں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ:

عن عبيد أبي صالح مولى السفاح أنه قال:" بعت بزا لي من أهل دار نخلة إلى أجل، ثم أردت الخروج إلى الكوفة فعرضوا علي أن أضع عنهم بعض الثمن، وينقدوني فسألت عن ذلك زيد بن ثابت فقال: "لا آمرك أن تأكل هذا ولا تؤكله". [1]

یعنی: عبید ابو صالح (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے کپڑا دار نخلہ (جو مکہ اور طائف کے درمیان مقام ہے) والوں کے ہاتھ بیچا ایک معین مدت کے وعدے پر جب میں کوفہ جانے لگا تو ان لوگوں نے کہا اگر تم کچھ کم رقم کر دو تو تمہارا روپیہ ہم ابھی دے دیتے ہیں تو (ابو صالح) نے یہ مسئلہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس روپے کے کھانے اور کھلانے کی اجازت نہیں دیتا۔(سود کا شائبہ ہونے کے سبب)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو عبید ابو صالح کو جو مسئلہ بتاتے ہیں وہ بالکل واضح ہے۔یعنی ایک ادھار رقم پر سودا طے ہونے کے بعد اب فوری نقد ادائیگی کی صورت میں کچھ رقم کی کمی کا مطالبہ تو رقم سے رقم کو خریدنا ہے اور اس میں سود کا شائبہ ہے۔اس لئے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے کھانے اور کھلانے سے منع کیا۔

---

[1] مؤطا امام مالک: كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا في الدين

اس اثر کو نقد و ادھار کی بحث میں ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ سے اتنی بات تو بداھۃً واضح ہوئی۔ کہ جب دار نخلہ والوں نے نقد ادائیگی پر ابو صالح عبید سے رقم کی کمی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ نقد و ادھار میں شرعاً قیمت میں فرق نہیں ہوتا لہٰذا میں نے نقد والی قیمت ہی تو رکھی تھی۔ اور نہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس سائل ابو صالح سے فرمایا کہ نقد و ادھار میں قیمت کا فرق ہی نہیں ہوتا لہٰذا ان مطالبہ کرنے والوں سے کہہ سکتے ہو کہ میں نے تو تمہیں نقد والی قیمت میں چیزیں فروخت کی ہیں۔

مزید کئی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نقد و ادھار بیع کی کتب احادیث سے دکھائی جا سکتی ہیں۔ لیکن کہیں بھی یہ صراحت نہیں ملتی کہ وہ مطلقاً ادھار بیع میں بھی وہی قیمت رکھتے تھے جو نقد میں ہوتی تھی۔

نقد و ادھار بیع کی قیمت میں فرق اور سلف کا موقف

* علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقالت الشافعية والحنفية وزيد بن علي والمؤيد بالله والجمهور أنه يجوز۔"(1)

یعنی: شوافع، احناف، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور کا یہی موقف ہے۔

* اسی طرح مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔(2)

* مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔(3)

* سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ بھی اسکے قائل ہیں۔(4)

* نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔(5)

* مولانا عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔(6)

* اسی طرح شیخ ابن باز رحمہ اللہ سابق مفتی سعودی عرب بھی اسکے جواز کے قائل تھے۔(7)

---

(1) نیل الاوطار: 8/201 (2) تحفة الأحوذي: باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حدیث نمبر: 1231

(3) عون المعبود: كتاب الاجارة، باب فيمن باع بيعتين في بيعة، حدیث نمبر 3458 (4) فتاویٰ نذیریہ: 2/162

(5) روضۃ الندیہ: 2/89، (6) فتاویٰ اہلحدیث: 2/263، (7) فتاوی اسلامیہ: 2/442

*شاہ ولی اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (8)

*مولانا عبدالحئی لکھنوی کا بھی یہی موقف ہے۔ (9)

*شاہ عبدالعزیز کا بھی یہی موقف ہے۔ (10)

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ

- نقد و ادھار بیع میں قیمت کا فرق جائز ہے۔
- اگر نقد و ادھار بیع میں سے کوئی ایک بیع طے نہ ہو تو وہ جہالت ثمن کی وجہ سے نا جائز ہے۔
- اگر ایسی بیع (جس میں نقد و ادھار بیع میں سے کوئی ایک بیع طے نہ ہو اور مشتری چیز لے کر چلا جائے) کو برقرار رکھا گیا تو پھر دونوں قیمتوں میں سے کم قیمت متعین ہو جائیگی۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

---

(8) المسوی شرح مؤطا: باب ماجاء فی الربا فی الدین

(9) مجموع الفتاوی فارسی (10) فتاوی عزیزیہ

لین دین کے مسائل

قسطوں کے کاروبار کا شرعی حکم؟

ڈاکٹر عبد الرحمٰن ردادی [1]

ترجمہ: محمد یونس اثری [2]

اہل علم کا قسطوں کے کاروبار کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور جو جمہور اہل علم کا مؤقف معلوم ہوتا ہے وہ یہی کہ قسطوں کا کاروبار جائز ہے اور ضرورت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جس طرح خریدار کو یہ اختیار ہے کہ وہ چیز کی نقد قیمت ادا کرے یا رضامندی سے ایک مقررہ وقت تک اسے مؤخر کرلے۔ اسی طرح عمومی دلائل کی بناء پر فروخت کنندہ کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ ایک معقول حد تک وجوہات کی بنا پر قیمت بڑھا سکتا ہے۔ البتہ قیمت کا یہ اضافہ مجبوری کا فائدہ اٹھانے اور ظلم و زیادتی پر مبنی نہیں ہونی چاہئے۔

[1] استاد: فقہ اسلامی، مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

[2] مدرس: معہد السلفی للتعلیم والتربیہ کراچی

قسطوں کے کاروبار کے جواز کے دلائل

❶ معاملات میں اصل حلال ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ}[المائدہ:1]

''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو''۔

اور قیمت کی زیادتی تاخیر کی وجہ سے ہے لہٰذا اس معاملے میں تاجر اور خریدار دونوں کی مصلحت ہے، تاجر کی مصلحت قیمت زیادہ لینے میں اور خریدار کی مصلحت اس میں ہے کہ اس کو مطلوبہ چیز ماہانہ اقساط پر دستیاب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس معاملے کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ملتی لہٰذا اصل کی بنیاد پر اس پر حلال کا حکم لگے گا۔

❷ شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ معاہدوں میں شروط و قیود لگانا جائز ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں، تو جب فریقین اس شرط پر اتفاق کر لیں کہ قیمت قسطوں میں ادا کی جائے گی تو مذکورہ اصول کی بنیاد پر اس کا حکم جواز کا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ}

''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو''۔( )

❸ عدل کا تقاضہ بھی یہی ہے اس لئے کہ تاجر کو اس کی چیز کی قیمت اور اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بعد میں ملا، لہٰذا تاخیر کے نقصان کے پیش نظر اس کے لئے قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

❹ بیع سلم پر قیاس بھی اس امر کے جواز کا متقاضی ہے۔۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون في التمر السنة والسنتين والثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أسلف في شيء ففي كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم"①

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے ایک سال،

① سنن أبي داود: كتاب البيوع، باب السلم في وزن معلوم [صحيح]

دو سال، تین سال کی مدت کے لئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے تو اسے چاہیے کہ متعین پیانہ، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلف کرے''۔

سلم سے مراد: ''یہ کہ قیمت پیشگی ادا کر دینا اور چیز ایک مدت کے بعد حاصل کرنا ہے''

اس میں عموماً چیز بڑھا کر ادا کی جاتی ہے کیونکہ سلف کا معاملہ کرنے والا قیمت پیشگی ادا کرتا ہے اور سامان ایک مدت کے بعد لیتا ہے، اور عام طور پر ان چیزوں کی قیمت سستی ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی بھی زیادہ کی صورت میں ہوتی ہے بنسبت اس قیمت کے جو بوقت عقد مقرر ہوتی ہے۔

5 بیع کی بنیاد ہی بڑھوتری پر مبنی ہے جبکہ قرض کی بنیاد تعاون ہے۔ اسی لئے قرض میں زیادہ وصول کرنا اسے تعاون کے دائرہ کار سے خارج کر دیتا ہے کہ جس کی بنیاد پر قرض کو جائز کیا گیا ہے۔

تنبیہ

تاخیر کی بنیاد پر قسطوں کی رقم میں اضافہ کی شرط کا حکم: جب کوئی کہے کہ میں تمھیں یہ گاڑی دس ہزار ریال میں بیچتا ہوں اس شرط پر کہ اگر طے شدہ مدت میں ادائیگی نہ کی تو ایک مہینہ کی تاخیر کی صورت میں ایک سو ریال اضافی وصول کروں گا اور دو مہینے کی تاخیر کی صورت میں دو سو ریال، اور اسی طرح جیسے جیسے تاخیر ہوتی گئی قیمت بڑھتی رہے گی۔ یہ معاملہ اور بیع حرام ہے، جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ (بعینہ) جاہلیت والا سود ہے۔

فقہ اسلامی اکیڈمی کی قسطوں کے کاروبار کے حوالے سے قرارداد

مجلس مجمع الفقہ الاسلامی کا جدہ سعودی عرب میں منعقدہ چھٹے اجلاس جو بمطابق 17 تا 23 شعبان 1410 ہجری موافق 14 تا 20 مارچ منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قسطوں کے کاروبار کے حوالے سے پیش کردہ مقالہ جات سننے اور ان کا جائزہ لینے کے بعد جو قرارداد طے پائی وہ درج ذیل ہے۔

1 نقد کی بنسبت ادھار (قسطوں) کی بیع پر قیمت بڑھانا جائز ہے جس طرح فروخت کی جانے والی چیز کی نقد قیمت بتانا جائز ہے اسی طرح معینہ مدت کی اقساط میں ادائیگی کی قیمت بتانا بھی جائز ہے۔ البتہ یہ بیع اس وقت صحیح ہوگی جب خریدار اور فروخت کنندہ دونوں یقینی طور پر نقد اور ادھار (میں سے کسی

ایک) کا سودا کرنے میں سنجیدہ ہوں ۔اور اگر یہ سودا نقد وادھار میں تردد کے ساتھ واقع ہو کہ کسی ایک قیمت پر یقینی اتفاق نہیں ہوا تو یہ شرعا جائز نہیں ہے۔

2 مدت سے مربوط کسی بھی قسم کی بیع میں شرعا یہ جائز نہیں کہ اس معاہدے میں حالیہ قیمت سے قسطوں کے منافع کا الگ سے ذکر کیا جائے جو کہ وقت سے مربوط ہو۔ چاہے فریقین اس منافع کو فیصدی طور پر اتفاق کریں یا اسے مارکیٹ ریٹ سے مربوط کریں۔ [1]

3 خریدار اگر قسطوں کی ادائیگی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کرے۔ تو ایسی صورت میں اس کی قسطوں کی رقم کو کسی صورت بڑھایا نہ جائے گا نہ ہی کسی سابقہ شرط کی صورت میں یا بغیر شرط کے کیونکہ یہ حرام کردہ سود ہے۔

4 ایسا مقروض جو ادائیگی کرسکتا ہے اس پر ادائیگی میں سستی کرنا حرام ہے لیکن اس کے باوجود ادائیگی میں تاخیر پر اس پر کوئی مالی جرمانہ نہیں لگایا جائے گا۔

5 بائع کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ خریدار کی طرف سے چند اقساط کی تاخیر سے ادائیگی کے سبب دیگر اقساط کی مدت مختصر کردے (یعنی وہ قسطیں مقررہ وقت سے پہلے وصول کرے) بشرطیکہ قرضدار نے بوقت عقد اس شرط پر اتفاق کیا ہو۔

6 فروخت کنندہ کو معاہدہ کے بعد ملکیت رکھنے کا حق حاصل نہیں البتہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مشتری پر سامان کے بطور ضمانت گروی رکھنے کی شرط لگادے تاکہ اس کی تمام اقساط ادا ہو جائیں۔ [2]

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ : جب کسی آدمی کے پاس کوئی سامان ہو اور خریدار اس شخص سے وہ سامان نقد کے بجائے ادھار میں زیادہ قیمت ادا کرکے خریدنا چاہے تو اس کا شرعی حکم

---

[1] اس شرط کو مثال سے ایسے سمجھا جائے کہ بائع خریدار سے کہے کہ میں فلاں گاڑی تمہیں نقد قیمت پر دس لاکھ میں بیچوں گا اور اگر قسطوں پر لوگے تو ایک سال کیلئے دس پرسنٹ اوپر لوں گا یا مارکیٹ ویلیو کے مطابق لوں گا۔ اس کی ممانعت کا سبب قیمت کی لاعلمی ہے۔ جو کہ جائز نہیں۔

[2] قرارداد نمبر: 51(6/2) قسطوں کے کاروبار کے حوالے سے: مجلة المجمع: ع 6 ج 1 ص 193 اور ع 7 ج 2 ص 9

کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ''اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے اس فرمان الٰہی کی رو سے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ} (البقرة:282)

''اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقررہ پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے''۔

اللہ تعالی نے یہاں یہ شرط نہیں لگائی کہ یہ قرض کا معاملہ بس موجودہ قیمت ہی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح یہ معاملہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے بھی جائز قرار پاتا ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ آئے اور مدینہ والے پھلوں میں ایک، دو سال تک بیع سلم کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"من أسلف في تمر فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم"

''جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے تو اسے چاہیے کہ متعین پیمانہ، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ بیع سلف کرے''۔ (1)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے بھی موجودہ وقت کی قید نہیں لگائی۔ نیز امام حاکم اور بیہقی نے اسناد جید سے نقل کیا ہے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہ انہیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ایک لشکر کو تیار کریں اس وقت اونٹ کم پڑ گئے۔ نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ خرید لیں صدقہ کے اونٹ آنے تک۔ اس معنی میں اور بھی دلائل بہت ہیں اسلئے کہ تجارت کا معاملہ ادھار میں صحیح نہیں رہ سکتا الا یہ کہ تاجر مقررہ قیمت سے زیادہ لے اسلئے کہ وہ سارے نقصانات کا پابند ہوتا ہے اور اسلئے کہ بائع قیمت کی زیادتی کے ذریعے ہی فائدہ حاصل کرتا ہے اور خریدار کو چھوٹ میں اور ادائیگی میں آسانی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک تو یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیز یکمشت خرید لے اگر ادھار میں زیادتی ممنوع ہوتی تو اس سے کئی نقصانات جنم لیتے۔ کیونکہ شریعت کاملہ مصالح کے حصول اور ان کی تکمیل کیلئے اور مفاسد کے ازالے اور ان کو کم کرنے کیلئے آئی ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ اس مسئلے میں کسی نے

(1) سنن أبي داود: كتاب البيوع، باب السلم في وزن معلوم [صحيح]

اختلاف کیا ہو، بلکہ علماء کے کلام میں اس کا جواز و اباحت معروف ہے۔اور یہ اس وقت ہے جب خرید وفروخت استعمال اور فائدے کے لئے کی جارہی ہو۔

مگر جب خریدار کوئی چیز ادھار میں اس لئے خریدے تا کہ اس کو نقد میں بیچ کر اپنی فوری ضرورت کو پورا کرسکے، جیسے قرض کی ادئیگی، گھر کی تعمیر، یا شادی وغیرہ کیلئے، تو اگر یہ معاملہ صرف خریدار کی طرف سے ہے (یعنی ادھار میں بیچنے والا اس معاملہ سے لاتعلق ہو) تو اسکے جواز میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اوراس کا نام مسئلہ التورق اور بعض نے اس کا نام الوعدۃ رکھا ہے۔اس معاملہ میں زیادہ راجح یہی کہ یہ جائز ہے اور یہ فتوی ہم سابقہ عمومی دلائل کی وجہ سے دیتے ہیں، اس لئے کہ معاملات میں اصل جواز واباحت ہے الا کہ جس کی حرام ہونے کے حوالہ سے کوئی خاص دلیل ہو، اور ضرورت بھی اس کی متقاضی ہے اس لئے کہ ضرورت مند کو بوقت ضرورت کوئی مدد کرنے والا نہیں ملتا اور نہ ہی کوئی اسے قرض کے طور پر کچھ دیتا ہے اور اس وقت اس کی ضرورت بھی سخت ہے جو اسی معاملے کا تقاضا کرتی ہے تا کہ وہ اپنی ضرورت بھی پوری کر لے جو اسکے قرض کی ادائیگی کے راستے کھول دے"۔ (1)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بے شک قیامت کے دن بہت مال و دولت رکھنے والے ہی زیادہ نادار ہوں گے مگر جسے اللہ نے دولت دی تو اس نے اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے ہر طرف سے دولت کو (اللہ کی راہ میں) لٹادیا اور اس مال سے بھلائی کمائی۔" [صحیح بخاری: کتاب الرقاق۔باب المکثرون۔۔۔۔۔]

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

(1) فتاوی ابن باز رحمہ اللہ 19/ 98

زر کے مسائل

اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت

حافظ ذوالفقار علی [1]

چونکہ لوگوں کے مابین لین دین کے تمام معاملات میں مرکز ومحور زَر ہی ہوتا ہے، اس لئے ہر معاشی نظام میں زر اور اس کے متعلقات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ زَر کی اس اہمیت کے پیش نظر علمائے اسلام نے بھی اپنی تحریری کاوشوں میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں قانونی زر سونے، چاندی کے سکوں (دنانیر ودراہم) کی شکل میں ہوتا تھا مگر دورِ حاضر میں تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس کاغذی کرنسی ہے، سونے چاندی کے سکے پوری دنیا میں کہیں استعمال نہیں ہوتے۔ اسلامی نقطہ نظر سے زر کی حقیقت اور مروّجہ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] شیخ الحدیث ابو ہریرہ اکیڈمی لاہور

زر کی حقیقت

زَر کو عربی میں نَقد کہتے ہیں اور مشہور لغت ''المعجم الوسیط'' میں نقد کا معنی یوں لکھا ہے:

"النقد: [في البيع] خلاف النسيئة ويقال: درهم نقد: جيد لا زيف فيه [ج] نقود۔ والعملة من الذهب أو الفضة وغيرهما مما يتعامل به وفن تمييز جيد الكلام من رديئه، وصحيحه من فاسده"۔ ①

''خرید و فروخت میں نقد کا معنی ہوتا ہے: وہ شے جو اُدھار نہ ہو، نیز عمدہ قسم کا درہم جس میں کھوٹ نہ ہو، اس کو ''درہم نقد'' کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع نقود آتی ہے۔ اور نقد اس کرنسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے لین دین ہوتا ہو، خواہ سونے کی بنی ہو یا چاندی کی یا ان دونوں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے۔ عمدہ اور ردّی، صحیح اور فاسد کلام کے مابین امتیاز کرنے کے فن کو بھی ''نقد'' کہتے ہیں''۔

فقہی لٹریچر میں نقد کا لفظ تین معانی کے لئے آتا ہے

سونے چاندی کی دھاتیں خواہ وہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے سکوں کی صورت میں۔ چنانچہ فقہاء کی عبارات میں سونے چاندی کے لئے "النقدان" کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔

سونے چاندی کے سکوں کے لئے چاہے وہ عمدہ ہوں یا غیر عمدہ۔ سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات سے بنے ہوئے سکوں کو "فُلُوس" کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق فلوس نقد میں شامل نہیں۔

ہر وہ چیز جو بطورِ آلہ تبادلہ استعمال ہو، چاہے وہ سونے کی ہو یا چاندی، چمڑے، پیتل اور کاغذ وغیرہ کی شکل میں، بشرطیکہ اس کو قبولیتِ عامہ حاصل ہو۔ عصر حاضر میں نقد کا لفظ اس تیسرے معنی کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ ②

جبکہ اقتصادی ماہرین نقد (زَر) کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں

"إن للنقد ثلاث خصائص متى توفرت في مادة مَا، اعتبرت هذه المادة نقدًا

① ص944 ② الموسوعة الفقهية:41173

الأولى: أن يكون وسيطا للتبادل، الثانية: أن يكون مقياسا للقيم، الثالثة: أن يكون مستودعًا للثروة"۔①

"زر کی تین خصوصیات ہیں جس مادہ میں بھی وہ پائی جائیں، وہ زر شمار ہوگا:

۞ ذریعہ مبادلہ ہو ۞ قیمتوں کا پیمانہ ہو ۞ دولت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو

بلاشبہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں مالیاتی لین دین سونے، چاندی کے سکوں کے ذریعے ہی ہوتا تھا اور سونے، چاندی کی زری صلاحیت بھی مسلّمہ ہے، لیکن شریعت نے زر کے لئے سونے، چاندی کے سکوں کی شرط نہیں لگائی بلکہ اس معاملے میں بڑی وسعت رکھی ہے۔ مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ بلاذری کے بقول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اونٹوں کی کھال سے درہم بنانے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اس خدشے سے اِرادہ ترک کر دیا کہ اس طرح تو اونٹ ہی ختم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بلاذری نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

"هممت أن أجعل الدراهم من جلود الإبل فقيل له إذا لا بعير فأمسك"۔②

"میں نے اونٹوں کے چمڑوں سے درہم بنانے کا ارادہ کیا۔ ان سے کہا گیا: تب تو اونٹ ختم ہو جائیں گے تو اس پر اُنہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا"۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتّٰى تكون لها سكة وعين لكرهتها أن تُباع بالذهب والورق نظرة"③

"اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کو رائج کر دیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا"۔

یعنی اگر چمڑا بحیثیت زر رائج ہو جائے تو اس پر بھی وہی احکام جاری ہوں گے جو درہم ودینار پر ہوتے

① مجلة البحوث الإسلامية: عدد1، ص200 ② فتوح البلدان: ج3، ص578

③ المدونة الكبرى: التأخير في صرف الفلوس

ہیں۔ علامہ ابن نجیم حنفی خراسان کے امیر غطریف بن عطاء کندی کی طرف منسوب ''غطارفۃ'' نامی دراہم جن میں ملاوٹ زیادہ اور چاندی کم ہوتی تھی، کی بحث میں رقم طراز ہیں:

"وذكر الولوالجي أن الزكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم النّاس في الزّمن الاول وإنما يعتبر في كل زمان عادة أهل ذلك الزمان".[1]

''ولوالجی نے ذکر کیا ہے کہ غطارفہ جب دو سو ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ اگرچہ پہلے زمانے میں یہ لوگوں کے درہم نہیں تھے مگر آج کل یہی ہیں۔ ہر دور میں اس زمانے کا رواج معتبر ہوتا ہے''۔

اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ شرعی لحاظ سے زر کے انتخاب میں سونے چاندی کی پابندی نہیں ہے، قیمتوں کو جانچنے کے لئے کسی بھی چیز کو معیار بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسے معاشرہ میں قبولیت حاصل ہو۔

زر صرف حکومت جاری کر سکتی ہے

اگرچہ شریعت نے زر کے انتخاب میں کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی، لیکن زر جاری کرنے کا اختیار صرف حکومت کو دیا ہے کیونکہ مالیاتی لین دین کا مکمل نظام زر کی اساس پر ہی رواں دواں ہے اور اگر ہر کس و ناکس کو حسبِ منشا زر جاری کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نہایت خطرناک اقتصادی اور معاشی حالات پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

"ولا يجوز لغير الإمام ضرب النقود لأن في ذلك افتياتا عليه ويحق للإمام تعزير من افتات عليه فيما هو من حقوقه، وسواء كان ما ضربه مخالفًا لضرب السلطان أو موافقا له في الوزن ونسبة الغش وفي الجودة حتى لو كان من الذهب والفضة الخالصين، قال الإمام أحمد في رواية جعفر بن محمد: لا يصلح ضرب الدراهم

[1] البحر الرائق: باب زكوة المال

إلا في دار الضرب بإذن السلطان، لأن الناس إن رخص لهم ركبوا العظائم "①

''امام کے علاوہ کسی کو کرنسی بنانے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ اس پر ظلم ہے۔ اور امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جو شخص اس کا یہ حق سلب کرے، وہ اسے سزا دے خواہ اس کی بنائی ہوئی کرنسی خالص سونے چاندی کی ہی کیوں نہ ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ درہم صرف حاکم وقت کی اجازت سے ٹکسال میں ہی بنائے جاسکتے ہیں، کیونکہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو وہ بڑے مصائب میں مبتلا ہوجائیں گے''۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ويكره أيضا لغير الإمام ضرب الدراهم والدنانير وإن كانت خالصة لأنه من شأن الإمام ولأنه لا يؤمن فيه لغش والافساد"②

''امام کے علاوہ کسی کو درہم اور دینار بنانے کی اجازت نہیں چاہے وہ خالص ہی ہوں، کیونکہ یہ امام کا حق ہے اور اس دوسرے کو اس لئے بھی اجازت نہیں کہ اس میں جعل سازی اور بگاڑ کا اندیشہ ہے''۔

ثابت ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے حکومتِ وقت کے علاوہ کسی کو کرنسی جاری کرنے کا اختیار نہیں، کیونکہ اس طرح جعلی کرنسی وجود میں آنے کا خدشہ ہے جو موجبِ فساد ہے۔

زر کی قدر مستحکم ہونی چاہئے

اسلامی نظامِ معیشت کا مکمل ڈھانچہ عدل پر قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے جو عدل کے منافی ہیں، چونکہ تمام مالی معاملات درحقیقت زر ہی کے گرد گھومتے ہیں اور کسی مالی معاہدے کے وقوع اور وقت ادائیگی کے درمیان زر کی قوتِ خرید میں غیر معمولی کمی سے صاحبِ حق کا متاثر ہونا یقینی ہے جو تقاضائے عدل کے خلاف ہے، اسی بنا پر بعض مسلم مفکرین افراطِ زر کو بخس، تطفیف اور ملاوٹ میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مناسب حد تک

① الموسوعة الفقهية: ج41 ص178، 179 ② المجموع: ص611

کرنسی کی قدر کو مستحکم رکھے۔ چنانچہ الموسوعة الفقهية میں مرقوم ہے:

"من المصالح العامة للمسلمين التي يجب على الإمام رعايتها المحافظة على استقرار أسعار النقود من الانخفاض، لئلا يحصل بذلک غلاء الأقوات والسلع وينتشر الفقر ولتحصل الطمانينة للناس بالتمتع بثبات قيم ما حصلوه من النقود بجهدهم وسعيهم واكتسابهم،لئلا تذهب هدرا ويقع الخلل والفساد".(1)

''مسلمانوں کے مفاداتِ عامہ جن کا تحفظ امام کی ذمہ داری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زر کی قیمتوں میں ثبات پیدا کرے تاکہ اس سے خوراک اور اشیاء کی قیمتیں نہ بڑھیں اور غربت میں اضافہ نہ ہو۔ اور لوگ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کئے گے زر سے فائدہ اُٹھانے کے متعلق مطمئن ہوں تاکہ وہ زر رائیگاں نہ جائے اور خلل اور فساد واقع نہ ہو''۔

مشہور محدث امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الأموال فيجب أن يكون محدودًا مضبوطًا لا يرتفع ولا ينخفض إذلو كان الثمن يرتفع وينخفض كالسلع لم يكن لنا ثمن نعتبر به المبيعات بل الجميع سلع وحاجة الناس إلى ثمـن يعتبرون به المبيعات حاجـة ضرورية عامة وذلک لا يمكن إلا بسعر تعرف به القيمة وذلک لا يكون إلا بثمن تقوم به الأشياء ويستمر على حالة واحدة ولا يقوم هو بغيره إذ يصير سلعة يرتفع وينخفض فتفسد معاملات الناس ويقع الخلف ويشتد الضرر "(1)

''زر ہی وہ معیار ہے جس کے ذریعے اموال کی قیمتوں کی پہچان ہوتی ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ

---

(1) ص 41196،197 (2) اعلام الموقعین:2:156

متعین اور کنٹرول میں ہو، اس کی مالیت میں اُتار چڑھاؤ نہ ہو، کیونکہ اگر سامانِ تجارت کی طرح زَر میں بھی اُتار چڑھاؤ ہوتو ہمارے پاس اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے کوئی ثمن (زَر) نہیں رہے گا بلکہ سب سامان ہی ہوگا، حالانکہ اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے لوگ ثمن کے محتاج ہیں۔ اور یہ ایسے نرخ کے ذریعے ممکن ہے جس سے قیمت کی معرفت حاصل ہو اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اشیاء کی قیمت لگانے کے لئے ایک زر ہو اور وہ ایک ہی حالت پر رہے۔ اور اس کی قیمت کا معیار کوئی دوسری چیز نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ خود سامان (Commodity) بن جائے گا جس کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی ہے، نتیجتاً لوگوں کے معاملات خراب ہوجائیں گے، اختلاف پیدا ہوگا اور شدید ضرر لاحق ہوگا"۔

یعنی کرنسی ایسی ہونی چاہیے جس کی مالیت میں عام اشیاء کی طرح غیر معمولی کمی واقع نہ ہو بلکہ معقول حد تک مستحکم قدر کی حامل ہو ورنہ لوگ ضرر کا شکار ہوں گے۔

زر کی قدر میں استحکام کیسے لایا جائے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کاغذی کرنسی کی قدر میں مسلسل کمی کا رجحان چلا آرہا ہے اور آج کل تو اس کی قدر بہت تیزی سے گر رہی ہے، اس کے برعکس سونے چاندی کی قوتِ خرید خاصی مستحکم ہے، بالخصوص سونے کی قوتِ خرید میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اگر کسی بحران یا سونے کے مقابلہ میں اشیاء وخدمات کی قلت کی بنا پر ایسا ہوا بھی تو کمی کا یہ سلسلہ مستقل جاری نہیں رہا اور اس کے اسباب دور ہونے کے بعد صورت اس کے برعکس ہوگئی۔ اگر عہدِ رسالت میں سونے کی قوتِ خرید کا اس کی موجودہ قوتِ خرید سے تقابل کیا جائے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔ بطورِ نمونہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

قتل کی دیت سو اونٹ ہے، اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو وہ ان کی قیمت ادا کردے جو آپ ﷺ کے دور میں آٹھ سو دینار مقرر تھی:

"كانت قيمة الدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمان مائة دينارٍ"[1]

[1] سنن أبي داؤد: كتاب الديات، باب الدية كم هي؟ [صحيح لغيره]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی''۔

اس کا مطلب ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی۔ جدید تحقیق کے مطابق شرعی دینار کا وزن 25.4 گرام ہے۔ (1) اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک اونٹ کی قیمت 34 گرام سونا بنی، آج بھی اتنے سونے کے عوض ایک اونٹ خریدا جا سکتا ہے۔ اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ گراں ہونے پر دیت کی قیمت آٹھ سو سے بڑھا کر ہزار دینار کر دی تھی، مگر آج کل ایک سو اونٹ خریدنے کے لئے آٹھ سو دینار یعنی 3400 گرام سونا کافی ہے۔

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"أَعْطَاهُ النَّبِيُّ ﷺ دِينَارًا يشْتري بِهِ أُضْحِيَةً أَوْ شَاةً فَاشْتَرى شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهما بِدِينَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ". (2)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تا کہ وہ اس سے ایک قربانی یا ایک بکری خریدے۔ اُنہوں نے دو بکریاں خرید لیں، پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا اور ایک بکری اور ایک دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے''۔

یعنی عہدِ رسالت میں 25.4 گرام سونے کے عوض ایک بکری خریدی جا سکتی تھی، آج بھی سونے کی قوتِ خرید یہی ہے۔

ان دو مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت سے لے کر اب تک سونے کی قدر میں غیر معمولی کمی نہیں ہوئی، اگر کسی دور میں ایسا ہوا بھی تو بعد میں معاملہ اُلٹ ہو گیا۔ البتہ اس عرصہ کے دوران سونے کی نسبت چاندی کی قوتِ خرید میں کافی کمی آئی ہے:

عہدِ نبوی ﷺ میں دس درہم (تقریباً تیس گرام) چاندی سے ایک بکری خریدی جا سکتی تھی، اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہوا ہے:

"مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةُ الجُذَعَةِ، وَلَيسَتْ عِنده جَذَعَةٌ وَ عِنده حِقَّةٌ،

---

(1) دیکھیے: الموسوعۃ الفقھیۃ: 2129 (2) سنن أبی داؤد: کتاب البیوع، باب فی المضارب یخالف [صحیح]

فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الحِقَّةُ وَيجعَلُ مَعهَا شَاتَينِ إِنِ استَيسَرَتَا لَهُ أَوْ عِشرِينَ دِرهما". ①

''جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ میں جذعہ (چار سالہ اونٹ) فرض ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو تو اس سے تین سالہ اونٹ قبول کر لیا جائے گا اور وہ ساتھ دو بکریاں اگر آسانی سے میسر ہوں دے گا یا بیس درہم''۔ یعنی ایک بکری کے بدلے دس درہم۔

لیکن آج کل اتنی چاندی میں ایک بکری نہیں خریدی جا سکتی۔ تاہم اس کمی سے اس قسم کے تباہ کن معاشی حالات پیدا نہیں ہوتے رہے جن سے لوگ کاغذی کرنسی کی وجہ سے دو چار ہیں۔ اس لئے ماہرینِ معیشت کی رائے میں کاغذی کرنسی کی قدر میں ہوش ربا تغیر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مہنگائی کے طوفانوں کا ایک ہی حل ہے کہ مالیاتی لین دین کی بنیاد سونے، چاندی کو بنایا جائے۔ چنانچہ آج کل پوری دنیا میں مختلف حلقوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ دوبارہ سونے، چاندی کے سکوں کا نظام رائج کیا جائے۔

ابن مقریزی کے نزدیک بھی نرخوں میں بے تحاشہ اضافے کا حل یہی ہے کہ از سرِ نو ''معیاری قاعدہ زر (Gold Specie Standard)'' کا اِجرا کیا جائے۔ چنانچہ کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ان کی رائے یوں درج ہے:

''نرخوں میں افراتفری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مہنگائی کی موجوں کا علاج صرف یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زر کے استعمال کی طرف لوٹا جائے''۔

ان کے دور میں افراطِ زر کا جو بحران پیدا ہوا تھا، ان کی نظر میں اس کا ایک سبب سونے کی جگہ معدنی سکوں سے لین دین تھا جس سے قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ چنانچہ وہ اس پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

① صحيح بخاري: كتاب الزكوة، باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عنده

''اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے دیں جن کے سپرد اس نے اپنے بندوں کے اُمور کر رکھے ہیں یہاں تک کہ وہ لین دین کو سونے کی طرف لے جائیں اور سامان کی قیمتوں اور اُجرتوں کو دینار اور درہم سے وابستہ کر دیں تو اس سے اُمت کا بھلا اور اُمور کی اِصلاح ہوگی''۔[1]

جبکہ جدید ماہرینِ معیشت کے نزدیک حکومت کا حقیقی پیداوار کو نظر انداز کر کے نوٹ چھاپنا، اشیاء وخدمات کی طلب ورسد کے درمیان عدمِ توازن، اِسراف وتبذیر، تاجروں میں ناجائز منافع خوری کا رجحان اور اشیاء کی پیداواری لاگت میں اضافہ وہ عوامل ہیں جو کرنسی کی قدر میں عدمِ استحکام پیدا کرتے ہیں۔ ان مسائل کو حل کر کے کرنسی کی قدر میں استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ سونے، چاندی کے سکے لازمی شرعی تقاضا نہیں، علاوہ ازیں سونے، چاندی کے سکوں کی پابندی ریاست کے لئے غیر ضروری زحمت کا موجب بھی بن سکتی ہے، ممکن ہے ریاست کے پاس سکے بنانے کے لئے سونے چاندی کے وسیع ذخائر موجود نہ ہوں۔ البتہ جب افراطِ زر کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر جائے تو اس وقت اس کا کوئی معقول حل ہونا چاہیے جیسا کہ علما کی فقہی آراء گزر چکی ہیں۔

زر: اقسام، تاریخ اور احکام

زَر کی دو قسمیں ہیں: ✿ حقیقی ✿ اعتباری

حقیقی زر کا اطلاق سونے، چاندی پر ہوتا ہے۔ سونے چاندی کے علاوہ زر کی باقی تمام اقسام خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں ''اعتباری زر'' کہلاتی ہیں۔ سونے چاندی کو حقیقی زر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی قوتِ خرید فطری ہے، اگر بحیثیتِ زر ان کا رواج ختم بھی ہو جائے تب بھی باعتبارِ جنس ان کی ذاتی مالیت برقرار رہتی ہے۔ جبکہ اگر اعتباری زر کی زری حیثیت ختم ہو جائے تو سونے چاندی کی طرح اس کی افادیت باقی نہیں رہتی۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زَر ہیں۔

[1] الموسوعة الفقهية: 48،49

زر اور کرنسی میں فرق

کرنسی کے مقابلے میں ''زر'' اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، کیونکہ اس میں کرنسی کے علاوہ دوسری اشیاء بھی شامل ہیں جن کو معاشرے میں آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کرنسی کا اطلاق صرف کاغذی زر پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کرنسی کو ادائیگیوں کے لئے قانونی طور پر قبول کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ عام زر میں یہ پابندی نہیں ہوتی۔ تاہم اس اعتبار سے دونوں ایک ہیں کہ زر کی طرح کرنسی بھی آلہ مبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہونے کے علاوہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کرتی اور قابل ذخیرہ ہوتی ہے۔

کرنسی کی تاریخ

سونے، چاندی کے بحیثیتِ زر استعمال ہونے سے قبل دنیا میں ''زرِ بضاعتی'' یا ''اجناسی زر'' (النقود السلعیة) کا نظام رائج تھا۔ اس سسٹم کے تحت ہر خطے کے لوگوں نے اپنے علاقے میں مقبول اور قیمتی شمار ہونے والی اشیاء کو زر کا درجہ دیا۔ بعض علاقوں میں چاول بعض میں چمڑا اور بعض میں چائے زر کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ معروف سعودی عالم جسٹس ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں:

> ''اس نظام میں یہ طے پایا کہ ایسی اشیاء کو زرِ بضاعتی قرار دیا جائے جن میں حسابی وحدت، قیمتوں کی یکسانیت، بحیثیتِ مال جمع کئے جانے کی استعداد اور قوتِ خرید موجود ہو۔ یہ اشیاء نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں مثلاً ساحلی علاقہ جات میں موتیوں کو بطورِ ثمن (زر) استعمال کیا گیا۔ سرد علاقوں میں پشم کو ثمن ٹھہرایا گیا۔ جبکہ معتدل موسم کے حامل ممالک میں آباد لوگوں کی خوشحال زندگی اور آسودہ حالی کی بنا پر خوبصورت اشیاء (مثلاً قیمتی پتھروں کے نگینے، عمدہ لباس، ہاتھی کے دانت اور مچھلیوں وغیرہ) کو کرنسی قرار دیا گیا۔ جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں چاول کو بطورِ کرنسی استعمال کیا گیا جبکہ وسطِ ایشیا میں چائے، وسطی افریقہ میں نمک کے ڈلوں اور شمالی یورپ میں پوستین کو کرنسی قرار دیا گیا''۔ [1]

---

[1] کاغذی کرنسی کی تاریخ، ارتقا اور شرعی حیثیت: ص 10

رومی بادشاہ جولیس سیزر (دورِ حکومت 60 تا 44 ق م) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی فوج کو تنخواہ نمک کی شکل میں ملتی تھی۔ نمک کو لاطینی میں ''سیل'' کہتے ہیں، اسی سے لفظ Salary نکلا ہے جس کا معنی ''تنخواہ'' ہوتا ہے۔

چونکہ اشیاء ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی بھی آسان نہیں ہوتی، اس لئے یہ نظام مستقل جاری نہ رہ سکا۔ لوگوں نے اس کی جگہ سونے چاندی کا استعمال شروع کردیا۔ ابتدا میں سونے چاندی کے وزن کا ہی اعتبار ہوتا تھا۔ سکوں کا رواج بعد میں شروع ہوا۔ سکے کب وجود میں آئے؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ قرآنِ مجید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے دور میں دراہم موجود تھے، کیونکہ ان کے بھائیوں نے اُنہیں دراہم کے عوض بیچا تھا:

{وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ} [یوسف:20]

''اُنہوں نے اس کو انتہائی کم قیمت، جو گنتی کے چند درہم تھے، کے عوض فروخت کردیا۔''

واضح رہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا دور 1910 تا 1800 ق م ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ سونے کا سکہ سب سے پہلے لیڈیا کے بادشاہ کروسس (دورِ حکومت: 560 تا 541 ق م) نے متعارف کرایا۔

عہدِ نبوی ﷺ کی کرنسی

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت عرب میں لین دین کا ذریعہ درہم و دینار تھے، لیکن گنتی کی بجائے وزن کا اعتبار کیا جاتا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ درہم و دینار عرب کے مقامی سکے نہ تھے بلکہ ہمسایہ اقوام سے یہاں آتے تھے۔

درہم ساسانی سکہ تھا جو عراق کے راستے عرب پہنچتا اور لوگ اس کی بنیاد پر باہم لین دین کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ یہ دراہم چونکہ مختلف وزن کے ہوتے تھے، اس لئے جب نصابِ زکوۃ کے لئے درہم کا وزن مقرر کرنے کی نوبت آئی تو مسلمانوں نے ان میں سے متوسط کو معیار بنایا، چنانچہ اسی کو شرعی درہم سمجھا گیا۔ ایک قول کے مطابق یہ کام عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جبکہ

دوسرے قول کے مطابق بنواُمیہ کے دور میں ہوا۔ جو صورت بھی ہو، تاہم آخر کار جس شرعی درہم پر اجماع ہوا وہ وہی ہے جو عبدالملک بن مروان کے دور میں بنایا گیا۔ لیکن فقہاء اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے کہ یہ درہم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا بلکہ مختلف شہروں میں اس کے وزن اور معیار میں کافی تبدیلی آتی رہی ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں اس درہم کا وزن 975.2 گرام چاندی ہے۔ (1)

اسی طرح دینار رومیوں کی کرنسی تھی جو براستہ شام یہاں آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا حتی کہ خلفائے راشدین اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی رومی دینار کو ہی کرنسی کی حیثیت حاصل رہی۔ جب مسندِ خلافت عبدالملک بن مروان کے پاس آئی تو اُنہوں نے زمانہ جاہلیت کے دینار کے مطابق ایک دینار جاری کیا جس کو ''شرعی دینار'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے برابر تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا تھا۔ (2)

معمولی اشیاء کے لین دین میں سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں یعنی تانبے وغیرہ سے بنے سکے جنہیں فُلُوس کہا جاتا ہے، بھی استعال ہوتے۔ جیسا کہ حدیث میں دیوالیہ شخص کے متعلق المُفلِس کا لفظ آتا ہے۔ شارحِ بخاری حافظ ابن حجر اپنی مایہ ناز تالیف ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''شرعی معنوں میں ''مفلس'' وہ شخص ہے جس کے قرضے اس کے پاس موجود مال سے زیادہ ہوجائیں۔ اسے مفلس اس لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے درہم و دینار کا مالک تھا لیکن اب فلوس پر آ گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف معمولی مال (فلوس) کا مالک رہ گیا ہے۔ یا ایسے شخص کو مفلس اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کو فلوس جیسی معمولی چیز میں ہی تصرف کا حق ہوتا ہے، کیونکہ وہ فلوس کے ذریعے معمولی اشیاء کا لین دین ہی کرتے تھے''۔ (3)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی فُلُوس کا تذکرہ موجود ہے:

"فَأَمَرَهَا أَنْ تَشْتَرِيَ بِهِ فُلُوسًا" (4)

''اُنہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اس کے بدلے ''فلوس'' خرید لو''۔

---

(1) الموسوعة الفقهية: 20249 (2) ایضاً (3) 79:5 (4) مسند احمد بن حنبل: مسند الأنصار، حديث ابی ذر (صحیح)

سونے چاندی کے سکے وجود میں آنے کے بعد بھی بعض علاقوں میں مخصوص اشیاء زر کی حیثیت سے استعمال میں رہیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سوڈان گیا تو اس وقت وہاں نمک کے ساتھ ہی لین دین ہوتا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''سوڈان میں نمک بطورِ روپیہ کے چلتا ہے اور سونے چاندی کا کام دیتا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور ان کے ذریعے خرید و فروخت ہوتی''۔ ①

پھر مختلف اسباب کی بنا پر آہستہ آہستہ درہم دینار کا رواج ختم ہوتا چلا گیا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں کرنسی نوٹوں کا ہی دور دورہ ہے کیونکہ یہ آسان ترین ذریعہ مبادلہ ہے۔

نوٹ کب ایجاد ہوئے؟

کہا جاتا ہے کہ اہلِ چین نے 650ء سے 800ء کے درمیان کاغذ کے ڈرافٹ بنانے شروع کئے تھے، انہی ڈرافٹ نے آگے چل کر کرنسی نوٹوں کی اشاعت کا تصور دیا۔ اسی لئے کاغذ کی طرح کرنسی نوٹ بھی اہل چین کی ایجاد شمار ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے کرنسی نوٹ 910ء میں چین میں ایجاد ہوئے۔ ②

ابن بطوطہ جو 1324ء سے 1355ء کے درمیان چین کی سیاحت پر گیا تھا، چین کے نوٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اہل چین درہم یا دینار کے ذریعہ سے خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کے ڈلے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے خرید و فروخت کرتے ہیں۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا کفدست (ایک بالشت) کے برابر ہوتا ہے اور بادشاہ کے مطبع میں اس پر مہر لگاتے

---

① سفرنامہ ابن بطوطہ: 270/2

② الأوراق النقدية في الاقتصاد الإسلامي: ص115

ہیں۔ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جب یہ کاغذ کثرت استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتا ہے تو وہ دار الضرب میں لے جاتے ہیں اور اس کے عوض نیا لے آتے ہیں۔ یہ دار الضرب ایک بڑے درجہ کے امیر کی تحویل میں ہے۔جب کوئی شخص بازار میں درہم یا دینار لے کر خرید و فروخت کرنے جاتا ہے تو وہ درہم یا دینار نہیں چلتے، لیکن وہ درہم یا دینار کے عوض یہ کاغذ لے سکتا ہے اور ان کے عوض جو چیز چاہے خرید سکتا ہے"۔

مشہور مؤرخ ابن مقریزی جب بغداد گئے تھے تو اُنہوں نے بھی وہاں چین کے نوٹوں کا مشاہدہ کیا تھا۔[1]

چین کے بعد جاپان دوسرا ملک ہے جہاں چودھویں صدی عیسوی میں کرنسی نوٹ جاری ہوئے۔یورپ میں پہلا باقاعدہ نوٹ 1661ء کو "سٹاک ہام بینک" آف سویڈن نے جاری کیا۔انگلینڈ نے 1695ء میں کرنسی نوٹ جاری کئے۔ہندوستان میں پہلا نوٹ 5 جنوری 1825ء کو "بنک آف کلکتہ" نے جاری کیا جس کی مالیت دس روپے تھی۔آزادی کے بعد پاکستان میں کرنسی نوٹ یکم اکتوبر 1948ء کو جاری کئے گئے۔

ابتداء میں تو نوٹ کی پشت پر سو فیصد سونا ہوتا تھا، لیکن بعد میں مختلف معاشی وجوہ کے باعث سونے کی مقدار سے زائد نوٹ جاری کئے جانے لگے اور مختلف اَدوار میں یہ تناسب بتدریج کم ہوتا رہا یہاں تک کہ 1971ء سے نوٹ کا سونے سے تعلق بالکل ختم ہو چکا ہے۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

اب نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس بارے میں علماء کی مختلف آرا ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ نوٹ اصل میں اس بات کا دستاویزی ثبوت ہیں کہ حاملِ نوٹ نے اس نوٹ کے

---

[1] الموسوعۃ الفقہیۃ 41:176، 178

جاری کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی وصول پانا ہے۔اس کے حق میں سب سے مضبوط دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نوٹ پر یہ الفاظ تحریر ہوتے ہیں:

''حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''

اس رائے کے مطابق نوٹوں کے ساتھ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں، کیونکہ نوٹ کے ساتھ خریداری کا مطلب حقیقت میں اس سونے یا چاندی کے ساتھ خریداری ہے جو اس نوٹ کی پشت پر ہے اور شرعی اعتبار سے سونے کی سونے یا چاندی کی سونے کے ساتھ بیع میں دونوں طرف سے موقع پر قبضہ شرط ہے جو یہاں مفقود ہے، کیونکہ خریدار نے سونے کے بدلے سونا نہیں دیا بلکہ اس کی رسید دی ہے۔چنانچہ تفسیر ''اضواء البیان'' کے مصنف علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"وأنها سند بفضة وأن المبيع الفضة التي هي سند بها ومن قرأ المكتوب عليها فهم صحة ذلك، وعليه فلا يجوز بيعها بذهب ولا فضة ولو يدًا بيد لعدم المناجزة بسبب غيبة الفضة المدفوع سندها"[1]

''یہ نوٹ چاندی کی رسید ہیں اور بیچی گئی چیز وہ چاندی ہے جس کی یہ رسید ہیں۔جو ان پر لکھی عبارت پڑھے گا وہ اس رائے کا درست ہونا سمجھ جائے گا۔اس رائے کے مطابق نوٹوں کی سونے چاندی کے بدلے بیع چاہے نقد ہو جائز نہیں، کیونکہ جس چاندی کی رسید دی جاتی ہے وہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے موقع پر قبضہ کی شرط نہیں پائی جاتی''۔

جس طرح اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے بدلے سونا چاندی خریدنا جائز نہیں، اسی طرح نوٹوں کے ساتھ مشارکہ یا بیع سلم درست نہیں، کیونکہ اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹ دَین (Debt) کی رسید ہے جبکہ شرعی اعتبار سے شراکت اور سلم میں سرمایہ نقد ہونا ضروری ہے۔علاوہ ازیں یہ رائے اختیار کر کے ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ (منی چینجر کا کاروبار) بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ سونے کے بدلے سونے کی اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ بیع ہو گی جو شرعاً درست نہیں۔

---

[1] اضواء البیان ج 1، ص 207

مگر یہ موقف درست نہیں کیونکہ اب نوٹ قرض کی رسید نہیں رہا جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے بلکہ اب یہ خود قانونی زر بن چکا ہے اور ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ حکومت کوئی بھی چیز بطورِ زر اختیار کر سکتی ہے۔اب نوٹ پر لکھی اس عبارت ''حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''۔کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت اس کی ظاہری قیمت کی ذمہ دار ہے۔جسٹس علامہ عمر بن عبدالعزیز المترک فرماتے ہیں:

''نوٹ رسید نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ گم یا تلف ہو جائے تو اس کا مالک جاری کنندہ سے مطالبہ نہیں کر سکتا خواہ اس کے پاس ہزار گواہ ہوں اور اگر یہ حقیقی رسید ہوتا تو اس کو ضرور یہ اختیار ہوتا، کیونکہ قرض مقروض کے ذمے ہوتا ہے، رسید تلف ہونے سے ضائع نہیں ہوتا''۔ ①

بعض نامور علماء کے نزدیک نوٹ بذاتِ خود سامان (جنس) کی حیثیت رکھتے ہیں۔مشہور مالکی فقیہ علیش مصری کی بھی یہی رائے ہے۔علامہ محمد امین شنقیطی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وممن أفتى بأنها كعروض التجارة العالم المشهور عليش المصري صاحب النوازل، وشرح مختصر خليل، وتبعه في فتواه بذلک كثير من متأخري علماء المالكية" ②

''جن حضرات نے ان کے سامانِ تجارت ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ان میں ''نوازل'' اور ''شرح مختصر خلیل'' کے مصنف مشہور عالم علیش مصری بھی شامل ہیں۔بعد کے اکثر مالکی علماء نے بھی ان کے فتویٰ کی پیروی کی ہے''۔

اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نوٹ قیمت بننے کی صلاحیت سے عاری ہے، کیونکہ یہ نہ سونا ہے اور نہ چاندی، یہ تو سامان کی مانند ہیں۔اس نظریہ کے مطابق ایک نوٹ کا دو نوٹوں کے ساتھ تبادلہ درست ہے۔اسی طرح اس نظریہ کے مطابق نوٹوں میں زکوٰۃ اسی صورت واجب ہوگی جب ان کو فروخت کر کے نفع کمانا مقصود ہو۔یعنی بذاتِ خود ثمن کی بجائے نوٹ سامانِ تجارت قرار پا سکتا ہے۔مزید برآں اس قول کی بنیاد پر نوٹ سے مضاربہ اور بیع سلم بھی جائز نہیں بنتی، کیونکہ یہ قیمت نہیں، سامان ہے۔چونکہ یہ نظریہ خطرناک نتائج

---

① الربا والمعاملات المصرفية في نظر الشريعة الإسلامية ص 321 ② اضواء البیان: ج1 ص 207

کا حامل ہے، اس لئے عصر حاضر کے اہل علم اس کی تائید نہیں کرتے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ نوٹ سونے، چاندی کا متبادل ہیں۔ اگر اس کے پیچھے سونا ہو تو سونے اور اگر چاندی ہو تو چاندی کا متبادل ہوگا۔ ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں:

''اس نظریہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے یہ نوٹ اپنی اس اصل کی طرح ہے جس کے یہ بدل ہیں یعنی سونا اور چاندی، کیونکہ ان کا اصل چاندی یا سونا ان کی پشت پر ان کے زرِ ضمانت کے طور پر موجود ہے اور مقاصدِ شرعیہ کا تعلق تو اصل اور حقائق سے ہے نہ کہ الفاظ اور ان کی بناوٹ سے''۔ ①

اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے باہمی لین دین میں سود کے احکام بھی جاری ہوں گے اور جب یہ دوسو درہم چاندی یا بیس دینار سونے کی قیمت کے مساوی ہوں تو سال کے بعد ان پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ اسی طرح ان کے ذریعے بیع سلم بھی درست ہوگی۔

لیکن یہ رائے بھی کمزور ہے، کیونکہ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ نوٹ کی پشت پر سونا یا چاندی ہے حالانکہ امر واقع میں ایسا نہیں۔ چنانچہ جسٹس علامہ عبداللہ بن سلیمان منیع اس کی خود تردید کرتے ہیں:

''یہ نظریہ بھی حقیقتِ واقعہ کے مطابق نہ ہونے کی بنا پر قابل التفات نہیں، کیونکہ اس کا دارومدار کرنسی نوٹوں کی اصل پر ہے اور اصل جیسا کہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ وہ تو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہے نہیں۔ بلکہ اکثر ممالک کے نوٹ محض ساکھ کی بنا پر، زبانی ضمانتوں اور حکومتوں کے جاری کردہ ہونے کی بنا پر رائج اور قابل قبول ہیں، ورنہ ان کے پیچھے نہ تو سونا ہے نہ چاندی۔ بلکہ کچھ ایسے ہیں جنہیں پراپرٹی کی ضمانت حاصل ہے اور کچھ کو محض اقتدار کی ضمانت۔ لہٰذا یہ نظریہ خلافِ واقعہ ہونے کی بنا پر بہت کمزور ہے''۔ ②

نوٹ کی شرعی حیثیت کے متعلق چوتھی رائے یہ ہے کہ نوٹ دھاتی سکوں (فلوس) کی طرح اصطلاحی زر ہیں جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھا ہے:

① کاغذی کرنسی کی تاریخ ارتقا اور شرعی حیثیت: ص60 ② أیضاً: ص61

"الرابع ما هو سلعة بالأصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس... إلى أن قال إذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة بأصله لأنه قرطاس وثمن بالاصطلاح لأنه يعامل به معاملة الأثمان"①

''مال کی چوتھی قسم وہ ہے جو اصل میں تو مال ہے، لیکن اصطلاحی لحاظ سے زر ہے جیسے دھاتی سکے ہیں... جب یہ معلوم ہو گیا تو، سنونوٹ کا تعلق چوتھی قسم سے ہے جو حقیقت میں سامان ہے کیونکہ یہ کاغذ ہے اور اصطلاحی طور پر زر ہے، کیونکہ اس سے زر جیسا معاملہ کیا جاتا ہے''۔

لیکن یہ رائے بھی قوی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اہل علم کے ہاں دھاتی سکوں میں زر کی بجائے سامان کا پہلو غالب ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء نہ تو کمی بیشی کے ساتھ ان کا تبادلہ مکروہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کو شراکت و مضاربت میں رأس المال بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔نیز ان میں زکوۃ بھی اسی صورت واجب قرار دیتے ہیں جب ان کو فروخت کر کے نفع کمانا مقصود ہو۔جیسا کہ الموسوعة الفقهيةمیں ہے:

"الأصح عند الشافعية والصحيح عند الحنابلة وهو قول الشيخين من الحنفية وقول عند المالكية: أنها ليست أثمانا ربوية وأنها كالعروض"

''امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف رحمہم اللہ اور مالکی فقہاء کا قول، حنابلہ کا صحیح مسلک اور شافعیوں کا صحیح ترین نقطہ نظر یہی ہے کہ دھاتی سکوں میں ربا نہیں ہے بلکہ یہ سامان کی طرح ہیں''۔②

"ذهب جمهور الفقهاء: أبو حنيفة وأبو يوسف والمالكية على المشهور والشافعية والحنابلة إلى أن المضاربة لا تصح بالفلوس لأن المضاربة عقد غرر جوز للحاجة فاختص بما يروج غالبا وتسهل التجارة به وهو الأثمان".③

''امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، مالکی (مشہور مسلک کے مطابق) شافعی اور حنبلی فقہاء کا خیال ہے کہ

---

① كفل الفقيه الفاهم فى أحكام قرطاس الدراهم: ص33

② 32:205 ③ الموسوعة الفقهية: 3846.47

دھاتی سکوں کے ذریعے مضاربہ درست نہیں کیونکہ مضاربہ عقدِ غرر ہے جو ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ انہی چیزوں کے ساتھ خاص رہے گا جو اکثر مروّج ہوں اور ان کے ساتھ تجارت آسان ہو اور وہ نقد میں ہیں''۔ یعنی دھاتی سکے زر نہیں۔

"فذهب الشافعية و الحنابلة إلى أن الفلوس كالعروض فلا تجب الزكاة فيها إلا إذا عرضت للتجارة"۔ ①

''شافعی اور حنبلی فقہاء کی رائے میں دھاتی سکے سامان کی طرح ہیں، چنانچہ ان میں زکوۃ اسی وقت واجب ہوگی جب یہ تجارت کی غرض سے ہوں''۔

ان فقہاء کے نقطہ نظر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی حدیث میں دھاتی سکوں کی زکوۃ کا تذکرہ نہیں ملتا حالانکہ عہدِ نبوی ﷺ میں یہ موجود تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر یہ زر ہوتے تو سونے چاندی کی طرح ان کی زکوۃ کا بھی ذکر ہوتا۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا: ''اس کے فلوس خرید لو''۔ سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ صحابہ کے ہاں دھاتی سکے سامان شمار ہوتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہائے احناف کے نزدیک دھاتی سکے زر ہیں، اسی لئے وہ ان میں زکوۃ بھی واجب قرار دیتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک متعاقدین دھاتی سکوں کو متعین کر کے ان کی زری حیثیت ختم کر سکتے ہیں، اس صورت میں یہ سامان کے حکم میں ہوتے ہیں اور ان حضرات کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ ان کا تبادلہ بھی صحیح ہوتا ہے۔

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء کی نظر میں دھاتی سکے (فلوس) یا تو زر ہی نہیں یا پھر ناقص زر ہیں، اسی لئے وہ ان سے زر کا وصف ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جو صورت بھی ہو بہر حال کرنسی نوٹوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نہ تو دھاتی سکوں کی طرح ان میں سامان کا پہلو غالب ہے۔ یہ تو محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں، ان کی جو حیثیت بھی ہے، وہ ان کی پشت پر حکومتی ضمانت کی وجہ سے ہی ہے اور نہ ہی

---

① ایضا:205.32

متعاقدین کو ان کی زری حیثیت کالعدم کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ یہ قانونی زر ہیں۔

اس سلسلہ میں پانچویں اور آخری رائے یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کی طرح مستقل زر ہے، کیونکہ نوٹوں میں زر کی تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ قیمتوں کا پیمانہ اور قابل ذخیرہ بھی ہیں اور لوگ ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے یہی زر کی حقیقت ہے جیسا کہ ہم شروع میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر آئے ہیں:

''اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کو رائج کر دیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا''۔

اس کا مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کو خواہ وہ چمڑا ہی کیوں نہ ہو بطور زر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تائید امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ''مجموع الفتاوی'' میں ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

"أما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولا شرعي بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح وذلک لأنه في الأصل لايتعلق المقصود به بل الغرض أن يكون معيارًا لما يتعاملون به والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها بل هي وسيلة إلى التعامل بها ولهذا كانت أثمانا بخلاف سائر الأموال فإن المقصود الانتفاع بها نفسها فلهذا كانت مقدرة بالأمور الطبعية أو الشرعية والوسيلة المحضة التي لايتعلق بها غرض لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيف ما كانت" [1]

''اس کا خلاصہ یہ ہے کہ درہم ودینار کی کوئی ذاتی اور شرعی تعریف نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عرف اور اصطلاح سے ہے، کیونکہ درہم ودینار بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ یہ باہمی لین دین کا ذریعہ ہیں۔ اسی لئے یہ قیمت شمار ہوتے ہیں چونکہ باقی اَموال سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا ہے، اس لئے

[1] 252،251:19

ان کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ وہ ذریعہ جس کے مادہ اور صورت سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو وہ جیسا بھی ہواس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے"۔

چونکہ دلائل کے لحاظ سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اور اس پر کئے گئے اعتراضات بھی زیادہ وزنی نہیں، اس لئے دور حاضر کے علماء کی اکثریت و بیشتر مفتیانِ کرام کے فتاوی اور اہم فقہی اداروں کی قراردادیں اسی کے حق میں ہیں۔ جسٹس علامہ عبداللہ بن سلیمان منیع کی بھی یہی رائے ہے۔ ①

سعودی کبار علماء کی مجلس نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔ ②

جسٹس علامہ عمر بن عبدالعزیز المترک بھی اسی قول کے حق میں ہیں۔ چنانچہ وہ مذکورہ بالا آراء اور ان کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"کاغذی زر کے متعلق علماء کی آراء اور ہر ایک کے نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لینے سے ہمیں ان کا قول راجح معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نوٹ مستقل کرنسی ہے اور سونے چاندی کی طرح ان میں بھی سود کے اُحکام جاری ہوتے ہیں۔ ربا، سود اور تلف کی صورت میں ضمان کے مسائل میں ان پر مکمل طور پر سونے چاندی کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے"۔ ③

دیگر اقوال کی خرابیاں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دوسرے اقوال یا تو معاملات میں لوگوں کو مشکل میں ڈال دیں گے یا لین دین کا دروازہ ہی بند کر دیں گے حالانکہ اس کے بغیر چارہ نہیں یا پھر سود کا دروازہ چوپٹ کھول دیں گے اور نقدین کی زکوۃ ضائع کرنے کے حیلوں کا دروازہ کھولیں گے"۔ ④

---

① کاغذی کرنسی کی تاریخ، ارتقاء اور شرعی حیثیت: ص90 ② مجلة البحوث الإسلامية: ع1: ص221

③ الربا و المعاملات المصرفية في نظر الشريعة الإسلامية ص339 ④ حوالہ مذکورہ

البیان

معیشت واقتصاد

قرضوں کی اشاریہ بندی

حافظ عزیز الرحمٰن [1]

کاغذی کرنسی سے پیداشدہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ افراطِ زر(Inflation) کا بھی ہے۔ معاشی تکنیک کے حوالے سے افراطِ زر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اوراس کی جملہ وجوہات کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں، البتہ کاغذی کرنسی اور افراطِ زر کے درمیان جولازمی تعلق ہے، اسے آئندہ سطور کے حوالے سے پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

افراطِ زر کے مسئلے کی کوئی ایک جہت نہیں بلکہ معاشیات کی اصطلاح میں یہ ایک ہمہ جہت مسئلہ ہے۔مثال کے طور پر کاروباری قرضوں، تنخواہوں، امانتوں اور بچتوں سمیت کئی معاملات میں افراطِ زر کے مسائل درپیش ہیں۔ان مسائل پر قابو پانے کے لئے اقتصادی ماہرین جوحل تجویز کرتے ہیں ان میں عام

---

[1] LLB شریعہ

طور پر سب سے مقبول اور سب سے زیادہ کامیاب تصور کئے جانے والے حل کو اشاریہ بندی (Indexation) کہتے ہیں یعنی اشاریہ بندی کے ذریعے افراطِ زر کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسئلے کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

افراطِ زر کے نتائج اور اشاریہ بندی کی تکنیک کو سمجھنے کے لئے اس عام مثال پر غور کریں

زید نے بکر سے 10000 روپے 1990ء میں اس وعدہ پر قرض لئے کہ یہ رقم 1994ء میں واپس کردی جائے گی۔ 1994ء میں جب یہ رقم واپس کی گئی تو قوتِ خرید میں کمی کے باعث 10000 روپے کی رقم حقیقتاً 8000 روپے کے برابر آچکی تھی۔ بالفاظِ دیگر چار سال کے عرصے میں افراطِ زر نے جو صورت اختیار کی اس کی وجہ سے 10000 روپے رقم کی حقیقی قیمت میں کمی واقع ہوئی اور اس کے نتیجے میں بکر کو (قوتِ خرید میں کمی کے باعث) 2000 روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔

معاشیات میں اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اشاریہ بندی کا طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے، یعنی ''معاشی تخمینہ لگا کر ایسا توازن بروئے کار لانا جس کی وجہ سے قوتِ خرید میں جو کمی ایک مقررہ مدت کے درمیان واقع ہوئی ہے اس کو دور کیا جائے'' یہ حل اشاریہ بندی کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا تکنیک اشاریہ بندی کی مکمل تعریف نہیں بلکہ اس کی تفہیم کے لئے ایک مثال ہے۔ اشاریہ بندی کی مخصوص تعریف کا ذکر آگے ہوگا جہاں اس کے لئے استعمال میں آنے والے طریقہ ہائے کار کی بھی وضاحت کی جائے گی۔

اشاریہ بندی (Indexation) کیا ہے؟

پال۔ اے سموئل سن (Paul A.Samuelson) کے مطابق

"{Indexation is} a mechanism by which wages, prices and contracts are partially or wholly adjusted to compensate for changes in the general price level". (1)

---

(1) پال اے سموئل سن، اکنامکس، 1992ء سنگاپور، ص 738

"اشاریہ بندی ایک ایسا طریقہ کار ہے جس کے ذریعے قیمتوں کی عام سطح میں تبدیلیوں کی تلافی کرنے کے لئے تنخواہوں، قیمتوں اور معاہدات میں جزوی یا کلی توازن پیدا کیا جاتا ہے"۔

جبکہ جے ایل ہانسن (J.L. Hansan) کے مطابق:

"A System of relating income especially from investment the retail price index in a time of inflation in order to offset the fall in the value of money". [1]

"ایک ایسا نظام جس میں بالخصوص سرمایہ کاری سے حاصل ہونیوالی آمدن کا افراطِ زر کے وقت قیمتوں کی پرچون سطح سے اس طرح تعلق قائم کرنا تاکہ روپے کی قدر میں کمی کا ازالہ کیا جاسکے"

مندرجہ بالا دونوں اور اسی نوعیت کی دیگر تعریفات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ افراطِ زر کی بنا پر تنخواہوں، قیمتوں اور معاہدات کو جو خطرات لاحق ہوتے رہتے ہیں ان سے پیدا شدہ نقصانات کو دور کرنے کے لئے جو طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے اسے اشاریہ بندی کہتے ہیں۔

کرنسی کی قوتِ خرید میں کمی کے علاج کے لئے ہر حل "اشاریہ بندی" نہیں کہلاتا: یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ اشاریہ بندی کے لئے چند مخصوص طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ افراطِ زر سے قوتِ خرید میں جو کمی واقع ہوتی ہے اس کے علاج کے لئے تجویز کردہ ہر طریقے کو اشاریہ بندی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ سپریم کورٹ میں حافظ عبدالرحمن مدنی کے بیان کے حوالے سے جو غلط فہمی انجینئر سلیم اللہ اور بعض دوسرے حضرات کو لاحق ہوئی ہے، وہ دراصل اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ افراطِ زر کا ہر ممکنہ حل اشاریہ بندی کی طرف جاتا ہے۔ اس بارے میں مضمون کے آخر میں چند گذارشات پیش کی جائیں گی، فی الوقت اس نکتہ کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرضوں کی اشاریہ بندی............بنیادی مسئلہ

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ اشاریہ بندی نے تنخواہوں، امانتوں اور قرضوں سمیت کئی معاملات کو

---

[1] جے ایل ہانسن، ڈکشنری آف اکنامکس اینڈ کامرس، پانچویں اشاعت، لندن ص 255

اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ جہاں تک تنخواہوں وغیرہ کا تعلق ہے، اس ضمن میں ہر سال افراطِ زر کا تخمینہ لگا کر تنخواہوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ اسلامی نظامِ پیداوار میں مزدور کی اجرت اور سرمائے کو برتنے کے پیمانے مختلف ہیں۔ یعنی مزدور کو مقررہ تنخواہ دی جاسکتی ہے اور اس میں حسبِ حال مخصوص اضافہ بھی کیا جاتا ہے جبکہ سرمائے کے لئے متعین، لازمی منافع طے کرنا جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اشاریہ بندی کا مسئلہ تجارتی قرضوں کے حوالے سے زیادہ اہم ہے اور عام طور پر بنکوں کے حوالے سے جب افراطِ زر اور اشاریہ بندی کی بات ہوتی ہے تو اس سے قرضوں کی اشاریہ بندی ہی مراد ہوتی ہے، آئندہ سطور میں اشاریہ بندی کے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں بحث کا اصل محور ''قرضوں کی اشاریہ بندی'' ہی ہے۔

کاغذی کرنسی ... شرعی حیثیت

چونکہ دورِ حاضر میں افراطِ زر کا بڑا مسئلہ براہِ راست کاغذی کرنسی کا پیدا کردہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کاغذی کرنسی کی اصل حیثیت کا تعین کر لیا جائے۔ جب سے اشاریہ بندی کا معاملہ سامنے آیا ہے، کاغذی کرنسی کی اصل حیثیت کی بحث بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ اس ضمن میں متعدد ملکوں کی فقہ اکیڈمیوں نے اپنے اپنے طور پر سیمینار منعقد کروائے اور مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں کسی تفصیل میں جائے بغیر سامنے آنے والی ان نمائندہ آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے:

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں علمائے کرام میں مندرجہ ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں سب سے جامع بحث مکہ مکرمہ ہائیکورٹ کے جسٹس ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان المنیع نے عربی زبان میں کی ہے۔ تفصیل کے شائقین اصل کتاب کی طرف رجوع کریں [1] جس کا اردو ترجمہ بھی پاکستان میں کاغذی

---

[1] ڈاکٹر عبداللہ المنیع نے کرنسی کے بارے میں مستقل ثمن ہونے کا کوئی پانچواں نظریہ قائم نہیں کیا ہے بلکہ چوتھے نظریہ بدل/ قائم مقام کو ہی صحیح تر قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: صفحہ 61)۔ کیونکہ اگر کرنسی کو کسی کیونکہ اگر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کرنسی کی تاریخ ارتقاء اور شرعی حیثیت کے نام سے فضلی سنز لمیٹڈ اردو بازار، کراچی نے شائع کیا ہے۔

1 کرنسی نوٹ بحیثیت دستاویز

اس نظریے کے مطابق کرنسی نوٹ جاری کنندہ کی طرف سے (ادھار کی) دستاویز ہے اور شرعی احکامات لگاتے وقت اس کے اس کردار کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

2 نظریہ عروض

بعض ماہرین نے یہ رائے پیش کی ہے کہ کرنسی نوٹ عروضِ تجارت میں سے ایک عرض ہے یعنی اس کی حیثیت سامان کی سی ہے۔ چنانچہ سامانِ تجارت کے شرعی احکام اس پر لاگو ہوں گے۔

3 کرنسی نوٹ کا معدنی سکوں سے الحاق

اس نظریہ کے حاملین کے مطابق کرنسی نوٹ اسلامی قرونِ وسطی کے فلوس سے مشابہت رکھتے ہیں اور

ﷺ کرنسی کو کسی قیمتی شے (Commodity) کی نمائندگی سے نکال کر مستقل حیثیت دے دی جائے تو کرنسی خود مال متقوم (Commodity) بن جائے گی جو تیسرا نظریہ ہی ہے۔ البتہ تعبیر کا فرق صرف اتنا ہوگا کہ اگر کرنسی کی تجارت ہوگی تو وہ سامان تجارت (عروض) ہوگی اور اگر کرنسی ذریعہ تبادلہ (Exchange) ہوگی تو اسے ثمن ہی کہا جائے گا۔
(الف) کرنسی کو اگر مستقل حیثیت دے دی جائے تو اس پر زکوۃ کی بنیاد کا سوال پیدا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کی زکوۃ کے لئے پھر سونا چاندی یا کسی جنس کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ کرنسی انہی اشیاء کی نمائندہ ہے اور وہ اصل ہیں، گویا کرنسی کی کوئی مستقل حیثیت نہ ہوئی۔ شرعی اعتبار سے بھی قیاس، کسی اصل کی فرع ہونے کی بناء پر ہوتا ہے۔
(ب) فقہائے اسلام کے نزدیک کرنسی پر مشروط اضافہ اس وجہ سے بھی سود قرار پاتا ہے کہ کرنسی خود قیمتی شے (commodity) نہیں ہوتی اسی لئے باریک بین اقتصادی ماہرین نے اسے سرمایہ (Capital) تسلیم نہیں کیا جب تک کہ وہ مال متقوم میں تبدیل نہ ہوجائے چنانچہ اسلام نے کرنسی کو مال متقوم بنانے کی تدبیر بتادی ہے جو مضاربت و مشارکت کی شکل ہے چنانچہ اس صورت میں اس پر نفع کی نسبت طے کی جاتی ہے۔ ایسی ہی صورت تجارتی یا صنعتی حصص (Shares) کی خرید وفروخت میں بھی ہوتی ہے جو مال متقوم ہونے کی بنا پر ہی جائز معاملہ ہے اور مرابحہ کی ایک شکل ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

فلوس کی قیمتوں میں تغیر وتبدل کے حوالے سے فقہاء کرام کی آراء کرنسی نوٹوں پر بھی لاگو تصور کی جائیں گی۔

4 نظریہ بدل

اس مؤقف کے حامی ماہرین کے مطابق کرنسی نوٹ اپنے اصل کا عوض یا بدل ہیں اور ان کا اصل سونا، چاندی یا کوئی قیمتی شے (Commodity) ہے۔ یعنی کرنسی اصل کی نمائندہ ہے۔

5 ثمن حقیقی

اس نظریے کے مطابق سابق تمام نظریات کے برعکس کرنسی نوٹوں کی ثمنیت کسی خارجی شے پر موقوف نہیں بلکہ اب یہ مستقل ثمن حقیقی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور ان پر شرعی احکامات بھی اسی لحاظ سے وارد ہوں گے۔

(ج) کرنسی کو کسی (commodity) سے کاٹ کر بے بنیاد (مستقل) کر دینا جن سپر قوتوں کا کام ہے، سپریم حیثیت کی بنا پر ان کا وہ اقدام دنیا میں تسلیم تو کر لیا گیا ہے لیکن درحقیقت وہ ایک غلطی (Default) ہی ہے کیونکہ شریعت، وقوعہ اور حقیقت میں فرق کرتی ہے۔ مثلاً زنا، قتل اور ڈکیتی وقوعہ تو ہوتے ہیں لیکن حق نہیں ہو سکتے بلکہ باطل حرکتیں ہیں۔ اسی طرح بے بنیاد کرنسی ایک باطل اقدام ہے۔

(د) کرنسی کی ظاہری قدر و قیمت اقتدار کی پشت پناہی کی وجہ سے ہوتی ہے یا دوسرے لفظوں میں کسی قوت کی ضمانت کی بنیاد پر۔ اقتدار کوئی مستقل شے نہیں ہوتی بلکہ بدلتی چھاؤں ہے۔ اسی طرح ضمانت ایک ذمہ داری تو ہے لیکن ضمانت کوئی قیمتی شے نہیں گویا کرنسی صرف ایک زرِ اعتبار ہے، حقیقی مالِ متقوم نہیں ہے۔

(ھ) مختلف کرنسیوں کو الگ الگ ثمن قرار دینا بھی درست امر نہیں ہے کیونکہ بین الاقوامی سطح پر ان کا تبادلہ کسی قیمت (Value) کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے مثلاً اگر ڈالر کی کھلی مارکیٹ میں قیمت تبادلہ 60 روپے ہو تو اسے بے حساب یعنی سو یا پانچ سو روپے پاکستانی کے بدلے خرید و فروخت کرنا درست نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر ترقی پذیر ملکوں کی کرنسی کی Devaluation ہو جائے تو قرضوں کی ادائیگی کے وقت قرض کی مقدار میں بے محابا اضافہ نہیں ہو سکتا، اس کے بھی ضوابط و اصول ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں اصل اہمیت Open Market کی ہوتی ہے Bank Transaction کی نہیں کہ اس میں مالیاتی اداروں کے اپنے مفادات شامل ہوتے ہیں۔ (محدث)

کرنسی نوٹوں کے بارے میں یہ نمائندہ آراء عبداللہ بن سلمان المنیع نے پیش کی ہیں اور ہر رائے کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ مندرجہ بالا آراء میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرنے کے جو نتائج وعواقب یا شرعی اشکال وارد ہو سکتے ہیں، انہوں نے ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ نیز صاحب کتاب نے مؤخر الذکر رائے کو علمی غور وخوض کے بعد قبول کر لیا ہے۔ اس ضمن میں اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ، اسلامی ترقیاتی بینک، بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی اقتصادیات اسلام آباد اور اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے منعقد کردہ سیمینارز اور قرار دادیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ (1)

پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت نے سود کے خلاف جو فیصلہ دیا تھا اس میں اس پہلو پر بھی بحث کی گئی تھی کہ فقہاء نے قیمتوں میں ردوبدل کے حوالے سے لین دین کی جو شروط پیش کی ہیں، آیا ان سے اشاریہ بندی کے جواز کا کوئی پہلو برآمد ہوتا ہے کہ نہیں؟ چنانچہ علامہ ابن عابدین، ابنِ قدامہ اور فتاوی عالمگیری کے متعدد حوالہ جات سے اس تاثر کو زائل کیا گیا تھا کہ فقہاء کرام کی بعض تحریریں اشاریہ بندی کا جواز لئے ہوئے ہیں۔ (2) یہ تفصیل کا موقع نہیں، اس پہلو کو پیشِ نظر رکھنے کے لئے صرف اشارہ مقصود تھا۔

قرضوں کی اشاریہ بندی کی شرعی حیثیت

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اشاریہ بندی کا اصل تعلق کاغذی کرنسی کی فقہی حیثیت کے تعین کے ساتھ ہے، چنانچہ اس سلسلے میں علماء اور ماہرین معیشت کو دو واضح گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

اول: اس گروہ میں وہ علماء اور دانشور شامل ہیں جو اشاریہ بندی کے قائل ہیں، ان میں رفیق مصری، سلطان ابوعلی، ایم اے منان، ضیاء الدین احمد، سلیم چشتی، عمر زبیر، گل محمد، مولانا محمد طاسین اور دیگر کئی علماء شامل ہیں۔ (3)

---

(1) مجموعہ سفارشات سیمینار بابت اشاریہ بندی اور اسلامی معیشت پر اس کے اثرات، اپریل 1987ء

(2) محمود الرحمن فیصل بنام سیکرٹری منسٹری آف لاء، پی ایل ڈی 1992ء، ص 152 سے آگے

(3) محمد طاہر منصوری، فکر ونظر، ج 33 شمارہ 25، اکتوبر/ دسمبر 1995ء، ص 68،67، استادِ محترم منصوری صاحب نے تفصیلی حوالہ جات نقل کئے ہیں۔

دوم: اس گروہ میں وہ علماء/ دانشور شامل ہیں جو اشاریہ بندی کے مخالف ہیں اور متعدد وجوہ کی بنا پر اسے ناجائز بتلاتے ہیں ان میں محمد عمر چھابرا، حامد اللہ کاف، محمد نجات اللہ صدیقی، محمد حسن الزمان، مولانا تقی محمد عثمانی، علی احمد سالوس اور دیگر کئی علماء اور ماہرین معیشت شامل ہیں۔① اسی نقطہء نظر کو مختلف ممالک کی اسلامی فقہ اکیڈمیوں نے بھی اختیار کیا ہے۔② اسلامی معیشت کے عام ماہرین اور اساتذہ کی رائے میں یہی راجح ہے۔ ذیل میں ہم ہر دو فریقین کے دلائل کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

مجوزین کے دلائل

قرضوں کی اشاریہ بندی کے حامی مندرجہ ذیل دلائل سے استفادہ کرتے ہیں :

کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں مجوزین کا نقطہء نظر: وہ تمام حضرات جو کاغذی کرنسی کو ثمن حقیقی قرار نہیں دیتے بلکہ دیگر آراء میں سے کسی رائے کے حامی ہیں، وہ کسی حد تک اشاریہ بندی کے حامی ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ سب ہی اشاریہ بندی کے حامی ہوں مگر عام طور پر یہ اشاریہ بندی کے حامی اور قائلین انہی آراء کے حامل نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ موقف اختیار کیا جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی ثمن حقیقی کی حیثیت اختیار کر گئی ہے تو اشاریہ بندی کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے، اس ضمن میں وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔

❶ چنانچہ قائلین اشاریہ بندی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب کاغذی کرنسی کی ثمنیت کسی اور چیز پر موقوف ہے تو افراطِ زر کے نتیجے میں وہ دوسری شے بنیاد بن سکتی ہے اور اس کو بنیاد بنا کر قوتِ خرید میں جو کمی واقع ہوئی ہے، اس کے نقصان کی تلافی ممکن ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ رائے درست نہیں، کیونکہ کاغذی کرنسی کے ضمن میں راجح رائے یہی ہے کہ وہ

---

① محولہ بالا

② مثال کے طور پر دیکھئے: مجموعہ سفارشات سیمینار برائے اشاریہ بندی 1998ء، اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرار دادیں (1994ء/1995ء) اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی رپورٹ 1980ء، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے مذکورہ موضوع پر خصوصی سیمینار کی روداد۔

ثمن حقیقی ہے۔ اس راجح رائے کو قبول کرنے سے یہ سارا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ بنابریں اگراس راجح رائے کو نہ لیا جائے بلکہ کسی دوسری رائے مثلاً نظریہ بدل کوقبول کیا جائے (جیسا کہ مولانا مدنی نے اپنے بیان میں کہاہے) توبھی اشاریہ بندی ایک لازمی حل کے طور پرسامنے نہیں آتی، بلکہ کسی دوسرے قابلِ قبول اور منصفانہ حل کوتلاش کیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ بقول مولانامدنی اشاریہ بندی استحصالی ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے اوراس ضمن میں جوطریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے وہ نہ صرف غیر معقول بلکہ بہت حد تک ظالمانہ ہے۔

2 اشاریہ بندی کے قائلین کے دیگر جملہ دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی اَحکامات عدل وانصاف کے بارے میں واضح ہیں۔افراطِ زر سے ناانصافی جنم لیتی ہےاوراس کے ساتھ ہی ظلم کاعنصر نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے، چنانچہ ''لاضرر ولاضرار'' کے قاعدے کے تحت اِشاریہ بندی کوقبول کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ یہ واضح ہے کہ افراطِ زر سے ناانصافی اور ظلم کا باب کھلتا ہے، مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ایک ظلم کوختم کرنے کے لئے دوسرا ظلم شروع کردیا جائے۔اشاریہ بندی کا نظام بذاتِ خوداس حدتک ظالمانہ اورغیر منصفانہ ہے کہ اس کوکسی مثبت حل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔''لاضرر ولاضرار'' کا قاعدہ بھی یہاں لاگو نہیں ہوتا کیونکہ افراطِ زر سے اگر دائن (قرض دینے والے) کوضررلاحق ہوتا ہےتواشاریہ بندی سے یہ ضرر مدین (قرضدار) کی طرف منتقل ہونے کا خطرہ ہے۔

قائلین اشاریہ بندی کے جملہ دلائل کا خلاصہ یہی ہے اورعام فہم شخص بھی یہ محسوس کرسکتا ہے کہ افراطِ زر سے جومسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی نشاندہی کی حدتک تو یہ نقطہ ءنظر بالکل درست ہے۔مگر جہاں تک علاج کاتعلق ہے وہاں سے ایک دوسری غلطی کا آغاز ہوجاتا ہے۔

مانعین کے دلائل

اشاریہ بندی کے مخالفین کے دلائل کونوعیت کے اعتبار سے دواقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

اول: اشاریہ بندی کے تکنیکی اوراقتصادی نقصانات

ڈاکٹرحسن الزمان نے اشاریہ بندی کی مخالفت میں وفاقی شرعی عدالت میں جو بیان دیا تھا، اس میں

مندرجہ ذیل عقلی دلائل شامل تھے۔ (1)

1 کرنسی کی قیمت ایک اضافی اصطلاح ہے، اس سے کرنسی کی اصل یا اندرونی خصوصیات کا اظہار نہیں ہوتا اور نہ ہی کرنسی کی قیمت کا دارومدار ہمیشہ اس کی ذاتی خصوصیات پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کئی مرتبہ یہ قیمت طلب ورسد کے نظام میں کسی تبدیلی کی بنیاد پر کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں اشاریہ بندی سے اس کا علاج .... جس کا براہِ راست تعلق کرنسی سے ہے .... کسی طور پر درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں خرابی کے ذمہ دار عناصر خارجی ہیں۔

اور پھر یہ بھی کہ کرنسی کے نظام میں خرابی یا افراطِ زر کے ذمہ دار عناصر کا ٹھیک طور پر تعین ممکن نہیں۔ اس لئے آنکھیں بند کر کے اشاریہ بندی کو بطورِ حل استعمال کرنا .... جبکہ اس کے استعمال کا محل ہی نہیں .... کسی طور پر مناسب نہیں۔

2 اشاریہ بندی کے پس منظر میں یہ مقصد کارفرما ہے کہ قوتِ خرید میں کمی کے باعث دائن کو جو نقصان مستقبل میں لاحق ہوگا اس کی تلافی کی جائے۔ یہ مستقبل قرض کی ادائیگی کے وقت سے نہیں بلکہ فوری طور پر شروع ہوجاتا ہے۔ اشاریہ بندی کے لئے مستقبل میں قوتِ خرید میں ہونے والی کمی کو مدنظر رکھا جاتا ہے حالانکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کرنسی کی متوقع قوتِ خرید کو بھی یقینی بنایا جائے۔ یہ ایک ایسی شرط ہے کہ اس پر عمل تقریباً ناممکن ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ دعویٰ کہ اشاریہ بندی میں عدل وانصاف مضمر ہے خود ہی باطل ہوجاتا ہے۔

3 اشاریہ بندی کے لئے جو طریقہ کار عام طور پر متداول ہے وہ بھی ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ اس کے لئے صارف کی ٹوکری کا (Consumer's Basket) طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے، صارف کی اس ٹوکری میں کئی ایسی اشیاء شامل ہیں جن کا عام صارف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس طرح اشاریہ بندی کا نظام کئی لوگوں کے لئے غیر منصفانہ حمایت کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

---

(1) پی ایل ڈی 1994ء، ص 130 نیز حسن الزماں، اشاریہ بندی، ایک اسلامی نقطہ نظر، جریدہ برائے اسلامی معیشت، ج 2، شمارہ 2، ص 49۔

4 بچتوں کے حوالے سے اشاریہ بندی کا طریقہ اور زیادہ مضحکہ خیز تصور پیش کرتا ہے۔ تمام بچت کنندگان کی بچتوں (Consumer's Basket) کے حوالے سے برتا جاتا ہے اور اس طرح بزعم خویش نقصان کی تلافی کی جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتنے بچت کنندگان ایسے ہیں جو (Consumer's Basket) خریدنے کے لئے بچت کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں! ایک ایسا شخص جو سونا خریدنے کے لئے بچت کررہا ہے، اس کی بچت کردہ رقم کی قوتِ خرید میں ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے (Consumer's Basket) کو معیار بنانا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے شخص کے لئے تو منصفانہ قدم یہ ہے کہ (Consumer's Basket) کے بجائے سونے کو معیار بنایا جائے۔ علی ہذا القیاس ہر بچت کنندہ کے اپنے مقاصد ہیں۔ ہر بچت کے پس منظر میں کارفرما مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاریہ بنانا یقیناً ناممکن ہے۔ سو اشاریہ بندی کا یہ نظام فائدہ مند نہیں۔

5 اس پر مستزاد یہ کہ قرض دینے کا عمل افراطِ زر کا باعث نہیں بنتا بلکہ عام طور پر بچتوں کا عمل افراطِ زر کے پس منظر میں کارفرما ہوتا ہے۔ چنانچہ قرض دار سے اشاریہ بندی کی بنا پر زائد رقم لینا بذات خود ایک غیر منصفانہ قدم ہے۔

6 قیمتوں میں تغیر و تبدل ایک لازمی امر ہے۔ خاص کر ایک ایسے معاشرے میں جہاں معاشی تبدیلیاں زیادہ کارفرما ہوں وہاں قیمتوں میں یکسانیت اور وہ بھی ایک طویل مدت کے لئے ناممکن ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں ترقی کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں تغیر و تبدل لازمی امر بن جائے وہاں اشاریہ بندی ناقابل عمل بن جاتی ہے۔

7 اشاریہ بندی کے حامی معیشت کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ جہاں افراطِ زر کے عمل کو ہمیشگی اور دوام حاصل رہے۔ جب کہ عقل کا تقاضہ ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے رکھا جائے یعنی تفریطِ زر کے دوران اشاریہ بندی کا کردار کیا ہوگا؟ اس پر تا حال خاموشی ہے۔

8 افراطِ زر کے باعث نقدی کی جملہ خصوصیات متاثر ہوتی ہیں مگر اشاریہ بندی ان میں سے صرف چند ایک کا علاج کرتی ہے اور باقی کو اسی طرح چھوڑ جاتی ہے مثلاً (Store of value) کا علاج تو اشاریہ بندی سے ممکن ہے مگر (Measure of value) کا مسئلہ جوں کا توں برقرار رہتا ہے۔

9 جیسا کہ زیادہ تر بلاسودی قرضے غیر پیداواری ہوتے ہیں چنانچہ نقصان کی تلافی کے لئے مدین (دَین دار) سے رجوع کرنا غیر منصفانہ ہوگا۔

10 اگر افراطِ زر کی شرح، منافع کی شرح سے زائد ہوجائے گی تو بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے قرضوں کے کھاتے قبول کرنے سے احتراز کریں گے۔ نیز ایکویٹی Equity کی بنیاد پر رقوم کی فراہمی میں بھی تعطل پیدا ہوجائے گا۔

11 اشاریہ بندی کے عمل کو اگر عام کردیا گیا تو معاشرے میں ایک ہی کرنسی کی مختلف قیمتیں رائج ہوجائیں گی۔ یعنی کاروباری مقصد کے لئے مختلف قیمت، اشاریہ بندی کے لئے مختلف قیمت، افراطِ زر کے دوران ایک نئی قیمت، غرض یہ کہ بنیادی یونٹ ہونے کے ناطے کرنسی کی جو اہمیت ہے وہ ختم ہوکر رہ جائے گی۔

یہ تو اشاریہ بندی کے وہ نقصانات تھے جو اقتصادی اور عقلی نقطہ ءنظر سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شرعی نقطہ ءنظر سے سب سے اہم اعتراض اس حوالے سے یہ ہے کہ اشاریہ بندی کا عمل سود سے مماثلت رکھتا ہے۔ یعنی اس میں ربا الفضل کا عنصر پایا جاتا ہے۔

دوم: اشاریہ بندی اور ربا الفضل

اشاریہ بندی پر سب سے زیادہ سنگین اعتراض شرعی نقطہ ءنظر سے یہ ہے کہ اس میں ربا الفضل کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر علماء کرام کی اکثریت نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر منصوری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”کیونکہ یہ شریعت کا غیر متنازع فیہ اصول ہے کہ قابلِ مبادلہ شے اس کی مثل کی صورت میں واپسی کی جائیگی، یہ مثلیت جنس کے ساتھ ساتھ وزن ومقدار میں برابری کی شکل میں ہوگی۔ کاغذی نوٹ بھی، جو تمام علماء کرام کے متفقہ فیصلہ کی رو سے درہم ودینار کے مشابہ ہیں، اس اصول کے تابع ہوں گے اور ان کا مبادلہ چاہے صرف کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں، مقدار میں برابری کی بنیاد پر ہوگا، مقدار کی اس مثلیت سے ذرا بھی انحراف ربا الفضل کے زمرے میں آئے گا“ [1]

---

[1] محمد طاہر منصوری، فکر ونظر، ج33، شمارہ2، اکتوبر/دسمبر 1995ء، ص68۔

طرزِ استدلال بالکل واضح اور صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ اس باب میں اصل ہے اور اگر اشاریہ بندی پر اس کا انطباق کیا جائے تو نتیجہ ربا الفضل کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ ربا الفضل اور اشاریہ بندی کے باہمی رشتے کے بارے میں محققین نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں جن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات اصل مباحث کو دیکھ سکتے ہیں ۔ اشاریہ بندی میں ربا الفضل سے مشابہت کا جو پہلو ہے اس کے پیشِ نظر اسلامی نظریاتی کونسل (1) اور وفاقی شرعی عدالت نے بھی قرضوں کی اشاریہ بندی کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔ نیز یہ سلسلہ اب کسی حد تک اجماعی شکل اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔ اسلامی ترقیاتی بینک جدہ اور انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اکنامکس اسلام آباد کے زیر اہتمام اشاریہ بندی کے موضوع پر منعقد سیمینار ۱۹۸۷ء نے قرار دیا تھا کہ:

''ربا اور قرض کی احادیث میں مذکورہ یکسانیت اور مساوات سے وزن، پیمائش اور مقدار کی مساوات مراد ہیں، مالیت کی برابری مراد نہیں۔ یہ بات متعلقہ احادیث سے بھی ظاہر ہے جن میں اموالِ ربویہ کے لین دین میں ان کی قدر کو مدنظر رکھا جاتا۔ اس نکتہ پر امت کا اجماع ہے (2) اور اس پر اسی طرح عمل ہوتا چلا جارہا ہے۔'' (3)

چنانچہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ربا الفضل کے پہلو کی بنا پر اشاریہ بندی ناجائز ہے۔

---

(1) اسلامی نظریاتی کونسل نے، افراطِ زر کی وجہ سے جو اقتصادی مشکلات پیدا ہوتی ہیں، ان کا ایک حل مزدور کی تنخواہ کم از کم ایک تولہ سونا کے برابر کرنے کی سفارش کی ہے، اسی طرح عام لین دین میں بھی کرنسی کے اتار چڑھاؤ کا علاج اسے سونے سے وابستہ کر دینا تجویز کیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل 54 مطبوعہ 1996ء (محدث)

(2) مجمع فقہ اسلامی جدہ کے جس اجتماع کی قرارداد کی بنیاد پر اشاریہ بندی کے خلاف اجماع کی بات کی جارہی ہے۔ اس اجتماع کے بارے میں اس حد تک تو بات درست ہے کہ اس اجتماع میں اشاریہ بندی کے حل کو مسترد کر دیا گیا تھا تاہم اس اجتماع کی قرارداد صرف اکثریتی تھی اتفاقی نہیں تھی کیونکہ اسی اجتماع کے شرکاء میں سے ہی ڈاکٹر سلیمان الاشقر، ڈاکٹر عجیل نشمی وغیرہ اس قرارداد کے حق میں نہ تھے، لہذا قرارداد کو اکثریتی کہنا ہی زیادہ مناسب ہے، اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو مجلہ الفقہ الاسلامی .... (محدث)

(3) مجموعہ سفارشات سیمینار بابت اشاریہ بندی، اور اسلامی معیشت پر اس کے اثرات، اپریل 1987ء۔

سوم: غرر اور جہالت

شرعی نقطۂ نگاہ سے اشاریہ بندی پر دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ اس میں غرر اور جہالت کا عنصر نمایاں ہے اور معلوم ہے کہ ایسے تمام عقود باطل ہیں جن میں غرر اور جہالت کا عنصر موجود ہو۔ اشاریہ بندی میں ایک عوض کو مستقبل کے حوالے سے مجہول چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر غرر اور جہالت لازم آتے ہیں۔

ممکنہ حل

اشاریہ بندی سے قطع نظر ماہرین نے افراطِ زر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقے وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔

❶ فہیم خان کا پیش کردہ حل

افراطِ زر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے فہیم خان نے گولڈ اکاؤنٹ کا نظریہ متعارف کرایا ہے۔[1] اس سلسلے میں وہ بینکوں میں رقوم جمع کروانے اور بینکوں سے قرض لینے کے عمل میں تفریق کرتے ہیں۔ جہاں تک رقوم جمع کروانے کا تعلق ہے اس سلسلے میں فہیم خان کہتے ہیں کہ جب بینک رقم لے، اس وقت سونے کی مروجہ قیمت کے مطابق اسے تبدیل کر لے اور مودِع (Creditor) جب اپنی رقم نکلوائے تو اس سونے کی قیمت کے حساب سے رقم نکلوائے، مثلاً زید نے 1990ء میں بینک میں اتنی رقم جمع کروائی کہ اس سے 100 گرام سونا خریدا جا سکتا تھا۔ اب 1995ء میں زید جب یہ رقم نکلوانا چاہتا ہے تو اسے اتنی رقم واپس کی جائیگی کہ اس سے 100 گرام سونا خریدا جا سکے، قطع نظر اس حقیقت سے کہ ظاہری طور پر یہ رقم جمع شدہ رقم سے زیادہ ہے یا کم۔

جہاں تک بینکوں سے قرض لینے کا تعلق ہے، اس ضمن میں فہیم خان قرضوں کو دو گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی:

---

[1] محمد فہیم خان، قرضوں کی اشاریہ بندی، اسلامی نقطۂ نظر سے چند نظری مباحث (انگریزی) پیش کردہ برائے سیمینار بابت اشاریہ بندی (1987ء) ص25۔

● تجارتی قرضے　　　　❷ گھریلو قرضے

تجارتی قرضوں کے ضمن میں وہ یہ حل پیش کرتے ہیں کہ اس سارے نظام کو شراکت کی بنیاد پر حل کیا جائے۔ البتہ گھریلو قرضوں کے لئے بینکوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ ایسے قرضے قرضِ حسنہ کی صورت میں جاری کئے جائیں اور اگر بینک اس کے لئے آمادہ نہ ہوں تو اس ضمن میں گولڈ اکاؤنٹ والا طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جائزہ: فہیم خان کی یہ تجویز اپنی نوعیت کے اعتبار سے کوئی نئی تجویز نہیں۔ اشاریہ بندی کے وسیع تر مفہوم کے قائلین اسے بھی اشاریہ بندی قرار دیتے ہیں۔ البتہ اشاریہ بندی کو چند مخصوص طریقہ کار تک محدود سمجھنے والے اسے اشاریہ بندی سے ہٹ کر ایک علیحدہ تصور قرار دیتے ہیں، اول الذکر صورت میں اس پر وہ تمام اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو اشاریہ بندی پر ہوتے ہیں۔

مگر مؤخر الذکر نظریے کو اپنایا جائے تو اس ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ مودِع (Creditor) بینک میں نقد رقم جمع کراتا ہے اور واپسی کے وقت وہ سونے کو معیار بنا کر واپسی لیتا ہے۔ یہاں گفتگو ایک مرتبہ پھر کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ راجح رائے کے مطابق کاغذی کرنسی بذاتِ خود ثمن حقیقی ہے۔ چنانچہ اس کی قیمت کا تعین سونے یا کسی دوسری شے کے حوالے سے کرنا کسی طور پر درست نہیں۔

❼ شیخ محمود احمد کا پیش کردہ حل [1]

شیخ محمود احمد نے اس ضمن میں متبادل قرض کی رائے پیش کی کہ اگر ایک شخص بینک سے ۱۰ ہزار روپے کی رقم قرض کے طور پر لیتا ہے تو بینک کو اس کے جواب میں ایک ہزار روپے قرض دے۔ مدین Debtor (جو خود دائن Creditor بھی ہے) اور بینک (جو خود Debtor بھی ہے) دونوں مقررہ مدت تک اپنی اپنی رقوم سے کاروبار کریں اور پھر ایک دوسرے کو اصل زر واپس کردیں۔ اس دوران جو منافع کمائیں وہ دونوں کی ملکیت ہوگا۔ اس بارے میں شیخ محمود احمد نے ایک خاکہ اسلامی نظریاتی کونسل کو

[1] محمود احمد شیخ، سود کی متبادل اَساس، ادارہ ثقافتِ اسلامی، لاہور، 1991ء، ص83

بھی پیش کیا تھا جو (سود سے مشابہت کی بنا پر) مشکوک قرار دے کر مسترد کر دیا گیا تھا۔

اِسی حل کی بنیادی سکیم ہی متعدد شرعی اصولوں سے متصادم ہے حدیث نبوی ﷺ میں قرض کی رقم سے منفعت اٹھانے کی جو ممانعت آئی ہے وہ اور قاعدہ کلیہ بمعنی "کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا" کے تحت اس پر جو اعتراضات لازم آتے ہیں وہ بہت واضح ہیں اور شیخ محمود احمد ان کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔

3 اسلامی نظریاتی کونسل کا پیش کردہ حل

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی مجموعی سفارشات میں برائے اسلامی نظامِ معیشت میں قرار دیا کہ:

"لہٰذا اگر ڈالر کو معیار قرار دینے میں کوئی عملی سہولت ہے تو اس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن صنعت کاروں کو بیرونی مشینری درآمد کرنے لے لئے قرض دیا جارہا ہے، انہیں پاکستانی روپے کی بجائے ڈالر قرض دے۔۔۔ بلکہ اگر ڈالر قرض دینے کے بعد انہی سے اس وقت کی شرح سے پاکستانی روپے کے عوض میں وہ ڈالر خرید لئے جائیں تب بھی ادائیگی ڈالر کے حساب ہی سے واجب ہوگی" (1)

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔ حیلہ ساز ذہنوں کی حیلہ سازی یہاں بھی بالکل واضح ہے اور یہ حل کسی بھی تبصرے سے مبرا ہے۔ کاغذی نوٹ کو ثمن حقیقی تسلیم کرتے ہوئے بھی ڈالر کو معیار مان لینا غلط نہیں۔ لیکن اگر یہی حل سونے کے حوالے سے پیش کیا جائے تو اشاریہ بندی کے حامی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ شیخ محمود احمد نے بجا لکھا تھا کہ:

> "شرعی حیلے تو کئے جاتے ہیں، پہلے بھی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور (اسلامی نظریاتی کونسل کی) رپورٹ میں بھی متعدد نئے حیلے بیان کر دیئے گئے ہیں، ان کی مدد سے تو اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا.........." (2)

اس کے علاوہ بھی افراطِ زر کے مسئلے سے نپٹنے کے لئے کئی حل پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً منور اقبال کا فکسڈ

---

(1) پی ایل ڈی، 1992ء ص 131۔

(2) محمود احمد شیخ، سود کی متبادل اساس، لاہور 1991ء، ص 27۔

ویلیو یونٹس (Fixed Value Units) پر مشتمل مجوزہ حل جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے فہیم خان کے گولڈ اکاؤنٹس سے مختلف نہیں۔ (1) نیز اس مضمون میں ان تمام تفصیلات کا احاطہ مقصود نہیں۔

سپریم کورٹ میں حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب کا بیان اور اس سے پیدا شدہ غلط فہمی

سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) میں حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب نے بطور معاون جو بیان دیا تھا، اس کے متعلق بعض اخبارات کے رپوٹروں نے بے احتیاطی کی بنا پر غلط سلط رپورٹنگ کی جس کی بنا پر بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حافظ صاحب چونکہ افراطِ زر کی واقعاتی صورت تسلیم کر رہے ہیں، اس لئے ان کا موقف اشاریہ بندی (indexation) کی حمایت میں ہے۔ جہاں تک اس تاثر کا تعلق ہے اسی کی تردید ''محدث'' (اگست 99ء) میں واضح طور پر کر دی گئی۔ علاوہ ازیں مدنی صاحب کے داخل کردہ تحریری بیان کا مطالعہ بھی اسی سلسلے کی صورتِ حال کو واضح کرتا ہے۔ میں یہاں صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اخبارات کے رپوٹرز کی غلط فہمی سے قطع نظر کہ ان کا مبلغ علم معروف ہے، بعض اہلِ علم کو جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کا حقیقی سبب کیا ہے؟

اس حوالے سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب نے کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت کے ضمن میں جو موقف اختیار کیا ہے کہ کاغذی کرنسی ثمن حقیقی نہیں بلکہ کاغذی کرنسی کی (Commodity) کا قائم مقام/ بدل ہے اور یہ واضح ہے کہ یہ رائے اس رائے سے مختلف ہے جو مولانا گوہرالرحمن، انجینئر سلیم اللہ یا دیگر حضرات نے اختیار کی ہے یا جسے راقم الحروف نے گزشتہ سطور میں راجح رائے قرار دیا ہے۔ بہر کیف حافظ صاحب نے مقام/ بدل مقام کے موقف کو راجح قرار دے کر گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ اب ہمارے ہاں ماحول یہ بن گیا ہے کہ ان تمام حضرات کو جو کاغذی کرنسی کو ثمنِ حقیقی قرار نہیں دیتے بلکہ دیگر آراء میں سے کسی رائے کے حامل ہیں، انہیں اشاریہ بندی کا حمایتی سمجھ لیا جاتا ہے۔

اس بات کو اگر دوسرے زاویہ سے لیا جائے تو صورتحال یوں بنتی ہے کہ کاغذی کرنسی کو ثمنِ حقیقی قرار دینے والے حضرات...... کم از کم پاکستان کی حد تک...... افراطِ زر کے مسئلے کو بطورِ مسئلہ حل کرنے میں کوئی

(1) منور اقبال، مقالہ پیش کردہ برائے سیمینار بابت اشاریہ بندی اور اسلامی معیشت (1987ء) ص 32۔

دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کاغذی کرنسی کے ساتھ ناگزیر ہے اور اس کا ہر ممکنہ حل اشاریہ بندی کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس غلط فہمی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فکر نے حافظ صاحب کو بھی اشاریہ بندی کا حامی قرار دیا ہے۔ حالانکہ کاغذی کرنسی کو ثمنِ حقیقی تسلیم نہ کرنے اور اشاریہ بندی کے درمیان کوئی لازمی تعلق نہیں کہ ایک کا انکار دوسرے کے اقرار کو لازم کردے۔

یہاں اسی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اشاریہ بندی کے غلط مفہوم کی وجہ سے یہ لازمی تعلق قائم کرنے والا ذہن پیدا ہوا ہے۔ افراطِ زر کرنسی کو لاحق ہونے والی بیماری ہے اور اس کا ہر علاج اشاریہ بندی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم فہیم خان اور منور اقبال جیسے ماہرینِ معیشت یہ غلطی نہ کرتے کہ دونوں حضرات نے اشاریہ بندی کے عمل کو مسترد کرکے جو متبادل حل پیش کئے ہیں وہ اگر کلی طور پر نہیں تو اصولی طور پر ضرور مدنی صاحب کے پیش کردہ حل سے مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ حضرات خوب سمجھتے ہیں کہ اشاریہ بندی کا دائرہ کار کہاں تک وسیع ہے اور اس کی حدود کہاں ختم ہوجاتی ہے۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ نہیں کہ حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب نے جو موقف اختیار کیا ہے اس کی صحت کو ثابت کیا جائے۔ حافظ صاحب کے موقف سے اختلاف ممکن ہے مگر ان کے موقف کی صحیح روح کو سمجھنے کے بعد ہی یہ اختلاف فائدہ مند ہے بصورتِ دیگر خلطِ مبحث ہوجائے گا۔

خلاصہ

<u>اس ساری بحث کو سمیٹا جائے تو مندرجہ ذیل امور ہمارے سامنے آتے ہیں۔</u>

1۔ افراطِ زر کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا قباحتوں سے پاک شرعی حل تلاش کرنا ہوگا۔

2۔ اس مسئلے سے نپٹنے کے لئے اب تک جو طریقے سامنے آئے ہیں وہ ناقابلِ عمل ہیں، کیونکہ:

(الف) وہ حضرات جو کاغذی کرنسی کو ثمنِ حقیقی قرار دیتے ہیں، ان کی طرف سے تو اس مسئلے کا کوئی حل پیش ہی نہیں کیا گیا۔

(ب) وہ حضرات جو نظریہ بدل کے قائل ہیں اس کا حل تھیوری سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے اور موجودہ نظام میں اس کا آگے بڑھنا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔

(ج) باقی رہ گیا اشاریہ بندی کے ذریعہ اس کا حل، اس میں جو مفاسد ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔

چنانچہ تمام تر سنگینی کے باوجود یہ مسئلہ بدستور اپنی جگہ قائم ہے۔ راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ اسلامائزیشن کے عمل (خواہ معیشت کے حوالے سے ہو یا سیاست کے حوالے سے) کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جب تک ہم بحیثیتِ امہ مثبت قدم نہیں اٹھاتے، مسائل کا حل ممکن نہیں۔ اس وقت ہمارا طریقہ کار پیوندکاری (Grafting) کا رجحان لئے ہوئے ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت کے شجر خبیثہ میں کیسی ہی پاک اور مبارک قلم کی پیوندکاری کیوں نہ کی جائے، مثبت نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ کیونکہ اس نظام کا بنیادی استعارہ.......... استحصال ہے اور رہے گا!!

(بشکریہ ماہنامہ "محدث")

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو اپنے گزارہ کے لئے بیت المال میں سے ایک متوسط درجہ کے مزدور کا روزینہ یعنی چار درہم کی رقم لینی منظور کی۔ ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے اس قلیل رقم میں کچھ بچت کر کے حلوہ پکالیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس حلوہ کے لیے پیسے کہاں سے آئے؟ اور جب بیوی نے صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا روزینہ کم کر دیا۔

(اقتباس: اسلام میں دولت کے مصارف از عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

معیشت و اقتصاد

قرض نادھندگی کے مسائل اور ان کا شرعی حل[1]

عصر حاضر میں بینکوں اور مالیاتی اداروں میں بالخصوص اور معاشرتی سطح پر قرض خواہوں کو بالعموم ایک پیچیدگی اور مشکل کا سامنا ہے کہ قرضدار پیسہ لیکر واپس نہیں کرتے۔ معاشرے میں بددیانتی، کرپشن اور بے دینی کی وجہ سے صورت حال یوں ہو چلی ہے کہ پیسہ دینے والا واپس ملنے کی امید سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ضرورت مندوں کو قرضوں کے حصول میں بھی انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ قرض خواہوں نے تو تلاش بسیار کے بعد جب انہیں کوئی حل سجھائی نہیں دیا تو معاصر قوانین نے یہ حل تجویز کیا کہ جو مقررہ وقت پر ادا نہ کرے اس پر جرمانہ لگا دیا جائے۔ اور معاہدے کے وقت قرضدار اور قرض خواہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اگر وہ وقت پر ادا نہ کر سکا تو جتنا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ ادا کرے گا۔ کمرشل بینکوں میں اسے سود میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ اسلامی بینک اور ادارے اسے صدقہ کہہ دیتے ہیں۔ الغرض قرض لینے والا تاخیر کی صورت میں بہر صورت اصل رقم سے زیادہ ادا کرتا ہے۔ موجودہ مالیاتی سسٹم میں اس طریقہ کار کو ریکوری کیلئے اور قرض نادھندگی سے بچنے کیلئے بڑا کامیاب طریقہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس طریقے کو اگر شرعی نوعیت سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو یہ آسودہ حال اور تنگ دست کو ایک ہی چھڑی سے ہانکنے کا فلسفہ ہے۔ جو ظلم اور استحصال پر مبنی ہے۔

---

[1] تحریر: شعبہ تحقیق و تصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

اس سے بھی افسوسناک امر یہ ہے کہ ہم حل وہاں سے تلاش کرتے ہیں جہاں سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔اور جہاں سے حل ملنا ہے اس سے پہلوتہی اختیار کرتے ہیں۔

حل کہاں سے ملے گا؟

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝} [النساء:59]

اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

ہم بحیثیت ایک مسلمان کے یہ بات دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ نے ہر مسئلے کا حل تجویز کیا ہے۔ضرورت صرف اسے اپنانے کی ہے۔

قرض نادہندگی کے مسائل کے لئے بھی اسلام نے بہت بہترین حل پیش کئے ہیں اور حفاظتی تدابیر بتائی ہیں۔

قرض کے اسباب: لوگوں کے قرض لینے کی چند بڑی وجوہات درج ذیل ہیں:

- تجارتی قرضے
- جرمانے اور مالیاتی سزاؤں کی ادائیگی کیلئے لئے جانے والے قرضے
- بنیادی انسانی ضرورریات پورا کرنے کیلئے قرضے
- پرتعیش زندگی گذارنے کیلئے قرضے

لوگ قرضے واپس کیوں نہیں کرتے؟

وہ اسباب جن کی وجہ سے قرض خواہ کا پیسہ پھنس جاتا ہے۔ادائیگی میں دشواریاں پیش آتی ہیں اسلام نے ان اسباب پر نظر رکھنے اور ہر سبب سے ایک مخصوص طریقے سے نپٹنے کے طریقے بتلائے ہیں۔

قرض کی عدم ادائیگی کے اسباب

دیوالیہ ہوجانا۔تنگ دستی:

وہ شخص جس کے قرض ادا نہ کرسکنے کی وجہ دیوالیہ ہوجانا یا کسی بھی قدرتی آفت یا بے اختیار سبب کے باعث تنگ دست ہوجانا جس کے بعد اس کیلئے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پاس ادائیگی کے لئے رقم ہی نہیں ہوتی۔

مقروض کی بدنیتی کے باعث جان بوجھ کر ٹال مٹول سے کام لینا:

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" مطل الغني ظلم "۔[1] ترجمہ:''مالدار کا ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے''۔

مقروض کی موت:

اگر کسی انسان کی موت واقع ہوجائے تو اس کا اپنے مال سے تعلق ختم ہوجاتا ہے اور وہ اس کے ورثہ کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور ان پر واجب ہے کے مال کی تقسیم سے پہلے اس (میت) کے تمام واجبات ادا کردیں۔

لیکن اگر میت نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو ان پر اس (میت) کے واجبات ادا کرنا لازم نہیں ہے جس کے سبب قرض کی ادائیگی پھنس جاتی ہے۔

مقروض کا قرض سے مکر جانا:

اگر کوئی قرض لے کر مکر جائے کہ میں نے تو کوئی قرض نہیں لیا تو یہ بھی ایک بڑا سبب ہے جس سے قرض کی واپسی میں مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔

روپے کی قدر گر جانا یا روپے کی مندی یا کرنسی کالعدم کردیا جانا:

اگر کسی ملک کی کرنسی ماند پڑ جائے یا اس کی قدر میں کمی واقع ہوجائے تو اس سے بھی قرض کی واپسی میں دشواری ہوجاتی ہے۔کہ آیا اب قرض کی ادائیگی کس صورت میں کی جائے؟

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الإستقراض، باب مطل الغني ظلم

❁ قرض کی ادائیگی کو کیسے محفوظ بنایا جاسکتا ہے؟

شریعت کی جانب سے ادائیگی قرض کو یقینی بنانے کیلئے اختیار کئے جانے والے وسائل:

اسلام نے قرض کی واپسی کو محفوظ اور ممکن بنانے کے لئے چند ایسے رہنما ضابطے متعین کئے ہیں جن سے نہ صرف دیا گیا قرض محفوظ ہوجاتا ہے بلکہ اس کی واپسی بھی بہت آسان ہوجاتی ہے۔ یہ وسائل قرض دینے سے پہلے اختیار کرنے ضروری ہیں۔

مقروض کے قرض لینے سے مکر جانے کا حل

جو لوگ قرض لیکر مکر جاتے ہیں شریعت نے اس حوالے سے چند رہنما ضابطے متعین کئے ہیں جن کے اختیار کرنے سے مقروض کبھی بھی مکر نہیں سکتا۔

① قرض کے معاہدہ کو تحریر کیا جائے

قرض کے معاہدہ کو تحریر کرنا مشروع عمل ہے جس کا اللہ تعالی نے حکم بھی دیا ہے

{يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ } [البقرة:282]

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

قرض کے معاہدہ کو لکھنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد پنہاں ہیں:

❁ مال محفوظ ہوجاتا ہے اب کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ میں نے قرض نہیں لیا۔

❁ تنازعات اور اختلافات ختم ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ مکرنے والا پورے قرض سے نہیں مکرتا بلکہ فریقین میں اختلاف ہوجاتا ہے کہ کتنی رقم دی گئی تھی۔ اور اس کی واپسی کا کیا طریقہ کار طے تھا۔ جس سے فریقین میں نا ختم ہونے والے جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں۔ اگر قرض کا معاہدہ لکھا ہوگا تو ظاہر ہے اس میں قرض کی رقم، اس کی مدت، ادائیگی کا طریقہ کار، اور وقت ضرور تحریر ہوگا جس سے نزاع ختم ہوجائے گا۔

❁ فاسد و باطل معاملہ سے بچاؤ ممکن ہوجائے گا۔

❁ شکوک شبہات سے بچا جا سکتا ہے۔

کیا تھوڑے قرضے کو بھی لکھا جائے؟

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی خرابی در آئی ہے کہ لوگ کم قرض کو لکھتے ہی نہیں کہتے ہیں کہ بھائی چند سو ہی تو ہیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یا پھر اس وجہ سے بھی نہیں لکھتے کہ جس کو قرض دے رہے ہیں وہ بڑا نیک یا قریبی رشتہ دار ہے دینے والے کو اس پر اندھا اعتماد ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی اعتماد بعد میں بداعتمادی میں بدل جاتا ہے۔ سیکڑوں لوگ اس وجہ سے رو رہے ہیں کہ انہوں نے کسی شخص کو محض اعتماد کی بنا پر قرض دیا اور کوئی لکھت پڑھت نہیں کی۔ مگر اگر شرعی اصولوں کو دیکھا جائے تو قرض کے لکھنے کے جو احکامات ہیں یہ سب سے پہلے صحابہ کرام پر نازل ہوئے اور قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب وہی تھے۔ اور یہ لکھنے کا حکم سب سے پہلے انہی صحابہ کو دیا گیا تھا۔ تو کیا کوئی شخص صحابہ کے اعتماد اور امانت میں شک کر سکتا ہے؟ (حاشا وکلا) لیکن اس کے باوجود بھی لکھنے کا کہا گیا کیونکہ شیطان ابن آدم کے وجود میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ ہم نے جب شرعی اصول کو چھوڑ کر اعتمادوں کی فضا میں بسیرا کیا تو وہاں سے ہمارے اعتمادوں کو ٹھیس پہنچنے لگی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بچھڑ گئے، رشتہ داریاں ختم ہو گئیں، دوستیاں دشمنیوں میں بدل گئیں، جس کا سبب یہی اندھا اعتماد تھا۔

اور یہ ضروری نہیں کہ لکھی صرف بڑی رقم جائے بلکہ قرآن مجید نے تو حکم دیا کہ:

{وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا} [البقرة:282]

’’اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی ہے شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے‘‘۔

② قرض کے لین دین میں گواہ بنانا

شواہد اور گواہ بنانا بھی مستحب عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى} [البقرة:282]

ترجمہ: اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں پسند کرلو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔

گواہ بنانے کی حکمت جیسا کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا: ''اس لئے کہ یہ جھگڑے کے امکان کو دور کرتا ہے اور انکار سے بھی بچاتا ہے''۔

قرضوں کو دیوالیہ اور تنگ دستی کے مسائل سے محفوظ کرنے کا شرعی طریقہ

① رھن (گروی) رکھی جائے

اگر کسی قرض دینے والے کو خدشہ ہو کہ فلاں کو قرض دے رہا ہوں اس کا دیوالیہ ہو گیا تو میں کیا کروں گا؟۔ اس کے لئے شریعت نے حل بتایا کہ قرض دیتے وقت اس شخص سے کوئی چیز گروی رکھوالو۔

رھن سے بھی قرض دینے والے کو اطمینان ہوتا ہے کہ اگر اس کا مال واپس نہ ملا تو اس کا نقصان اس گروی سے پورا ہو جائے گا چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے

{وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ} [البقرة:283]

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت مقرر کر کے اناج خریدا اور لوہے کی ایک زرہ اس کے پاس گروی رکھی''۔ ①

② ضمانت (کفالت) لینا

گروی کے علاوہ ضمانت اور کفالت کا طریقہ بھی قرض کو محفوظ بناتا ہے۔ لہذا قرض دینے والا قرض دیتے وقت کسی کی ضمانت سے قرض دے۔

---

① صحيح البخاري: كتاب الرهن، باب الرهن في الحضر

اللہ تعالی نے ضمانت کو بھی مشروع قرار دیا ہے فرمان باری تعالی ہے کہ:

{وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ} [یوسف:72]

جواب دیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔ اس وعدے کا میں ضامن ہوں۔

ضمانت میں یہ حکمت ہے کہ قرض دینے والے کے لئے امید ہے کہ اسے اس کا دیا ہوا مال واپس مل جائے گا۔

مقروض کی بدنیتی اور ٹال مٹول سے قرضوں کو کیسے محفوظ کیا جاسکتا ہے؟

اس حوالے سے پہلی اقسام میں ذکر کردہ ضابطوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ قرض کو لکھا جائے، اس پر گواہ بنائے جائیں اور ممکن ہو تو گروی اور ضمانت بھی لی جائے تا کہ ٹال مٹول کی صورت میں نقصان کی تلافی کی جاسکے، نیز اس کے علاوہ بھی شریعت نے چند سزائیں متعین فرمائی ہیں جن سے نقصان بآسانی پورا کیا جاسکتا ہے۔

ٹال مٹول کرنے والے مقروض سے قرض کی واپسی کیلئے کئے جانے والے قانونی اقدامات

① اسے فاسق قرار دیا جانا اور گواہی مسترد کرنا

② عزت ووقار کو مجروح کرنا

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مال دار کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور سزا کو حلال کردیتا ہے''۔

اہل علم نے عزت کے حلال ہونے میں جو توجیہات بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:

اس سے سخت زبان استعمال کی جائے۔ لوگوں میں اس کے بارے میں بطور شکوہ ذکر کیا جانا کہ یہ شخص پیسہ لیکر استطاعت کے باوجود واپس نہیں کررہا۔ اس کے ساتھ سخت کلامی کی جائے۔ اس کی ملامت اور مذمت کی جائے اور لوگوں میں اس کے ظلم کو بطور شکایت ذکر کیا جائے۔

نیز عصر حاضر میں ایسے نادہندہ افراد کے ناموں کو بلیک لسٹ اور پبلک کیا جانا چاہئے اور تمام اداروں کو جو قرض کے معاملات کرتے ہیں مطلع کیا جائے۔ اور ممکن ہوسکے تو اخبارات میں بھی ایسے افراد کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو ہٹ دھرمی اور ناانصافی کی وجہ سے استطاعت ہوتے ہوئے بھی ادائیگی نہیں کررہے۔

③ قید میں ڈالنا اور سزا دینا

امام بیہقی نے امام سفیان سے نقل کیا ہے کہ دولت مند شخص کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کی سزا حلال کر دیتا ہے اور سفیان نے فرمایا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قید میں بند کر دیا جائے۔[1]

امام عبداللہ ابن مبارک، امام علی الطنافشی، حافظ ابن حجر، امام شعبی، قاضی شریح رحمہم اللہ ودیگر نے بھی اس کی یہی سزا تجویز کی ہے۔

④ سفر پر پابندی لگا دی جائے

اگر مقروض کے سفر کے باعث قرض خواہ کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو قرض خواہ اس کو سفر سے رکوانے کا حق رکھتا ہے۔

⑤ رہن رکھی ہوئی چیز کو فروخت کر دیا جائے

⑥ حاکم وقت ٹال مٹول کرنے والے مقروض کے مال سے جبرا وصولی کر سکتا ہے۔

⑦ حاکم وقت قرض کی ادائیگی کیلئے مقروض کی پراپرٹی فروخت کر سکتا ہے۔

⑧ اگر مقروض کے پاس ایسی پراپرٹی ہے جسے فروخت نہیں کیا جا سکتا تو حاکم وقت اسے کرائے پر دے کر اس کرایہ سے قرض خواہ کو ادائیگی کر سکتا ہے۔

⑨ اگر قرضہ خرید وفروخت کی شکل میں ہے کہ مقروض نے قرض خواہ سے کوئی چیز ادھار خریدی اور اب ادائیگی نہیں کر رہا تو قرض خواہ معاہدہ منسوخ کر کے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔

⑩ اگر قرض نہ ادا کرنے کی وجہ سے معاملہ کورٹ میں چلا گیا تو بعض فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ تمام خرچہ جو کیس پر قرض خواہ کی جانب سے ہوگا (وکالت، ودیگر اخراجات) یہ سب مقروض شخص کو ادائیگی کا پابند کیا جائے گا۔

⑪ ٹال مٹول کرنے والے کو اگر کوئی چیز قسطوں میں بیچی گئی ہے تو اس سے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ اگر ٹال

---

[1] فتح الباري: ج 5، ص 62

مٹول کیا تو تمام قسطیں یک مشت ادا کرنی پڑیں گی۔

⑫ ٹال مٹول کرنے والے نادہندہ افراد کو کوئی ادارہ قرض فراہم نہ کرے۔

تنگ دستی کی وجہ سے جو ادائیگی نہ کر سکے اس کا کیا حل کیا جائے؟

اگر کوئی شخص مفلس ہو گیا ہے۔ اور وہ چاہتے ہوئے بھی ادائیگی نہیں کر پا رہا تو شریعت ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ:

❶ اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور اسے کچھ مہلت دے دی جائے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ} [البقرة:280]

ترجمہ: ''اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی آسودہ حالی تک مہلت دینا چاہیے۔

❷ نیکی اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت تمام قرض یا اس کا کچھ حصہ معاف کرینا چاہیئے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ} [البقرة:280]

ترجمہ ''اور اگر (راس المال بھی) چھوڑ ہی دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اگر تم یہ بات سمجھ سکو''۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ایک تاجر لوگوں کو قرض دیتا تھا جب کسی کو تنگ دست پاتا تو اپنے نوجوانوں سے کہتا کہ اس کو معاف کر دو شاید کہ اللہ تعالی ہم لوگوں کو بھی معاف کر دے چنانچہ اللہ تعالی نے اس کو بھی معاف کر دیا''۔ ⑴

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مقروض کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے بلکہ اس کی مشکل کا حل بھی تلاش کرنا چاہیئے تاکہ وہ بھی معاشرے کے استحکام میں کوئی کردار ادا کر سکے، اور اس کے ضعف کا سبب نہ بنے۔

تنگ دست مقروض کی مشکلات کا حل

⑴ تنگ دست کی امداد کی جائے

مقروض اور محتاج کو غارمین کے حصہ کی زکوۃ میں سے بھی امداد کی جا سکتی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

{إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ}

⑴ صحيح البخاري: كتاب القراض

ترجمہ: ''صدقات تو دراصل فقیروں مسکینوں اوران کارندوں کے لئے ہیں جوان (کی وصولی) پر مقرر ہیں۔ نیز تالیف قلب غلام آزاد کرانے قرضداروں کے قرض اتارنے کے لئے،۔[التوبة:60]

② بیع یا معاہدہ کو ختم کیا جائے اور دی ہوئی چیز واپس لے لی جائے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جس شخص نے اپنا مال کسی آدمی کے پاس بعینہ پالیا، جو مفلس ہوگیا، تو وہ اس مال کا زیادہ مستحق ہے''۔ ①

③ قاضی یا حاکم مقروض مفلس کو جبرا کمانے کا حکم دے

جیسا کہ اللہ تعالی کا حکم ہے: {وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ} [الجمعة:10]
اور فرمان رسول ﷺ ہے: ''تم میں سے کوئی شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اس کو بیچے اور اللہ تعالی اس کی عزت کو محفوظ رکھے، تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے اور وہ اسے دیں یا نہ دیں''۔ ②

④ اپنے مال کے استعمال سے روک دیا جائے

جس شخص کے ذمہ واجب الادا قرضہ ہو اسلامی عدالت خود ہی یا قرض خواہوں کے مطالبے پر مقروض کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیتی ہے۔
جسے فقہ اسلامی میں (الحجر) کہا جاتا ہے۔
امام حاکم اور امام دارقطنی نے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور ان کے ذمے قرض کی (ادائیگی) کے لیے اس کو فروخت کر دیا تھا''③۔

---

① صحیح البخاري: باب في الإستقراض وأداء الديون، باب إذا وجد ماله عند مفلس

② صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده

③ مستدرك علي الصحيحين: كتاب البيوع۔ امام حاکم نے اس کو صحیحین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے

قرضوں کے مسائل حل کرنے اوران کی وصولی ممکن بنانے کیلئے چند اہم سفارشات

1 صرف بنیادی ضروریات یا تجارت کیلئے قرض دیا جائے۔ پر تعیش اشیاء کی خریداری کیلئے قرضے نہ دئے جائیں۔

2 قرض دینے سے پہلے قرض لینے والے شخص کی مالی پوزیشن کا جائزہ لے لینا چاہئے کہ یہ ادا کر بھی پائے گا یا نہیں۔

3 قرضوں کی واپسی کیلئے قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کی جائے۔

4 ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بیت المال کے نظام کو فعال کیا جائے تا کہ ضرورت مندوں کی ضرورتیں وہاں سے پوری کی جائیں اورانہیں قرض لینے کی نوبت ہی نہ آئے۔

5 قرض لینے والے قرضہ انتہائی مجبوری کی حالت میں لیں۔اس لئے کہ نبی ﷺ ہر نماز میں قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں دعا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: "اللهم إنی أعوذبک من المأثم والمغرم"۔اے اللہ! یقیناً میں گناہ اور قرض سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں"۔

6 قرض دینے سے پہلے تمام شرعی اور قانونی ضابطے پورے کرلئے جائیں۔جن میں قرض کے معاہدہ کا لکھنا،قرض پر گواہ بنانا،بطور گروی کوئی چیز رکھنا،ضامن متعین کرنا،اور مقروض کی مالی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے قرضہ دیا جانا چاہئے۔

7 جان بوجھ کر ٹال مٹول کرنے والے قرض نادہندگان کو بلیک لسٹ کیا جانا چاہئے اور کوئی ادارہ بعدازاں انہیں قرض فراہم نہ کرے۔

8 عوام میں شعور وآگہی کیلئے قرض سے متعلق خوف وڈر کی شرعی آیات واحادیث کی تعلیم دی جانی چاہئے۔ کہ جس میں مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھانا،موت کے بعد انسان کی مغفرت کا ادائیگی قرض تک روک لیا جانا، وغیرہ شامل ہیں۔

9 مالیاتی ادارے اور بینک جو ہاؤس فائنانسنگ اور لیزنگ پر گاڑیاں دینے کیلئے قرضے دیتے ہیں انہیں کم بلکہ ختم کیا جانا چاہئے اور صرف بغیر چھت کے رہنے والوں کو بقدر ضرورت قرض دیا جائے۔

(10) مقروض کو بطور قرض لی ہوئی رقم سے زیادہ کی ادائیگی کا پابند نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ سود ہے اور سود کی حرمت قطعی اور اٹل ہے۔ محض نام بدلنے سے حقائق نہیں بدل جاتے۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے ترا حسن کرشمہ ساز کرے

موجودہ مالیاتی ادارے اور بینک مقروض پر تعزیری طور پر نقد جرمانہ لگاتے ہیں جسے وہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرنے کا کہتے ہیں۔ اور خود نہیں لیتے کہتے ہیں خود لے لیا تو یہ سود بن جائے گا۔ انہیں علم ہونا چاہئے کہ جہاں سود لینا حرام وہاں دینا بھی حرام ہے اور کسی فرد کو سود دینے کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔

(11) اسلامی شریعت نے قرض کی واپسی کے لیے جو متعدد اخلاقی اور قانونی اقدامات کئے ہیں ان پر عمل درآمد کیا جانا چاہئے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) عدم ادائیگی اور تاخیر کا ظلم ہونا (2) ٹال مٹول کرنے والے مقروض کا فاسق قرار پانا اور اس کی گواہی مسترد ہونا (3) عزت کا مباح ہونا (4) قید میں ڈالنا (5) سفر پر پابندی عائد کرنا (6) اپنے مال کے استعمال سے محرومی (7) رہن شدہ چیز کی فروختگی (8) قرض خواہ کا مفلس کے ہاں اپنے موجود مال کا زیادہ حق دار ہونا (9) مقروض میت کی وصیت پر عمل قرض کی ادائیگی کے بعد ہونا (10) تقسیم وراثت کا ادائیگی قرض کے بعد ہونا (11) ضامن کا تقرر (12) حوالہ دین کی بنا پر ذمہ داری قبول کرنے والے کا ادائیگی کا پابند ہونا۔

(12) بینک یا مالیاتی ادارے نے اگر قسطوں پر چیز بیچی ہے تو وہ معاہدہ میں یہ شرط طے کر سکتے ہیں کہ اگر بلاوجہ مقروض نے قسطیں ادا نہ کیں، یا ٹال مٹول کیا تو اسے تمام اقساط یک مشت ادا کرنی پڑیں گیں۔

(13) قرض لینے والا اگر حقیقت میں مفلس اور تنگ دست ہو گیا ہو تو اسے مہلت دینی چاہئے۔ ہو سکے تو اسے کچھ یا تمام قرض معاف کر دینا چاہئے۔

(14) عوام الناس کی بالعموم اور قرض لینے والے کے رشتہ داروں کی بالخصوص یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مقروض کی اعانت کریں اور یہ اعانت زکوۃ وصدقات میں سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی قرض ادائیگی میں مدد

کریں۔

15 نادار شخص کے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے افراد کی مدد کرے اور ان کا قرضہ اپنے ذمہ لے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کسی ایسی میت کو لایا جاتا، جس پر قرض ہوتا، تو آپ ﷺ فرماتے: ''کیا اس نے اپنے قرض ادا کرنے کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟'' پھر اگر آپ ﷺ کو بتلایا جاتا، کہ اتنا مال چھوڑا ہے، کہ اس سے قرض ادا ہو سکتا ہے، تو آپ ﷺ اس کی نماز (جنازہ) پڑھاتے، وگرنہ مسلمانوں سے فرماتے: ''اپنے ساتھی کی نماز (جنازہ) پڑھ لو''۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایمان والوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔ اس لیے (اب) جو بھی اہل ایمان میں سے وفات پا جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو، تو اس کا ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔ اور جو کوئی مال چھوڑے، تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے''۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عراق میں عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ ''تم دیکھو، کہ ہر وہ شخص جس نے بیوقوفی کے کاموں یا اسراف سے خرچ کرنے کے لیے قرض نہ لیا ہو، اس کی طرف سے قرض ادا کر دو۔''

16 بیت المال سے مقروض کی اعانت کیلئے تین شرائط کا ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔

1 قرض لینے کا معقول اور جائز سبب کا ہونا۔

2 ادائیگی قرض کے لیے مقروض کی تا حدِ استطاعت کوشش۔

3 بیت المال میں مال کی موجودگی۔

یہ قرض نادہندگی کے چند اہم مسائل ان کا حل اور نظام قرض کی بہتری کیلئے چند اہم سفارشات تھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نظام معیشت کو شرعی خطوط پر استوار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ ولی التوفیق

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

بیمہ پالیسی

انشورنس اور تکافل میزانِ شریعت میں

عثمان صفدر [1]

تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا، ہمیں بیشمار نعتوں سے نوازا، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ ان کے رزق کی ضمانت لی، ان کے لئے رزق کو پہلے سے لکھ دیا، حصول رزق کے اسباب مہیا کئے، اور پوری کائنات کو انسانوں کی خدمت کے لئے مسخر کر دیا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕـبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ○ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ

[1] چیئرمین المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ [ابراھیم:32،34]

ترجمہ: ’’اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے۔ اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیر فرمان کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اسکے حکم سے چلیں۔ اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کیا۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔ اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔ اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔ (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اور اللہ تعالی کی حکمت کا یہ تقاضہ تھا کہ انسان مختلف آزمائشوں، مصائب، خطرات اور پریشانیوں میں مبتلا ہو، اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرۃ:155]

ترجمہ: ’’اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو‘‘۔

اسی لئے شریعت اسلامی میں اللہ تعالی نے بچاؤ کے اسباب بیان فرمائے ہیں، تحفظ اور امن و امان کے راستے ذکر کئے ہیں، کلام الٰہی کی تلاوت کرنے والا جانتا ہے کہ کس طرح رب العالمین نے انسانوں کی امن و امان اور عدل و انصاف کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، اور اسی طرح رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جان و مال کے تحفظ اور معاشرہ میں امن و امان قائم کرنے کے اسباب و وسائل بیان فرمائے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جان و مال کا تحفظ ان پانچ بنیادی ضروریات میں سے ہے جس کے تحفظ کے لئے شریعت اسلامی کا نزول ہوا ہے۔ اور امن و امان ایسی نعمت ہے جسے اللہ تعالی نے قریش مکہ پر کی جانے والی بڑی نعمتوں میں سے ایک قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ

وَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَكۡفُرُوۡنَ} [العنکبوت:67]

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے اور لوگ اس کے گردونواح سے اچک لئے جاتے ہیں کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں''۔

اسی طرح فرمایا:

{ لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ o اِيۡلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ o فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ o الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ o} [قریش 1 تا 4]

ترجمہ: ''قریش کے مانوس کرنے کے سبب۔ یعنی ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ لوگوں کو چاہئے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا''۔

یقیناً امن و امان اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ خوش حال تھا بدن کے لحاظ سے تندرست تھا اور اس کے پاس اس دن کے لئے روزی موجود تھی تو گویا کہ اس کے لئے دنیا سمیٹ دی گئی''۔ [1]

شریعت اسلامی میں امن و امان کو شرک سے پاک ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط قرار دیا گیا ہے، یعنی ایمان اور عمل صالح ہی معاشرہ میں امن و امان اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت (insurance) ہیں نہ کہ غیر اسلامی اقتصادی و معاشرتی پالیسیاں۔ اللہ تعالی کا قرآن مجید میں واضح فرمان ہے:

{اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ o} [الأنعام:82]

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے۔ اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ

---

[1] سنن الترمذی: کتاب الزهد، باب في التوکل علی الله، ح 2268، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀﴾ [النور:55]

ترجمہ:''جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اوران کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں''۔

عہد نبوت سے لے کر تقریباً نوسو سال تک عالمی تجارت پر اسلامی اصول تجارت کا رنگ غالب رہا، اور چونکہ اسلامی معیشت کے قواعد وضوابط خالق کائنات کے مقرر کردہ تھے اس لئے وہ حقیقت پر مبنی معیشت تھی جس میں حیلہ بہانے نہیں تھے، جس کی بنیادوں میں اخلاق اور ایک دوسرے سے تعاون کا جذبہ تھا نہ کہ لوٹ کھسوٹ اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی حرص، اسی لئے اس دور میں مصنوعی کساد بازاری ، بیروزگاری کا شائبہ تک نہ تھا، مال چند ہاتھوں کی زینت نہیں تھا، غریب اور مالدار میں زیادہ حد بندی نہیں تھی ، جان ومال کے تحفظ کی ضمانت نہیں دینی پڑتی تھی، لیکن مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات سے دوری اور مغربیت پرستی نے عالمی تجارت سے اسلامی روح کو ختم کردیا اور پوری عالمی تجارت چند صیہونیت زدہ ذہنوں کے ہاتھوں یرغمال ہوگئی جنہوں نے پوری دنیا میں سود اور دھوکہ بازی کا بازار گرم کر کے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے کی پوری کوشش کی اور سود کی صورت میں حاصل ہونے والے بے پناہ منافع کو اپنے اسلام مخالف مذموم مقاصد میں استعمال کیا۔اسی وجہ سے تجارتی میدان میں ایسے مسائل پیدا ہونا شروع ہوئے جن کا ذکر قدیم فقہاء کی کتابوں میں نہیں ملتا ہے، انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ''انشورنس'' یعنی بیمہ پالیسی کا بھی ہے۔

انشورنس کے معاملہ میں بنیادی تصور یہ کارفرما ہے کہ ایک شخص کسی معاشرہ میں رہ کر تجارت کرنا چاہے، کوئی کام کرنا چاہے لیکن اسے اپنی جان ومال کے تحفظ کے حوالہ سے خطرات لاحق ہوں یا تجارت میں خسارہ کا اندیشہ ہو تو کوئی دوسرا شخص آکر اسے جان ومال کے تحفظ، اور تجارت میں خسارہ نہ ہونے کی ضمانت

دے، اور کسی قسم کے نقصان کی صورت میں ایک مخصوص رقم ادا کرے، اور اس ضمانت دینے کے بدلہ معاوضہ طلب کرے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ انشورنس جدید مسائل میں سے ہے اس لئے متقدمین کی کتابوں میں اس مسئلہ کا حکم مذکور نہیں، غالباً سب سے پہلے جس عالمِ دین نے اسے اس کی ابتدائی شکل میں تحریر کیا ہے وہ علامہ ابن عابدین ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''حاشیہ ردالمختار'' میں ایک مسئلہ ذکر کیا جو کہ انشورنس سے مطابقت رکھتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے دور میں تاجر ایک معاہدہ کرتے تھے جسے ''سوکرہ'' کہا جاتا تھا، وہ یہ ہے کہ جب مسلمان تاجر دیارِ کفر سے دیارِ اسلام کی طرف واپس ہوتے تو ایک کافر سے کشتی کرائے پر لیتے اسے کرایہ ادا کرتے اور مزید رقم بھی دیتے اور اس سے یہ معاہدہ کرتے کہ اگر راستہ میں ان کا مال غرق ہوگیا یا ضائع ہوگیا، یا چوری ہوگیا تو وہ انہیں ان کے مال کے بقدر قیمت ادا کرے گا، اس کافر کا ایک وکیل دیارِ اسلام میں ہوتا تھا جو نقصان کی صورت میں مسلمانوں کو رقم کی ادائیگی کرتا تھا۔اس معاہدہ کے بارے میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ معاہدہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں ایسی چیز اپنے لئے لازم کرلی گئی ہے جس کا وہ ذمہ دار نہیں ہے''۔ [1]

بالکل یہی معاملہ انشورنس کا بھی ہے، پہلے ہم انشورنس کی تعریف سمجھ لیں تاکہ اس کا حکم سمجھنے میں آسانی ہو۔

انشورنس

اس کی کئی اقسام ہیں لیکن جو قسم معروف ہے اور انشورنس کمپنیوں کے ذریعہ جو انشورنس کیا جاتا ہے اسے تجارتی بیمہ پالیسی (commercial insurance) کہتے ہیں، اس کی تعریف کچھ یوں کی جاتی ہے:

''ایسا معاہدہ (agreement) جو لین دین (تجارتی) پر مشتمل ہو، اس میں ایک طرف صارف (costumer) ہے جو کہ اقساط (installment) ادا کرتا ہے اور دوسری طرف کوئی ایک شخص یا کوئی کمپنی ہوسکتی ہے، اس معاہدہ میں یہ طے کیا جائے کہ صارف ایک مقررہ مدت تک کچھ خاص رقم قسط کی صورت میں یا ایک ہی دفعہ میں اس کمپنی کو ادا کرے گا، اس کے

[1] حاشیة ردالمختار 249/3

بدلہ میں کمپنی اس صارف کو اسی مقررہ مدت میں کچھ خاص چیزوں کے بارے میں ضمانت (insurance) دیتی ہے (مثلاً اس کی زندگی، یا گاڑی، یا کاروبار وغیرہ) کہ اگر اس میں صارف کو کسی قسم کا نقصان اٹھانا پڑا تو یہ کمپنی اس نقصان کی ادائیگی کرے گی، اور ادائیگی کی رقم پہلے سے طے کر لی جاتی ہے، قسطیں ادا نہ کرسکنے کی صورت میں معاہدہ ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح مقررہ مدت میں کسی قسم کا حادثہ (جو معاہدہ میں طے شدہ ہو) نہ ہونے کی صورت میں مدت ختم ہونے کے بعد مکمل رقم یا کچھ رقم کمپنی رکھ لیتی ہے"۔

یہ انشورنس کی بنیادی تعریف ہے، تمام تجارتی انشورنس کمپنیوں میں کم وبیش یہی صورت ہوتی ہے، البتہ معاہدہ کی دیگر شرائط (conditionsTerms) میں فرق ہوسکتا ہے۔

کچھ معاہدوں میں مدت طے نہیں کی جاتی، بلکہ انشورنس کمپنیاں مدت طے کرنے کے بجائے حادثہ کا وقت طے کر لیتی ہیں، یعنی اگر زندگی کی انشورنس ہے تو صارف کی موت تک یہ معاہدہ چلتا رہتا ہے، اگر گاڑی کی انشورنس ہے تو اس گاڑی کے حادثہ ہوجانے تک، اسی طرح کاروبار وغیرہ میں۔

اب اس تعریف کو نکات (points) کی صورت میں رکھتے ہیں:

1. یہ معاہدہ تجارتی (commercial) ہے تعاونی (cooperation) نہیں ہے۔
2. یہ معاہدہ دونوں طرف سے ہے، صارف قسط جمع کراتا ہے، اور کمپنی اس کا نقصان ادا کرتی ہے۔
3. مدت طے نہ ہونے کی صورت میں اس معاہدہ میں احتمال آجاتا ہے کہ نہ جانے یہ معاہدہ کب مکمل ہو۔

کمرشل انشورنس کا حکم

کمرشل انشورنس چاہے کوئی سی بھی ہو یعنی third,goods insurance,life insurance party insurance وہ حرام ہے، اس کی حرمت کا فتوی سعودی عرب کی علماء کمیٹی اور اسی طرح مجمع الفقهي الاسلامی (Islamic Fiqh Academy) نے بھی دیا ہے۔

انشورنس کے حرام ہونے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

1 پہلا سبب

اس میں دھوکہ اور لاعلمی ہے، جسے عربی میں ''غرر'' کہتے ہیں، اور اس قسم کے معاہدہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (1)

اس میں دھوکہ اس طرح ہے کہ:

* جس نقصان کی ادیگی طے کی گئی ہے اس کا ہونے یا نہ ہونے میں احتمال ہے، وہ نقصان یا حادثہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا۔
* اس میں دھوکہ اس وقت زیادہ ہوجاتا ہے جب ایک مدت مقرر کرنے کے بجائے اس معاہدہ کی تکمیل حادثہ ہوجانے تک رکھی جائے۔
* اور یہ دھوکہ اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب ایک مدت مقرر کرلی جائے کہ اس مدت تک صارف اقساط ادا کرتا رہے گا، اگر اس مدت کے اندر حادثہ ہوگیا تو کمپنی اس کا نقصان پورا کرے گی، اگر نہیں ہوا اور مدت ختم ہوگئی تو صارف کی ادا کردہ رقم کمپنی اس کو واپس نہیں کرتی، جیسا کہ اکثر goods insurance میں ہوتا ہے۔
* اسی طرح اس معاہدہ میں صارف کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنی رقم ادا کرے گا؟ کب تک ادا کرے گا؟ اگر یہ معلوم ہو بھی جائے تب بھی نقصان کا ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ ہوگا بھی کہ نہیں؟۔

2 دوسرا سبب

اس میں جوا (Gambling) ہے۔ جوا کی تعریف علماء یوں کرتے ہیں کہ ''ایسا معاہدہ جس میں دو یا دو سے زائد شریک ہوں، ایک کو نفع ہو باقی نقصان میں رہیں اور کسی کے علم میں نہ ہو کہ کون نقصان میں رہے گا اور کون نفع میں'' اگر جوا کھیل کے میدان میں ہو تو اسے قمار کہتے ہیں، اگر تجارت میں ہو تو اسے ''میسر''

---

(1) صحیح مسلم: کتاب البیوع، باب بطلان بیع الغرر والبیع الذی فیہ غرر، حدیث نمبر 1513

کہتے ہیں۔اور جوا بالاتفاق حرام ہے، اس سے اللہ تعالی نے اور نبی ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾ [المائدة:91]

ترجمہ:''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ''۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:''بیشک اللہ تعالی نے شراب اور جوا کو حرام قرار دیا ہے''۔(1)

اس معاہدہ میں جوا اس طرح ہے کہ:

❖ اس معاہدہ کے دو شریک ہیں، دونوں میں سے ایک کو نفع ہوگا دوسرے کو نقصان۔

❖ صارف کو نفع اس طرح ہوگا کہ اگر معاہدہ ہوتے ہی صارف کا نقصان ہوگیا تو اس نے کمپنی کو اتنی رقم ادا نہیں کی ہوگی جتنی اس کو حاصل ہوگی، اور اس میں کمپنی کو نقصان ہے۔

❖ کمپنی کو فائدہ اس طرح ہوگا کہ اگر مدت پوری ہوجائے اور حادثہ نہ ہو تو صارف کی ادا کی گئی رقم ضائع ہوجائے گی، اور ساری رقم کمپنی کو مل جائے گی جبکہ صارف کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔اور یہی معاملہ جوئے میں ہوتا ہے کہ دو طرف سے رقم لگائی جاتی ہے ایک کو نفع ہوتا ہے اور دوسرے کو نقصان ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس معاہدہ کو بغور دیکھا جائے تو یہ انشورنس کے بجائے ایک طرح کی شرط (Bet) ہے، کمپنی شرط لگاتی ہے کہ صارف کا نقصان نہیں ہوگا اور اگر نقصان ہوا تو کمپنی شرط ہارنے کی وجہ سے رقم ادا کرتی ہے، اور صارف کے اس معاہدہ میں کردار سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نقصان کے ہونے کی شرط لگائی تھی اور شرط ہارنے کی صورت میں وہ اپنی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

تیسرا سبب

اس میں سود شامل ہے، بلکہ یہ سارا معاہدہ سود (interest) پر مشتمل ہے۔سود کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: (1) قرض کا سود۔(2) تجارت کا سود۔

(1) السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الشهادات، باب ماجاء فی ذم الملاهی من المعازف والمعاذير..[صحيح لغيره]

(1) قرض کا سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو ادھار دے کر زیادہ طلب کرے۔

(2) تجارت کا سود: اس کی پھر دو اقسام ہیں:

❶ زیادتی کا سود (ربا الفضل) ❷ ادھار کا سود (ربا النسیئہ)

❶ زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں ''سودی اجناس'' کہتے ہیں میں سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کر دینا، جیسے مثال کے طور پر:

پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں) = چار تولہ سونے کا سیٹ۔

❷ ادھار کا سود: سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کر لینا، جیسے مثال کے طور پر:

ایک من گندم = ایک من چاول ایک مہینہ بعد۔

انشورنس میں تینوں اقسام کا سود موجود ہے وہ اس طرح کہ:

❖ جو پیسہ صارف کمپنی کو ادا کرتا ہے وہ یا تو کمپنی پر قرض ہے یا پھر کمپنی صارف سے پیسوں کے بدلہ پیسہ کا تبادلہ کر رہی ہے جو کہ فوراً ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ بعد میں طے شدہ موقع پر اسے اس پیسہ کی ادائیگی کرے گی۔

❖ اگر وہ پیسہ قرض ہے تو اس کے بدلہ زیادہ طلب کرنا سود ہے۔

❖ اگر وہ تجارت ہے تو اس میں پیسوں کا تبادلہ ہے، اور ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کرنا بھی سود ہے، اسی طرح اس تبادلہ میں جو ایک عرصہ کے بعد ادائیگی کی جاتی ہے وہ ادھار کا سود ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ: انشورنس کا معاملہ سود پر مبنی ہے، صارف پیسہ ادا کرتا ہے اور اس کے بدلہ اسے پیسہ ہی ملتا ہے، اور یہ پیسہ اسے یا تو زیادہ ملتا ہے (حادثہ یا خسارہ کی صورت میں) یا کم ملتا ہے (حادثہ یا خسارہ نہ ہونے کی صورت میں) اور اگر جتنا ادا کیا ہے اتنا ہی ملے تو بھی وہ ایک مدت کے بعد ہے، تو اگر پیسوں کا تبادلہ (exchange) ہو تو اس میں بالکل برابر برابر ہونا چاہیئے، کمی یا زیادتی نہیں ہونی چاہیئے؛ کیونکہ کمی یا زیادتی ہی سود کہلاتی ہے، اور ادھار بھی نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''سونے کو سونے کے بدلہ، چاندی کو چاندی کے بدلہ جب بیچو تو نقد ہو ادھار نہ ہو اور برابر برابر ہو، کمی یا

زیادتی نہ ہو"۔ [1]

اور پیسہ کا حکم وہی ہے جو سونے کا حکم ہے، کیونکہ پیسہ سونے کا متبادل ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انشورنس ایک قطعی غیر شرعی معاملہ ہے اور اس کی بنیاد سود، جوا، اور دھوکہ پر رکھی گئی ہے لہذا یہ معاہدہ کرنا حرام ہے۔

انشورنس کے حوالہ سے چند شبہات اور ان کا ازالہ

انشورنس کو حلال اور جائز کہنے والے افراد چند کمزور دلائل کا سہارا لیتے ہیں جو کہ شبہات سے زیادہ کا درجہ نہیں رکھتے ہم ان شبہات میں سے نسبتاً چند شبہات کا جائزہ لیتے ہیں:

1. انشورنس کا معاہدہ، مضاربہ کی طرح ہے، انشورنس کمپنی، صارف کے پیسوں کو کاروبار میں لگاتی ہے، اور جب صارف کو کوئی حادثہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس کاروبار سے ہونے والے منافع سے اس کا نقصان پورا کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مضاربہ ایک اسلامی معاہدہ ہے اور انشورنس اور مضاربہ میں کسی قسم کی مماثلت نہیں، بلکہ دونوں معاملوں میں کئی فرق ہیں، مثلاً:

- مضاربہ میں مال دینے والے شخص کا مال بدستور اس کی ملکیت میں رہتا ہے جبکہ انشورنس میں قسطیں ادا کرنے والے کا مال اس کی ملکیت سے نکل کر کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس مال پر صارف کا کوئی حق نہیں ہوتا۔
- مضاربہ میں جو منافع ہوتا ہے وہ مال دینے والے اور کام کرنے والے دونوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے، جبکہ انشورنس میں مال کے ذریعہ جو منافع ہوتا ہے وہ صرف کمپنی کا ہوتا ہے، اور صارف کو اس میں سے اسی وقت مخصوص ادائیگی کی جاتی ہے جب اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچے، اور اگر نقصان نہ ہو تو اسے کسی قسم کا منافع ادا نہیں کیا جاتا۔

2. انشورنس جدید دور کا مسئلہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ تجارتی معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح

---

[1] صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب الربا

ہیں جائز ہیں، لہٰذا شریعت کے اس قانون کے تحت انشورنس کا معاملہ بھی جائز ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا یقیناً یہی قاعدہ ہے کہ تجارتی معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں لیکن مکمل قاعدہ یہ ہے کہ وہ اس وقت تک مباح ہیں جب تک ان کی تحریم ثابت نہ ہوجائے، اگر شریعت کے کسی قاعدہ کے تحت وہ حرام ہوں تو انہیں حرام ہی کہا جائے گا، اور انشورنس کی حرمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سود پر مبنی ہے۔

3 انشورنس کا نظام شریعت میں "عاقلہ" کے نظام کی طرح ہے۔
عاقلہ کا نظام یہ ہے کہ جب کسی شخص سے قتل خطا واقع ہوجائے، یعنی غلطی سے کسی شخص کو قتل کر بیٹھے تو اس کی دیت اس پر واجب ہوجاتی ہے، اگر وہ شخص تنہا اس دیت کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے والد کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں جنہیں عربی میں عاقلہ کہا جاتا ہے جیسے دادا، چاچا، بھائی وغیرہ وہ اس دیت کی ادائیگی میں اس کے شریک بنتے ہیں۔
نظام عاقلہ کسی بھی جہت سے انشورنس سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ نظام عاقلہ قطعی طور پر تعاون پر مبنی نظام ہے جس میں کسی قسم کے عوض اور بدل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، جبکہ انشورنس کے نظام میں انشورنس کمپنی اگر صارف کے نقصان کو پورا کرتی ہے، تو اس کے عوض کا بھی مطالبہ کرتی ہے اور بغیر عوض اور پیسہ کے کوئی کمپنی کسی شخص کا انشورنس نہیں کرتی۔

4 انشورنس کا معاملہ Provident Fund کی طرح ہے، جس طرح ایک کمپنی اپنے ورکرز کی تنخواہوں میں سے ایک مخصوص حصہ نکال کر اس فنڈ میں جمع کرتی ہے اور ریٹائرمنٹ پر انہیں مزید پیسے شامل کر کے ادا کرتی ہے، اسی طرح انشورنس کمپنی اپنے صارف سے ماہانہ قسط لے کر جمع کرتی ہے اور حادثہ یا نقصان کے وقت اسے مزید پیسے شامل کر کے ادا کرتی ہے، اگر پروویڈنٹ فنڈ لینا جائز ہے تو انشورنس بھی حلال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انشورنس اور Provident Fund میں کئی بنیادی فرق ہیں، جیسے:

- پروویڈنٹ فنڈ کمپنی کی طرف سے اپنے ملازمین کے لئے ایک قسم کا تعاون ہے، جو وہ اپنے ملازمین کی خدمات کے صلہ میں ادا کرتی ہے اور اس کے بدلہ کسی قسم کے عوض کا مطالبہ نہیں کرتی، لہٰذا اس میں کسی

کے نفع یا نقصان میں رہنے کا اندیشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں سود آتا ہے، جبکہ انشورنس مکمل طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے جس میں انشورنس کمپنی اپنی انشورنس کے بدلے معاوضہ کا مطالبہ کرتی ہے اسی وجہ سے اس میں جوا اور سود دونوں ہی شامل ہیں۔

❖ پراوویڈنٹ فنڈ میں ملازم کو رقم ملنا حتمی اور یقینی ہے، چاہے وہ ریٹائرمنٹ کی صورت میں ملازم کو ملے یا موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو ملے، جبکہ انشورنس میں رقم کا حصول یقینی نہیں ہوتا، اگر نقصان ہو گیا تو رقم مل جائے گی ورنہ صارف خالی ہاتھ رہے گا۔

❖ پراوویڈنٹ فنڈ میں رقم پہلے سے طے نہیں ہوتی، بلکہ جتنی رقم ملازم کی جمع ہو چکی ہوتی ہے اس میں کمپنی ایک خاص تناسب سے اپنا حصہ ڈال کر ملازم کو ادائیگی کر دیتی ہے، جبکہ انشورنس میں رقم پہلے سے طے کر لی جاتی ہے چاہے اس کے بقدر صارف نے رقم جمع کرائی ہو یا نہیں۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ انشورنس اور پراوویڈنٹ فنڈ میں کسی قسم کی مماثلت نہیں۔

5 ایک اہم ترین شبہ جسے شیخ عبداللہ بن احمد بن منیع نے ذکر کیا ہے جو کہ سعودی عرب کی علماء کمیٹی کے ممبر ہیں اور انشورنس کے جواز کے قائل ہیں، اور خود بھی ایک انشورنس کمپنی کے شرعی ایڈوائزر رہیں، وہ کہتے ہیں کہ انشورنس کمپنی اور صارف کا تعلق قرض لینے اور دینے والے کا نہیں ہے اور نہ ہی اس معاملہ میں پیسوں کا تبادلہ ہے، بلکہ دراصل انشورنس کمپنی اپنے صارف کو پیسوں کے بدلہ امن کی ضمانت فروخت کرتی ہے، یعنی اگر گاڑی کا انشورنس ہے تو گاڑی کا حادثہ سے امن میں رہنے کی ضمانت، اسی طرح کسی اور سامان کا انشورنس ہو تو اس کا کسی نقصان یا حادثہ سے امن میں رہنے کی ضمانت۔ان کا کہنا ہے کہ اگر چہ ضمانت ایک معنوی چیز ہے مادی نہیں لیکن معنوی چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں اور ان کی مارکیٹ ویلیو ہوتی ہے جیسے کسی کمپنی کا نام، اس کا لوگو، کسی کتاب کی طباعت کے حقوق وغیرہ فروخت کیئے جاتے ہیں حالانکہ یہ سب معنوی اشیاء ہیں مادی نہیں ہیں۔

اس ضمانت کی وجہ سے صارف مطمئن رہتا ہے کہ میری چیز کو نقصان نہیں ہوگا، اگر ہوا تو بھی اطمینان ہے کہ انشورنس کمپنی اس نقصان کو پورا کریگی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ:

❖ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے کہ ضمانت ایک معنوی چیز ہونے کے باوجود اسے فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انشورنس کمپنی واقعی ضمانت ہی فروخت کرتی ہے؟۔ حقیقت یہ ہے کہ انشورنس کے معاہدہ میں کمپنی حادثہ سے امن کی ضمانت نہیں دیتی کہ صارف کی چیز کو حادثہ یا نقصان نہیں ہوگا، بلکہ حادثہ کی صورت میں تلافی کی ضمانت دیتی ہے یعنی اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ اگر صارف کی انشورنس کردہ چیز کو نقصان ہوا تو کمپنی اس کے لئے مخصوص رقم ادا کرے گی، اور اگر نقصان نہ ہوا تو صارف خالی ہاتھ ہی رہے گا اور کمپنی اس کی ادا کردہ رقم اسے نہیں لوٹائے گی، لہذا اس میں پیسوں کا ہی تبادلہ ہے اور یہ صورت بالکل شرط (Bet) لگانے کی طرح ہے۔

❖ شریعت کا اصول ہے کہ کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیچنے والے کی ملکیت ہو اور اس کے پاس موجود ہو، یا پھر اگر وہ چیز اس کی ملکیت میں نہ ہو تو بیچنے والا کم از کم اس کے حصول کی طاقت رکھتا ہو تا کہ اسے حاصل کر کے خریدار کے سپرد کر سکے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے مت بیچو''۔ (1)

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انشورنس کمپنی پیسوں کے بدلے چیز کی ضمانت فروخت کرتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی والے کیسے کسی چیز کی ضمانت فروخت کر سکتے ہیں جبکہ وہ اس ضمانت کے مالک ہی نہیں ہیں، نہ ہی اس کے حصول کی استطاعت رکھتے ہیں نہ کوشش کرتے ہیں؟، کسی چیز کے درست رہنے کی ضمانت تو اس چیز کو بنانے والی کمپنی ہی دیتی ہے، یا پھر حکومت جو کہ معاشرہ میں امن قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے وہ ہی ضمانت دے سکتی ہے، انشورنس کمپنی والے تو اپنے دفتر میں بیٹھ کر رقوم کا لین دین کرتے ہیں، وہ اپنی انشورنس کردہ کسی چیز کی حفاظت کا نہ تو انتظام کرتے ہیں نہ ہی معاشرہ میں قیام امن کے لئے کوئی جدوجہد؟؟

❖ اگر ہم یہ بات بھی تسلیم کر لیں کہ انشورنس کمپنی اشیاء کی ضمانت ہی فرخت کرتی ہے اور وہ اس ضمانت کی

---

(1) سنن ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک (یہ حدیث صحیح ہے)

مالک بھی ہے تو پھر ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے کہ نقصان یا حادثہ کی صورت میں کمپنی جو رقم ادا کرتی ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ کیا صارف نے ضمانت کے ساتھ اس رقم کو بھی خرید لیا ہے یا پھر ضمانت دینے کے باوجود نقصان ہونے کی وجہ سے انشورنس کمپنی بطور عوض کے ادا کرتی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ صارف نے اس رقم کو خریدا نہیں ہے بلکہ کمپنی صارف کا نقصان ہونے کی وجہ سے ادا کرتی ہے تو پھر وہ رقم اتنی ہی ہونی چاہئے جتنا نقصان ہوا ہے، پہلے سے ہی طے شدہ رقم کیوں ادا کی جاتی ہے؟ اور اگر ہم یہ کہیں کہ صارف نے ضمانت کے ساتھ ساتھ وہ رقم بھی خریدی ہے تو بات وہیں آجاتی ہے کہ اس میں رقوم کا تبادلہ ہے جس میں اضافہ کرنا سود کے زمرے میں آتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ الگ ہے کہ اگر صارف نے وہ رقم بھی خریدی ہے تو ہر صارف کو اس کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی، صرف نقصان ہوجانے پر ہی کیوں ادائیگی کی جاتی ہے؟۔

ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انشورنس میں ضمانت نہیں فروخت کی جاتی بلکہ رقوم کا تبادلہ ہوتا ہے، جس میں ایک فریق نفع میں اور دوسرا نقصان میں رہتا ہے۔

تکافل

اللہ تعالی کی توفیق سے تین چار دہائیاں قبل سے عالم اسلام میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی ہے اور مسلمانوں نے اپنے معاملات پر نظر ثانی شروع کی ہے، اس بیداری کے نتیجہ میں جہاں مسلمانوں نے اور میدانوں میں پیش قدمی کی ہے وہیں میدان تجارت میں بھی اسلامی اصول تجارت کو دوبارہ زندہ کرنے کی قابل قدر اور قابل تعریف کاوشیں ہوئی ہیں، اور ان کوششوں میں بحمد اللہ مزید اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے، اس تحریک کے نتیجہ میں جہاں بینکنگ کے میدان میں بعض علما اور تجار حضرات کی کوششوں سے اسلامی بینکنگ کا آغاز ہوا ہے جس میں ابھی مزید بہت بہتری اور تبدیلی واصلاح کی گنجائش ہے، وہیں انشورنس کے حرام ہونے کے باوجود معاشرہ میں اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس کا اسلامی متبادل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی اور جو بالآخر "تکافل" یا Cooperating Insurance یا Islamic Insurance کے نام سے ہمارے سامنے آئی۔ اس کاوش کو کئی علماء نے سراہا اور اسے حلال بھی قرار دیا۔

ان علماء کے نزدیک تکافل یا اسلامی انشورنس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہ تعاون پر مبنی ہے، اس میں صارف سے کسی قسم کا عوض نہیں لیا جاتا، چونکہ یہ معاملہ تعاون پر مبنی ہے لہذا اس میں اگر سود یا جوا کی شکل ہو بھی تو تکافل حرام نہیں ہے، کیونکہ شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ تعاون میں وہ چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں جو تجارت میں حرام تھیں، مثال کے طور پر تجارت میں یہ صورت حرام ہے کہ ایک شخص ایک لاکھ روپے دے کر دو لاکھ وصول کرے، یہ سود ہے، لیکن تعاون میں جائز ہے جیسے کوئی شخص کسی سے دو لاکھ ادھار لے لے اور بعد میں کہے کہ میں مجبور ہوں میں ایک لاکھ روپے تک ہی دینے کی استطاعت رکھتا ہوں اور ادھار دینے والا اس سے ایک لاکھ روپیہ لے لے اور ایک لاکھ چھوڑ دے، تو گویا مجبور شخص نے ایک لاکھ دے کر دو لاکھ وصول کیئے لیکن چونکہ یہ تعاون کی صورت تھی لہذا یہ جائز ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا تکافل یا اسلامی انشورنس واقعی تعاون پر مبنی ہیں یا نہیں؟۔ کیونکہ تکافل میں واضح طور پر سود اور جوا کی وہ صورتیں جو عام انشورنس میں تھیں موجود ہیں۔ اگر تکافل واقعی تعاون پر مبنی ہے تو اس میں موجود حرام معاملات کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے ورنہ تکافل میں اور کمرشل انشورنس میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تکافل کے اس بنیادی تصور اور صورت کو جو تکافل کمپنیوں اور اسلامی انشورنس کرنے والے اداروں میں رائج ہے، بغور دیکھا جائے تو واضح طور پر اس میں عوض و معاوضہ، اور لین دین نظر آتا ہے جو تعاون کی روح کے منافی ہے اور تکافل کو تعاون کے پردہ سے نکال کر تجارتی معاہدے کی شکل دے دیتا ہے جسے زبردستی اسلامی لبادہ پہنا کر حلال کرلیا گیا ہے۔

تکافل کی تعریف

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ایک دوسرے کا خیال رکھنا، ایک دوسرے کی کفالت کرنا۔

موجودہ تکافل کا بنیادی نظریہ کچھ اس طرح ہے کہ چند افراد مل کر رقم جمع کرتے ہیں جسے کسی کاروبار میں انویسٹ کیا جاتا ہے، تمام افراد اس رقم میں شریک ہوتے ہیں اور شرکت کا تناسب جمع کرائی گئی رقم کو دیکھ کر طے کیا جاتا ہے، یعنی اگر جمع کی گئی رقم ایک لاکھ ہے تو دس ہزار جمع کرانے والا دس فیصد کا حصہ دار ہوگا، جمع کی گئی رقم ایک وقف کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اس میں جو منافع ہوتا ہے اس میں بھی سب شریک ہوتے

ہیں، اس رقم کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شریک کا کوئی نقصان ہو جائے تو اسے اس رقم میں سے پورا کیا جاتا ہے یعنی شریک اپنی رقم اسی شرط پر جمع کراتا ہے کہ اگر اس کا کسی خاص چیز (یعنی جس کی انشورنس کرا رہا ہے) کو نقصان ہوا تو اس کا نقصان پورا کیا جائے گا چاہے اس کے برابر اس نے رقم جمع کرائی ہو یا نہیں، ہر شریک ایک خاص مدت تک، ماہانہ بنیادوں پر رقم جمع کراتا رہتا ہے، جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے اور شریک کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی رقم منافع سمیت واپس لے لے اور چاہے تو مدت میں اضافہ کر لے۔

تکافل کمپنیوں میں تکافل کے حوالہ سے دو طرح کے نظام موجود ہیں

1. مضاربہ۔
2. وکالہ۔

❖ ان دونوں طرح کے نظام میں ایک وقف پول بنایا جاتا ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اپنا ایک الگ قانونی وجود رکھتا ہے جس میں کمپنی کے شیئر ہولڈرز کے ادا کردہ سرمایہ کا ایک حصہ ڈالا جاتا ہے اور ایک حصہ کاروبار میں انویسٹ کیا جاتا ہے، کمپنی کی پالیسی خریدنے والوں کا سرمایہ وقف پول میں جاتا ہے یا بالفاظ دیگر پالیسی ہولڈر کمپنی کے وقف پول کو ایک مخصوص رقم سالانہ یا ششماہی یا سہ ماہی بنیادوں پر تبرع (ہدیہ، صدقہ) کرتا ہے، اس وقف پول کی رقم میں سے بھی کچھ رقم کاروبار میں انویسٹ کی جاتی ہے۔

❖ اس کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع میں سے شیئر ہولڈرز کا حصہ الگ کر کے کچھ منافع دوبارہ وقف پول میں ڈال دیا جاتا ہے اور کچھ منافع ان پالیسی ہولڈرز کو جنہوں نے فیملی تکافل (لائف انشورنس) کرایا ہو ان کے لئے الگ کر لیا جاتا ہے۔

❖ مضاربہ ماڈل اور وکالہ ماڈل میں فرق صرف یہ ہے کہ مضاربہ میں تکافل کمپنی خود بھی انویسمنٹ کرتی ہے اور منافع میں حصہ دار بنتی ہے، جبکہ وکالہ ماڈل میں تکافل کمپنی وقف پول کا انتظام و انصرام سنبھالنے کے لئے پالیسی ہولڈرز سے فیس وصول کرتی ہے جسے وکالہ فیس کہا جاتا ہے، اگرچہ مضاربہ ماڈل میں بھی تکافل کمپنی کچھ فیس وصول کرتی ہے لیکن وہ وکالہ فیس میں وصول کی جانی والی فیس سے کافی کم ہوتی ہے۔

❖ لیکن ایک بات ان دونوں ماڈل میں مشترک ہے، وہ یہ کہ تکافل کرانے والا شخص اس بات کی شرط لگاتا

ہے کہ تکافل فنڈ میں رقم جمع کروا کر جس چیز کا وہ انشورنس کرا رہا ہے اس میں نقصان ہونے پر اس کی تلافی ضرور کی جائے گی، اور یہی شرط تعاون کے منافی ہے۔ اس کی وضاحت آگے ہوگی۔

تکافل میں اور عام انشورنس میں کچھ فرق ضرور ہیں جیسے

- تکافل میں انشورنس کرانے والے کی حیثیت صارف کی نہیں ہوتی بلکہ وہ مجموعی رقم میں شریک بن جاتا ہے۔
- جمع شدہ رقم پر جو منافع آتا ہے وہ تمام شرکاء میں شراکت کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے، جبکہ انشورنس کمپنیاں اس منافع کو صرف اپنے پاس رکھتی ہیں صارف کو نہیں دیتیں۔
- تکافل میں مدت پوری ہونے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہے، جبکہ انشورنس میں مکمل رقم واپس نہیں ہوتی۔

اس کے باوجود بھی یہ کہنا درست نہیں کہ تکافل میں جوا اور سود موجود نہیں ہے، بلکہ تکافل میں سود اور جوا دونوں موجود ہیں، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

- تکافل میں جو شریک ہے وہ قسطیں ادا کرتا ہے، اگر اسے نقصان ہوگیا تو تکافل کمپنی کی طرف سے اس کا عوض ادا کیا جائے گا جو یقیناً اس کی ادا کردہ قسطوں سے زیادہ ہوگا، تو یہی چیز سود ہے کہ پیسوں کے تبادلہ کے دوران ایک طرف سے زائد ادائیگی کرنا، یہ ربا الفضل یعنی زیادتی کا سود ہے۔
- تکافل میں رقوم جمع کرانے والے تمام افراد شرکاء ہیں، اگر ان شرکاء میں سے کسی ایک کو حادثہ پیش آجاتا ہے تو اسے تکافل کمپنی کی طرف سے ادائیگی کی جاتی ہے جبکہ جس شریک کو حادثہ پیش نہ آئے اسے اس کی رقم ہی واپس ملتی ہے تو یہ اس کے لئے ایک طرح کا نقصان ہے، تو بعض شرکاء نفع میں رہے بعض کو اصل رقم ہی واپس ملی لہذا یہ بالکل واضح جوا ہے۔

تکافل کو جائز کہنے والے افراد کے پاس اس کو جائز کہنے کی ایک ہی دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ یہ معاملہ تعاون پر مبنی ہے، تمام شرکاء ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ہر شریک جو قسط دیتا ہے وہ اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ تعاون کی نیت سے ہی ادا کرتا ہے، لہذا اس میں اگر کچھ معاملات حرام بھی ہیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب ذرا اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا تکافل واقعی تعاون پر مبنی ہے؟ جواب یہ ہے کہ بالکل نہیں۔ تکافل مکمل طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے اس میں تعاون کی کوئی شکل نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ:

◆ شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ جو شخص بھی تعاون کی نیت سے کوئی ادائیگی کرتا ہے جسے ہم صدقہ یا خیرات یا کوئی اور نام دے دیں، تعاون کی صورت میں ادائیگی کے بعد وہ مال اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، وہ اس مال کا مالک نہیں رہتا، چہ جائے کہ وہ اس مال کو اپنا مال سمجھ کر اس کی واپسی کا مطالبہ کرے یا اس پر نفع طلب کرے، اور اس کو شریعت میں بہت برا عمل قرار دیا گیا ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''اپنے دیئے گئے ہدیہ میں لوٹنے والا (یعنی اس کو واپس طلب کرنے والا) ایسے ہے جیسے ایک کتا ہو جو قے کرے اور پھر اس کو چاٹ لے۔'' (1)

جبکہ تکافل میں یہ صورت واضح ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد اور کسی قسم کا نقصان نہ ہونے کی صورت میں تکافل میں اشتراک کرنے والا شخص اپنا مال واپس لے سکتا ہے، اس شرط کے ہوتے ہوئے تکافل کو تعاون کہنا کسی صورت صحیح نہیں۔

◆ تعاون ہمیشہ بغیر کسی عوض کے کیا جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے اور اس کے بدلہ کوئی مطالبہ کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ لین دین ہو جائے گا اور اس کا حکم تعاون کا نہیں رہے گا بلکہ وہ تجارت کے حکم میں آئے گا، امام کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: ''اگر وہ ہدیہ دیتے وقت عوض (بدلہ) کی شرط لگا دے یعنی وہ یوں کہے کہ: میں تمھیں یہ چیز تحفہ میں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے وہ کپڑا دو گے''، تو ایسے معاہدہ کی نوعیت میں اختلاف ہے، ہمارے تینوں اصحاب (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) یہی کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ ہے تو ہدیہ کا لیکن اس کا حکم تجارت کا ہوگا، اور کبھی وہ اس طرح بھی کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ ابتداء میں تو ہدیہ ہے لیکن آخر میں آ کر یہ تجارت میں بدل گیا ہے''۔ (2)

تکافل کے نظام میں بھی عوض کی شرط موجود ہے، جب کوئی شخص تکافل میں اشتراک کرتا ہے تو معاہدہ میں یہ شرط موجود ہوتی ہے کہ اس رقم کے بدلہ میں اس کی کسی مخصوص چیز میں نقصان ہونے پر تلافی کی

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الھبة و فضلھا و التعریض علیھا، باب ھبة الرجل لأمراته والمرأة لزوجھا

(2) بدائع الصنائع 132/6

رقم ادا کی جائے گی، عوض ادا کرنے کی یہ شرط تکافل کے معاہدہ کو تجارتی معاہدہ میں بدل دیتی ہے۔

◆ تکافل میں اور کمرشل انشورنس میں کوئی فرق نہیں، دونوں معاہدوں میں بنیادی طور پر پانچ شروط ہوتی ہیں:

❶ انشورنس کرانے والا کون ہے، اور انشورنس دینے والا کون۔

❷ کس چیز کی انشورنس کی جارہی ہے۔

❸ ماہانہ کتنی قسط ادا کی جائیگی۔

❹ نقصان کی صورت میں کتنی ادائیگی کی جائیگی۔

❺ معاہدہ مکمل ہوتے ہی دونوں فریق پر اسے پورا کرنا لازم ہوگا، جو معاہدہ ختم کرے گا یا اس کی شروط پوری نہیں کرے گا دوسرا فریق اس کی رقم کا حقدار ہوگا۔

ان شروط سے یہ واضح ہورہا ہے کہ تکافل اور کمرشل انشورنس دونوں معاہدے ایک ہی خطوط پر استوار کئے گئے ہیں بس ناموں کے ساتھ ساتھ چند چیزوں کا فرق ہے۔

◆ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ تکافل میں شریک شخص جو قسطیں ادا کررہا ہے وہ تعاون کے طور پر ادا کررہا ہے۔ دین اسلام میں تعاون کرنے والے پر کسی قسم کی زبردستی نہیں ہوتی، تعاون کرنے والا چاہے تو زیادہ ادا کرے چاہے کم، چاہے تو منع کردے، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ شریک شخص اگر قسطیں روک دے، یا کم ادا کرے تو کیا اس کا تکافل کمپنی سے معاہدہ برقرار رہے گا؟ کیا نقصان کی صورت میں تکافل کمپنی اس کے نقصان کی ادائیگی کرے گی؟، یقیناً اس کا جواب نہیں میں ہوگا، یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تکافل کا معاملہ تعاون پر مبنی نہیں ہے بلکہ کلی طور پر ایک تجارتی معاہدہ ہے۔

گزشتہ تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تکافل ایک غیر شرعی تجارتی معاہدہ ہے جسے تعاون کا لبادہ پہنا کر اس میں موجود غیر شرعی اور حرام معاملات کو جائز کہنا، حرام کو حلال کہنے کے مترادف ہے، اور اس کی قرآن وحدیث میں بڑی سخت وعیدیں وارد ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

تکافل کو جائز کہنے والے افراد کی طرف سے یہ بات بڑی شدومد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ تکافل کو اکثر

علماء نے جائز قرار دیا ہے، خاص طور پر مالی معاملات میں انتہائی محتاط علماء کمیٹی یعنی سعودی عرب کی کبار علماء کمیٹی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مال ومنافع کی حرص میں آکر علماء اور عوام دونوں کے سامنے غلط بیانی کی گئی ہے، علماء کے سامنے تکافل کی جو صورت بیان کی گئی وہ موجودہ تکافل سے قطعی مماثلت نہیں رکھتی، اور صرف نام ایک جیسا رکھ کر عوام کو بیوقوف بنایا جارہا ہے، اس دھوکہ دہی سے خبردار کرتے ہوئے سعودی عرب کی اسی علماء کمیٹی نے اپنے حالیہ فتوی میں موجودہ تکافل کی صورت کو حرام قرار دیا ہے، مکمل فتوی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''حمد وثناء کے بعد: بیشک علماء کمیٹی پہلے کمرشل انشورنس کی حرمت کا فتوی جاری کرچکی ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے، جوا ہے، اور لوگوں کے اموال کو باطل طریقہ سے ہڑپ کیا جاتا ہے، اور یہ ایسے معاملات ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور ان سے سختی سے منع کیا ہے، اور اسی طرح علماء کمیٹی نے تعاون پر مبنی انشورنس (تکافل) کے جواز کا فتوی بھی دیا تھا جس کی صورت یوں (بیان کی گئی) ہے کہ نیک ومالدار افراد صدقہ خیرات جمع کریں جس سے محتاج ومجبور افراد کی مدد کی جائے، اور رقم جمع کرانے والوں کو اس رقم سے کچھ بھی واپس نہیں ملے گا، نہ اصل مال نہ ہی منافع اور نہ ہی کوئی اور بدل، کیونکہ تعاون کرتے ہوئے مال جمع کرانے والے کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کا دنیاوی فائدہ، اور یہ تعاون اللہ تعالی کے اس فرمان میں مذکور ہے:

{وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} [المائدہ:2]

ترجمہ: ''اور تم نیکی کے کاموں اور تقوی پر تعاون کرو، اور گناہ کے کاموں اور ظلم وزیادتی پر تعاون نہ کرو''۔

اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالی اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے'' اور یہ معاملہ بالکل واضح ہے اس میں کسی قسم کی

الجھن نہیں۔

البتہ گزشتہ کچھ عرصہ سے بعض اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے لوگوں کے سامنے معاملات کو خلط ملط کرنے اور حقائق کو پلٹنے کا سلسلہ جاری ہے، ان اداروں نے تجارتی انشورنس کو تعاونی انشورنس (تکافل) کا نام دیا ہوا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور خود کو سہارا دینے کے لئے اس کے جواز کو علماء کمیٹی کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ علماء کمیٹی اس سے مکمل طور پر بری ہے، اور کمیٹی نے پہلے ہی تجارتی انشورنس اور تعاونی انشورنس کے درمیان فرق کو واضح کردیا ہے، لہذا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اسی لئے علماء کمیٹی نے حقائق کو ظاہر کرنے اور عوام کو اس دھوکہ سے خبردار کرنے کے لئے یہ فتوی جاری کیا ہے"۔ (1)

اس فتوی میں علماء کمیٹی نے واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ جس تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز کا فتوی جاری کیا گیا تھا وہ ایسا تعاونی انشورنس نظام ہے جس میں اشتراک کرنے والا شخص کسی قسم کے عوض کا مطالبہ نہ کرے، اور یہی تعاون کی روح ہے، جبکہ تکافل میں اشتراک کرنے والا ہر شخص جب تکافل کمپنی سے معاہدہ کرتا ہے تو اس میں یہ طے ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ادا کی جانے والی رقم کے بدلہ میں کمپنی اس کے ہونے والے ممکنہ نقصان کی تلافی کرے گی۔

قارئین کرام! اس تمام بحث کے مطالعہ کے بعد آپ یقیناً سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح حقائق کو مسخ کرکے اور بھرپور دھوکہ دہی کے ساتھ مسلمان عوام کو حرام کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور حق کو سمجھنے اور اس کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انشورنس کا صحیح اسلامی متبادل

اللہ تعالی کبھی بھی اپنے بندوں کے لئے تنگی نہیں چاہتا بلکہ آسانیاں فراہم کرتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ } [البقرہ:185]

ترجمہ: "اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تنگی کرنا نہیں چاہتا"۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تجارتی معاملات جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے حلال تجارتی

---

(1) فتاوی اللجنة الدائمة: 15، البیوع: فتوی نمبر 19406

معاملات کی نسبت بہت کم ہیں، اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے وہ حلال کردہ اشیاء سے بہت کم ہیں، پھر شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کو حرام کیا جاتا ہے تو اس کا متبادل بھی ضرور دیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالی نے سود کو حرام کیا تو تجارت کو حلال کر دیا، شراب حرام کی تو اور بہت سے مشروبات پینے کے لئے مہیا کر دئے، زنا حرام کیا تو نکاح جائز کر دیا اور اس کی رغبت دلائی غرض یہ کہ ہر حرام کے بدلہ میں ایک متبادل ضرور دیا ہے۔

موجودہ معاشرتی حالات میں انشورنس یقیناً بہت اہمیت کا حامل ہے، کاروبار کے لئے نامناسب حالات کی وجہ سے ہونے والے خسارہ کے علاوہ بدامنی کی وجہ سے عام آدمی کو جو نقصانات ہو رہے ہیں ان کی تلافی ہونی چاہئے کیونکہ شریعت میں پانچ چیزوں کی حفاظت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، دین عقل، جان، مال اور عزت، اور حقیقی اسلامی حکومت ان چیزوں کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتی ہے، لیکن زوال کا شکار امت مسلمہ میں ایسی حکومت ایک خواب بن چکی ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی طور پر ایسے نقصانات کی روک تھام اور تلافی کی کوشش کی جائے، انشورنس اسی کوشش کا ایک مظہر ہے لیکن مال و دولت کے حریص افراد کے ہاتھوں یہ نظام بھی مجبور و مظلوم افراد کی مدد کی بجائے ایک تجارت بن کر رہ گیا، اسی طرح تکافل کا نظام بھی جو ابتدائی طور پر خالصتاً تعاون پر مبنی تھا اب تجارت میں ڈھل چکا ہے۔

گزشتہ چند صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انشورنس غیر شرعی معاملہ ہے تو شریعت مطہرہ میں یقیناً اس کا متبادل موجود ہوگا، ضرورت یہ ہے کہ اسے تلاش کیا جائے اور اسے قابلِ عمل بنایا جائے، انشورنس کا حقیقی متبادل جو تکافل اور انشورنس کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے اور اس میں کوئی حرام معاملہ بھی نہیں ہے اور جس کی طرف سعودی عرب کی علماء کمیٹی نے بھی اشارہ کیا ہے وہ ہے ''وقف''۔

وقف کی تعریف

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هو تحبيس الأصل وتسبيل المنفعة''۔ یعنی اصل مال کو روک لینا اور اس کے منافع کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔

وقف کی اصل ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ملتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو

زمین وقف کرنے کا مشورہ دیا تھا، اور اسی حدیث میں ہمیں وقف کے احکام ومسائل کا صحیح علم ہوتا ہے، حدیث یہ ہے کہ: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر سے حصہ میں کچھ زمین ملی تو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس زمین کے بارے میں مشورہ کے لئے گئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خیبر سے کچھ زمین ملی ہے اور اس سے بہتر مال مجھے آج تک نہیں ملا، تو آپ مجھے اس بارے میں کوئی مشورہ دیں'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو (یوں کرو کہ) اس کے اصل کو روک لو اور اس کے منافع کو اللہ تعالی کے راستہ میں صدقہ کردو'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے یوں ہی کیا کہ اسے صدقہ کردیا، اس شرط پر کہ نہ تو اسے بیچا جائے گا، نہ ہدیہ کیا جائے گا نہ وراثت میں تقسیم ہوگا اور اس زمین کو فقراء مساکین قریبی رشتہ داروں، گردن آزاد کرانے میں، جہاد میں، مسافر اور مہمان کے لئے صدقہ کردیا، اور یہ بھی کہ جو اس کی دیکھ بھال کرے گا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لیتا رہے لیکن اس سے زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔''[1]

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

- ایسی چیز وقف کی جائے گی جو ہمیشہ باقی رہے، جیسے زمین وغیرہ، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک روپیہ کو وقف کرنا درست نہیں، لیکن راجح قول یہ ہے کہ روپیہ کو وقف کرنا درست ہے اس شرط پر کہ اس روپیہ سے ایسا کاروبار کیا جائے یا ایسی جگہ لگایا جائے جہاں سے اس کا منافع آتا رہے۔
- وقف کو بیچنا یا واپس لینا جائز نہیں کیونکہ وقف ایک طرح کا صدقہ ہے۔
- وقف کرنے والا اگر چاہے تو وقف کی جہتیں معین کرسکتا ہے یعنی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا منافع صرف مساکین کے لئے، یا صرف جہاد کے لئے ہے وغیرہ۔
- وقف کی دیکھ بھال کرنے والا اس میں سے اپنی اجرت لے سکتا ہے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقف، انشورنس کا صحیح متبادل ہے، اور اگر تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں بے شمار ایسے اوقاف نظر آئیں گے جو خصوصاً مصیبت زدہ افراد کے

---

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الصدقات، باب من وقف

ساتھ تعاون کے لئے بنائے گئے تھے۔

انشورنس کے متبادل کے طور پر وقف کو استعمال کرنے کے لئے اس کا بنیادی ڈھانچہ کچھ یوں بنایا جاسکتا ہے کہ:

- چند مخیر حضرات مل کر کچھ رقم وقف کریں۔
- اس وقف شدہ رقم کو کسی حلال کاروبار میں لگادیا جائے اور اس کا منافع جمع کیا جاتا رہے۔
- اس وقف کے منافع کو چند مخصوص مصائب کے لئے خاص کردیا جائے، مثلاً اس طرح کہ یہ وقف صرف ان افراد کے لئے ہے جن کی گاڑی کو حادثہ پیش آجائے، یا ان افراد کے لئے جو کینسر میں مبتلا ہوں اور علاج کی طاقت نہ رکھتے ہوں، یا ان افراد کے لئے جو بیروزگار ہوں اور مالی مشکلات کا شکار ہوں، یا بیواؤں کے لئے، یا یتیموں کے لئے، غرض یہ کہ کسی بھی مصیبت یا مصائب اور حالات کے شکار افراد کو خاص کیا جاسکتا ہے۔
- وقف میں رقم دینے والے مخیر حضرات میں سے اگر کوئی اس مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی وقف سے حصہ نکالا جائے گا۔
- وقف کی دیکھ بھال کرنے والے افراد یا کمپنی کو اس وقف کی دیکھ بھال کی اجرت یا خرچہ اسی وقف کے منافع سے ادا کیا جائے گا۔
- وقف میں حصہ ڈالنے والے مخیر حضرات میں سے کوئی بھی وقف کی اصل رقم اور نہ ہی اس کے منافع کا مطالبہ کرے گا، کیونکہ یہ وقف خالصتاً اللہ تعالی کی رضا کے حصول اور مستحقین کی امداد کے لئے قائم کیا جائے گا۔

یہ صرف ایک ابتدائی خاکہ ہے جسے عملی تصویر پہنانے میں یقیناً بہت محنت درکار ہے لیکن اگر اس طرح کہ چند اوقاف بنالئے جائیں اور انہیں چند مخصوص مصائب میں گرفتار افراد کے تعاون کے لئے خاص کردیا جائے تو اس کا معاشرہ پر بہت اچھا اثر پڑے گا، اس وقف کی رقم کو کاروبار میں لگانے سے نئی ملازمتیں ملیں گی، اور اس کے منافع سے کئی مستحقین کے ساتھ تعاون بھی ہوگا اور چونکہ یہ ایک اجتماعی عمل ہوگا جو کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے گا اسی لئے اس کے نتائج بھی بہت بہتر اور دوررس نکلیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں آج بھی ایسے اوقاف موجود ہیں جن کی جہتیں متعین ہیں، کوئی وقف خالصتاً بیواؤں کے لئے ہے، کوئی یتیموں کے لئے ہے، کوئی وقف قرض لینے والوں کے لئے خاص ہے اور انہیں بغیر سود کے قرض مہیا کرتا ہے، کسی وقف کے تحت ایک ہسپتال ہے جس میں مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے، ایک بہترین وقف کی زندہ مثال وقف الملک عبدالعزیز ہے جو کہ ایک (72) بہتر منزلہ عمارت ہے اور بیت اللہ کے بالکل سامنے ہے یہ ایک ہوٹل ہے جس کا نام ابراج زمزم (زمزم ٹاور) ہے اس کی ساری آمدنی کو مسجد الحرام کے اخراجات کے لئے وقف کیا گیا ہے۔

اگر ان اوقاف کی جہتوں میں کچھ توسیع کر لی جائے اور ان میں وہ چیزیں بھی شامل کر دی جائیں جن کا انشورنس کرایا جاتا ہے تو یہ یقیناً سودی انشورنس اور تکافل کے نظام سے ایک بہت بہتر نظام اور بالاتفاق جائز معاملہ ہوگا۔ دشواری صرف اس بات کی ہے کہ تعاون میں بھی تجارت ڈھونڈنے اور دین سے دنیا حاصل کرنے والے افراد کو یقیناً یہ کاوش پسند نہیں آئے گی اور وہ اسے پیسوں کا ضیاع اور کاروباری گھاٹا تسلیم کریں گے۔

دنیا کی نظر میں یقیناً صدقہ کرنے والے کو اس کے صدقہ میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا لیکن "دنیا فانی ہے" کے فلسفہ پر یقین رکھنے والے اور اخروی زندگی پر ایمان لانے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمیں حاصل ہی وہ ہوتا ہے جو ہم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جب آدم کا بیٹا مرتا ہے تو اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، ایسا علم جو نفع پہنچائے، وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے"۔ [1]

وقف صدقہ جاریہ کی بہترین عملی تصویر ہے، وقف کرنے والے یا وقف میں حصہ ڈالنے والے جب تک زندہ ہیں وہ کسی حادثہ کا شکار ہونے کی صورت میں اپنے وقف سے مستفید ہو سکتے ہیں، اور ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی یہ وقف ان کے لئے اجر و ثواب کا باعث بنا رہے گا۔

والله أعلم وصلى الله علي نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعبن

---

[1] جامع ترمذی: كتاب الأحكام، باب في الوقف۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے

ایڈورٹائزنگ

ایڈورٹائزنگ کے شرعی اصول وضوابط

خالد حسین گورایہ [1]

تجارت وکاروبار انسانی معاش کی ترقی اور اس کی بقا کا اہم ترین جزو ہے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ انسان کی طرف سے اختیار کردہ طرز کاروبار میں بھی اختلاف رہا ہے۔ جیسے جیسے آبادیاں اور ضروریات بڑھتی گئیں طریقہ ہائے تجارت بھی بدلتے رہے۔ مختلف ادوار میں کاروبار کو قائم کرنے اس کو ترویج دینے اور لوگوں کی اس تک رسائی آسان بنانے کیلئے ہر دور میں مختلف طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔ سابقہ ادوار میں چونکہ زندگی محدود ہوا کرتی تھی، اس لئے کاروبار کی تشہیر کا پیشہ کم اہمیت تھا لیکن گذشتہ دوڈھائی صدیوں سے جب دنیا اتنی پھیل گئی اور ہر ایک کو دوسرے تک رسائی بھی آسان ہوگئی تو بین الاقوامی تجارت نے زور پکڑا جس کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے علاقے کے بسنے والے لوگوں کو اپنی پروڈکٹس سے آگاہ کیا جائے۔ اس

[1] مدیر شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

آ گاہی کیلئے ایڈورٹائزنگ کے شعبہ کو بے انتہاہ ترقی ملی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک بہت بڑا منافع بخش کاروبار بن گیا۔ اور دین اسلام چونکہ ہر دور ہر زمانے اور ہر قوم کیلئے ہے، لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ شریعت اسلامیہ کے سنہرے اصول اس نوعیت کے کاروبار سے پہلوتہی اختیار کرتے۔ زیر بحث تحریر میں ایڈورٹائزنگ اور تشہیر کا شرعی حوالے سے جائزہ لیا جائے گا اور اس ضمن میں شریعت کے زریں اصول بیان کئے جائیں گے۔ وباللہ التوفیق

ایڈورٹائزنگ کا مفہوم

ایڈورٹائزنگ کیلئے بالعموم ''تشہیر'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کی باریکی کو دیکھا جائے تو یہ لفظ تشہیر سے بڑھ کر وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ جس میں مصنوعات کی تشہیر کرنا، فروخت میں اضافہ کرنا، برانڈ سے متعلق لوگوں کے اذہان میں مثبت رائے کو فروغ دینا، صارفین کے جذبات کا فائدہ اٹھا کر برانڈ خریدنے پر آمادہ کرنا اور اس سے متعلق دیگر لوازمات شامل ہیں۔

ایڈورٹائزنگ کی اقسام

جدید ایڈورٹائزنگ بنیادی طور پر دو پہلوؤں پر قائم ہے

1. تھیم: نت نئے آئیڈیاز کے ذریعے اشتہارات کی تیاری، میڈیا کے ذریعے ان کا پھیلاؤ، ان کے ذریعے عوام الناس کے ذہنوں پر مخصوص اثرات مرتب کرنا اور اس طرح اپنے برانڈ کی سیل میں اضافہ کرنا تھیم کہلاتا ہے۔[1]
2. اسکیم: اس سے مراد پروڈیکٹ کی فروخت بڑھانے کیلئے کمپنیاں مختلف اسکیمیں متعارف کراتی ہیں جیسا کہ ایک خریدنے پر ایک فری (BUY ONE GET ONE FREE)، یا پھر ایک معینہ

[1] ایڈورٹائزنگ کا اخلاقی پہلو سے جائزہ، محمد مبشر نذیر ص 2

مقدار تک خریدنے پر کوئی خاص تحفہ دینے کا وعدہ، بسکٹ یا پتی کا پیک خریدنے پر ایک کپ فری، اور اسی طرز کی مختلف اسکیمیں شامل ہیں۔

ایڈورٹائزنگ کے ذرائع

گزشتہ ادوار میں ایڈورٹائزنگ کے ذرائع:

1. منادی کرانا: قدیم دور میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کسی نے اپنی پروڈکٹ کو بیچنا ہوتا تو وہ بازار میں اس کا اعلان کرتا۔ بادشاہوں اور امراء کا بھی یہی طرز وطریقہ ہوتا کہ کوئی اہم پیغام عوام الناس کو دینا ہوتا تو منادی کرنے والے کو بھیجتے وہ بازار میں چکر لگاتا جب لوگ اس کے گرد جمع ہوجاتے تو بادشاہ کا پیغام پہنچادیتا۔ بازاروں کے ساتھ دیگر پبلک مقامات اور خاص تہواروں پر منادی کرنے کا طریقہ بھی عام ہوتا تھا۔
2. دلال: زمانہ قدیم میں دلال متعین ہوتے تھے جو بازاروں میں سامان کی ترویج اور اس کی فروخت کیلئے آوازیں لگاتے اور گاہکوں کو گھیر کر لاتے تھے۔
3. ملمع سازی اور چیز کو خوبصورت کر کے خریدار کے سامنے پیش کرنا: تاکہ گاہک چیز خریدنے میں دلچسپی لے۔ زمانہ قدیم کی اس صورت کو بھی ایڈورٹائزنگ کی ایک ابتدائی صورت شمار کیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں ایڈورٹائزنگ کے ذرائع

سابقہ دور میں رائج طریقہ ہائے ترویج بضاعہ کے ساتھ موجودہ دور میں ایڈورٹائزنگ کا بنیادی ذریعہ میڈیا ہے۔ جس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

1. الیکٹرانک میڈیا: جس میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، سینما وغیرہ شامل ہیں۔
2. سوشل میڈیا: انٹرنیٹ اور اس پر قائم سوشل ویب سائٹس وغیرہ
3. پرنٹ میڈیا: رسائل وجرائد ومجلات وغیرہ
4. آوٹ ڈور میڈیا: جس میں مرکزی شاہراہوں اور پبلک مقامات پر لگائے جانے والے سائن بورڈز، پینافلیکس، ہورڈنگز، بل بورڈز اور نیون سائنز شامل ہیں۔

گزشتہ چند دہائیوں سے مؤخر الذکر دونوں صورتوں نے ایڈورٹائزنگ کے شعبے میں بے پناہ ترقی کی ہے جس کی بنیادی وجہ ان کے ریٹ کی کمی ہے۔لیکن یہ دونوں صورتیں اول الذکر صورتوں سے اثرات کے حساب سے نسبتاً کم ہیں۔

ایڈورٹائزنگ (کاروبار کی تشہیر) کا شرعی حکم

ایڈورٹائزنگ کاروبار کی ترویج کا ایک اہم ترین حصہ ہے، اور عصر حاضر میں یہ شعبہ ایک منافع بخش کاروبار کی صورت اختیار کرچکا ہے، اس کا تعلق چونکہ تجارت اور معاملات سے ہے اس لئے نوعیت کے اعتبار سے اس کے مسائل بیع وشراء (خرید وفروخت) کے ضمن میں آتے ہیں۔معاملات کے ضمن میں آنے سے اس کا بنیادی طور پر حکم جواز اور مباح کا ہے جب تک کہ کسی خاص دلیل کی رو سے اس کی حرمت واضح نہ ہوجائے۔فرمانِ باری تعالی ہے:

{وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ} [الأنعام:119]

''حالانکہ جو چیزیں اس نے تمہارے لئے حرام ٹھہرادی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کردی ہیں''۔

نیز فرمایا:

{قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ} [الأعراف:32]

ترجمہ:''آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کس نے حرام کردیا؟''۔

اورشریعت کا بنیادی اصول ہے کہ "الأصل في الأشياء الإباحة "چیزوں میں اصل جواز ہے۔

ایک قاعدہ ہے کہ:" الأصل فی المعاملات الإباحة و لا تحريم إلا بنص "۔معاملات میں اصل اباحت اور جواز ہے،اور حرمت کیلئے نص (دلیل) کی ضرورت ہے۔

کاروباری تشہیر کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ اسلام کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ،شریعت کے مجموعی دلائل چند ضوابط وقواعد، حدود وقیود کے تحت اس معاملے کو جائز قرار دیتے ہیں۔لیکن اگر یہ معاملہ اپنی شرعی حدود وقیود سے نکل جائے تو وہ شرعی رو سے ناجائز ہوجاتا ہے۔

ذیل میں ان دلائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے کاروباری تشہیر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

قرآن کریم سے دلائل

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة:275]

''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام''۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مذکورہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بیع عمومی طور پر جائز اور مباح ہے اس پر اور اس کی دیگر صورتوں اور تفصیلات پر حرمت کا حکم لگانے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ آیت بیع کے جواز کی بنیادی دلیل ہے، اہل علم کی مذکورہ آیت کی بابت متعدد آراء ہیں جن میں سب سے صحیح تر رائے یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جس میں چند تخصیصات بھی داخل ہوتی ہیں، اس آیت میں ''بیع'' کا لفظ عام ہے، جس میں ہر قسم کی بیع شامل ہے، لیکن شریعت مطہرہ نے چند بیوع کو حرام قرار دیا ہے اور ان سے منع کیا ہے۔ لہٰذا یہ آیت عمومی طور پر ہر معاملے کی اباحت اور جواز پر دلالت کرتی ہے اور جس مسئلہ میں منع کی دلیل آگئی وہ صورت اس سے خاص ہوجائے گی''۔[2]

کاروباری تشہیر پر جب نظر ڈالیں تو اس کی صورت بھی بیع سے قدرے مختلف نہیں بلکہ عصر حاضر میں تو یہ ایک بہت بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کاروبار کی تشہیر کے اخلاقی ضابطے میں رہتے ہوئے جواز کے دلائل ملتے ہیں۔

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلائل

❖ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے

---

[1] الجامع لأحکام القرآن 2/ 306 [2] فتح الباری شرح صحیح البخاری 4/ 357

گزرے تو اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا، آپ نے اس میں نمی محسوس کی تو فرمایا: اے غلہ کے مالک یہ کیا ہے؟ غلہ فروخت کرنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بارش کی وجہ سے گیلا ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اس بھیگے ہوئے مال کو اوپر کیوں نہیں رکھ دیا تا کہ لوگ دیکھ سکیں، پھر فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم سے نہیں"۔ [1]

مذکورہ بالا روایت سے دو چیزیں واضح ہوئیں:

اول: پروڈکٹ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا جواز۔

دوم: چیز کو پیش کرتے وقت دھوکہ اور فریب سے کام لینے کی ممانعت۔

لہٰذا ایڈورٹائزنگ کے وقت اگر کوئی شخص پروڈکٹ میں کمزوری یا کمی پائے تو اسے نمایاں کرکے بیان کردے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ مندرجہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے ان کے نزدیک خرید وفروخت میں دھوکہ فریب حرام ہے"۔

❖ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قحط سالی اور گرانی کے وقت ایک دفعہ شام سے لوگوں کی ضروریات کی چیزیں جَو آٹا وغیرہ لیکر وارد ہوئے، تو انہوں نے اُحجار الزیت نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا اور پھر طبل بجانا شروع کردیا تا کہ لوگوں کو ان کی آمد کا علم ہوجائے، چنانچہ لوگ ماسوائے گیارہ یا بارہ افراد کے ان کے طبل کی آواز سن کر اس طرف نکل کھڑے ہوئے، دحیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اس وقت جمعہ کی نماز میں تھے طبل کی آواز سن کر نکل کھڑے ہوئے"۔ [2]

مجاہد اور مقاتل کا بیان ہے کہ: "آپ ﷺ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ دحیہ کلبی سامان تجارت لیکر مدینہ میں آن وارد ہوئے، اس پر ان کے اہل خانہ نے دف بجانا شروع کردیا جس کی آواز سن کر لوگ جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر ان کی طرف روانہ ہوگئے"۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الايمان، باب من غش فليس منّا۔

[2] الجامع لأحكام القرآن للقرطبي 352 /9

[3] الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، 353 /9 التحرير والتنوير لإبن عاشور 228 / 11

اور ایک روایت میں ہے کہ: "ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ دحیہ کلبی سامان تجارت لیکر آئے ہیں، دحیہ کے گھر والوں کا یہ معمول ہوا کرتا تھا کہ جب وہ تشریف لاتے تو وہ دف بجا کر ان کا استقبال کرتے، یہ سن کر لوگ نکل پڑے"۔ [1]

مذکورہ بالا مختلف روایات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زمانہ نبوی ﷺ میں لوگ تجارتی مال کی آمد کا اعلان اور تشہیر مختلف طریقوں سے کیا کرتے تھے تا کہ لوگ جمع ہوکر اپنی ضرورت کی چیز خرید لیں، ان ذرائع میں طبل یا دف کا بجایا جانا وغیرہ شامل تھا۔ یہ طریقے زمانہ نبوی ﷺ میں تجارتی اعلانات اور پروڈکٹ کی فروخت کیلئے استعمال ہوتے تھے اور آپ ﷺ نے ان میں شرعی قباحت نہ پاتے ہوئے لوگوں کو اس سے منع نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی پروڈکٹ کی تشہیر شرعی حدود و قیود میں کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❖ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اپنا تجارتی سامان بیچنے کیلئے اسے بازاروں میں سجاتے، لوگوں کو اس کے خریدنے پر راغب کرنے کیلئے خود یا اپنے ملازموں اور غلاموں سے آوازیں لگواتے، لہٰذا ان کا اپنے مال کو یوں پیش کرنا اور اس پر منادی کرنا اس کی تشہیر کی ابتدائی صورت تھی جسے ہم ایڈورٹائزنگ کی ابتدائی شکل سمجھ سکتے ہیں۔ اور چونکہ آپ ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا یہ اس امر کے جواز کی بڑی قوی دلیل ہے۔

عقلی دلیل: شریعتِ اسلامیہ کا سنہری اصول ہے کہ وہ مشقت، تکلیف وتنگی کے ازالے کیلئے آئی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

{وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} [الحج:78]

"اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی"۔

دورِ حاضر میں ایڈورٹائزنگ ایک بنیادی ضرورت بن چکی ہے مختلف قسم کی کمپنیوں کا وجود میں آنا، انواع واقسام کی پروڈکٹس میں آئے روز اضافہ ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ ان پروڈکٹس سے صارفین کو

---

[1] الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ،353 /9التحرير والتنوير لابن عاشور 228 / 11

مطلع کیا جائے۔ لہٰذا ان کمپنیوں کیلئے ضروری ہو چکا ہے کہ وہ اپنی پروڈکٹس کی خصوصیات کے بارے میں لوگوں کو مطلع کریں اور اگر تاجروں کو اس عمل سے روک دیا گیا تو وہ لوگ تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہوں گے، ان کی برانڈز کارخانوں اور گوداموں میں گل سڑ جائیں گی جس سے انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جو کہ شرعی مقاصد کے خلاف ہے۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ کاروبار کی تشہیر ایک جائز عمل ہے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ جن ذرائع سے اس ایڈورٹائزنگ کو نشر کیا جاتا ہے وہ شریعتِ مطہرہ کے اصولوں اور ضابطوں کے عین مطابق ہوں اور اس کے معیار پر پورے اتریں۔ ان ضابطوں میں چند اہم ترین کا تذکرہ ہم آئندہ سطور میں کرتے ہیں۔

ایڈورٹائزنگ کے شرعی اصول اور ضابطے

سابقہ بحث سے واضح ہوا کہ شریعت مطہرہ میں کاروبار کی تشہیر کرنا اپنی پراڈکٹ اور برانڈ سے متعلق لوگوں کو آگاہی دینا اور گاہکوں کو اس کی خصوصیات سے آگاہ کرنا جائز اور مشروع ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کیلئے اختیار کیا جانے والا طریقہ اور ذریعہ بھی جائز اور مشروع ہونا چاہئے۔ شرع مطہر میں چند ایسے ضابطے اور اصول متعین کئے گئے ہیں جن کا خیال کرنے سے ایک مسلمان تاجر ایڈورٹائزنگ کے معاملات میں غیر شرعی چیزوں سے بچ سکتا ہے۔

پہلا ضابطہ: سچائی اختیار کرنا اور جھوٹ اور مبالغہ آرائی سے پرہیز کرنا

شریعت اسلامیہ کا ایک مسلمان سے تقاضا ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات، اقوال وافعال میں سچائی اختیار کرے۔ دیگر معاملات کی طرح تجارتی معاملات میں اس پر بالخصوص توجہ دلائی گئی اور سچائی پر اجرِ عظیم کی نوید بھی سنائی گئی چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔ [1]

---

(1) سنن ترمذی: كتاب البيوع، باب ماجاء في التجار، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ الغرض مفہوماً یہ روایت صحیح ہے جس کی تائید شریعت کے دیگر بیشمار دلائل سے ہوتی ہے

تاجر کو تجارت میں بھی اور اس طرح اپنے مال کی ایڈورٹائزنگ میں بھی سچائی اختیار کرنی چاہیے۔

اسماعیل بن عبید بن رفاعہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ: ''وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلے تو دیکھا کہ لوگ خرید وفروخت کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے تاجروں کی جماعت! وہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اپنی گردنیں اٹھالیں اور آپ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''تاجر قیامت کے دن نافرمان اٹھائے جائیں گے البتہ جو اللہ سے ڈرے نیکی کرے اور سچ بولے''۔ (1)

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے (بیع فسخ کرنے کا) جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں (اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ قَالَ حَتَّى يَتَفَرَّقَا) کہا اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع کی برکت ختم کردی جائے گی''۔ (2)

سچائی ایک ایسی صفت ہے جس سے رزق میں برکت اور بڑھوتری ملتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو انسان اپنا مال لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ فروخت کی جانے والی چیز کے تمام عیوب خفیہ اور ظاہری گاہک کے سامنے بیان کردے، کوئی چیز چھپائے نہیں اور اگر چھپایا تو وہ ظالم، خائن اور دھوکے باز ٹھہرے گا۔ ملاوٹ، خیانت اور دھوکہ دہی حرام عمل ہے۔ ایسا کرنے والا فرد معاملے میں خیر خواہی سے کنارہ کشی اختیار کر رہا ہے۔ اور نصیحت وخیر خواہی ایک ضروری اور لازم امر ہے۔ اس کی واضح دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے غلے کے مالک یہ تری کیسی ہے؟ یعنی ڈھیر کے اندر یہ تری

---

(1) سنن ترمذی: كتاب البيوع، باب ماجاء في التجار، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔
سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب التوقی فی التجارۃ۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(2) صحیح بخاری: كتاب البيوع، باب إذا بين البيعان ولم يكتما ونصحا. صحيح مسلم: كتاب البيوع، باب الصدق في البيع والبيان.

کہاں سے پہنچی اور تم نے غلہ کو تر کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا (جس کی وجہ سے غلہ کا کچھ حصہ تر ہو گیا ہے میں نے قصداً تر نہیں کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم نے غلہ کو اوپر کی جانب کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے اور کسی فریب میں مبتلا نہ ہوتے) یاد رکھو جو شخص فریب دے وہ مجھ سے نہیں (یعنی میرے طریقہ پر نہیں ہے)''۔①

جہاں عیوب کو چھپانے سے شریعت نے منع فرمایا وہاں اپنے مسلمان بھائی سے خیر خواہی کرنے، نصیحت کرنے اور اچھا مشورہ دینے کا بھی حکم دیا۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھوں گا زکوٰۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کروں گا''۔②

اس کے بعد سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی چیز کی کمزوریاں کھول کر رکھ دیتے، پھر کہتے کہ اگر لینی ہے تو لے لو ورنہ چھوڑ دو، ان سے کہا گیا کہ اگر تم نے اس طرح کیا تو تمہاری چیز فروخت ہی نہیں ہوگی! فرمانے لگے "إنا بايعنا رسول الله على النصح لكل مسلم" ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کرنے کی بیعت کی ہے''۔③

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ شریعتِ اسلامیہ نے تو یہاں تک تعلیم دی کہ اگر فروخت کنندہ اور خریدار کے علاوہ کوئی تیسرا شخص بھی اس عیب کو دیکھ لے تو اس پر بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کرے۔ یزید ابن ابی مالک فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں ابو سباع نے بیان کیا کہ میں نے واثلہ بن اسقع کے گھر سے ایک اونٹنی خریدی، جب میں خرید کر جانے لگا تو دیکھا کہ واثلہ رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے آرہے ہیں آتے ہی کہنے لگے: اے عبداللہ! کیا تم نے اونٹنی خریدی ہے؟ میں نے کہا ہاں، کہنے لگے کیا اس بیچنے والے نے اس میں جو عیب ہے تمہیں بتایا ہے؟ میں نے کہا اس میں کون سا عیب ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں موٹی تازی ہے صحت مند ہے! پھر فرمایا کیا تم اس پر سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو یا ذبح کرنے کیلئے لی ہے؟ میں نے کہا کہ: نہیں بلکہ میں نے حج کے ارادے سے لی ہے کہ اس پر سوار ہو کر حج کیلئے جاؤں گا، کہنے لگے:

---

①صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب من غش فليس منا

②صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة ③إحياء علوم الدين للغزالي: 2/69

اس اونٹنی کی ایڑی میں نقب ہے، کہتے ہیں: یہ بات سن کر وہ فروخت کرنے والا کہنے لگا: اللہ تمہاری اصلاح کرے تم تو میرا سودا خراب کر رہے ہو۔اس پر واثلہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"لا يحل لأحد يبيع شيئا إلا يبين ما فيه ولا يحل لمن يعلم ذلك إلا يبينه" ①

''کسی کیلئے یہ حلال نہیں کہ جب وہ چیز بیچے، اس میں موجود عیب واضح طور پر بیان نہ کردے، اور اس شخص کیلئے بھی جائز نہیں کہ جو اس عیب کو جانتا ہو وہ اسے بیان نہ کرے''۔

فقہاء نے بھی اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے کہ اگر کوئی بائع کسی شخص کو بغیر عیب کی نشاندہی کئے اپنی چیز فروخت کر دیتا ہے، اور خریدار کو اس عیب کا بعد میں علم ہوتا ہے تو یہ بیع تو صحیح ہوگی لیکن خریدار کو اختیار ہے وہ چاہے تو وہ چیز اس عیب کے ساتھ بخوشی قبول کرے یا پھر تاجر کو دوبارہ واپس لوٹا دے اور بیع فسخ کر کے اپنی قیمت واپس لے لے۔اس ضمن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''ایک شخص نے غلام خریدا اسے کام میں لگایا پھر اس میں عیب دیکھا تو واپس کر دیا، اس پر فروخت کنندہ کہنے لگا کہ ''اس نے میرے غلام کو کام میں لگا کر فائدہ اٹھایا ہے اس کی اجرت؟'' اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " الغلة بالضمان " کہ نفع وفائدہ ضمانت کے ساتھ مربوط ہے (جو ضامن کو ملے گا)۔ ②

مندرجہ بالا دلائل سے نمایاں ہوا کہ ایڈورٹائزنگ کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ سچائی کا دامن نہ چھوڑے کہ کہیں ان معاملات میں نہ پڑ جائے جن سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے، مگر المیہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ایڈورٹائزنگ میں محض سچ کو چھپایا یا غلط بیانی سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ اس سے بڑھ کر مبالغہ آرائی کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ایک شیمپو بیچنے والی کمپنی شیمپو کی اتنی توصیفات بیان کرتی ہے کہ جیسے اس میں ہر مرض کا علاج ہے لیکن استعمال کے بعد اس کے کوئی خاطر خواہ نتائج نہیں نکلتے بلکہ الٹا

① مسند امام احمد: حديث واثلة بن الأسقع من الشاميين رضي الله عنه. امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔② سنن ترمذی: كتاب البيوع، باب في من اشترى عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔امام البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

نقصانات اور منفی پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔جس سے خریدار کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، بداعتمادی کا سلسلہ چل نکلتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بھروسے کی فضا ناپید ہوجاتی ہے، جوکہ کاروبار کی ترقی، برکت اور کامیابی کیلئے انتہائی ضروری ہے۔اکثر اوقات ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ ایک شخص اپنی جمع پونجی لگا کر چیز خریدتا ہے لیکن پھر بھی وہ کوس ہی رہا ہوتا ہے کہ میرے ساتھ فراڈ ہوگیا، میں لٹ گیا لیکن کیا کیا جائے یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے!

؎ شکوہ کریں تو کس سے شکایت کریں تو کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

؎ حرفِ دروغ، غالب شہر خدا ہوا
شہروں میں ذکر حرفِ صداقت کریں تو کیا

دوسرا ضابطہ حرام کردہ چیزوں کی ایڈورٹائزنگ نہ کی جائے

اس میں ایڈورٹائزنگ کمپنیاں اور متعلقہ تمام ادارے اس کی پاسداری کریں حرام چیز کا نہ ایڈ تیار کیا جائے، نہ اس کی تشہیر کے لئے جگہ دی جائے اور نہ ہی اسے نشر کیا جائے، جس چیز کا استعمال گناہ ہے یقیناً اس کی ترغیب دینا بھی گناہ ہے اور اگر ایسا ہوا تو تمام لوگ جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ} [المائدة:2]

’’نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے‘‘۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:’’بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کردیتے ہیں تو اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانا بھی حرام فرمادیتے ہیں‘‘۔[1]

[1] سنن دار قطني: كتاب البيوع، إن الله تعالى إذا حرم شيئا حرم ثمنه.

عصر حاضر میں حرام شدہ چیزوں کی ایڈورٹائزمنٹ کی چند صورتیں:

- ایسے اشتہارات تیار کرنا جن میں سگریٹ نوشی اور شراب ومنشیات کی ترویج شامل ہو یہ حرام ہے۔
- ایسے بینکوں کے ایڈ تیار کرنا یا تشہیر کرنا جو سودی لین دین کرتے ہیں۔
- موسیقی، فلم، ٹی وی اور اسٹیج ڈراموں ودیگر ایسے پروگراموں کی تشہیر کرنا جن میں فحاشی بے حیائی، اور اخلاقی استحصال شامل ہوتا ہے۔
- فحش سائٹوں پر اپنے ایڈ دینا۔
- جوا، بدکاری وفحاشی کی ایڈورٹائزنگ اور مارکیٹنگ کرنا وغیرہ۔

تیسرا ضابطہ تشہیر کسی ایسے مواد پر مشتمل نہ ہو جو شہوانیت اور جنسی جذبات کو ابھارے

شریعتِ اسلامیہ حیا وشرم، عفت وعفاف اور حسن اخلاق کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے۔

غیر محرم سے خلوت اور اختلاط، نمائشِ بدن، اور ایسے کام بجالانا جس سے لوگوں کے شہوانی اور جنسی جذبات ابھریں اس سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس طرح کی تشہیر اور اعمال میں معاشرے کی تباہی، اخلاق کی تباہی اور فحاشی کو پروموٹ کرنے کا عندیہ موجود ہے اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایسے اعمال سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اگر آج کی ایڈورٹائزنگ پر نظر ڈالی جائے وہ چاہے آڈیو کی صورت میں ہو یا ویڈیو یا پرنٹ کی صورت میں ان کا اخلاقی گراف اتنا گر چکا ہے کہ الحفیظ والامان! عورت کو ایک مہرہ بنا کر استعمال کیا جاتا ہے، اسے پروڈکٹ متعارف کرنے کے لئے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس کی تکریم وعزت کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔

مگر شریعت مطہرہ نے انسان کی تکریم کی ہے اسے عفت وحیا کا درس دیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

{ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا } [الإسراء:70]

”یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ

چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

ہمارے معاشرے کا گراف کس حد تک گر چکا ہے اس کا اگر مشاہدہ کرنا ہے تو سائن بورڈز، ٹی وی اشتہارات اور ہوڈنگز سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ کیسے جنسی جذبات کو ہوا دی جا رہی ہے۔ فجور وفحاشی اور بے حیائی انتہا کو پہنچ چکی ہے، ملبوسات کا اشتہار ہو، شیمپو کا اشتہار ہو، صابن یا صرف ہو، کھانے پینے کی اشیاء سب پر نیم برہنہ عورتیں براجمان ہوتی ہیں۔ جس سے عیاں ہوتا ہے عورت کو نیم برہنہ کئے بغیر کوئی پروڈکٹ فروخت ہو ہی نہیں سکتی! اس طرح کی حیا باختہ تشہیر محض پروڈکٹ پر منفی اثرات نہیں ڈالتی بلکہ معاشرے سے عفت وعصمت حیا و پاکدامنی کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ عورت ایک آلہ ترویج بضاعت بن چکی ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

{إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} [النور:19]

ترجمہ: "جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے"۔

اسلام نے تو عورت کی آواز تک کو حساس قرار دیا ہے کہ جس سے برائی کے طالب لوگوں کی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں اس لئے فرمایا:

{يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا} [الأحزاب:32]

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو"۔

اور پردے اور حیا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

{يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا} [الأحزاب:59]

’’اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکایا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے‘‘۔

چوتھا ضابطہ اپنی پروڈکٹ کی ترویج کیلئے دیگر برانڈز کی مذمت نہ کی جائے

اسلام نے جن اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دی ہے اس میں نمایاں اخلاق یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے دوسرے بھائی کیلئے ہمیشہ مثبت اور اچھی سوچ رکھنی چاہئے، ایثار اور قربانی کے جذبہ سے سرشار رہنا چاہئے اس کے ساتھ ساتھ باہمی تعلق ومحبت کو فروغ دینے کی تعلیم دی ہے فرمان باری تعالی ہے:

{وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} [الحشر:9]

’’اور (ان کے لئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے‘‘۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے‘‘۔ (1)

ہاں منافست اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے سے شریعت نے منع نہیں کیا لیکن یہ ضابطہ مقرر کر دیا

(1) صحیح بخاری: کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه. صحیح مسلم: کتاب الإيمان، باب الدليل أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير.

کہ اس منافست اور رسہ کشی میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کی ساکھ مجروح نہیں ہونی چاہئے اور نہ اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچنا چاہئے۔ تاکہ معاشرے میں الفت ومحبت کی فضا پروان چڑھے اور بغض وحسد کی فضا معدوم ہو۔ لیکن دور حاضر میں بالعموم تب تک اپنی پروڈکٹ کو کامیاب تصور نہیں کیا جاتا جب تک دوسروں کی پروڈکٹ کے نقائص بیان نہ کردئے جائیں تقابل کے بغیر اپنی تشہیر کو نامکمل سمجھا جاتا ہے دوسرے کو خراب کہہ کر خود کو صحیح ثابت کرنے کا طریقہ بہت رواج پاچکا ہے۔ جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"لا ضرر ولا ضرار" [1] ''نہ کسی کو نقصان دو نہ تمہیں نقصان دیا جائے''۔

اس لئے ایک مسلمان اور مومن تاجر کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پروڈکٹ کی ایڈورٹائزنگ کرے لیکن دوسرے مسلمان بھائیوں کی تنقیص کئے بغیر اور ان کی چیزوں سے مقارنہ کئے بغیر ورنہ کہیں اس حدیث کی ضمن میں نہ آجائے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے''۔ [2]

ہمارے معاشرہ میں عموماً جو اشتہارات نظر سے گذرتے ہیں اس میں اس طرح کے القابات جلی حروف میں ہوتے ہیں ''اس میں جو مزہ ہے وہ کسی اور میں کہاں'' بے شمار طریقوں سے تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسلامی طرز تشہیر کا اصول ہے جبکہ مغربی ایڈورٹائزمنٹ میں تو نہ صرف کہ اس قسم کی تنقیص وتجریح کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ تقابلی اشتہارات کو سب سے زیادہ کامیاب تصور کیا جاتا ہے۔

پانچواں ضابطہ ایسے اشتہارات سے پرہیز کرنا جو اسلامی عقائد ونظریات سے متصادم ہوں

عقیدہ مسلمان کی زندگی کا سب سے اہم ترین سرمایہ ہے، اس کے بغیر ایمان اور اسلام کی سلامتی خطرے میں پڑجاتی ہے، لہٰذا کسی بھی ایسی پروڈکٹ کی تشہیر نہ کی جائے جس سے مسلمان کے اخلاق اور اس کا عقیدہ متاثر ہو۔ اس میں سب سے بنیادی چیز غیر اللہ کے عرس واعیاد کیلئے اپنا پلیٹ فارم مہیا کرنا، بروشر

---

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه.

شائع کرنا، یا ایسے حیا باختہ مشاعروں کی تشہیر کرنا جس میں تمام اخلاقی واعتقادی حدوں کو پامال کردیا جاتا ہے، یا ایسے پروگراموں یا جرائد میں اشتہار دینا جن میں علم نجوم سے متعلق یا غیبی معاملات سے متعلق بحث کی جاتی ہو۔

چھٹا ضابطہ اعلانات میں فضول خرچی نہ کی جائے

آج کے دور میں کمپنیاں ایڈورٹائزنگ پر اتنی خطیر رقم خرچ کرتی ہیں کہ جس کا اثر قیمت کی گرانی پر منتج ہوتا ہے۔ یہ فعل فضول خرچی کے ضمن میں آتا ہے اور فضول خرچی اسلام میں قطعاً جائز نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے: {وَلَا تُسْرِفُوْٓا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ} [الأنعام:141]

ترجمہ: اور بے جا خرچ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ اسراف (فضول خرچ) والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز فرمایا:

{وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○} [الإسراء:27،26]

ترجمہ: ’’اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے‘‘۔

کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ بھائی اس میں فضول خرچی کہاں ہے بلکہ تاجر تو جو خرچ کرتا ہے اس کا منافع اسے مل جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاجر کی ایڈورٹائزنگ کی مکمل قیمت گاہک کو ادا کرنی پڑتی ہے، جس سے کساد بازاری کی فضا عام ہوتی ہے اور غریب لوگوں کیلئے خریداری مشکل سے مشکل تر ہوجاتی ہے۔ اور معاشرے پر اس کے انتہائی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جبکہ مومن کو تو چاہئے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کیلئے بھلائی کے پہلو پر سوچے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ شخص ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع اور فائدہ پہنچائے، اور اعمال میں سب سے پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جس میں ایک بندہ اپنے مسلم بھائی کو کوئی خوشخبری دے، یا اس سے کوئی تکلیف دور کرے، یا اس کا قرض ادا کردے، یا اس کی بھوک مٹادے، اور میں ایک مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کروں یہ مجھے مسجد میں

ایک مہینے کے اعتکاف کرنے سے زیادہ پسند ہے، اور جس نے اپنے غصے پر قابو پالیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو چھپائے گا، جس نے غصہ کو پیا اگر چہ وہ اس کو نافذ کرنے پر قادر تھا، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے دل کو رضا سے بھر دے گا اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے چلا تاکہ اسے ثابت قدم کردے، اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت ثابت قدم رکھے گا جس دن بہت سے قدم ڈگمگائیں گے، اور بداخلاقی مسلمان کے عمل کو ایسے تباہ کر دیتی ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو"۔

قیمتوں کی گرانی سے معاشرے کے متوسط اور نچلے طبقے پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ اور چیزیں ان کی قوت خرید سے باہر ہو جاتی ہیں۔ جس سے معاشرہ میں عدم توازن کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

ساتواں ضابطہ صارفین کے جذبات کو اپیل کرنے سے گریز کیا جائے

شریعتِ اسلامیہ میں تجارت کے حوالے سے یہ ضابطہ دیا گیا ہے کہ وہ فریقین کی باہمی رضامندی پر مبنی ہونی چاہئے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: "الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم " رضا کیلئے ضروری ہے کہ انسان مکمل طور پر فکری وجسمانی لحاظ سے آزاد ہو اسے کسی چیز کے سودے پر حسی یا معنوی طور پر مجبور نہ کیا جائے۔ اکراہ اور مجبوری عمومی طور پر دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تو کسی انسان کو جسمانی طور پر کسی دباؤ کے تحت کوئی چیز خریدنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ صورت تو موجودہ تجارت میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے لیکن دوسری قسم یہ کہ انسان کو مسمرائز (Mesmerize) اور ہپناٹائز (Hypnotize) کر کے کوئی چیز خریدنے پر مجبور کیا جائے۔ یعنی ہمیں ترغیب اور اکراہ میں فرق کرنا چاہئے محمد مبشر نذیر صاحب رقمطراز ہیں:

"ہمارے معاشرے میں پراڈکٹس کے فوائد بتلا کر ان کو خریدنے کی ترغیب پیدا کرنے کا کام بھی کیا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ زیادہ زور اس بات پر ہے کہ لوگ اپنی عقل و دانش کے تحت تجزیہ کر کے نہیں بلکہ اپنے جذبات کے ہاتھوں ان پروڈکٹس کو خریدنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے ہر برانڈ کو کسی مخصوص جذبے مثلاً دوستی، عشق ومحبت، مامتا، اپنائیت، ذہنی سکون،

ایڈونچرحتی کہ جنسی خواہش کے ساتھ وابستہ کردیا جاتا ہے۔جن افراد میں یہ جذبات شدت سے پائے جاتے ہیں، اشتہارات ان کے انہی جذبوں میں تحریک پیدا کرتے ہیں اوراس کے ذریعے انہیں اپنا برانڈ خریدنے پر مجبور کرتے ہیں ۔ان اشتہارات کو بار بار دکھا کر، انہیں میوزک اور نغموں کے ذریعے ذہنوں میں اتار کر، اوران میں نت نئ ورائٹی پیدا کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنا کران جذبات کی شدت (Jingles) میں اوراضافہ کیاجاتاہے"۔ [1]

لہٰذا لوگوں کی عقلوں کوزیرقبضہ کرکے،خریداری کے سحرمیں گرفتار کرکے ان سے مرضی کی قیمتیں اینٹھنا اورانہیں نہ چاہتے ہوئے بھی خریدنے پر مجبور کرنا اسلامی روح سے متصادم ہے۔

اس کے منفی اثرات کا آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ دنیا میں آئے روز سطح غربت بڑھتی جارہی ہے جبکہ انسان ہرطرف پرتعیش سامان خریدنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔جس کے گھرمیں کھانے کوآٹا نہیں وہ بھی اعلیٰ قسم کے موبائل فونز رکھتاہے۔انواع واقسام کا فرنیچرخریدنے اور سامانِ تعیش رکھنے کامتمنی ہوتا ہے۔یہ اسی سحر کا نتیجہ ہے جوان اشتہارات کے ذریعے لوگوں پراثرانداز ہوتا ہے۔

ایڈورٹائزنگ کیلئے انعامی اسکیموں کااعلان اورگفٹ دینے کااہتمام کرنا

عصر حاضر کی مارکیٹ میں انعامات کو پروڈکٹ کی سیل بڑھانے میں مرکزی کردار سمجھا جاتا ہے، بڑی بڑی کمپنیاں ان مقابلوں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے کودتی ہیں ، گاہکوں کو بھی ان انعامات کی چکاچوند کھینچ لاتی ہے۔ایڈورٹائزنگ میں انعامات کے طریقہ کار کوانتہائی سریع النتائج اورسریع التاثیر سمجھا جاتا ہے۔

اگران انعامی اسکیموں پرطائرانہ نظرڈالی جائے توعمومی طور پردواقسام ابھر کرسامنے آتی ہیں۔

پہلی قسم: ایسی انعامی اسکیم جس میں شریک لوگوں کوکوئی نہ کوئی کام سرانجام دینا ہوتا ہے،یعنی کمپنی اپنے صارف سے کوئی نہ کوئی کام کراتی ہے اس کے بعد انہیں انعامات دئے جاتے ہیں ۔ جیسا کوئز

[1] ایڈورٹائزنگ کا اخلاقی پہلو سے جائزہ ص4

مقابلے، پزل گیمز، پروڈکٹ کے خصوصیات سے متعلق سوالات وغیرہ، یا کسی جملے کو مکمل کرنا، یا املائی غلطیوں کو درست کرنا وغیرہ وغیرہ پھر جوابات وصولی کے بعد کامیاب امیدوار کا نام بذریعہ قرعہ اندازی اعلان کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے کو اگر شرعی نوعیت سے دیکھا جائے تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں۔

1 کمپنی مقابلے میں شرکت کیلئے کسی چیز کے خریدنے کی پابند نہ کرے۔ بغیر کسی شرط کے وہ کوپن تقسیم کئے جائیں کہ کوئی بھی شخص اس میں حصہ لے سکتا ہے۔

2 کمپنی یا مقابلے کا انعقاد کرنے والی شخصیت اپنی پروڈکٹس میں سے کسی چیز کے خریدنے کو لازم قرار دے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ کمپنی کہے کہ ہم اس مقابلے میں حصہ لینے کا کوپن صرف اسی شخص کو دیں گے جو ہماری فلاں چیز خریدے گا۔ یا پھر وہ ایسے نہ کہیں بلکہ ایسا کریں جیسا کہ بہت سے ادارے کرتے ہیں کہ کوپن بیچے جانے والی چیز کے اندر ہی ہوتے ہیں جسے نکال کر فل کر کے بھیجا جاتا ہے۔ بالعموم اس طرح کے مقابلے پرنٹ میڈیا یا اخبارات ورسائل میں بکثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔

دوسری قسم: ایسا انعامی مقابلہ جس میں مقابلہ میں شریک افراد کو کچھ بھی نہ کرنا پڑے۔ ان کی کسی قسم کی صلاحیت صرف نہ ہو۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مقابلہ منعقد کرنے والی جہات لوگوں میں خاص نمبرز پر مبنی کوپنز تقسیم کرتے ہیں اگر وہ قرعہ اندازی میں شامل ہونا چاہتے ہیں پھر ایک تاریخ کا اعلان کردیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو قرعہ اندازی ہوگی اور بذریعہ قرعہ اندازی اتنے افراد کو جن کا نمبر نکلا انعامات دئے جائیں گے۔ اس قسم کے مقابلوں کی آسانی اور جاذبیت کے باعث اکثر کمپنیاں اس قسم کے ہی مقابلے کراتی ہیں اور لوگوں کو بھی یہی آسان لگتے ہیں کہ بغیر کسی ذہنی وجسمانی مشقت کے ٹوکن حاصل کر کے اگر کوئی انعام نکل آیا تو وارے نیارے ہوجائیں گے۔

اس قسم کی بھی ذیلی دوصورتیں بنتی ہیں۔

1 مقابلے میں شرکت کیلئے کمپنی کی کسی پروڈکٹ خریدنے کی شرط نہ ہو۔

2 مقابلے میں شرکت کیلئے پروڈکٹ خریدنے کی شرط لگائی جائے۔

مسائل مذکورہ بالا کا شرعی نوعیت سے جائزہ

اہل علم نے مقابلوں کو عمومی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم: ایسے مقابلے جو معاوضہ (انعام) کے ساتھ بھی جائز ہیں اور بغیر معاوضے کے بھی۔

مقابلوں کے حوالے سے اسلام کا جو عمومی نقطہ نظر ہے یہ تین چیزوں اونٹوں کی دوڑ، تیر اندازی، گھڑ دوڑ میں مقابلوں کے اجراء کو فقہاء نے اجماعاً جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس مقابلے کی انعامی رقم کسی تیسرے فریق کی طرف سے ہو نہ کہ مقابلے میں شریک فریقوں کی جانب سے۔ [1]

نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "لا سبق الا في خف، أو نصل، أو حافر"۔ [2]

''مسابقت کے ساتھ مال لینا حلال نہیں مگر اونٹ، یا گھوڑے دوڑانے میں اور تیر اندازی میں''۔

اہل علم نے مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ مقرر کیا کہ حدیث میں مذکور تینوں چیزوں میں مقابلے منعقد کرانا جائز ہیں بلکہ مطلب شرعی ہیں۔

دوسری قسم: ایسے انعامی مقابلے جو واجبات کی ادائیگی سے غافل کردیں، یا ان میں حرام چیز کی آمیزش ہوجائے ایسے مقابلے بالکل ناجائز ہیں۔

اہل علم کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو واجب کی ادائیگی سے مشغول کردے، غافل کردے، یا کھیل تماشے اور غفلت میں ڈال دے یا ہر وہ چیز جس میں حرام کی آمیزش ہوجائے اس میں مقابلے کا انعقاد کرنا ناجائز ہے۔ [3]

اس طرح کے مقابلے سورہ مائدہ میں فرمان باری تعالیٰ کی روشنی میں حرام وناجائز قرار پائیں گے۔

---

[1] اس اجماع کیلئے ملاحظہ کیجئے: مختصر الطحاوي لمحمد بن حسن ص ، 304 مختصر إختلاف الفقهاء للجصاص، 3/ 515 التمهيد لابن عبدالبر ، 14/ 88 ، مراتب الاجماع ، 183 ، شرح صحيح مسلم. 14/ 13 ،

[2] ابو داؤد: كتاب الجهاد، باب في السبق، الترمذي: كتاب الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق. النسائي: كتاب الخيل، باب السبق. ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب السبق والرهان.

[3] دیکھیے: مجموع الفتاوی، شیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ ، ج32 ص 250 اور کتاب الفروسية ، لابن القيم ص178

فرمان باری تعالیٰ ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (90) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ} [المائدة:90،91]

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تمہیں باز رکھے۔ سو اب بھی باز آجاؤ۔

تیسری قسم: انعامی مقابلوں کی تیسری قسم ایسے مقابلے جن میں کوئی معاوضہ یا انعام مقرر نہیں ہوتا۔ اس قسم کے مقابلوں پر بھی اہل علم کا اجماع ہے کہ کوئی بھی ایسا مقابلہ جس پر معاوضہ وانعام نہ رکھا گیا ہو، اور اس میں نفع ہو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، یا نقصان غالب نہ ہو تو ایسے مقابلے منعقد کرنا جائز ہے۔ (1)
جیسے دوڑ کا مقابلہ، کشتی رانی، سوئمنگ وغیرہ کے مقابلے ہیں۔ (2)

مقابلوں کی مندرجہ بالا انواع واقسام کے ذکر کے بعد ایک اختلافی صورت بچتی ہے اور وہ یہ کہ ان انعامی مقابلوں کے انعقاد کا کیا حکم ہے جن میں نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی اس نص میں مذکور مفہوم کا اس پر اطلاق ہوتا ہے، اور وہ معاوضہ اور انعام کی بنیاد پر منعقد کرائے جاتے ہیں؟ کیا شرعی نقطہ نگاہ سے ایسے مقابلے منعقد کرائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ آج کل کے تجارتی انعامی مقابلے ہیں اس مسئلہ میں فقہاء واہل علم کی دو آراء سامنے آتی ہیں:

پہلی رائے: حنفیہ، (3) مالکیہ (4) شافعیہ (5) حنابلہ (6) اور امام ابن حزم ظاھری (7) کا موقف ہے کہ ایسے

---

(1): اس اتفاق کا ذکر امام نووی نے شرح صحیح مسلم 13 / 14۔ ابن قدامہ نے المغنی 13 / 407، اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری 6 / 72 میں کیا ہے۔ (2) دیکھیے: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ ج32 ص 227، الفروسیۃ لابن القیم ص 171

(3) بدائع الصنائع: 6/206، حاشية ابن عابدين:. 6/402،403 (4) الذخيره للقرافي: 3/466 القوانين الفقهية: ص 105

: (5) روضة الطالبين 10/351 (6) المغني: 13/407 منتهى الإرادات: 497 / 1 (7) المحلى 354 /7 :

انعامی مقابلوں کا انعقاد جائز نہیں۔

دوسرا قول:

بعض مالکیہ [1] کی رائے ہے کہ اس طرح کے مقابلوں میں انعام متعین کرنا اور مقابلے منعقد کرانا جائز ہے لیکن بشرطیکہ یہ انعام کوئی تیسرا فریق مقرر کرے نہ کہ مقابلے میں شریک فریق۔

فریق اول کے دلائل: پہلی دلیل: فرمان رسول ﷺ ہے کہ:

"لا سبق إلا في خف، أو نصل، او حافر"۔ [2]

''مسابقت کے ساتھ مال لینا حلال نہیں مگر اونٹ، یا گھوڑے دوڑانے میں اور تیراندازی میں''۔

وجہ استدلال: آپ ﷺ نے انعامی مقابلوں کے انعقاد کو تین چیزوں میں محصور کردیا ہے۔ اونٹ، گھوڑے، اور تیراندازی، اگر دیگر معاملات میں یہ چیز جائز ہوتی تو ان تینوں کے استثناء کی ضرورت نہ تھی کہ تمام مباح چیزوں میں بغیر عوض مقابلے ویسے ہی جائز ہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی چیز جو اس حدیث کے مفہوم میں شامل ہو تو اس کے جواز کی اہل علم نے گنجائش نکالی ہے البتہ اس کے علاوہ کسی میں عوض اور انعام مقرر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ اس حدیث کی نص میں داخل ہے اور نہ ہی اس کے مفہوم میں پھر یہ کیونکر جائز ہوسکتے ہیں۔

دوسری دلیل: اس طرح کے مقابلوں میں انعامات اور عوض کی ادائیگی کو جائز قرار دینے سے اعتراض شرعی جنم لیتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ اس کام کو بحیثیت پیشہ اختیار کرلیں گے۔ بالخصوص اس کام کی سہولت وآسانی کو دیکھتے ہوئے بہت سے لوگ اس میدان میں کود پڑیں گے اور لوگوں کی رغبت اس کام میں بڑھ جائے گی۔ [3]

لہٰذا اس کام میں پڑنے سے بہت سی دینی ودنیاوی مصلحتوں کے ضیاع کا خدشہ ہے۔ اس لئے اسے

---

[1] مواهب الجليل: 393 /3 حاشية العدوي على مختصر الخليل 156 /3

[2] ابوداود: كتاب الجهاد، باب في السبق، الترمذي: كتاب الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق. النسائي: كتاب الخيل، باب السبق. ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب السبق والرهان۔ [3] الفروسية لابن القيم ص 182

جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

فریق ثانی کے دلائل: اس رائے کے حامل اہل علم کا کہنا ہے کہ شارع نے ایسے مقابلوں میں انعامات اور معاوضہ لگانے سے منع فرمایا ہے جس میں معاوضہ فریقین میں سے کوئی ایک ادا کرے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یہ صورت قمار ومیسر کی صورت ہوجائے گی۔ کیونکہ قمار کی تعریف یہ ہے کہ: ہر وہ معاملہ جس میں انسان داخل ہو اور پھر یا تو نفع میں رہے یا نقصان میں"۔ اور انعامی رقم اگر فریقین میں سے کسی کی طرف سے ہوگی تو ان میں سے ایک نفع میں رہے گا اور ایک نقصان میں۔ اس علت کی بنا پر شریعت نے یہ معاملہ حرام قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمادیا لیکن اگر یہ انعام کسی تیسرے فریق کی طرف سے ہوگا اس علت کے زائل ہونے سے یہ معاملہ جائز ہوجائے گا کیونکہ یہ معاملہ حرام کردہ جوے کی صورت سے نکل جائے گا۔ (1)

ترجیح: مندرجہ بالا بحث اور فریقین کے دلائل سے جو بات صحیح ترین معلوم ہوتی ہے وہ جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ اس طرح کے مقابلوں میں انعامات اور عوض مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمان: " لا سبق الا في خف، أو نصل، أو حافر "۔ (2)

"مسابقت کے ساتھ مال لینا حلال نہیں مگر اونٹ، یا گھوڑے دوڑانے میں اور تیر اندازی میں"۔ اس مسئلے کی قطعی دلیل ہے۔

آپ کا یہ فرمانا: " لا سبق " یہ لفظ سیاق نفی میں نکرہ وارد ہوا ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ہاں جہاں چند معاملات میں اہل علم نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ اس لئے کہ ان چیزوں کا تعلق جہاد اور جنگی تیاری سے ہے اور یہ چیزیں جنگی تیاری میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں اس لئے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی کھیل ہیں ان میں انعامات مقرر کرنا جائز نہیں چاہے ان کی صورت میسر اور قمار سے ملتی ہو یا نہیں کیونکہ حدیث اپنے باب میں قطعی دلیل ہے۔

یہ جمہور اہل علم کی رائے ہے اور قریب تر اجماع ہے تمام مسالک ومشارب مذاہب فقہیہ اس پر متفق ہیں۔

---

(1) دیکھئے: الفروسیۃ 182 (2) ابوداود: كتاب الجهاد، باب في السبق، الترمذي: كتاب الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق۔ النسائي: كتاب الخيل، باب السبق۔ ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب السبق والرهان۔

مشہور حنفی عالم دین ابن عابدین فرماتے ہیں: ''حدیث میں مذکورہ تینوں اجناس کے علاوہ کسی چیز میں معاوضہ متعین کر کے مقابلہ کرانا جائز نہیں''۔ (1)

مالکی مذہب کے معروف عالم دین فرماتے ہیں: ''مقابلوں کے حوالے سے ہم نے جو بھی احکامِ شرعیہ بیان کئے ہیں، وہ گھوڑے اور سوار کے مابین یا ان دونوں کے درمیان ہیں اور یہی آپ ﷺ کے اس فرمان: " لا سبق الا في خف، أو نصل، أو حافر "۔ (2) سے مراد ہیں۔اس کے ساتھ کسی اور مقابلے کو ملحق کرنا کسی طرح جائز نہیں الا کہ وہ مقابلہ بغیر معاوضہ وانعام کے ہو، اگر ایسا ہے کہ وہ مقابلہ بغیر انعام کے ہے تو اس میں اگر دشمن پر غلبہ حاصل کرنا، اور مسلمانوں کے نفع کے حوالے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو یہ جائز ہے۔'' (3)

مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مقابلے صرف انہی چیزوں میں ہو سکتے ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں''۔ (4)

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انعام مقرر کرنا یا معاوضہ مقرر کرنا صرف گھوڑے، اونٹ، اور تیر اندازی میں جائز ہے''۔ (5)

پراڈکٹ کی ترویج کیلئے تحفہ دینا

پروموشن سکیموں میں ایک سکیم گفٹ دینے کی بھی ہے۔ مختلف کمپنیاں اپنی پروڈکٹ پر صارفین کو کوئی نہ کوئی گفٹ دیتی ہیں۔ دیے جانے والے اس گفٹ کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔

- یہ گفٹ کسی چیز کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

---

(1) حاشیۃ ابن عابدین 6/ 402

(2) ابو داؤد: كتاب الجهاد، باب في السبق، الترمذي: كتاب الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق. النسائي: كتاب الخيل، باب السبق. ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب السبق و الرهان. (3) الذخيرة للقرافي: 3/466

(4) الأم للشافعي: 4/ 230 (5) عمدة الفقه لإبن قدامة 263

اور سروس اور سہولت مہیا کرنے کی صورت میں بھی۔

فقہاء اور مارکیٹنگ کمپنیوں کی گفٹ کی اصطلاح میں یہی بنیادی فرق ہے۔ کیونکہ فقہاء کی اصطلاح میں ہدیہ میں سروسز داخل نہیں ہوتیں جبکہ مارکیٹنگ کی اصطلاح میں سروسز ہدیہ میں شامل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بہت سے پیٹرول پمپوں اور گاڑی شورومز والے آئل فری میں چینج کر دیتے ہیں چیز خراب ہونے کی صورت میں ریپئر مفت میں کی جاتی ہے۔ چیز کو واپس لے لینا۔ اور بہت سی فریج اور الیکٹرانک سامان بنانے والی کمپنیاں سامان کے خراب ہونے کی صورت میں ٹھیک کرنے کا ذمہ لیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ فقہاء کے ہاں سروس وخدمات کو ہدیہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ فقہی اصطلاح میں ہدیہ کی تعریف: "تمليك عين من غير عوض لغير حاجة المعطى "[1] کسی بھی شخص کو اس کی ضرورت کے بغیر کسی عین یعنی چیز بغیر معاوضے کے اس کا مالک بنا دینا۔ یا اس کی ملکیت میں دے دینا ہدیہ کہلاتا ہے۔ اور سروس چونکہ عین (چیز) نہیں بلکہ منفعت ہے لہٰذا اسے فقہاء کے ہاں ہدیہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ سروسز ائمہ ثلاثہ کے ہاں ہبہ منافع میں جبکہ احناف کے ہاں عاریہ میں یا اباحت منافع میں شمار ہوتی ہیں۔

مارکیٹنگ کی اصطلاح میں ہدیہ ہر وہ چیز ہے جو تاجر حضرات اپنے صارفین کو سامان اور خدمات کی صورت میں بلا معاوضہ فراہم کرتے ہیں۔

گفٹ کو اگر مارکیٹنگ کی اصطلاح سے دیکھا جائے تو انہیں بحیثیت مجموعی تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم: یادگاری گفٹ۔ یہ وہ گفٹ ہیں جو کمپنیاں اپنے ورکرز کو یا صارفین کو خاص مواقع پر فراہم کرتی ہیں، جیسے سال کے اختتام پر کلینڈر دیتی ہیں، یا قومی دن پر شیلڈ وغیرہ دی جاتی ہے۔

دوسری قسم: کاروبار کو فروغ دینے کیلئے دیے جانے والے گفٹ۔

کمپنیوں کی جانب سے دیے جانے والے اس طرح کے گفٹ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ہر خریدار کو گفٹ دیا جائے۔ گفٹ چند شرائط سے مشروط ہو، مثلاً اگر کوئی اتنے کی خریداری کرے گا تو اسے ہدیہ دیا جائے گا۔

تیسری قسم: ایڈورٹائزنگ تحفے بطور نمونہ۔ Advertising gifts samples

---

[1] دیکھئے: بدائع الصنائع: 116 /6 الانصاف: 7/134 المحلی: 9/124 فتح الجواد: 1/ 625:

ان تحائف سے مراد وہ تحائف ہیں جو کمپنیاں ، سپر مارکیٹس ، شاپنگ مالز صارفین میں سیمپل کی غرض سے تقسیم کرتے ہیں یا اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ ان کی پروڈکٹس کو فروغ ملے۔لوگ اس کا تجربہ کریں استعمال کریں۔پھر خریدیں۔ (1)

مارکیٹنگ میں دیئے جانے والے تحائف کی جملہ صورتوں کا شرعی جائزہ

تحفہ تحائف کو اگر باعتبار اصل دیکھا جائے تو شریعت میں یہ نہ صرف جائز بلکہ احسان واکرام پر مبنی عمل ہے شریعت نے ہدیہ دینے کی ترغیب بھی دی اور اسے محبت والفت کے فروغ کا باعث بتایا۔آپ ﷺ کا فرمان ہے: تهادوا تحابوا۔ (2) ہدیہ دیا کرو محبت بڑھے گی۔ بلکہ ہدیہ کو رد کرنے کی بھی ممانعت وارد ہوئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: " لا تردوا الهدية " (3) ''تحفہ واپس نہ کیا کرو''۔

جہاں تک مارکیٹنگ کیلئے دیے جانے والے تحفوں کا تعلق ہے تو ان کی مذکورہ بالا اقسام کی رو سے جو شرعی صورتیں اور حکم بنتا ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

یادگاری گفٹ کا شرعی حکم: شرعی نقطہ نگاہ سے یادگاری گفٹ میں کوئی قباحت نہیں بلکہ معاملات کے باب میں اس اصول " الأصل في المعاملات الحل " کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم نے اس کے جائز ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔نیز شریعت کے تحفے کے حوالے سے عمومی دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔لیکن اس حوالے سے یہ شرط متعین کی ہے کہ یہ گفٹ ایسا نہ ہو جو بذاتِ خود حرام ہو یا اسے صرف حرام کام میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہو۔یا اس کا غالب استعمال حرام میں ہی ہوتا ہو،تو اس قسم کا تحفہ نہ دینا جائز ہوگا نہ لینا،

---

(1) معجم مصطلحات الاقتصاد والمال وادارة الاعمال ص 486، الأنشطة الترويجية للشركات السعودية ص 45،48

(2) أدب المفرد للبخاري: باب قبول الهدية، اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخيص الحبير (3/69-70) میں حسن قرار دیا ہے۔

(3) مسند أحمد، 1 / 404، علامہ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا ''رجاله رجال الصحيح'' شیخ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغليل میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

جیسے سودی بینکوں کے گفٹ، سگریٹ، شراب، وغیرہ

کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ } [المائدة:2]

ترجمہ: ''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

کاروبار کے فروغ کے لئے دیے جانے والے گفٹ

یہ گفٹ یا تو سامان کی صورت میں ہوتے ہیں یا سروس اور سہولت کی صورت میں۔

ایڈورٹائزنگ میں رائج اس قسم کے تحفوں کا جائزہ لینے کے بعد اہل علم نے اس کی درج ذیل چند اہم صورتیں ذکر کی ہیں ان میں سے ہر صورت کا شرعی حکم کے ساتھ اجمالا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت: تحفے کا کسی چیز یا سامان کی شکل میں ہونا۔

ایسا گفٹ جس کا خریداری سے پہلے وعدہ کیا گیا ہو، اس کی صورت کچھ یوں ہے کہ کوئی دکاندار یا کوئی فرم اور کمپنی یہ کہتی ہے کہ جو ہماری یہ پروڈکٹ خریدے گا اس کو یہ چیز گفٹ کی جائے گی۔ اس کے لئے عموما کمپنیاں اور دکاندار دو طریقے استعمال کرتے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر خریدار کو گفٹ دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ خریداری کی مقدار کا تعین کر دیا جاتا ہے کہ جو شخص فلاں شاپنگ سینٹر سے اتنی رقم کی خریداری کرے گا اسے یہ گفٹ دیا جائے گا یا فلاں شخص اتنی کوانٹیٹی میں چیز خریدے گا تو اسے یہ گفٹ ملے گا۔

اس معاملے کو فقہاء نے ''وعد بالھبة'' سے تعبیر کیا ہے کیونکہ یہاں پہلے دکاندار وعدہ کر رہا ہے کہ اگر کسی نے خریدا تو اسے یہ چیز دوں گا، اور اگر پہلے سے وعدہ نہیں کیا بلکہ خریدنے کے بعد کچھ گفٹ دے دیا تو اسے ''وعد بالھبة'' نہیں بلکہ ہبہ کہا جائے گا۔ اہل علم اس صورت کے جائزہ کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ خریداروں کو اس طرح کے تحفے دینا جائز ہیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ کیونکہ معاملات میں اصل جواز ہے

۔ یہاں اہل علم نے یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اگر کوئی شخص دکان یا کمپنی سے کوئی چیز خرید لیتا ہے اسے گفٹ بھی دے دیا جاتا ہے لیکن بالفرض خریدار کو چیز پسند نہ آئی وہ معاہدہ ختم کر کے چیز واپس کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں دکاندار کیلئے خریدار کو وہ دیا گیا گفٹ واپس لینا جائز نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"العائد في هبته كالكلب يقيء ثم يعود في قيئه"[1]

''جو شخص ہدیہ دینے کے بعد واپس مانگتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جو قئی کر کے اسے دوبارہ چاٹ لے''۔

دوسری صورت: تحفہ کسی سہولت یا سروس وغیرہ کی صورت میں ہو

اس قسم کی سروسز کو بھی اہل علم نے جائز قرار دیا ہے۔ سعودی عرب کی ممتاز علمی شخصیت علامہ صالح عثیمین رحمہ اللہ سے سوال پوچھا گیا کہ: ہماری ایک ٹائر پنکچر اور گاڑیوں کی سروس کی دکان ہے ہم نے چند کارڈ پرنٹ کرائے ہیں جن پر یہ لکھا ہے کہ آئل چینج اور گاڑی کی سروس کے اس طرح کے چار کارڈ جمع کرنے پر ایک گاڑی کی دھلائی اور سروس فری ہے۔ تو کیا ہمارے اس کام میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ نیز مقابلوں کے حوالے سے آپ کوئی شرعی قاعدہ بھی بیان فرمادیں۔

شیخ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا: اگر اس آفر کی وجہ سے قیمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اس حوالے سے شرعی قاعدہ یہ ہے کہ: ہر وہ عقد جس میں انسان سالم (بچ جائے) ہو یا غانم (کوئی چیز پالے) ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ یا تو غانم ہو یا غارم (کوئی چیز ہار جائے) تو یہ جائز نہیں ہے۔''[2]

ایڈورٹائزنگ تحفے بطور نمونہ۔ Advertising gifts samples کا شرعی حکم

ان تحائف سے مراد وہ تحائف ہیں جو کمپنیاں، دوکانوں کے مالکان سپر مارکیٹس، شاپنگ مالز صارفین

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الهبة و فضلها و التحريض عليها باب هبة الرجل لإمراته والمرأة لزوجها.

[2] اللقاء الشهري مع فضيلة الشيخ محمد صالح العثيمين: اللقاء الأول، السؤال 20 ص 50،51

میں سیمپل کی غرض سے یا اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ ان کی پروڈکٹس کو فروغ ملے۔لوگ اس کا تجربہ کریں استعمال کریں، پھر خریدیں۔

اس قسم کے گفٹ دینے کا مقصد دو طرح کا ہوتا ہے

اول: لوگوں کو نئی پراڈکٹ سے متعارف کرایا جائے، انہیں اس کے استعمال کا طریقہ بتایا جائے، اور معلوم کیا جائے کہ کیا یہ پراڈکٹ، جس ضرورت کیلئے تیار کی گئی ہے وہ ضرورت پوری بھی کرتی ہے یا نہیں؟

دوم: دوسرا مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ اسے ایک نمونے کے طور پر لوگوں کو دیا جائے کہ اگر وہ ایسی چیز بنوانا چاہتے ہیں تو کیسی بنوائیں اس قسم کے نمونے عموماً ان چیزوں کے بارے میں دئے جاتے ہیں جنہیں آرڈر پر تیار کرایا جاتا ہے۔

شرعی رو سے اس قسم کے تحفوں میں کوئی قباحت نہیں البتہ گفٹ دینے والا اس کو واپس نہیں لے سکتا جیسا کہ اوپر حدیث گذر چکی کہ جو تحفہ دے کر واپس لیتا ہے اس کی مثال کتے کی ہے جو الٹی کر کے چاٹتا ہے۔

مسئلہ: گفٹ کے حوالے سے ایک صورت مارکیٹ میں یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ بعض لوگ تحفہ میں نقدی بھی دیتے ہیں کہ بعض کمپنیاں یا دوکاندار اپنی پراڈکٹ میں سونے یا چاندی کے سکے، یا ٹکڑے، یا روپے ڈال دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو خریداری کیلئے ابھارا جا سکے۔

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی کمپنی یا تاجر یہ اعلان کرے کہ ہر پیکٹ میں پچاس روپے یا سو روپے کے نوٹ ہیں جو ہر خریدار کیلئے گفٹ ہیں۔

فقہاء نے اس طرح کے گفٹ سے مشابہ مسئلہ کتب فقہ میں ذکر کیا ہے جسے فقہاء نے ''مد عجوة ودرهم'' ایک پاؤ عجوہ اور درہم۔کا نام دیا ہے۔

مذکورہ مسئلے کی شرعی نوعیت اور حکم: ایڈورٹائزنگ کے انعامات کی اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اسی مذکورہ بالا مسئلہ ''مد عجوة ودرهم" کے مسئلہ میں اختلاف پر مبنی ہے۔

شافعیہ حنابلہ ابن حزم اور عصرِ حاضر کے محققین علماء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔اور یہی صحیح تر رائے ہے۔جس کی وجوہات اور دلائل درجِ ذیل ہیں۔

❁ سیدنا فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے سال ایک ہار بارہ دینار میں خریدا جو سونے کا تھا اور اس

میں نگینے جڑے ہوئے تھے پھر جب میں نے انہیں الگ الگ کیا (یعنی نگینوں کو سونے سے نکال ڈالا) تو وہ سونا بارہ دینار سے زائد قیمت کا نکلا میں نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " لا تباع حتی تفصل " ایسا ہار اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے تاوقتیکہ سونا اور نگینہ الگ الگ نہ کرلئے جائیں''۔ (1)

آپ ﷺ نے سونے کے ہار کو دیناروں کے بدلے بیچنے سے منع کیا یہاں تک کہ اس میں موجود نگینے الگ الگ نہ کردئے جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ سودی جنس کو اس کے مثل جنس کے ساتھ اس وقت بیچنا منع ہے جب اس کی جنس کے ساتھ کوئی اور جنس بھی موجود ہو۔

- وہ احادیث جن میں سونے کو سونے سے، یا کوئی بھی دوسری سودی جنس کو اسی جنس کے ساتھ بیچنے سے منع کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر بیچی جائے تو برابر برابر ہو اور نقد ہو ادھار نہ ہو۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم لوگ سونے کو سونے کے عوض فروخت کرو وزن کر کے برابر برابر اور چاندی کو چاندی کے عوض وزن کر کے برابر برابر پس جس کسی نے زیادہ دیا تو وہ سود ہو گیا''۔ (2)

لہٰذا مذکورہ روایات کی روشنی میں اس قسم کے گفٹ دینا جن میں اشیاء کے اندر نقدی رکھی گئی ہو جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں سود شامل ہوتا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ: بعض چیزوں میں نقدی رکھی جائے نہ کہ تمام چیزوں میں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بہت سی کمپنیاں یہ آفر کرتی ہیں کہ اس کی اس خاص پروڈیکٹ کے چند پیسز میں کچھ رقم، یا سونے یا چاندی کے سکے رکھے گئے ہیں جسے خوش نصیب لوگ جیت سکتے ہیں۔ اس طرح کے انعامات عموماً بچوں کیلئے تیار کی گئی ٹافیوں یا چاکلیٹس وغیرہ میں ملتے ہیں کہ چیز کے ساتھ دس روپے، پانچ روپے کے نوٹ بھی ڈال دئے جاتے ہیں۔

اس قسم کے گفٹ دینا شرعاً حرام ہیں۔ کیونکہ اس میں جوا اور دھوکہ شامل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خریدار وہ چیز خریدے ہی اس نیت سے کہ اس میں سے نقدی نکلے گی، یا سونے کا سکہ نکلے گا۔ اگر نکل گیا تو وہ غانم

---

(1) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب بیع القلادۃ فیہا خرز وذہب

(2) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب الصرف وبیع الذہب بالورق نقدا۔

(جیت) ہے اور اگر نہ نکلا تو غارم (نقصان) ہوگا۔

اس صورت میں بالعموم لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ جوا کیسے ہوسکتا ہے جس شخص نے چیز خریدی اگر اس کا انعام نہیں بھی نکلتا تو چیز تو وہ استعمال کرے گا ہی! اس نے چیز کے پیسے دیئے تھے جو اس نے استعمال کرلی۔ لہٰذا اس نے جو قیمت دی ہے وہ چیز کی دی ہے نہ کہ انعام کی۔ لہٰذا یہاں نفع، نقصان کا اور جوے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے بلکہ اس معاملے میں بہت سے شرعی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جس وجہ سے یہ معاملہ جائز نہیں رہتا۔

- اس طرح کی چیزیں خریدنے والوں کا بنیادی مقصد چیز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصد اس نقدی کا حصول ہے جو اس سامان میں رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اس سے لوگ بلاضرورت چیز خریدیں گے، اور اگر اس میں سے انعام نہ نکلا تو غارم (نقصان میں) ہوں گے۔

اور اگر تمام جزئیات سے یہ جوا نہیں تو اس کے بہت سے پہلو ہیں جو اسے اس طرف لے جاتے ہیں۔

اول: اس میں جوے کی مشابہت موجود ہے اگرچہ وہ جزوی ہی کیوں نہ ہو۔ ان تحفوں کی جوے سے بہت گہری مشابہت ہے۔ اس لئے امام احمد رحمہ اللہ سے بیع مرابحہ کے بارے میں منقول ہے فرماتے ہیں: ''اگر فروخت کنندہ یہ کہے کہ میرا سرمایہ اس میں سو روپے ہے میں تجھے اس طرح بیچوں گا کہ ہر دس پر ایک درہم منافع وصول کروں گا، فرماتے ہیں یہ بیع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بیع ایسے ہی ہے جیسے کوئی دراہم کے بدلے دراہم فروخت کرے''۔ (1)

یہاں امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت میں مرابحہ کی اس صورت کو اس لئے ناجائز قرار دیا کیونکہ اس میں سود سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

دوم: یہ صورت جوے میں ملوث ہونے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ لہٰذا اصولی قاعدہ ''سد الذرائع'' کے تحت اس صورت کو ناجائز قرار دیا جائے گا۔

---

(1) الإنصاف: 438 /4

سوم: اس صورت میں غرر (دھوکہ) واضح شکل میں موجود ہے، خریدار کو یہ پتہ نہیں کہ معاہدہ کس پر مکمل ہوگا صرف سامان پر یا نقد ہدیہ پر۔؟

اسی خدشے کے تحت بیع الحصاۃ [2]، بیع الملامسہ [3]، اور بیع المنابذہ [4] سے احادیثِ صریحہ میں منع فرمایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا گفٹ کی صورت بھی ان صورتوں سے ملتی جلتی ہے۔

چہارم: اس کے جائز قرار دینے سے لوگوں کو بہت سی ایسی چیزیں خریدنے پر ابھارا جاتا ہے جن کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی، ان کا مقصد محض اس سے تحفہ نکالنا ہوتا ہے اور بلاضرورت چیزیں خریدنا اسراف اور فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے جس سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

❀❀❀

---

[2] بیع حصاۃ کی صورت یہ ہے کہ خریدار دوکاندار سے کہے کہ جب میں تیری اس چیز یعنی مبیع پر کنکری ماردوں تو سمجھ لینا کہ بیع واجب ہوگئی یا دوکاندار خریدار سے کہے کہ میں نے اپنی چیزوں میں سے وہ چیز تمہیں بیچی جس پر تمہاری پھینکی ہوئی کنکری آکر گرے یا میں نے یہ زمین وہاں تک تمہارے ہاتھ فروخت کی جہاں تک تمہاری پھینکی ہوئی کنکری جا کر گرے بیع کا یہ طریقہ ایام جاہلیت میں رائج تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

[3] ملامست کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلا کپڑا خریدنے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگادیتا کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہوجاتی تھی نہ تو آپس میں قولی ایجاب وقبول ہوتا تھا۔

[4] منابذت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا اڈالا بس بیع ہوگئی مبیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہذا اس کی ممانعت بھی فرمائی گئی۔

اسلامی معیشت میں زراعت کی اہمیت اور اس سے متعلقہ احکام

عمران فیصل [1]

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور شریعت اسلامی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رُشدو ہدایت حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور اسے معیشت وسیاست کیلئے دوسرے نظاموں سے کچھ بھی مستعار لینے کی ضرورت نہیں، دین کے بارے میں یہ غلط تصور مغربی تہذیب نے دیا ہے کہ یہ صرف اللہ اور بندے کے باہمی تعلق کا نام ہے اور دنیا کے دیگر معاملات ہمیں انسانی عقل اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کرہی بروئے کار لانے چاہئیں۔تاریخ گواہ ہے جب جب انسان نے اس طرح کے نظام بنائے ہیں تواس کے نتیجے میں اس نے انسان کو شخصی استبداد میں مبتلا کیا سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں، اور یا پھر

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ رفاہی امور المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

کمیونزم کی صورت میں اسے اسکی ذاتی ملکیت سے ہی محروم کر دیا۔ جبکہ اسلام ہر معاملہ میں اعتدال کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا}[البقرة:143]

ترجمہ: ''اور ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا''۔ شریعت اسلامی اس معتدل امت کیلئے مکمل نظام زندگی ہے اور بلاشبہ مکمل نظام زندگی پر مشتمل شریعت کیلئے یہ کسی طرح موزوں نہیں تھا کہ وہ زندگی کے اس مخصوص شعبے [معاشی نظام] یا اس کی معاشی اساس ''زراعت'' کے بارے میں ہدایات جاری نہ کرے۔

انہی اہم وجوہ کی بناء پر اکثر سلف صالحین، ائمہ، محدثین، فقہاء نے اس موضوع کو اپنی کتب میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ ماہرین معاشیات بنیادی طور پر معاشیات Economy کے تین عامل ذکر کرتے ہیں۔

1 زمین Land، 2 محنت Worker، 3 سرمایہ Capital۔

زیرِ نظر مضمون میں راقم نے معاشی نظام کے انتہائی اہم رکن ''زراعت'' سے متعلق احکام بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس شعبہ کو مندرجہ ذیل تین فصول میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ قارئین زراعت اور اس کے متعلقہ احکام بآسانی سمجھ سکیں۔

1- زمین اور اسکی ملکیت
2- فضائل زراعت
3- مزارعت کے متعلق احکام

زمین اور اسکی ملکیت

زمین سے مراد سطح زمین ہے اس میں وہ تمام قدرتی وسائل شامل ہیں جن پر انسان محنت کرکے اپنا گزر بسر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ''[آل عمران:109] ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے''۔ یعنی دنیا میں جو کچھ ہے وہ اصل میں اللہ ربّ العزت ہی کی ملکیت ہے اور دوسری جگہ فرمایا: {هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا}[البقرة:29] ''وہی تو ہے جس نے زمین میں موجود ساری چیزیں تمہاری خاطر پیدا کیں''۔

یعنی تمام اشیاء کی خلقت کا مقصد بنی نوع انسان کی معاشی حیات کیلئے سبب فراہم کرنا ہے اور کوئی شئی

فی حدذاتہ کسی کی مملوکِ خاص نہیں جب ان سب کو سب کیلئے مباح کردیا تو ان سے فائدہ حاصل کرنے میں انسانوں کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہوئی تو پھر اس آیتِ مبارکہ سے راہنمائی کی کہ:

{وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ}[الانعام:165]

''وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور ایک کے مقابلے میں دوسرے کے درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دے رکھا ہے اسی میں تمہاری آزمائش کرے''۔ایک جگہ فرمایا:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ [الحدید:7]

''اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن میں اس نے تمہیں نمائندہ بنایا ہے''۔ یعنی حقیقت میں مال وملکیت اور زمین اور اس میں موجود تمام نعمتیں اور معدنیات اللہ رب العزت کی ملکیت ہیں اور انسان کی حیثیت اسمیں ایک وکیل اور نمائندہ کی سی ہے اور پھر شریعتِ اسلامی نے یکسر شخصی ملکیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اجتماعی مفادات کے پیش نظر ایسے قواعد اور طریقے وضع کئے جو انفرادی ملکیت میں اعتدال بھی رکھ سکیں اور اجتماعی مفاد کو کوئی ٹھیس بھی نہ پہنچے اس طرح زمینی اراضی کی بنیادی طور پر دو ہی اقسام بنتی ہیں:

اوّل:ایسی اراضی جو حکومتی ملکیت ہوں۔

دوم:ایسی اراضی جو انفرادی یا شخصی ملکیت ہوں۔

عمومی طور اراضی مملکت مندرجہ ذیل اقسام پر مشتمل ہوتی ہے:

1 **اراضی موات:** اراضی موات ایسی بنجر مردہ اور دور افتادہ زمین کو کہا جاتا ہے جسے کسی نے آباد نہ کیا ہو، کتب فقہیہ میں باب احیاء الموات میں اس کے متعلقہ احکام ذکر کئے جاتے ہیں،اِحیاء الموات سے مراد کسی ایسی زمین کو پانی لگانے ،زراعت وکاشتکاری یا عمارت تعمیر کرنے کے ذریعے آباد کرنا جو پہلے کسی کی ملکیت نہ ہو؛ایسی زمین کی آبادکاری کیلئے شریعتِ اسلامی نے سادہ سا اصول بتایا ہے کہ''من

أحيا أرضا ميتة فهي له ''جس نے مردہ پڑی بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے۔'' کوفہ میں پڑی بنجر اور بے آباد زمینوں کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہی رائے تھی''۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"من أحيا أرضا ميتة فهي له" ويروى عن عمرو بن عوف عن النبي صلى الله عليه وسلم وقال: "في غير حق مسلم، وليس لعرق ظالم فيه حق" (1)

''جس نے مردہ پڑی بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے''۔عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس اضافے کے ساتھ مروی ہے کہ:''جس نے مردہ پڑی بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کسی مسلمان کی ملکیت نہ ہو اور اس میں ظالم کے پسینہ بہانے کا کوئی حق نہیں''۔

یعنی کسی اور کی ملکیت میں کاشت کاری کرنے والے کو اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی ملکیت تصور کی جائے گی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کسی ایسی زمین کو بذریعہ تعمیر آباد کیا جو کسی کی نہ ہو وہ اسی کی ہے''، عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ''اسی کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران فیصلے دیئے''۔ (2)

سنن ابو داود میں جابر بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے کہ:

"من أعمر أرضا ليست لأحدٍ فهو أحقّ" (3)

''جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی نہ ہو وہ اسی کی ہے''۔

کیا بنجر زمین کو آباد کرنے کیلئے حکومت کی اجازت ضروری ہے؟

مولانا حنیف گنگوہی صاحب رقم طراز ہیں کہ:''جو شخص مردہ زمین کو حاکم کی اجازت سے قابل زراعت بنالے تو امام صاحب کے نزدیک وہ اسکا مالک ہو جائے گا، صاحبین کے نزدیک حکمِ حاکم کے بغیر ہی مالک ہو جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث ''من أحيا أرضاً ميتةً فهي له'' میں اذن وعدمِ اذن کی کوئی قید نہیں، امام صاحب کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لیس

(1) صحيح بخاري: باب من أحيا أرضاً.. 106/3 (2) أيضاً (3) سنن أبو داود: كِتَاب الخَرَاجِ ....:3/130

للمرء الا ما طابت به نفس امامه ''①اس حدیث کی روایت منقطع ہے اور ایک راوی مکحول نے کسی مجہول راوی سے روایت کی ہے اس بناء پر روایت حجت کے لائق نہیں۔②

لیکن دورِ حاضر میں حکومت تمام زمینوں کی مالک ہوتی ہے اس لئے حکومت سے اجازت لینا ہی قرین قیاس ہے اور حکومتوں کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ بھی مستحق لوگوں کیلئے بنجر اراضی کی آباد کاری کی ایسی اسکیمیں متعارف کرائے جو وطنِ عزیز کے کروڑوں نادار لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سبب بھی ہوں اور ملک کی لاکھوں ایکڑ اراضی کے قابل کاشت بنانے کا باعث بھی۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ

2 اراضی اقطاع

حکومتی اراضی سے کچھ حصہ [جاگیر، خواہ زمین ہو یا معدنیات] بعض مستحقین یا مخصوص افراد کو عطا کر دیا جائے تو ایسی زمینوں کو اراضی اقطاع کہا جاتا ہے بشرطیکہ یہ اراضی پہلے سے کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔

اقطاع اراضی کی عہد نبوی علیہ افضل الصلاۃ والسلام میں کئی مثالیں ملتی ہیں:

1 انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین میں جاگیریں دینے کا ارادہ کیا تو انصار نے عرض کیا کہ [ہم لوگ نہ لیں گے] جب تک کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی آپ اتنی ہی جاگیر عطا فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد دیکھو گے کہ لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، تو اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملو''۔③

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نہ اراضی کا دور افتادہ و بنجر [موات] ہونا ضروری ہے اور نہ ہی اس کا حاجت مند ہونا ضروری ہے جسے زمین دی جارہی ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بنجر زمین کا قطعہ ہی کسی مستحق کو دیا جاسکتا ہے ان کی دلیل ہے۔''إن الله لا يقدس أمة لا يؤخذ

---

① صبح النوری شرح مختصر القدوری 383/2

② معرفة السنن والآثار:8/9 ③ صحیح بخاری: باب القطائع:114/3

للمضعیف فیھم حقه"① معنی کے لحاظ سے حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اس حدیث کے راوی سمی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا چنانچہ جیسے حربی اور ابی حاتم نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو روایت صحیح تھی۔②

❷ علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

''نبی ﷺ نے حضر موت کے علاقے میں انہیں ایک قطعہ زمین عطا کیا''۔③

❸ ابیض بن حمال سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور چاہا کہ نمک کی وہ کان جو مآرب میں تھی جاگیر کے طور پر ان کو دے دیں تو آپ نے ان کو عطا کر دی۔ جب وہ چلنے لگے تو مجلس میں سے ایک شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ: ''کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے اسے کیا دے دیا؟ آپ نے اس کو نہ ختم ہونے والا پانی دے دیا! چنانچہ یہ سن کر آپ نے اسے واپس لے لیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ پیلو کے درخت کی کونسی زمین گھیری جائے؟ [جہاں لوگ اور ان کے جانور نہ آسکیں] آپ نے فرمایا جہاں اونٹوں کے قدم نہ پہنچ سکیں۔ [یعنی جو آبادی اور چراگاہ سے الگ ہو]۔④

یہ اقطاع اراضی کی عہد نبوی کی چند مثالیں ہیں ان کے علاوہ بھی کئی مثالیں موجود ہیں جو اس عمل کے جواز کی واضح دلیل ہیں اور اس کے بعد بھی امام المسلمین لوگوں کو ان کے جذبہء خدمت کو سراہتے ہوئے یا مستحقین کی مالی اعانت کے طور پر زمینیں عطا کیا کرتے تھے لیکن پس منظر میں اقطاع اراضی کا مقصد زمین کی آباد کاری اور زراعت کی افزائش بھی ہوتا تھا۔ یہ بعد کے اقطاع اراضی کے نظام سے بالکل مختلف تھا جس میں اچھی اور آباد زمینیں اقرباء میں تقسیم ہوتیں یا لوگوں کی وفاداریاں خریدنے کیلئے دی جاتی تھیں، اس قسم کی اقطاع اراضی کے اموی دور سے لیکر ہندوستان میں مغل ادوار تک کے قصے زبالۃ التاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

لیکن دور حاضر میں وطنِ عزیز کا کیا المیہ ہے؟ یہاں تو عوام کی حکومت عوام پر ہے اور معیشت زبوں حالی

---

① الأم للشافعي: باب اقطاع الوالی: 51/4 ② سلسلة الأحاديث الضعيفة: 356/14

③ سنن أبو داود: باب في إقطاع الأرضين: 173/3

④ صحيح ابن حبان: ذكر مايستحب للأئمة استمالة قلوب رعيتهم بإقطاع الأرضين لهم 351/10

کاشکار ہے پھر بھی آج تک تمام فوجی وسول حکومتیں ان اراضی کی منصفانہ اصلاح وتقسیم میں ناکام نظر آئی ہیں اور دنیا میں جہاں کہیں بھی حکومتیں اراضی کی اصلاحات متعارف کرانے میں ناکام ہوئی ہیں وہاں بے روزگاری، شورش اور خانہ جنگی نے بار بار جنم لیا ہے۔ روس، ویت نام اور چین میں دیہی علاقوں کے عدمِ اطمینان کی وجہ سے ہی کیمونسٹوں نے حکومتوں کا تختہ اُلٹا تھا۔ ماضی قریب میں سُوڈان، نیپال، زمبابوے، ایل سلواڈور اور پیرو کے تنازعات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ کس طرح زمین کی ملکیت اور استعمال کا عرصہ نسلی اور طبقاتی تشدد کو ہوا دینے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔

پاکستان میں بھی بالکل ایسی ہی صورت حال ہے زمین کی ملکیت نہ ہونا پاکستان کے دیہی علاقوں میں غربت اور بھوک کی بلاشبہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ تقریباً 70 فیصد دیہی آبادی کے پاس اپنی اراضی نہیں ہے اور پاکستان کی کل اراضی کی 71 فیصد Agricultural Irrigated Land زمین کو قابل کاشت Arable Land بنایا جاسکتا ہے۔ جو کہ 1975 میں تقریباً 6 کروڑ 84 لاکھ پاکستانیوں کیلئے 19.595 Million Hector تھی یعنی کل قابل کاشت اراضی کا صرف 21 فیصد اور آج تقریباً 19 کروڑ پاکستانیوں کیلئے 30.20 Million Hector یعنی کل قابل کاشت اراضی کا صرف 23 فیصد ہے۔ اس 23 فیصد رقبہ کا 47 فیصد خواص کے پاس ہے اور باقی اراضی اسوقت عوام کی ملکیت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ برِّصغیر ہند میں برطانوی قانون کے تحت نجی جائیداد رکھنے کے حقوق بنیادی طور پر جاگیرداروں کو دیئے گئے تھے جس کا مقصد ان کی حمایت حاصل کرنا تھا اور آزادی ملنے کے بعد بھی پاکستان کی حکومتوں نے جاگیرداروں کے طبقہ اشرافیہ کو نوازنے کے لئے ان قوانین کو برقرار رکھا ہے جن میں سے بہت سے جاگیردار معروف سیاست دان بن چکے ہیں اسی لئے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ملک میں اصلاحاتِ اراضی کی کوششیں غیر مُنظم اور غیر مؤثر ثابت ہوتی رہی ہیں۔ (1)

کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں دنیا کا بہترین نہری نظام Irrigation System ہے اور پاکستان کے 68 فیصد علاقوں میں سالانہ برسات Annual Rain Fall 250 ملی میٹر ہے اور 24 فیصد

---

(1) The World Bank Indicators for Pakistan Land use and The Woodrow Wilson International Center for Scholars.

علاقوں میں سالانہ برسات 500 ملی میٹر تک ہوتی ہے اور صوبہ پنجاب وسندھ میں اعلی درجے کی زرعی جامعات اپنی نئی نئی تحقیقات اخبارات میں شائع کراتی رہتی ہیں اور بے زمین ہاریوں میں زمین کی تقسیم، کاشتکار کے حقوق اور سبز انقلاب جیسے موضوع ہمارے ''منتخب کردہ'' نمائندوں اور ذرائع ابلاغ کے دل پسند نعرے رہے ہیں پھر آج تک اس مسئلہ کے حل میں کوئی پیش رفت کیوں نہ ہوسکی؟

کیونکہ دین اسلام کو مکمل نظامِ زندگی کے طور پر نہیں اپنایا گیا جبکہ ربّ تعالی نے ہمیں حکم دیا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً}.[البقرة:208]

یعنی اہل ایمان کو اللہ عزوجل نے حکم دیا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ

اس طرح نہ کرو جو باتیں تمہاری مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں ان پر توعمل کرلو دوسرے حکموں کو نظر انداز کردو بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی کرو جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لئے تیار نہیں بلکہ دین کو عبادت یعنی مساجد تک محدود کرنا اور معاشیات وسیاسیات اور ایوان حکومت سے دین کو نکال دینا چاہتے ہیں۔

ایسے سیکولر ذہنوں کیلئے چند گزارشات ہیں ان پر عمل کرکے شاید وطن عزیز کے 1100,00000 لوگوں کی بھوک کا کچھ مداوا ہوسکے:

- حاکم ومحکوم کو صحیح معنی میں دین اسلامی کو اپنانا ہوگا کیونکہ اسلام کا حل ہمیشہ معتدل اصلاحی اور تعمیری ہوتا ہے کیونکہ اگر موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا حل عوام نے اشتراکیت کے سازباز سے نکالا تو وہ انتقامی اور تخریبی جراثیم کا حامل ہوگا۔
- ایک متقی اور متدین حکومت ایسے موقع پر وقتی قوانین نافذ کرسکتی ہے، اس موضوع میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ انہوں نے تمام مفتوحہ علاقوں کی اراضی کی پیمائش کرائی جن میں مصر عراق وشام شامل تھے اور صرف عراق کی اراضی 30.65 Million Hector تھی اس میں سے غیر آباد زمینوں کیلئے حکم دیا کہ جو انہیں آباد کرے گا وہی ان کا مالک ہوگا اور اگر تین سال آباد نہ کرے گا تو زمین اسکے قبضہ سے نکل جائے گی۔
- غریب لوگوں میں ہی زمین کی مناسب تقسیم کو یقینی بنایا جائے تاکہ ان بے زمین کسانوں کا شمار بھی

زکاۃ اور محصولاتِ زراعت ادا کرنے والوں میں سے ہو سکے تاکہ سرمایہ داروں اور سرمایہ دار ممالک کو بنجر زمینیں آباد کرنے کے نام پر لاکھوں ایکڑ لیز کئے جائیں۔

❁ Real Estate Sector کو بھی حکومتی سطح پر مجبور کیا جائے کہ وہ شہروں کے نزدیک زرعی اراضی کو کنکریٹ کے جنگلات میں تبدیل نہ کریں بلکہ حکومت کے ساتھ مل کر نئے شہروں کی تعمیر کریں جس کی کئی مثالیں مسلمانوں کے عہدِ قدیم سے ملتی ہیں جیسے بصرہ، کوفہ، موصل اور فسطاط وغیرہ۔

❁ اور جب Government & Real Estate Sector بے زمین کسانوں کی مدد کیلئے قدم بڑھائیں تو ہمارے عام مضاربین Financers کو بھی چاہئے کہ بینکوں کے ائیر کنڈیشنڈ ڈیسک کی مضاربت چھوڑ کر اس شعبے میں اپنے محنت کشوں کو ان کے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں اور بابرکت منافع بھی حاصل کریں۔

❁ اراضی اِوقاف و متروکہ وغیرہ

ان میں وہ تمام اراضی شامل ہیں جو رفاہِ عام کے لئے مختلف جوانب سے وقف کی گئی ہوں اور واقفین نے حکومت کو اس پر نگران مقرر کیا ہو۔

اراضی متروکہ مصالح عامۃ الناس جیسے قبرستان وغیرہ کے لئے چھوڑی گئی اراضی کو کہا جاتا ہے انہیں حکومت نے چھوڑا ہو یا کسی نے ذاتی ملکیت سے متروکہ قرار دیا ہو۔

ایسی صورت میں وہ اراضی حکومت ہی کی ملکیت تصور کی جائیں گی لیکن حاکم ان اراضی کو کسی کی جاگیر میں نہیں دے سکتا۔

انفرادی یا شخصی ملکیت میں موجود اراضی

شریعتِ اسلامی نے ہر اس شخصی ملکیت کا احترام کیا ہے جو اس نے جائز اور مشروع طریقہ سے حاصل کی ہو مثلاً مورّث کی میراث سے، یا باہمی خرید و فروخت اور تبادلہ سے، یا سبقت اور پہل کر کے کسی دور افتادہ قطعہ زمین کو آباد کر کے اپنی ملکیت میں لے لے، یا حاکم نے اسے قطعہ زمین عطا کیا ہو، یا اسے زمین ہبہ یا وصیّت وغیرہ کے ذریعے اسکی ملکیت میں آئی ہو نیز اس طرح کے تمام مباح طریقہ تملیک کو تسلیم کیا ہے اور

مالک کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں مناسب تصرف کرے اور اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی تنگی کا سبب نہ بن پائے۔ اور شخصی ملکیت میں قبضہ، ظلم و جبر اور غصب کے راستے بالکل بند کردیئے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"أن أبا سلمة حدثه أنه كانت بينه وبين أناس خصومة فذكر لعائشة رضي الله عنها فقالت يا أبا سلمة اجتنب الأرض فإن النبي صلى الله عليه وسلم قال من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين"۔ ①

''ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے اور چند لوگوں کے درمیان ایک جھگڑا تھا انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمین سے بچو اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے ایک بالشت بھر زمین کسی سے ظلماً لے لی تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔

امام مسلم کی بھی اسی معنی میں سعید بن زید سے روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ:

أن أروى خاصمته في بعض داره، فقال: دعوها وإياها، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "من أخذ شبرا من الأرض بغير حقه، طوقه في سبع أرضين يوم القيامة" اللهم إن كانت كاذبة فأعم بصرها، واجعل قبرها في دارها، قال:" فرأيتها عمياء تلتمس الجدر تقول: أصابتني دعوة سعيد بن زيد، فبينما هي تمشي في الدار مرت على بئر في الدار، فوقعت فيها، فكانت قبرها". ②

''اروی نے ان سے گھر کے بعض حصہ کے بارے میں جھگڑا کیا تو انہوں نے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور زمین اسے دے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے حق کے بغیر ایک بالشت بھی زمین لی تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے سات

① صحيح بخاري: باب من ظلم شيئاً من الأرض: 130/3

② صحيح مسلم: باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: 1230/3

زمینوں کا طوق ڈالیں گے اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے اور اسے اندھا کر دے اور اس کی قبر اس کے گھر میں بنا" راوی کہتے ہیں کہ "میں نے اسے اندھا اور دیواروں کو ٹٹولتے دیکھا اور کہتی تھی مجھے سعید بن زید کی بددعا پہنچی ہے اس دوران کہ وہ گھر میں چل رہی تھی گھر میں کنوئیں کے پاس سے گزری تو اس میں گر پڑی اور وہی اس کی قبر بن گئی"۔

ایک اور جگہ بیان فرمایا کہ:

"من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين"۔ ①

"جس نے کسی زمین پر ناحق قبضہ کر لیا تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا"۔

مندرجہ بالا احادیث تمام قسم کے ناجائز قبضہ جات کا انکار کر رہی ہیں حتی کہ حکومت بھی مالک کی مرضی کے بغیر اس کی زمین نہیں خرید سکتی، عہد فاروقی کا قصہ علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں نقل کیا ہے کہ "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کیلئے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ان کا مکان خریدنا چاہا جو مسجد کے ساتھ تھا اور توسیع میں رکاوٹ بن رہا تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جائز قیمت دے کر مکان دے دیں۔ لیکن عباس اس بات پر راضی نہ ہوئے اور تنازعہ کی شکل پیدا ہوگئی آخر فریقین "حکومتِ وقت اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ" نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا تو انہوں نے فیصلہ حکومت کے خلاف دے دیا اور جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مقدمہ جیت لیا تو انہوں نے وہ مکان بلا قیمت ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد کی توسیع کیلئے دے دیا"۔

ملاحظہ کیجئے مکان حاصل کرنے کیلئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد کتنا پاکیزہ تھا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی اس معاملہ میں انتہائی فراخ دل ثابت ہوئے۔ اس مقدمہ سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو یہ علم ہو جائے کہ شریعتِ اسلامی میں شخصی ملکیت کا کس قدر تحفظ ہے کہ حکومت وقت بھی اس کی ملکیت اس سے بذریعہ قیمت نہیں خرید سکتی جب تک مالک خود راضی نہ ہو جائے"۔

---

② صحيح بخاري: باب من ظلم شيئاً من الأرض: 130/3

فضائل زراعت

اسلام ایک ایسا کامل و مکمل مذہب ہے، جو اپنے پیروکاروں کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ انسانی زندگی کے اس اہم شعبے Agriculture زراعت کے بارے میں راہ نمائی نہ کرتا جس کا آغاز ہی سے بنی نوع انسان کا تعلق رہا ہے، فی الواقع زراعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر زراعت نہ کی جائے تو غلہ کی پیداوار نہ ہو سکے جو انسان کی شکم پری کا بڑا ذریعہ ہے اسی لیے قرآن وحدیث میں اس فن کا ذکر بھی آیا ہے:

{أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ۔ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ}[الواقعه:64,63]

''بھلا دیکھو! جو بیج تم بوتے ہو تو اس سے کھیتی تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں۔ اس سے زیادہ فضیلت اور کیا ہوگی کہ جو بیج ہم زمین میں لگائیں اسے اگانے کو اللہ تعالی اپنی طرف منسوب کیا ہے، یہ کام کسان کا اللہ پر توکل بھی ثابت کرتا ہے''۔

{وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ}[الاعراف:10]

''ہم نے تمہیں زمین میں اختیار دیا اور تمہارے لیے اس میں سامان معیشت بنایا۔ مگر تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو''۔

زمین سے منسوب معیشت میں زراعت سب سے پہلا طریقہ معیشت ہے جو اللہ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور زمین ربّ الکریم کا انسان پر ایسا عطیہ ہے جس سے بنی نوع انسان کے دو بنیادی اغراض وابستہ ہیں ایک کاشتکاری یا زراعت اور دوسری رہائش یا سکونت اور رسول اللہ ﷺ سے بھی زراعت کی اہمیت و فضیلت سے روشناس کرانے کیلئے آثار وارد ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرندہ یا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے''۔(1)

---

(1) صحيح بخاري: باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه: 103/3

اس حدیث کو امام مسلم نے یوں بیان کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مبشر نامی انصاری صحابیہ کا لگایا ہوا کھجور کا درخت دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان کوئی درخت لگائے پھر اس سے آدمی یا پرندے یا جانور کھائیں تو یہ سب کچھ اس کی طرف سے صدقہ میں لکھا جاتا ہے''۔ (1)

امام بخاری کی روایت کردہ حدیث میں مزید وسعت کے ساتھ لفظ ''او یزرع زرعا'' بھی موجود ہے یعنی کچھ بھی زراعت کرے چاہے باغ لگائے یا کھیتی کرے۔ تو اس سے جو بھی آدمی، جانور، فائدہ اٹھائیں اس کے مالک کے ثواب میں بطور صدقہ لکھا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی اس حدیث میں باغبانی اور زراعت اور زمین کو آباد کرنے کی فضیلت مذکور ہے۔

مگر جو کاروبار فرائض اسلام کی ادائیگی میں حائل ہو، وہ الٹا وبال بھی بن جاتا ہے۔ کھیتی کا بھی یہی حال ہے کہ بیشتر کھیتی باڑی کرنے والے یادِ الٰہی سے غافل اور فرائض اسلام میں سست ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں کھیتی اور اس کے آلات کی مذمت بھی وارد ہے۔

ابو امامہ باہلی سے مروی ہے کہ انہوں نے ہل اور کچھ کھیتی کے آلات دیکھے، تو کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

"لا یدخل هذا بیت قوم إلا أدخله الله الذل"۔ (2)

''جس قوم کے گھر میں یہ داخل ہو، اس گھر میں اللہ ذلت داخل فرماتا ہے''۔

بہر حال مسلمان کو دنیاوی کاروبار کے ساتھ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھنا اور فرائض اسلام کو ادا کرنا ضروری ہے۔

مزارعت کے متعلق احکام

اسلام کے معاشی نظام کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام سب کو حصول رزق کے مواقع عطا کرنے اور

(1) صحیح مسلم: باب فضل الغرس والزرع: 1188/3

(2) صحیح بخاری: باب ما یحذر من عواقب الاشتغال بآلة الزرع أو مجاوزة الحد الذي أمر به: 103/3

مثبت طور پر ایسی حکمت عملیاں بنانے کی تاکید کرتا ہے، جس سے غربت وافلاس ختم ہوں اور انسانوں کو ان کی بنیادی ضروریات لازماً حاصل ہوں اور مزارعت ومساقاة Sharecropping،Agricultural Tanacy سرمایہ کاری کے ایسے معاہدے ہیں جن سے معاشرے کی پیداواری صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکتا ہے اس لئے مزارعت زراعت کا انتہائی اہم شعبہ ہے جس کے شرعی قوائد وضوابط جاننا بہت ضروری ہے۔

تعریف ومشروعیت مزارعت

مزارعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ:

"المزارعة، المعاملة على الارض ببعض مايخرج منها".[1]

یعنی مزارعت سے مراد وہ معاملہ یا معاہدہ ہے جو زمین کی پیداوار سے کچھ حصہ پر زمین کی زراعت کیلئے کیا جائے۔

اور المخابرة سے بھی یہی مراد ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلمان جب خیبر کے یہودیوں پر غالب آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے خیبر کی زمینوں پر مزارعت کا معاہدہ کیا تو اسی کی مناسبت سے اس کا نام مخابرة ہوگیا تھا ورنہ دونوں میں اصلاً کوئی فرق نہیں۔

اسی طرح المساقاة آبپاشی Watering ہے اس میں مکمل زراعت نہیں بلکہ پہلے سے موجود کھجور یا دوسرے پھل دار درختوں میں پانی لگا کر کاشتکار مالک زمین سے طے کردہ حصہ وصول کرنے کا معاہدہ کرتا ہے۔

مشروعیت مزارعت

مزارعت کے بارے فقہاء کی دو آراء مشہور ہیں:

1. ابو یوسف، محمد بن حسن، عامة المالکیہ و الشافعیہ اور حنابلہ مزارعت کے جواز کے قائل

[1] فقہ السنة:162/3

ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''مزارعت صرف نقود کے عوض درست ہے'' جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے ''مزارعت مساقاۃ کے ساتھ جائز ہے علیحدہ نہیں''۔ (1) جمہور ائمہ مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث کے نزدیک مزارعت [بٹائی، مخابرہ] درست ہے، اختلاف بعض صورتوں میں ہے یا اولویت میں۔

اس رائے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1. قیس بن مسلم نے ابو جعفر سے روایت کی ہے کہ:

ترجمہ: ''مدینہ میں کوئی ایسا مہاجر نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پر کاشت نہ کرتا ہو، علی، سعد بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، القاسم، عروۃ، آل ابی بکر، آل عمر، آل علی اور ابن سیرین سب نے مزارعت کی اور عبدالرحمٰن بن اسود فرماتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ مل کر کاشت کاری کرتا تھا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر مزارعت کرائی کہ اگر عمر بیج دیں تو پیداوار میں آدھا لیں گے اور اگر وہ [کاشتکار] بیج اپنا استعمال کریں تو وہ اتنا لیں گے۔ (2)

اس اثر سے واضح ہوتا ہے صحابہ کرام کی کثیر تعداد مزارعت کی قائل تھی بلکہ ہجرت کی شروعات سے ہی باجازتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ کاشتکاری کرتے تھے، قاضی شوکانی صحیح کی سابقہ عبارت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ اور اہل مدینہ سے کوئی بھی مزارعت کے مخالف نہ تھا''۔ (3)

صحیح بخاری ہی میں مروی ہے کہ:

2. سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انصار نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ہمارے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(1) المغني: 581/5، الأم: 187/7

(2) صحيح مسلم شرح النووي: باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع 5/453

(3) صحیح بخاری: باب المزارعة بالشطر....3/104

"لا"، فقال: "تكفونا المئونة ونشرككم في الثمرة"، قالوا: "سمعنا وأطعنا" ①

''نہیں'' پھر انصار نے مہاجرین کو مخاطب کر کے کہا آپ باغات میں محنت کریں ہم پیداوار میں آپ کو شریک کرتے ہیں تو مہاجرین صحابہ نے فرمایا کہ ''ہمیں منظور ہے''۔

اور یہ معاہدہ انصار اور مہاجرین کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا تھا اگر جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ اسی مجلس میں انکار کر دیتے بلکہ اس کے بعد جب اسلام غالب آ گیا اور خیبر فتح ہوا تو خیبر کی زمینیں اور باغات یہود کو مزارعت کیلئے دیئے گئے۔

③ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم عامل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع". ②

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینیں نصف پیداوار پر مزارعت کیلئے دیں۔ قائلین مزارعت کی سب سے بڑی دلیل یہی رسول اللہ کا فعل ہے اور چونکہ خود رسول اللہ ﷺ کی آخری عمر تک اور عہد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تک یہی معاملہ رہا تا آنکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو جلا وطن کر دیا''۔

امام علاء الدین کاسانی الحنفی اس حدیث کے بارے میں تعلیقاً فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا فعل کم از کم جواز پر دلالت کرتا ہے اور یہی سیدنا علی، ابن مسعود، ابن عباس، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروۃ، زھری، ابن ابی لیلیٰ اور ابن المسیب وغیرہ کا موقف ہے''۔ ③

اس دلیل پر اعتراض میں مانعین کہتے ہیں کہ خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا ہی نہیں کیونکہ خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزور شمشیر فتح کیا تھا لہٰذا خیبر کے یہود مسلمانوں کے غلام تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیداوار کا جو حصہ وصول کرتے تھے وہ بھی آپ کا ہی تھا اور جو یہود کو دیتے تھے وہ بھی آپ کا ہی تھا۔ ④ اور یہ بھی

---

① نيل الأوطار: باب المزارعة بالشطر ونحوه: 6/13 ② صحيح بخاری: باب الشروط في المعاملة: 190/3

③ صحیح بخاری: باب المزارعة بالشطر ونحوه، صحیح مسلم: في المساقاة باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع

④ بدائع الصنائع: 254/5، المغني: 59/5

کہا جاتا کہ خیبر کی زمین خراجی تھی۔

یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ خیبر کا کچھ حصہ تو بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا اور کچھ حصہ بغیر جنگ کے ہی فتح ہو گیا تھا اور مسلمانوں اور یہود کے مابین مصالحت اس بات پر ہوئی تھی کہ تمام زمینیں مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی اسی لئے عہد فاروقی میں جب انہیں نکالا گیا تو خیبر کی آدھی زمین تو بطور مالِ فیٔ اسلامی مملکت کی تحویل میں آگئی اور باقی مجاہدین اور امہات المومنین وغیرہ میں تقسیم کر دیا گیا اسے کسی طور پر بھی خراجی زمین قرار نہیں دیا جاسکتا۔ باقی رہا مزارعت کا معاملہ تو وہ زمین خراجی تھی یا غیر خراجی سب کا معاملہ مزارعت پر ہی ہوا تھا۔ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین نے بھی اپنی زمینیں مزارعت پر ہی دیں۔ مانعین مزارعت کی طرف سے کچھ اور بھی اعتراض کر کے اسے مزارعت سے نکالنے کی کوشش کی گئیں ہیں مگر ایسے اعتراض محض برائے اعتراض کئے جاتے ہیں لہٰذا ان کا جواب ضروری نہیں۔

2 امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد زُفر نے مزارعت مساقاۃ (آبپاشی کیلئے) اور کراء الارض (ٹھیکے پر دینا) کو منع فرمایا ہے۔ (1)

ہدایہ میں امام صاحب کے اس قول کا استدلال کچھ اس طرح سے کیا گیا ہے کہ:

اور انکی دلیل یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ہے جو مزارعت ہی ہے" اور کیونکہ یہ ایسا کرایہ ہے جس میں اجیر کی اجرت اس کے عمل میں سے ادا کی جاتی ہے اس طرح یہ قفیز الطحان جیسا معاملہ ہو جائے گا اور کیونکہ اس میں کرائے کی اجرت مجہول یعنی غیر مقدر ہوتی ہے تو یہ ہر طرح سے فاسد ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے مزارعت کا جو معاملہ کیا تھا وہ بٹائی کے ذریعہ خراج وصول کرنا تھا اور مصالحت اور احسان میں وہ جائز ہے۔ (2)

اس استدلال کو ہم تین نکات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) نہی پر وارد حدیث مبارکہ۔

(2) مزارعت کا اجرت پر قیاس۔

(3) اراضی خیبر کو خراجی قرار دینا۔

---

(1) نیل الأوطار: 14/6 (2) الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب المزارعة 337/4، الأم: 18/4

❶ اس حدیث مبارکہ کو امام مسلم نے عبداللہ بن جابر سے روایت کیا ہے، انکے علاوہ رافع بن خدیج، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے [المخابرة، المزارعة، المساقاة اور کراء الأرض وغیرہ] کی ممانعت کی احادیث مروی ہیں اوران تمام صحابہ سے کوئی نہ کوئی توجیہ بھی وارد ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم ہی میں اس نہی کی توجیہ وارد ہے فرماتے ہیں کہ:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كانت له أرض فليزرعها، أو ليزرعها أخاه، ولا يكرها". ①

''اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہ اسے خود کاشت کرے ورنہ کاشت کیلئے اپنے بھائی کو دے دے اور اسے [بٹائی] یا ٹھیکہ پر نہ دے''۔

یعنی اس زمین پر کسی قسم کا منافع حاصل کرنے کی بجائے ازراہ تعاون اپنے غریب بھائی کو دے دے اور اس تعاون کی مثال ہمیں ہجرت کے بعد کے زمانے سے ملتی ہے کہ جب انصار صحابہ نے مہاجرین صحابہ کو زمین دینا چاہی وہ مکمل واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ روایت انصاری صحابی سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

"كنا أكثر أهل المدينة حقلا، وكان أحدنا يكري أرضه، فيقول: هذه القطعة لي وهذه لك، فربما أخرجت ذه ولم تخرج ذه، "فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم" ②

ترجمہ: ''اہل مدینہ میں ہمارے کھیت بہت زیادہ تھے ہم زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے، اس شرط پر کہ زمین کے ایک حصہ کی پیداوار زمین کے مالک کے لئے ہوگی، تو کبھی اس حصۂ زمین پر آفت آجاتی اور باقی محفوظ رہتا، چنانچہ اس سبب سے کہ بعض حصہ پر آفت آجاتی اور باقی حصہ محفوظ رہتا، ہم لوگوں کو اس سے منع کیا گیا۔ یعنی ان فاسد شروط کی بنا پر مزارعت اور ٹھیکے سے منع کیا گیا اسی قسم

① صحيح مسلم: باب كراء الأرض: 1177/3

② صحيح بخاری: باب ما يكره من الشروط في المزارعة: 105/3

کے الفاظ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں:

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا: ''اگر تم بلا معاوضہ ہی اپنے بھائیوں کو زمین دے دیا کرو تو یہ اس سے اچھا ہے کہ تم اس پر [بٹائی یا کرایہ] وصول کیا کرو''۔

اس عدمِ جواز کی توجیہ میں علماء ایک اور روایت ذکر کرتے ہیں زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کو معاف فرمائے واللہ میں اس حدیث کو ان سے بہتر جانتا ہوں، واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو انصاری لڑتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ: ''إن كان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع''[1]

اگر تمہارا یہی حال ہے تو زمین ٹھیکہ پر نہ دیا کرو۔ اس روایت میں کراء الارض سے ممانعت کا سبب مذکور ہے اور اسی طرح کی ممانعت توجیہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا البتہ یہ کہا ہے کہ آپس میں نرمی کا برتاؤ کیا کرو۔[2]

مندرجہ بالا توجیہات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سرے سے ہی مزارعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی بلکہ کچھ غلط اسباب اور فاسد شروط کی بناء پر نبی الرحمہ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے منع کیا ہے اگر وہ نہ ہوں تو مزارعت جیسے معاہدوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مزارعت کا اجرت پر قیاس

اسکا جواب قائلین اس طرح دیتے ہیں کہ مزارعت کا اجرت پر قیاس نہیں بلکہ مزارعت کا مضاربت پر قیاس کیا جانا چاہئے جو اجماع امت سے جائز ہے مزید تفصیل امام ابن قیم کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ: انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ معاہدے اجارہ کی جنس سے ہیں، کیونکہ اس میں [عوض] اجرت کے بدلے [معوض] عمل ہے اور اجارہ میں عامل کا عمل اور اسکا عوض یعنی اجرت معلوم ہونا ضروری ہے پھر جب انہوں نے اس معاہدے میں عمل اور منافع غیر معلوم پائے تو کہا یہ خلاف قیاس ہے، یہی انکی غلطی ہے، کیونکہ یہ معاہدے مشارکت کی جنس سے ہیں نہ کہ معاوضتِ محض پر مشتمل ہیں جن میں عمل اور اجرت کا

---

[1] سنن أبی داود: باب في المزارعة: 3/257 [2] سنن ترمذی: باب ما جاء فی المزارعة

معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے اور مشارکت مواجرت سے الگ ایک قسم ہے۔اسی طرح جنہوں نے مزارعت اور مساقاۃ کو منع کیا ہے انہوں نے یہی سمجھا ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجیر [عامل] کی اجرت مجہول ہے اور اسکا انکار کردیا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ مزارعت میں عامل اور مالک زمین کے نفع اور نقصان میں شریک ہوتے ہیں اور یہ عین عدل ہے اور ظلم وغرر سے انتہائی دور۔(1) امام ابو یوسف نے بھی اپنی ''کتاب الخراج'' میں اسی قسم کی توجیہ بیان کی ہے کہ مزارعت کا معاملہ مضاربت کے جیسا ہی ہے، اس طرح قفیز الطحان کا معاملہ بھی حل ہوجاتا ہے کہ جب وہ اجیر ہی نہیں تو مزارع اپنے عمل سے اپنی اجرت نہیں بلکہ اپنا حصہ وصول کرتا ہے جس پر وہ متفق ہوئے ہیں۔

اراضی خیبر کا خراجی قرار دینا

اراضی خیبر کا خراجی قرار دینا درست نہیں جس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔اور کتبِ فقہ حنفیہ میں امام صاحب کی ممانعت کے باوجود مزارعت کے مفصل احکام مذکور ہیں سید انور شاہ مرحوم جو حنفی مسلک کے مایہ ناز عالم دین ہیں اور انہوں نے متعدد معرکۃ الآراء مسائل پر کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، درسِ حدیث کی تقریر کی جامعیت کا اندازہ ''فیض الباری '' سے کیا جاسکتا ہے۔جو صحیح بخاری کی تقریر ہے اور چار ضخیم جلدوں میں شائع ہے، وہ مختلف و معارض اقوال میں اپنی قوت استنباط کے زور سے بلا تکلف ایک کو دوسرے پر ترجیح دیدیتے تھے، وہ فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ:''میں صاحب ہدایۃ کی مزارعت کے متعلق روش کو مدت تک نہ سمجھ سکا کہ ایک طرف تو وہ مزارعت کو ابو حنیفہ کے نزدیک ممنوع فرماتے ہیں اور صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف نقل کرتے ہیں، جب امام کے نزدیک مزارعت درست ہی نہیں اس اختلاف اور فروع کے ذکر کی کیا ضرورت ہے؟'' اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ''پھر حاوی القدسی سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے مزارعت کو مکروہ سمجھا ہے سختی سے منع نہیں فرمایا اسی حوالہ سے مجھے اطمینان ہوگیا''۔(2)

---

(1) إعلام الموقعين: 290/1

(2) فیض الباری: 481/2

مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزارعت سے منع کرنے کی بنیادی وجہ باہمی مفادات میں عدم توازن اور محنت کرنے والے کا استحصال ہے اگر کسی کی حق تلفی نہ ہو تو اس معاہدے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دیگر مسائل معاہدہ مزارعت

مزارعین کی مشارکت: اگر مزارعت میں عامل یعنی مزارع کسی وجہ سے اپنا کام مکمل کرنے سے عاجز ہو تو اپنے ساتھ دوسرے عامل کو شریک کرسکتا ہے اور اسے اپنے حصے سے بٹائی ادا کرے جس پر بھی انکا اتفاق ہو، بشرطیکہ زمین کے مالک نے یہ شرط نہ لگائی ہو کہ صرف اول الذکر عامل ہی کام کرے اگر اس قسم کی شرط ہو تو پھر زمین کے مالک کی اجازت لازمی ہوگی۔ (1)

فسخ معاہدہ مزارعت

اگر فصل تیار ہونے سے پہلے مالک معاہدے کو ختم کرنا چاہے تو وہ مزارع کو مثل نصیب [پیداوار سے اس کے حصے کے برابر] ادا کرے گا، کیونکہ وہی عامل کو کام کرنے سے منع کر رہا ہے جس کے عوض مزارع نے اپنا حصہ وصول کرنا تھا یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے اور جبکہ دیگر علماء کرام کا موقف ہے کہ مثل اجرت ادا کی جائے گی، لیکن اگر مزارع خود ہی معاہدے کو ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے پھر پیداوار سے کچھ ادا نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ خود ہی اپنے حق سے دستبردار ہوا ہے بالکل اسی طرح جیسے مضاربت کا عامل منافع ظاہر ہونے سے پہلے ہی الگ ہو جائے تو منافع میں حصہ دار نہیں ہوگا، اور فسخ اگر اس وقت ہو جب فصل پکنے کے قریب ہو تو مالک اور مزارع دونوں اپنا مکمل حصہ وصول کریں گے جس پر انکا اتفاق ہوا تھا اور مزارع اپنا کام مکمل کرے گا، اگر عامل اتنی لا پرواہی کرے کہ پیداوار تباہ ہو جائے تو نقصان کا ذمہ دار وہی ہوگا اور اسی پر ضمان ہوگی۔

مالک اپنی اراضی فروخت کرنا چاہے تو کیا مزارع کو بھی کچھ مبلغ ادا کرے گا: اگر کچھ مزارع عرصہ دراز سے زمین کاشت کر رہے ہوں اور مالک زمین کو فروخت کرنا چاہے تو مزارعین کو کوئی حق نہیں کہ وہ زمیندار یا

---

(1) الشرح الكبير وحاشية الدسوقي: 543/3

نئے خریدار سے کچھ عوض طلب کریں تاکہ ان کا جو ذریعہ معاش ختم ہو گیا ہے اس کی جگہ کوئی اور ذریعہ اختیار کرسکیں کیونکہ زمین کے جانے سے اگر انہیں کوئی ضرر پہنچا ہے تو اس میں مالک کی کوئی ذمہ داری نہیں اور کیونکہ ان کی شراکت مزارعت میں تھی ملکیتِ زمین میں نہیں، اور نہ ہی مزارعین زمین خریدنے کیلئے اس فروخت کی منسوخی کا مطالبہ کرسکتے ہیں مگر باہمی تعاون اور اچھے اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر صاحب زمین اپنی ملکیت فروخت کرنا چاہے تو اپنے مزارعین سے بھی مشورہ کرے وہ خریدنا چاہیں تو ان سے تعاون کرے اور اگر خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے اور کوئی دوسرا روزگار بھی نہیں رکھتے تو مالی طور پر بھی ان کی معاونت کرے۔

معاہدۂ مزارعت کو عدل پر قائم رکھنے کیلئے علماء نے کچھ شرائط بیان کی ہیں، جن کے اشتراط سے نہ زمیندار کا استحصال ممکن ہو پائے گا اور نہ ہی مزارع کی کسی قسم کی حق تلفی ہوگی وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1. مزارع اور زمیندار دونوں عاقل بالغ [مکلف] اور مکمل اہلیت کے حامل ہوں، زمیندار زمین کا مالک ہو اور مزارع زراعت کرسکتا ہو۔
2. زمین قابل کاشت ہو تاکہ کاشت کار محنت کر کے پیداوار میں حصہ دار ہو سکے، مساقاۃ میں پھل دار درختوں کا ہونا ضروری ہے۔
3. زراعت کی جانے والی فصل اور طریقہ زراعت معلوم ہوں، کیونکہ کچھ فصلیں اور طریقہ کاشت آمدن اور منافع پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ جو بعد میں اختلاف کا سبب بنتے ہیں۔
4. زراعت کیلئے بیج اور آلات پر دونوں جس طرح متفق ہوں وہی درست ہے، بس کسی قسم کا بھی ضرر و غرر نہ پایا جائے۔
5. پیداوار کی تقسیم فیصدی یا چوتھائی، تہائی، نصف کے طور پر اور تقسیم کا طریقہ کار طے شدہ ہو، مکمل پیداوار سے دونوں کے حصوں کی تقسیم ہو نہ کہ زمین یا فصل کے اعتبار سے حصے الگ الگ کئے جائیں۔ مثلاً زمیندار یہ کہے کہ پانی کے قریب والی فصل میری ہوگی اور فلاں حصہ زمین کی کاشتکار کے حصہ میں آئے گا یا گندم کی فصل کاشت کار لے اور چاول کی زمیندار لے، اس طرح تقسیم سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، کیونکہ ممکن ہے جس قطع کی پیداوار زمیندار چاہ رہا ہو وہاں پیداوار اچھی ہوتی ہو اور کاشت کار

زمیندار کی باری کی بنسبت اپنی باری میں زیادہ محنت کرے۔

6 مدت مزارعت معلوم ہو، اگر فصل کی مدت مکمل ہونے سے قبل زمیندار کاشت کار کو الگ کرنا چاہے تو مثلِ محنت ادا کرے۔

7 زمیندار اور کاشتکار دونوں اس معاہدے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں نہ ہی زمیندار کاشت کار کو اپنا غلام تصور کرے اور نہ ہی کاشتکار غصب کے ذریعے زمین کا مالک بننے کی کوشش کرے۔

خاتمہ

گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ آیات واحادیث مبارکہ اور علماء اسلام کی پیش کردہ توجیہات اور تشریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں بنیادی وسائل معیشت میں سے زراعت کو بہت اہمیت دی گئی ہے، اور اسلامی حکومت کا یہ امتیاز رہا ہے کہ اس میں سرکاری اراضی کی انتہائی منصافانہ تقسیم کا طریقہ کار رائج ہو اور ملکیتِ زمین کے حوالے سے خاطر خواہ تشریعی احکام جاری ہوئے جن میں شخصی ملکیت کا احترام بھی ہے اور مزارع یا حکومت وقت کو غصب وانتہاب کی کسی صورت اجازت نہیں دی گئی اس میں نہ قدیم وجدید جاگیر دارانہ نظام جیسی نظیر ملتی ہے کہ جس میں بڑے بڑے زمیندار کاشت کاروں کے جان ومال پر متصرف نظر آئیں اور نہ ہی اشتراکیت کی یہ جھلک نظر آتی ہے کہ جس میں زمیندار کو اس کے حقِ ملکیت سے ہی محروم کر دیا جائے۔علاوہ ازیں معاہدہ مزارعت کی بھی اسی صورت اجازت دی گئی کہ جس میں زمیندار اور کاشتکار کا معاہدہ مزارعت میں دو شریک کاروں کی حیثیت میں سامنے آئیں اگر اس میں بھی افراد امّت کے درمیان بغض اور عداوت اور ایک دوسرے کی حق تلفی کی صورت میں اسے بھی ممنوع قرار دیا ہے، غرض کہ اسلامی اقتصادی نظام میں معاہدہ مزارعت کا مقصد انفرادی اور اجتماعی تعاون وترابط اور تراحم کو مضبوط کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان باہمی اخوت اور محبت کا رشتہ قائم رہے اور اسکے لئے اسلامی معاشی نظام کو دوسرے نظاموں کو مشرف بالاسلام کرنے یا ان سے کچھ مستعار لینے کی ضرورت نہیں وہ ہر قسم کے زمان ومکان کے لئے صالح اور موزوں ہے بس ضرورت ہے تو اسے نافذ کرنے کی، کہا جاتا ہے ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ سندھی لینن سے ملے اور انہیں اسلامی نظام معیشت کے بارے میں بتایا تو لینن نے اعتراف کیا یہ واقعی انصاف پر مبنی نظام ہے لیکن مجھے کہیں زمین پر دکھا دیجئے میں اسے قبول کرلوں گا۔

سودی معیشت اور جدید بینکاری

ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی [1]

اسلام ایک فطری مذہب ہے یہ حقوق العباد کو حقوق اللہ کی طرح بڑی اہمیت دیتا ہے بلکہ بعض روایات سے تو یہاں تک واضح ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کی بنسبت حقوق العباد کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ حقوق اللہ کی بابت تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالی عفو و کرم کرتے ہوئے بندے کو معاف کردے گا اس کے برعکس حقوق العباد کے متعلق یہ آیا ہے کہ جب تک حق والا معاف نہیں کرے گا اللہ تعالی بھی اسے معاف نہیں کرے گا۔ اسی لئے اسلام نے ہر اس عمل کو نا جائز اور حرام قرار دیا ہے جس سے لوگوں کے حقوق کی پامالی اور حق تلفی ہوتی ہو۔ اسلام نے جن باتوں کو نا جائز اور حرام قرار دے کر انسانوں کو ان سے روکا ہے ان میں سے ایک سود بھی ہے۔ چونکہ سود وہ معاملہ ہے جس میں تھوڑی رقم یا جنس دے کر زیادہ رقم یا جنس لی جاتی ہے۔ اس میں سود دینے والے پر ظلم ہوتا ہے اور سود لینے والا بیٹھے بٹھائے بغیر کسی محنت کے منافع کمار ہا ہے اسی لئے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

سود کی مذمت

{اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی

فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○
يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ○ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ
يَحۡزَنُوۡنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ فَاِنۡ لَّمۡ
تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا
تُظۡلَمُوۡنَ ○} [البقرۃ:275تا279]

’’جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سود بیچنا بھی (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام تو جس کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے‘‘۔

نیز ارشاد ہے:

{يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○}

’’اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ نجات حاصل کرو‘‘۔ [آل عمران:130]

نیز ارشاد ہے:

{فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
كَثِيۡرًا ○ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ
مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ○} [النساء:160تا161]

''تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان کو حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے درددینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝} [الروم:39]

''اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں''۔

سود کا مفہوم

قرآن مجید میں سود کے لئے ربوٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنی ہے اضافہ اور زیادتی۔ گویا لغوی طور پر اصل رقم پر جو بھی اضافہ ہوا سے سود کہا جاتا ہے۔ مگر رقم پر اضافہ کی ہر صورت ربوٰ یا سود نہیں بلکہ اس کی بعض صورتیں جائز اور بعض ناجائز ہیں۔ مثلاً کاروبار اور تجارت کے ذریعہ بھی اصل رقم پر منافع کی صورت میں اضافہ ہوتا ہے یہ شرعاً بھی جائز ہے اور اخلاقاً بھی۔ مگر سود اصل رقم پر مخصوص انداز کا اضافہ ہے جس کی اجازت قطعاً نہیں بلکہ یہ سرے سے حرام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا}

کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔

چونکہ عربوں میں سود یا ربوٰ کی صورت متعین اور معلوم تھی اس لئے اس کی وضاحت اور تشریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''دور جاہلیت میں ایک آدمی دوسرے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر کر لیتا۔ اگر مقررہ مدت پر وہ ادائیگی نہ کر سکتا تو وہ قیمت میں اضافہ قبول کر کے مزید مہلت لے لیتا تھا۔ اسے سود کہتے تھے''۔

اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ ''قبل از اسلام رواج تھا کہ ایک آدمی قرض لیتا اور کہتا کہ اگر تم

مجھے اتنی مہلت دے دو تو میں اصل رقم سے اتنی رقم زائد دوں گا"۔

یہ بھی سود کی ایک صورت تھی جسے قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہے۔

تجارت اور سود میں بنیادی فرق: سود خور لوگ اس معاملہ کو جائز ثابت کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں کہ ہمارا یہ معاملہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے جس طرح تجارت میں منافع جائز ہے اس طرح ہم بھی اپنی رقم پر منافع لیتے ہیں۔

ان لوگوں کی بات سراسر غلط اور خلاف حقیقت ہے کفار بھی یہی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے:

{اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا} [البقرہ:275]

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام"۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ربوٰ یعنی سود کو ایک قسم کی تجارت کہتے تھے۔ اللہ تعالی نے تجارت کو حلال اور ربوٰ یعنی سود کو حرام کیا ہے۔

تجارت اور سود میں فرق

حالانکہ یہ دونوں معاملے الگ الگ ہیں۔ تجارت میں ایک آدمی اپنی چیز کو فروخت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے اور دوسرا اسے خرید رہا ہوتا ہے۔ اس میں تاجر جو اصل رقم سے زائد رقم لیتا ہے اسے نفع کہا جاتا ہے۔ تجارت کا نفع اس لئے جائز ہے کہ بیچنے والے نے پہلے اس چیز کو خود تیار کیا یا وہ اسے کہیں سے خرید کر لایا، پھر کچھ عرصہ اسے اپنے پاس رکھا پھر اس سلسلہ میں اس نے اپنی بدنی، ذہنی اور مالی صلاحیتوں کو صرف کیا اور اس کے عوض وہ منافع لے رہا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ جائز ہے۔ اس کے برعکس سود میں ایک آدمی دوسرے کو اپنی رقم دے کر اسے کچھ مہلت دیتا ہے اور وہ اس مہلت کے بالمقابل زائد رقم طلب کرتا ہے جس کے لئے اس نے کچھ بھی محنت نہیں کی ہوتی۔ یہ سود ہے جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح تجارت میں ایک طرف ایک جنس ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل رقم یا قیمت ہوتی ہے یہ جائز

ہے کہ دونوں طرف چیز الگ الگ ہوتی ہے۔جبکہ سود کے معاملہ میں دونوں طرف ایک ہی چیز ہوتی ہے۔اسی طرح تجارت میں ایک آدمی اپنی چیز دے کر اس کے عوض میں کوئی چیز لے رہا ہوتا ہے۔مگر سود میں ایک فریق کو تو معاوضہ مل رہا ہوتا ہے۔جبکہ دوسرے فریق کو کچھ نہیں ملتا بلکہ الٹا وہ دے رہا ہوتا ہے۔نیز تجارت میں تو ایک دفعہ منافع لے کر معاملہ مکمل ہوجاتا ہے اس کے برعکس سود کی صورت میں رقم دینے والا اپنی رقم پر مسلسل سود لیتا رہتا ہے۔اور عموماً یہ سود اصل رقم سے بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔اس قسم کے اسباب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

ان کے علاوہ سود خور اخلاقی پستی کا بھی مریض ہوتا ہے وہ خود غرض، بخیل، بے رحم اور زر پرست بن جاتا ہے ایک اچھے مسلمان میں ایسی باتیں قابل مذمت ہیں۔ان بدعات کے نتیجہ میں انسانوں کے مابین نفرت، عداوت اور قطع تعلقی وغیرہ جیسی عادات آجاتی ہیں جن کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

چونکہ سود انسان کے دین کا بھی دشمن ہے اور اخلاق کا بھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے انتہائی سخت الفاظ کے ساتھ سود سے منع فرمایا اور اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے مترادف ٹھہرایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے
{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ}[البقرہ:278تا279]

''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہوجاؤ''۔

یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ''جاہلیت کے تمام سودی معاملات کالعدم ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود ساقط کرتا ہوں انہوں نے لوگوں سے جو سود لینا تھا وہ نہیں لیں گے''۔[1]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بہت سے گناہوں سے منع کیا ہے مگر جس قدر وعید سود کے متعلق ہے ایسی سخت وعید دوسرے کسی گناہ پر نہیں ہے۔سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ابو داؤد: کتاب المناسک، باب صفة حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 1905
سنن ابن ماجہ: باب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 3074 یہ حدیث صحیح ہے۔

فرمایا: ''سود کے ستر درجے ہیں اور اس کا کم از کم گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے''۔ ①

ایک اور حدیث میں ہے آپ نے فرمایا: ''سود لینے والا، کھانے اور کھلانے والا، دینے والا، اس کی دستاویز لکھنے والا اور ایسے معاملہ پر گواہ بننے والا سب لوگ لعنتی ہیں''۔ ② یاد رہے کہ جنس کا جنس سے یعنی غلہ کا غلہ سے تبادلہ کرتے ہوئے برابری ضروری ہے ورنہ یہ بھی سود بن جائے گا۔

سود کے نقصانات

سابقہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی اپنی اصل پر بغیر محنت ومشقت کئے اور بغیر اپنی کسی صلاحیت کو استعمال کئے جو زائد رقم لے وہ سود ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اگر غور کیا جائے تو سود کے بہت سے نقصانات بھی ہیں۔مثلاً سود خور آدمی خود غرض، مفاد پرست، حریص، تنگ دل اور زر پرست بن جاتا ہے۔اور اس کے دل میں مال ودولت کی ہوس مزید پروان چڑھتی چلی جاتی ہے اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کے نتیجہ میں انسان ایک فیاض، سخی، ہمدرد، فراخ دل، عالی ظرف اور دوسروں کا خیر خواہ اور خیر اندیش ہوتا ہے۔سود خوران تمام صفات عالیہ سے یکسر محروم ہوتا ہے۔

سود کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس طرح غریب طبقہ مزید غریب اور محروم کیا جاتا ہے ایک شخص پہلے ہی ضرورت مند اور محتاج ہوتا ہے اور اسے سود پر رقم ملے تو وہ مزید زیر بار ہوجاتا ہے اور اس کی رہی سہی قوت خرید بھی آہستہ آہستہ ختم ہوجاتی ہے اور وہ جو کچھ کماتا ہے وہ ساہوکار لے جاتا ہے۔

جواز سود کی عقلی توجیہات

① بعض مغرب زدہ لوگوں میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ سود صرف اسی صورت میں قابل اعتراض ہے جب وہ ذاتی ضروریات کیلئے دی گئی رقم پر لیا جائے ان کا خیال ہے کہ اگر کوئی آدمی کاروبار کیلئے کسی سے رقم لے یا کسی کو رقم دے تو ایسی صورت میں سود کا لین دین حرام نہیں بلکہ سراسر معقول، جائز اور حلال ہے۔مگر ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ یہ بھی اصل رقم سے زائد ہے جو وہ بلا وجہ اور بلا معاوضہ لے رہا ہے لہذا یہ بھی ناجائز ہے۔

---

① سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب التغلیظ الربا، حدیث نمبر: 2274 یہ حدیث صحیح ہے

② صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا۔۔۔

② اس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب اپنی رقم کسی کو دیتے ہیں تو اپنی ضرورت کو روک کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور اس میں رقم کے ڈوبنے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اس لئے اس پر سود لینا جائز ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مال دار آدمی کو رقم ڈوبنے کا اندیشہ ہو تو وہ ایسا کام ہی نہ کرے اور بے خطر ہو جائے یا پھر وہ مدیون سے کوئی چیز بطور ضمانت لے کر رکھ لے۔

③ نیز بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں دوسرے کو اپنے مال سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیتا ہوں، لہذا اس میں سے مجھے بھی حصہ ملنا چاہئے۔ یہ بات اگرچہ درست ہے مگر اسے ایسی صورت میں مشارکت کا معاملہ کرنا چاہئے کہ اگر رقم لینے والے کو کاروبار میں نفع ہوا تو یہ نفع میں شریک ہو اور اگر اسے خسارہ آئے تو یہ خسارہ میں بھی حصہ دار بنے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ منافع میں تو حصہ دار بننے پر تیار ہے مگر خسارہ کی صورت میں بالکل الگ تھلگ ہو جائے؟

ہماری اب تک کی گزارشات سے یہ واضح ہو چکا ہے سود شرعی طور پر قطعاً ناجائز اور حرام ہونے کے ساتھ ساتھ انسانوں پر ظلم ہے نیز اس کے روحانی اور اخلاقی نقصانات بھی زیادہ ہیں۔

اصلاح احوال

ایک سوال: ہماری اس قسم کی گفتگو سن کر بعض مغرب زدہ دانشور کہہ دیا کرتے ہیں کہ چونکہ اب تک غیر سودی نظام مالیات مدون نہیں ہوا۔لہذا عارضی طور پر سودی نظام جاری رہنا چاہیے۔ جب غیر سودی نظام سامنے آجائے گا تو اسے ختم کر دیں گے۔ یہ محض خام خیالی ہے سود چونکہ شرعاً حرام ہے اسے دستوری طور پر بھی ممنوع قرار دینا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں خود بخود غیر سودی نظام سامنے آجائے گا اگر سودی نظام اسی طرح چلتا رہے تو قیامت تک اس سے جان نہیں چھوٹ سکتی۔ اور بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ سود کے بغیر ہمارا ملک چل ہی نہیں سکتا۔ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے ہم سود جیسی نحوست کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں۔ اللہ تعالی کا کوئی بندہ جرأت کر کے سود کو مکمل طور پر ممنوع قرار دے پھر دیکھیں کہ کیوں کر اللہ تعالی کی رحمت اور اس کا فضل ہمارے شامل حال ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

یہ تو ہیں سود کے متعلق اسلامی احکامات۔ ان کے علاوہ کوئی بھی سنجیدہ، غیر متعصب اور انسانیت کا خیر خواہ آدمی سود کو قبول کرتا ہے نہ پسند۔ اگر ہم مغربی ماہرین معاشیات کی کتابوں کا وسیع مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی سود کو انسانیت کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ معروف مغربی ماہر اقتصادیات

سر رائے ہارڈ نے لکھا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بہتری چاہتے ہو تو سود سے نجات حاصل کرو۔

بینکاری کا آغاز

مغربی ممالک میں بینکاری کا آغاز یوں ہوا کہ ابتدا میں جب کاغذ کے نوٹ نہ ہوتے تھے اس وقت لوگ اپنی دولت سونے یا چاندی کی صورت میں جمع کیا کرتے تھے۔ جس کے پاس زائد از ضرورت دولت ہوتی وہ اسے بطور امانت سناروں کے پاس رکھ کر اس سے رسید لے لیتا کہ میری اتنی دولت فلاں سنار کے پاس بطور امانت پڑی ہے پھر وہی رسیدیں خرید و فروخت کے سلسلہ میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ ہر لین دین کے موقعہ پر سنار سے سونا لے کر ادائیگی کرنے کی بجائے محض رسیدوں پر خرید و فروخت کرنے میں لوگوں کو سہولت تھی۔ چنانچہ کاروبار کا یہ انداز لوگوں میں رائج ہو گیا۔ موجودہ زمانہ میں بینک نوٹ، چیک اور ڈرافٹ وغیرہ اسی رسید کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔ آہستہ آہستہ ان سناروں اور ساہوکاروں نے محسوس کیا کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بیک وقت اپنی تمام رقم کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ سونے چاندی کی بہت بڑی مقدار ان کے پاس یوں ہی بے کار پڑی رہتی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس ذخیرہ کا کچھ حصہ بطور قرض دے کر اس پر منافع کمایا جائے۔ جن سے یہ کاروبار منافع بخش ثابت ہوا تو انہوں نے لوگوں سے زیادہ سونا چاندی حاصل کرنے کی خاطر امانت پر سود دینا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ تھوڑی شرح سود پر رقم لے کر حاجت مندوں کو زیادہ شرح سود پر قرضہ دے کر منافع کمانے لگے۔

موجودہ زمانے کے بینک اسی طریقہ کی ترقی یافتہ شکل ہیں اگرچہ بینکوں میں ہونے والے لین دین کی بنیاد سود پر ہے جو کہ یقیناً ناجائز، غلط اور حرام ہے اس کے باوصف بینک بہت سی ایسی خدمات بھی سر انجام دیتا ہے جو انسانوں کے لئے مفید بھی ہیں اور ناگزیر بھی۔ مثلاً رقوم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا اور ادائیگی کا انتظام کرنا، بیرونی ممالک سے لین دین کی سہولت، قیمتی اشیاء کی حفاظت وغیرہ۔ کیونکہ بینک بہت تھوڑا معاوضہ لے کر وقت اور سرمایہ کو بچاتا ہے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ان بینکوں کو یکسر ختم کرنے کی بجائے ان کے نقائص کو دور کر کے اس نظام کی اصلاح کی جائے۔ اس طرح بینکاری کا نظام پاکیزہ ہو کر کئی گناہ زیادہ منافع بخش بھی ہو جائے گا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس وقت لوگ سود کی لالچ میں آکر اپنا سرمایہ بینکوں میں جمع کراتے ہیں اگر سود ملنے کی توقع نہ ہو تو کون اپنا سرمایہ بینکوں میں جمع کرائے گا؟ مگر حقیقت ہے کہ سود ختم کر دینے کے بعد

لوگ منافع کی امید پر بھی اپنی رقوم بینکوں میں جمع کراتے رہیں گے بلکہ جس قدر رقم انہیں سود کی صورت میں ملتی ہے منافع کی صورت میں اس سے کہیں زیادہ انہیں ملنے لگے گی۔

پاکستان میں غیر سودی بینکاری کا آغاز

چونکہ سود قطعاً حرام ہے اور بینکوں کا نظام بھی اصلاح کا محتاج ہے اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے ماہرین معاشیات روز اول ہی سے سوچ بچار کرتے آرہے ہیں کہ کسی طرح سود سے گلو خلاصی ہوجائے اور بینکوں کا نظام بھی اسلامی صورت میں آجائے۔

چنانچہ یکم جنوری ۱۹۸۱ء سے بینکوں میں غیر سودی شعبہ بھی کھول دیا گیا اس کا اہل پاکستان نے پر جوش خیر مقدم کیا اور چند ہی مہینوں کے اندر ان کھاتوں میں جمع کرائی جانے والی رقم دو ارب روپے ہوگئی۔ بینکوں کے نظام کی اصلاح عوامی امنگوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ پاکستان کے اسلامی معاشرہ میں سود ہمیشہ ناقابل قبول رہا ہے۔ عوام کی اکثریت بینکوں میں سودی نظام کے تحت اپنی رقوم جمع کراتی ہے مگر وہ دلی طور پر اسے قبول نہیں کرتے۔ بینکوں میں بطور تجربہ جو کھاتے کھولے گئے ہیں ان میں سے ایک نفع نقصان میں شراکت بچت کھاتہ ہے اور دوسرا نفع نقصان میں شراکت کا میعادی کھاتہ اگرچہ ابھی اس نظام میں اصلاح کی مزید ضرورت ہے تاہم امید ہے کہ اگر ہماری حکومت اور ماہرین خلوص دل سے کوشش کریں تو اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں غیر سودی بینکاری کا محدود تجربہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے کہ اس سے بینکوں کی رقوم میں بالکل کمی نہیں آئی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ رقوم جمع کرائی گئی ہیں اور عوام کو سود کی صورت میں جتنی رقم ملتی تھی نفع نقصان کے کھاتے میں اس سے بھی زیادہ رقوم ملنے لگی ہیں الحمد للہ۔

اسلامی ترقیاتی بینک

اسلامی ممالک کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ اقتصادی ترقی کے لئے آپس میں تعاون کریں اور غیر سودی بینکاری کا نظام رائج کریں۔ چنانچہ اللہ تعالی کی توفیق سے ''اسلامی ترقیاتی بینک'' وجود میں آچکا ہے اس کا صدر دفتر جدہ میں ہے تمام اسلامی ممالک اس بینک کے رکن بن کر بلا سود قرضے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کامیاب تجربہ کو دیگر بینکوں میں بھی روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

سود اور حیلہ سازی

ابو احمد فراز الحق (1)

قرآن وسنت کے بیشتر دلائل سے سود کی حرمت روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مگر کچھ لوگ اس دنیا کی خاطر آخرت کو داؤ پر لگاتے ہوئے اس حرمت سے بچنے کیلئے چور دروازے ڈھونڈتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ نصوص صحیحہ کی من مانی تأویلات کر کے سود کی مختلف صورتوں کو جائز قرار دینے کے درپے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام حیلے بہانے سود کو حرمت کے دائرہ سے خارج نہیں کرتے۔

سود کے اس دروازے کو بند کرنے کے لئے شریعت نے سود کھانے کے لیے بہانہ بازی اور حیلہ سازی کو

(1) متعلم مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ، ایم اے شعبہ علوم الحدیث۔

حرام قرار دیا ہے، یہی نہیں بلکہ اسلام نے تو کسی بھی حرام شے کو بذریعہ حیلہ حلال کرنے کی سختی سے مذمت کی ہے اور اس طرح کے کسی بھی فعل کو حرام ٹھہرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر گائے کی چربی حرام کی تھی مگر انہوں نے اسے حلال کرنے کیلئے یہ حیلہ رچا کہ چربی کو پگھلا کر بیچتے پھر اس کی قیمت استعمال کرتے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قاتل الله اليهود، إن الله لما حرم عليهم شحومها، جملوه ثم باعوه وأكلوا ثمنه"①

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو غارت کرے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر بیچا اور اس کی قیمت کھائی''۔

عصر حاضر میں سود کو بذریعہ حیلہ سازی حلال کرنے کی تفصیل سے قبل حیلہ کی تعریف اور اس کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔

لغوی تعریف:

''حِیَل'' حیلہ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ''مہارت، چالاکی، باریکی سے کوئی کام انجام دینا''۔②

اصطلاحی تعریف:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لغت میں باریک بینی سے کسی کام کو انجام دینا حیلہ کہلاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح دین میں اس لفظ کا استعمال مہارت اور چالاکی کے ساتھ اپنے غرض و مقصد کو پالینے کے معنیٰ میں کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس فعل کا ارتکاب نہ کرنا جس کا ارتکاب یہودیوں نے کیا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حیلوں کے ذریعے حلال کرلو''۔③

---

①صحيح بخاري: كتاب البيوع ، باب البيع الميتة و الأصنام، حدیث نمبر:2236 صحيح مسلم : كتاب المساقاة، باب تحريم بيع الخمر و الميتة الخنزير و الأصنام، حدیث نمبر 4026 ②لسان العرب 185/1

③رواه ابن بطة في كتابه "إبطال الحيل" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے دیکھئے مجموع الفتاویٰ 29/29

فقہاء کے عرف میں حیلے کا معنی حرام کردہ امور کو تاویلات کے ذریعے حلال کرنے کی کوشش کیا جاتا ہے [1]

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شریعت کے کسی حکم کے ابطال کی غرض سے ایسا عمل انجام دینا جو بظاہر جائز معلوم ہو (اسے حیلہ کہا جاتا ہے)'' [2]۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " والحیل کلها محرمة غیر جائزة في شيء من الدین " [3] دین کے کسی بھی معاملے میں کسی بھی قسم کا حیلہ حرام اور نا جائز ہے۔

پھر حیلے کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' حیلہ یہ ہے کہ کوئی شخص جائز عقد و معاملے کو ظاہر کرے مگر پھر بطور دجل وفریب حرام معاہدہ و معاملہ کرے۔ یا (ایسا طریقہ استعمال کرے جس سے) حرام کو حلال کرنا، واجب کو ساقط کرنا، یا حق کو رد کرنا مقصود ہو''۔ [4]

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ لغت کے اعتبار سے ''حِیَل'' کا لفظ انتہائی وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ کسی بھی معاملے میں ذھانت اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اسے صحیح طرح انجام دینا بھی حیلہ ہے لیکن فقہاء کے عرف میں اس کا مذموم معنی ہے بحثیت طوالت ہم اسی مذموم معنی کو ہی لے کر اپنے مضمون کو آگے بڑھائیں گے۔ ورنہ تمام اقسام کے حیلے اور ان کے احکام ذکر کرنے سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ و باللہ استمد العون والتوفیق۔

سود کو حلال کرنے کیلئے جو حیلے بہانے اختیار کئے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک کی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

سودی معاملات میں تعاون کرنا

کچھ لوگ سودی معاملات میں تعاون کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم خود تو سود نہیں کھا رہے۔ جبکہ یہ ایک انتہائی بھونڈی دلیل ہے کیونکہ اسلام نے سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے ایسا ضابطہ دیا ہے کہ سودی معاملے سے منسلک ہونے والا ہر شخص برابر کا گنہگار ہوتا ہے۔ جن میں سود لینے والا، دینے والا، سودی دستاویز لکھنے والا، سودی کاروبار میں واسطہ بننے والا، سب گناہ میں برابر ہیں۔

---

[1] الفتاوی الکبری 191/3 [2] الموافقات 201/4 [3] المغني: 63/4 [4] المغني: 63/4

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

لعن رسول اللہ آکل الربا و موکلہ و شاھدیہ و کاتبہ وقال ھم سواء ①

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا کہ یہ سارے لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں''۔

چنانچہ سود سے منسلک لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق درست نہیں۔ اور اس کے جواز کے تمام حیلوں کو نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث نے باطل کر دیا ہے۔

بیع عینہ کو اختیار کرنا

اس کی صورت یہ ہے کہ احمد نامی شخص نے سلیم نامی شخص کو کوئی سامان خاص مدت کے لئے ادھار بیچا اور پھر اسی سامان کو احمد نے سلیم سے اس سے کم قیمت پر نقد خرید لیا علماء محققین نے اس قسم کے تجارتی معاملے کو سود قرار دیا ہے۔

اس بارے میں حدیث میں وعید بھی وارد ہوئی ہے، چنانچہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے ''جب تم سودی کاروبار کرنے لگو گے اور کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی تم پر ذلت وپستی مسلط کر دے گا۔ اور اسے اس وقت تک تم سے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں آ جاتے''۔ ②

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مفسر قرآن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فتوی پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے حریز (مخصوص کھانہ) ایک مدت کے لئے ادھار بیچا، پھر اسے اس سے کم قیمت پر نقد خرید لیا تو انہوں نے جواباً کہا: ''یہ ان معاملات میں سے ہے جسے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے''۔ ③

---

① صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا و موکلہ، حدیث نمبر 1598

② سنن ابی داود: کتاب الإجارة، باب في النهي عن العينة، علامہ البانی نے اس روایت کو سلسلۃ الصحیحہ میں صحیح قرار دیا ہے۔

③ فتاوی ابن تیمیہ 446/29

چنانچہ یہ بیع جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔

قرض دینے پر کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا

سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اس نفع کے حصول سے بھی منع فرمایا ہے جس سے شبہ پیدا ہو کہ یہ قرض دینے کے سبب حاصل ہوا ہے مثلاً: کوئی ہدیہ دینا،① یا قرض دینے والے کا کوئی کام مفت انجام دینا وغیرہ۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: "إذا أقرض أحدكم قرضا فأهدي إليه أو حمله على الدابة فلا يركبه ولا يقبله إلا أن يكون جري بينه وبينه قبل ذلك".②

''جب تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے اس پر اسے ہدیہ دیا جائے یا سواری پر بٹھایا جائے تو وہ نہ بیٹھے اور نہ ہدیہ قبول کرے، ہاں! اگر قرض دینے سے پہلے ہی سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے تو کوئی حرج نہیں''③

علماء کرام اس باب میں ایک اصولی قاعدہ ذکر کرتے ہیں: "كل قرض جر منفعته فهو ربا"

ترجمہ: ''جو قرض بھی نفع لائے وہ سود ہے''۔

اس بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند آثار ملاحظہ ہوں:

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم قرض دیئے تو اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین کا پھل انہیں بطور ہدیہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا''۔ اس پر اُبی بن کعب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''اہل مدینہ کو علم ہے کہ میرا پھل سب سے بہتر اور اچھا ہوتا ہے، اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں، تو آپ نے ہمارا ہدیہ کیوں قبول نہیں کیا؟ پھر جب انہوں نے دوبارہ دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا''۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدیہ اس خیال سے رد کیا کہ کہیں یہ ہدیہ قرض کی بنا پر نہ ہو لیکن جب انہیں

---

① تاکہ قرض دار اپنے قرض کا مطالبہ مؤخر کر دے۔ ② سنن ابن ماجه: كتاب الصدقات، باب القرض، یہ حدیث حسن ہے

③ فتاوی الکبری 6/ 159 شیخ الاسلام نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

یہ یقین ہوا کہ یہ قرض کی بنا پر نہیں تو انہوں نے ہدیہ قبول کرلیا، اور مقروض شخص کا ہدیہ قبول کرنے سے باب میں یہ روایت فیصل ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ ''نیل الاوطار'' میں لکھتے ہیں:

''ماحصل یہ کہ اگر تو ہدیہ یا عاریہ قرض میں اور مہلت لینے اور وقت زیادہ کرنے کے لئے ہو، یا قرض خواہ کے لئے بطور رشوت ہو، یا قرض خواہ کو قرض کے بدلے نفع دینے کے لئے ہو تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ سود اور رشوت کی ایک قسم میں سے ہے۔

اور اگر مقروض اور قرض خواہ کی عادت میں سے ہو کہ وہ اس قرض سے قبل بھی ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر یہ اصلاً اس غرض سے نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ اسے قبول نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اس کی ممانعت مطلقاً ہے''[1]

اگر آپ یہ کہیں کہ:

کیا ہدیہ رد کرنے کے علاوہ اور بھی کوئی حل ہے، اور سود میں واقع ہونے کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے:

جی ہاں، اگر آپ اسے رد کرنے سے انکار کریں، اور ضرور قبول کرنا چاہیں تو پھر آپ کے سامنے دو راستے ہیں ان میں سے جو چاہیں اختیار کریں:

یا تو اسے اسی طرح کا ہدیہ دیں جو اس سے بھی بہتر اور اچھا ہو، یا پھر اسے قرض میں شامل کریں اور اس کی قیمت قرض میں سے کم کرکے ہدیہ کے مالک سے اتنا قرض کم واپس لیں۔

سعید بن منصور رحمہ اللہ اپنی سنن میں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

''میں نے بغیر کسی تعارف کے ایک شخص کو قرض دیا، تو اس نے مجھے کچھ ہدیہ دیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: اسے اس کا ہدیہ واپس کردو یا اسے قرض میں سے شامل کرلو''

اور سعید بن منصور ہی بیان کرتے ہیں کہ سالم بن ابی جعد نے بیان کیا: ''ایک شخص ابن عباس رضی اللہ

---

[1] نیل الأوطار: 257/6

عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''میں نے ایک مچھلی فروش کو بیس درہم قرض دیئے تو اس نے مجھے ایک مچھلی ہدیہ دی، میں نے اس مچھلی کی قیمت لگوائی تو وہ تیرہ درہم تھی، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: ''اس سے سات درہم لے لو''(1)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جب یہ مسئلہ ہے ہی حرام تو اسے اصل پر کیوں نہیں لوٹایا جاتا (یعنی اسے بالکل منع ہی کیوں نہیں کردیا جاتا)؟

تو ہم کہیں گے: اس لئے کہ ہوسکتا ہے اسے حیاء اور شرم روک دے اور ہدیہ رد کرنے سے ہدیہ دینے والے کا دل ٹوٹ جائے تو ہم کہتے ہیں:

اس سے لے لو اور اسے اتنا یا اس سے بھی زیادہ بدلہ دینے کی نیت کرلو، یا اس کی قیمت قرض میں شامل کرلو تو اس میں کوئی حرج نہیں کچھ کمی وبیشی کے ساتھ''۔(2)

اسی ضمن میں ایک اور ممنوعہ صورت کا ذکر کرتے چلیں کہ ایک شخص اگر کسی کو 10 ہزار روپے ادھار دے پھر ساتھ میں اپنا کوئی سامان جس کی قیمت 4 ہزار روپے ہو وہ 5 ہزار میں بیچ دے یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ 1 ہزار روپے کا منافع صرف اور صرف اس کے قرض دینے کی وجہ سے لیا جارہا ہے۔ اور قرض دار قرض کی مجبوری کی وجہ سے اس کا سامان خریدنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے چنانچہ یہ بھی ایسا قرض ہے جو منافع لاتا ہے لہٰذا شرعی اصول کی بنا پر یہ ناجائز ٹھہرا۔ اور اس کی حرمت پر سلف کا اجماع ہے۔(3)

اس صورت میں ایک اور قباحت یہ ہے کہ اس میں ادھار اور خرید ایک ساتھ جمع ہورہی ہیں جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''قرض کی شرط پر بیع حلال نہیں، اور نہ ہی ایک بیع میں دو شرطیں، اور نہ ہی اس میں منافع ہے جو مضمون نہ ہو اور جو تیرے پاس نہیں اس کی بیع نہیں''۔(4)

---

(1) مجموع الفتاوی الکبری لابن تیمیة 159/6 (2) شرح الممتع 61/9 (3) المغني لابن قدامة 211/4

(4) جامع الترمذي: کتاب البیوع، باب ماجاء في کراهیة بیع مالیس عندك، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ سنن أبي داؤد کتاب الإجارة، باب في الرجل یبیع مالیس عنده

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث معاملات کے باب میں ایک اصول ہے اور سودی حیلوں کی حرمت پر واضح دلالت کرتی ہے''۔ (1)

مسئلہ تورق (2): اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص سے کوئی سامان خریدتا ہے تاکہ اسے بیچے اور اس کی قیمت لے، اس کا مقصد نہ اس سامان سے فائدہ اٹھانا ہے اور نہ تجارت کرنا بلکہ اس کا مقصد صرف ایک سے لینا اور دوسرے کو دینا ہوتا ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کا حصول ہے۔ اس طرح کی خرید وفروخت کو تورق کہتے ہیں۔

التورق: ''وَرِق''یعنی چاندی سے ماخوذ ہے، کیونکہ جس نے سامان خریدا ہے وہ صرف پیسے اور رقم بنانے کے لئے سامان خرید رہا ہے علماء کرام اسے مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

{وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} [البقرة:275] ''اور اللہ تعالی نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام''

اور اس لئے بھی کہ اس میں سود کی صورت اور مقصد ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اس لئے بھی کہ خریدار سامان اس لئے خرید رہا ہے تاکہ اس سے فائدہ حاصل کرے۔ یا تو وہ بعینہ اس چیز سے فائدہ حاصل کریگا، یا پھر اس کی قیمت سے، سعودی عرب کی مستقل فتوی کمیٹی کے علماء کرام اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے یہی رائے اختیار کی ہے۔ (3)

مگر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس میں توسط اختیار کرتے ہوئے کچھ معین شرائط کے ساتھ اس معاملے کو جائز قرار دیا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ اپنے ایک کتابچہ ''رسالة المداينة'' میں لکھتے ہیں: ''پانچویں قسم (یعنی قرض کی اقسام میں سے) کہ اسے رقم اور مبلغ کی ضرورت ہے اور اسے قرض دینے والا کوئی شخص نہیں تو وہ کوئی چیز ادھار خرید کر پھر اسے کسی اور شخص کو فروخت کردے جس سے خریدا ہے اسے فروخت نہ کرے، یہ مسئلہ تورق کہلاتا ہے۔

(1) تهذيب السنن المطبوع مع عون المعبود 402/9

(2) اس مسئلہ کے آخر میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے کچھ شروط منقول ہیں۔ اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ ربا کے حیلوں میں سے ہوجاتا ہے۔

(3) فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء 141/13 مجموع فتاوى ابن باز 225/19

اس کے جواز میں علماء کرام کا اختلاف ہے، بعض تو اسے جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ آدمی کوئی چیز خریدتا ہے تو اس کا مقصد یا تو بعینہ وہ چیز اور سامان ہوتا ہے، یا پھر اس کا کوئی عوض، اور یہ دونوں مقصد صحیح ہیں۔

اور بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں، کیونکہ اس کا مقصد پیسے حاصل کرنا ہے، اور یہ سامان تو ان کے مابین بطور حیلہ داخل ہوتا ہے اور ان وسائل کا استعمال کرنا جس سے نقصان اور خرابی کا ازالہ نہیں ہوتا اس کی بنیاد پر کسی حرام چیز کو حلال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی''۔ (1) مسئلہ تورق کو حرام قرار دینے کا قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ہے۔ بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو ابوداؤد کی روایت میں اسے العینہ یعنی سود میں شامل کیا ہے، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن میں نقل کیا ہے۔ (2)

لیکن آج کے دور میں لوگوں کی ضرورت اور قرض دینے والوں کی کمی کے پیش نظر کچھ شرائط کے ساتھ اسے جائز کہنا ضروری ہے:

1. تورق کا معاملہ کرنے والا شخص ضرورت مند ہو، اور اگر وہ رقم کا محتاج نہیں تو پھر جائز نہیں ہوگا، مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو قرض دینے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔
2. کسی اور مباح ذریعے سے اس کے لئے مال حاصل کرنا ممکن نہ ہو مثلاً قرض کے ذریعے، اور اگر کسی اور طریقہ سے اس کے لئے مال حاصل کرنا ممکن ہو تو اس کے لئے یہ طریقہ (تورق) اختیار کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اسے اس کی ضرورت نہیں۔
3. معاہدہ کسی ایسی چیز پر مشتمل نہ ہو جو سود کے مشابہ ہو، مثلاً وہ یہ کہے: میں نے تجھے یہ دس درہم، گیارہ درہم میں فروخت کئے، یا اس طرح کی بات کہے اگر وہ اس پر مشتمل ہو یا تو یہ مکروہ ہوگا یا پھر حرام۔ امام احمد سے منقول ہے کہ انہوں نے اس طرح کے مسئلہ میں فرمایا: گویا کہ یہ دراھم کے بدلے دراھم ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

---

(1) صحيح البخاري: باب بدء الوحي (2) تهذيب السنن لابن القيم 5/80

لہٰذا اس بنا پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ دینے والا سامان کی قیمت اور اس کے نفع کی مقدار معلوم و معیّن کر کے بیان کرے اور پھر لینے والے کو کہے "میں نے تجھے ایک سال تک اتنے میں دیا"۔

4 ادھار لینے والا اسے اپنے قبضہ میں کرنے اور اپنے پاس لے جانے سے پہلے اس چیز کو فروخت نہ کرے کیونکہ "نبی کریم ﷺ نے تاجروں کو سامان اپنی دوکانوں اور اپنی جگہوں پر لے جانے سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے"۔ (1)

جب یہ چاروں شرائط پوری ہوجائیں تو پھر مسئلہ تورق کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے، تاکہ لوگوں کو تنگی نہ ہو۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ادھار لینے والے اور ادھار دینے والے کو یہ سامان اور چیز فروخت کرنے والے کو کسی بھی حالت میں خریدی ہوئی قیمت سے کم میں فروخت نہ کرے کیونکہ یہی "العینہ" (سود کی ایک قسم) ہے"۔ (2) انتہی واللہ اعلم

دو خرید و فروخت کرنے والوں کا تیسرے شخص کو واسطہ بنانا

اس کی صورت یہ ہے کے دو آدمی کسی سودی معاملہ پر اتفاق کرلیں اور دوکان کے مالک کہ پاس آئیں اور اس سے کسی قیمت پر کوئی سامان کا مطالبہ کریں اور وہ سامان ان میں سے ایک آدمی خرید لے پھر دوسرے کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار پر اپنے ساتھی کو بیچ دے، اور جب اس کا ساتھی خرید چکے تو پھر دوکان کے مالک کو اس سے کم قیمت پر واپس کردے اس طرح دوکان کے مالک نے دونوں کے درمیان واسطہ بن کر منافع کمایا اس صورت کو علماء نے "حیلہ ثلاثیہ" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس میں تین لوگ شریک ہوتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بلاشبہ یہ صورت سود میں سے ہے"۔ (3)

اس صورت میں ایک اور قباحت یہ بھی ہے کہ پہلے آدمی نے سامان اپنے قبضے میں لئے بغیر ہی بیچ ڈالا جو کہ ناجائز ہے جیسا کہ حدیث میں ذکر ہوا۔

---

(1) سنن أبي داؤد: كتاب الإجارة، باب في الطعام قبل أن يستوفي.

(2) رسالة المداينة للشيخ العثيمين رحمه الله (3) المجموع: 441/29

مخابرۃ ومزابنہ ومحاقلۃ

یہ اقسام بھی ربا (سود) کے سدباب کے لئے حرام کی گئی ہیں۔ المخابرۃ: یعنی کھیت کی پیداوار سے اپنے لئے کچھ حصہ خاص کر لینا۔ مثلاً زمین کا مالک کسان سے کہے کہ زمین کے آخری حصہ میں جو کاشت کروگے وہ تمہارا ہوگا تو یہاں ربا کا دروازہ کھل رہا ہے کیونکہ وہاں زراعت کا ہونا یا نا ہونا یقینی نہیں، ہاں اگر پوری زمین میں سے فیصد کے ساتھ تقسیم ہو کہ مکمل زراعت میں سے 5 فیصد تمہارا ہوگا تو یہ جائز ہے۔

مزابنہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً درخت میں لگی ہوئی کچی کھجور کو پکی ہوئی کھجور سے بیچنا۔

محاقلہ: یعنی کھیت میں لگے ہوئے کچے اناج کو پکے ہوئے اناج سے خریدنا۔ وغیرہ

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''خرید وفروخت کے معاملے کو اور ان جیسے دیگر معاملات کو اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ سود کا مادہ ختم ہو اور اس کی جڑ کٹ جائے کیونکہ سوکھنے سے پہلے دونوں چیزوں میں ہم وزنی مماثلت اور برابری معلوم نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے "الجهل بالمماثلة كحقيقة المفاضلة"۔ ترجمہ: ''دو چیزوں میں برابری ومماثلت معلوم نہ ہونا ہی سود کی حقیقت ہے''۔ (1)

سود کو منافع اور فائدہ سے تشبیہ دینا

حیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ سود لینے والے لوگ اسے فائدے، نفع سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاکہ جو قرآن وحدیث کے نصوص میں سود سے متعلق وعیدیں ہیں ان سے بچا جا سکے جبکہ یہ نہایت ہی بچگانہ عمل ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا یہ مال اور منافع جو آپ نے لیا کیا اس لئے نہیں لیا کہ آپ نے ایک مدت کیلئے قرض دیا اور اب واپسی کے وقت آپ اس پر نفع مانگ رہے ہیں؟ یہ تو بعینہ ربا ہے آپ اسے جو چاہیں نام دیں کیا خنزیر کو اگر بھیڑ بکری کہہ دیا جائے تو وہ حلال ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں، اسی طرح کچھ لوگ ایک اور حیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ہم کفار کے ممالک میں اپنا مال رکھیں گے پھر ان سے نفع لے کر ان کے ملک کے اقتصاد کو کمزور بنائیں گے۔ یہ بھی مضحکہ خیز ہے، آپ کے ان ممالک میں مال رکھوانے سے حقیقت میں اُن کا

---

(1) تفسیر ابن کثیر 1/581

اقتصاد مضبوط ہورہا ہے کیونکہ ان کے ملک کی دولت بڑھ رہی ہے کبھی بھی وہ مجبوری میں اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں اور اکثر ممالک یہ فوائد مسلم ممالک کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرتے ہیں یا مسلمانوں کو سودی قرضے دے کر ان پر مزید دباؤ بڑھاتے ہیں۔

اسی طرح آج کل کے ایک نام نہاد ڈاکٹر پروفیسر صاحب کا فتوی نظر سے گزار کہ فرماتے ہیں کافر ممالک میں رہائش پذیر لوگ سود لے سکتے ہیں سود کے یہ احکام صرف مسلمان ممالک پر لاگو ہوتے ہیں۔

ایسا عجیب فتوی یقیناً مسلمانوں کے لیے شر عظیم کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی اسی قسم کی بات زنا/حرام گوشت، کھانے وغیرہ کے بارے میں کہے تو ہمارا کیا ردعمل ہوگا؟ کیا یہ امور بھی وہاں حلال ہو جائیں گے؟

اللہ تعالی ہمیں ربا کے تمام حیلوں سے بچنے اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات کے سامنے سر خم تسلیم کرنے والا بنائے (آمین)

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَآ إِلَى النَّارِ مَصِيْرَنَا وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ هِيَ دَارَنَا وَقَرَارَنَا

ترجمہ: اے اللہ دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد نہ بنانا اور نہ ہمارے علم کی پہنچ اس دنیا کو رکھنا اور نہ ہمارا انجام جہنم ٹھہرانا اور جنت کو ہمارا گھر اور ٹھکانا بنا دے۔

معاشی نظریات

اسلام میں گردشِ دولت

سید ابوبکر غزنوی [1]

تاریخ گواہ ہے جب بھی معاشرے میں نظمِ معیشت بگڑتا ہے اور دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے، اس معاشرے کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ ہو جاتا ہے کہ زندگی کی ضروریات کیسے میسر آئیں، روٹی کہاں سے کھائیں اور تن ڈھانپنے کو کپڑا کہاں سے لائیں؟

یہ بات ہمیں تسلیم کر لینی چاہیے کہ افلاس انسان کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو برباد کر دیتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كاد الفقر أن يكون كفرا" [2] ''قریب ہے کہ مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دے''۔

---

[1] سابق وائس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی

[2] مشکاۃ المصابیح: تحقیق علامہ ناصر الدین البانی، باب ما ینہی، الفصل الثالث، شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ شعب الإیمان للبیہقی: باب فی الحث علی ترک الغل والحسد۔

وہ شخص جس کے پاس پیٹ بھرنے کیلئے روٹی نہ ہو اور تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ ہو وہ اس بات پر کان نہیں دھر سکتا کہ زندگی کا مقصد اللہ کی محبت اور اور اس کی عبادت ہے۔ شیخ شیراز نے بجا کہا تھا:

؎ چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

[ایک سال دمشق کے اندر ایسا قحط پڑا کہ یار لوگ عشق کرنا ہی بھول گئے۔]

پاکستان میں بھی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آئی اور معاشرہ بھوک اور ننگ کے ہاتھوں کراہنے لگا۔

عوام کی زبانوں پر ایک ہی سوال ہے:

''ہمارے معاشی مسائل کا حل تمہارے پاس کیا ہے؟'' اس سوال نے اس شدت کے ساتھ سر اٹھایا ہے کہ آپ اسے ٹال نہیں سکتے۔ اس کا جواب دیجئے اور واضح اور متعین جواب دیجئے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے، وہ عبادت بھی ہے، روحانیت بھی، وہ تدبیر منزل بھی ہے اور اصول تمدن بھی، وہ ہماری سیاست بھی ہے اور ہماری معیشت بھی ہے۔ آیئے ہم کتاب وسنّت کی روشنی میں اپنے معاشی مسائل کا حل تلاش کریں۔

سرمایہ کا چند ہاتھوں میں سمٹ آنا بدترین اور سنگین جرم ہے:

یہ بات تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ معاشرے میں دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ آنا، اسلامی نقطہء نظر سے ایک بدترین اور سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝﴾ [التوبة:34،35]

ترجمہ: ''جو لوگ معاشرے کا خون چوستے ہیں اور سرمایا سمیٹتے ہیں اور اللہ کی خاطر اسے معاشرے پر خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک سزا کی خبر دو جس روز دوزخ کی آگ میں اسے گرم کیا جائے گا اور اس دولت سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کی پیٹھ داغی جائے گی، یہی ہے وہ دولت جو تم اپنے لئے

سمیٹ سمیٹ کر رکھتے تھے، پس دولت سمیٹنے کا مزا چکھو"۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ معاشرے میں یوں گردش کرے جیسے خون رگوں میں گردش کرتا ہے، وہ نظام جس میں چند افراد بے زمام اور بے مہار ہو کر کھیل کھیلتے ہوں اور معاشرے کا خون چوستے ہوں اسلام اسے باطل نظام قرار دیتا ہے، وہ ہمیں خبر دار کرتا ہے کہ:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ [الحشر:7]

ترجمہ: "ایسا نہ ہو کہ دولت صرف سرمایا داروں ہی میں گردش کرتی رہے"۔

اکتناز کی بدترین صورت سود کا کاروبار ہے جس نے ساری اجتماعی معیشت کی باگ ڈور چند خود غرض سرمایا داروں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔علامہ اقبال رحمہ اللہ نے بجا کہا تھا:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبُّر ، یہ سیاست
پیتے ہیں لہُو ، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

ذخیرہ اندوزی حرام ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"المحتكر ملعون"(1) ترجمہ: "احتکار کرنے والے پر اللہ کی پھٹکار ہے"۔

شریعت کی بولی میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص بعض اجناس کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خریدے کہ بازار میں وہ اجناس کمیاب یا نایاب ہو جائیں اور لوگ مجبوراً اسی کی طرف رجوع کریں۔وہ من مانی قیمت ٹھہرائے، لوگوں کو وہی نرخ قبول کرنا پڑے۔

(1) المستدرك على الصحيحين للحاكم حدیث نمبر :2164۔ سنن ابن ماجہ: كتاب التجارات، باب الحكرة و الجلب۔ یہ حدیث مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ موضوع ہے۔لیکن احتکار سے متعلق صحیح مسلم میں معمر بن عبداللہ العدوی کے طریق سے روایت مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "لا يحتكر إلا خاطئ۔ دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحريم الإحتكار فى الأقوات

ایسے شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو''۔

اصولِ معاشیات قرآنِ کریم کی روشنی میں

قرآن مجید نے نظمِ معیشت کو متوازن کرنے کیلئے چند اصول انسان کو بخشے ،قرآن مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ:

{هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا } [البقرة:29]

''وہی ہے جس نے تمہارے لئے یہ سب کچھ پیدا کیا جو روئے زمین پر ہے''۔

اور سورہ حم سجدہ میں فرمایا:

{وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ ○}[فصلت:10]

''چار معین مدتوں میں روئے زمین پر مختلف غذاؤں کو اندازے سے پیدا کیا ،تمام ضرورت مندوں کا ان غذاؤں پر برابر حق ہے''۔

اور سورۃ النحل میں فرمایا:

{ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ ۭ أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○}[النحل:71]

''اور اللہ نے تم کو رزق میں ایک دوسرے پر برتری عطا کی ہے، پھر جن کو برتری عطا کی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے زیر دستوں کو نہیں لوٹاتے ہیں کہ وہ اس میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ پھر کیا یہ اللہ کی نعمتوں کے صریحاً منکر نہیں ہو رہے ہیں؟''

ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے رزق کی تمام انواع واقسام پیدا کی ہیں، وہی ہر فرد کی کفالت کرنے والا ہے اور اللہ کی مخلوق کو اس کی پیدا کی ہوئی غذاؤں پر برابر کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

{أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ ○} [الواقعة:64،63]

''یہ جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو کیا تم نے اس پر نظر ڈالی ہے؟ کیا تم انہیں اگاتے ہو یا ان کے اگانے

والے ہم ہیں؟''

یہ ہوائیں کون چلاتا ہے؟ کون ہے جو مینہ برساتا ہے؟ یہ کس نے دھوپ پیدا کی ہے؟ جس کی کرنوں سے تمہاری فصل پکتی ہے، اگر یہ سب کچھ ہم ہی نے پیدا کیا ہے تو اسے ہماری خاطر معاشرے پر خرچ کرنے سے دریغ کیوں کرتے ہو؟

گردش دولت کا نظام

دولت کو گردش میں لانے کے لئے اور معاشرے کے تمام افراد میں پھیلانے کے لئے اسلام نے یہ ترغیب دی کہ:

{أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ} [البقرة:267]

''اور جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لئے نکالا اس کا بہترین حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ردی چیزیں چھانٹ چھانٹ کر اللہ کی راہ میں نہ دیا کرو''۔

زکوٰۃ وعشر

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور زکوٰۃ کو واجب ٹھہرایا اور مالداروں سے اڑھائی فیصد جبراً وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ اسلام میں کروڑوں کی رقم صرف مساکین کے لئے روزگار فراہم کرنے کے لئے وقف کردی جاتی ہے۔

قانون وراثت

دولت کو گردش میں لانے کے لئے حکم دیا کہ ہر شخص کی وفات پر اس کے مال اور اس کی زمین کو اس کے قریب اور دور کے رشتہ داروں میں بانٹ دیا جائے۔ جائیداد کے حصّے بخرے کردیئے جائیں تاکہ دولت مرکوز نہ ہو، اولاد اکبر کی جانشینی کا قانون Law of Primogeniture اور مشترکہ خاندان کا طریقہ Joint Family System اسلام نے اسی لئے ناجائز قرار دیا کہ اس سے دولت مرکوز ہوجاتی ہے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر کہ نظامِ معیشت غیر متوازن نہ ہو، حکم ہوا:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ} [النساء:29]

ترجمہ: ''اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال ناجائز طریقوں سے نہ کھایا کرو''۔

ہر وہ بات جس سے نظمِ معیشت بگڑ جانے کا خدشہ تھا اور اس کے غیر متوازن ہونے کا امکان تھا، ناجائز قرار دی گئی، سود خوری، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، سٹہ (speculation) اور تجارتی قمار بازی کو حرام ٹھہرا دیا گیا۔

یوں اسلام زکوٰۃ عشر اور قانون وراثت کو نافذ کر کے اور سود خوری، ذخیرہ اندوزی اور تجارتی قمار بازی کو حرام ٹھہرا کر ایک متوازن نظامِ معیشت قائم کرتا ہے۔

یہ سمجھنا صریحاً غلط ہے کہ زکوٰۃ اور عشر ادا کر دینے کے بعد معاشرہ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ:

"إن في المال حقا سوى الزكاة" [1] ''یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی معاشرہ کا حق ہے''۔

قرآن مجید ہر قانون کی ارتقائی کڑیوں کو محفوظ کرتا ہے تاکہ جب بھی کسی معاشرے میں اسلامی قوانین کو نافذ کیا جائے، وہ انہی ارتقائی منزلوں سے گذرا کریں۔ جیسے شراب کی حرمت کا قانون جن مرحلوں سے گزرا، قرآن مجید نے ان تمام مرحلوں کو محفوظ کیا، حرمت شراب کا پہلا مرحلا یہ تھا:

{لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى} [النساء:43]

''نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو''۔

اور حرمت شراب کی آخری ارتقائی منزل کا ذکر اس آیت میں کیا:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ} [المائدة:90]

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے شیطانی عمل کی نجاست ہے تم اس سے دور ہٹ جاؤ''۔

---

[1] سنن الترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ما جاء أن فی المال حقا سوی الزکاۃ، یہ روایت ضعیف ہے۔

اسی طرح اسلام کے نظام معیشت کی آخری ارتقائی منزل قرآن نے یوں بیان کی:

{وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ} [البقرۃ:219]

''یہ لوگ جن کے پاس سرمایا ہے رسول اللہ ﷺ سے آ کر پوچھتے ہیں کہ ہمیں کس حد تک خرچ کرنا ہوگا۔آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری ضرورت سے جو کچھ زیادہ ہے، وہ تمہیں معاشرے پر خرچ کر دینا چاہیے''۔

حکیم الامت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا تھا:

؎ جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں مصر کے بہت سے عالموں نے بھی یہ بات کہی ہے۔میں دانستہ طور پر ایک ثقہ عالم کا حوالہ اور کسی تجدد پسند کا حوالہ نہیں دیتا کہ آپ کے نزدیک ان کی ثقاہت محل نظر ہو۔میری مراد مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے ہے۔إیضاح الأدلۃ میں {هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا} [البقرۃ:29] کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جملہ اشیاء بہ دلیل فرمان واجب الاذعان {خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا} تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں، یعنی غرض الٰہی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شے فی حدِ ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں ، بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ہاں بوجہ رفع نزاع وحصولِ انتفاع قبضہ کو علّت ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے، اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔

ہاں خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہو، اگر زکوۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء رحمہم اللہ اس سے نہایت مجتنب رہے۔چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

وتابعین رحمہم اللہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ (1)

قُلِ الْعَفْوَ کا مفہوم سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث وضاحت سے متعین کرتی ہے۔

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من كان معه فضل من ظهر، فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد، فليعد به على من لا زاد له" قال: "فذكر من أصناف المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل" (2)

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس فالتو سواری ہو وہ اسے لوٹا دے، جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد غذا ہے وہ ان لوگوں کے حوالے کر دے، جن کے پاس غذا نہیں ہے''۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک جنس اور مال کی ایک ایک قسم کا جدا جدا ذکر کیا حتیٰ کہ ہماری یہ رائے ہو گئی کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں رہا۔''

یہ "رأینا" جو یہاں ہے اس کے یہ معنی نہ خیال کیجئے کہ ''ہم نے یہ خیال کیا''۔ یہ میں عربی کے طالب علموں سے کہہ رہا ہوں۔ فقہ کی بولی میں ہم ''رأینا'' اس وقت کہتے ہیں جب ہم کوئی فتویٰ دے رہے ہوں اور اپنی علمی رائے کا اظہار کر رہے ہوں پس یہ جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل" تو اس کا معنی یہ ہوا کہ ''حتیٰ کہ ہماری فقہی رائے یہ ہو گئی کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں''۔

کیا اسلامی حکومت جبراً چھین سکتی ہے؟

اس بارے میں ایک سوال بہت اہم ہے جو ہمارے سامنے آتا ہے، اگر دولت چند افراد کے ہاتھوں میں یوں سمٹ آئی ہو کہ خدشہ ہو کہ یہ اصول معاشیات جو ہم نے بیان کئے ہیں، ان کو تدریجی اور ارتقائی طور پر نافذ کرنے سے پہلے ہی یہ معاشرہ دم توڑ دے گا، اور کیفیت یہ ہو کہ:

---

(1) إيضاح الأدلة: ص 268 (2) صحیح مسلم، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال المحلی [282/4]

”تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود“ کہ جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا اتنی دیر میں مریض مرجائے گا، تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے جو ایک عظیم انقلابی مفکر ہیں، "المحلیٰ "کی چھٹی جلد میں بہت فاضلانہ بحث اس پر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر نظم معیشت یکسر غیر متوازن ہو گیا ہو اور خدشہ ہو کہ تدریجی اور ارتقائی طور پر اصول معاشیات کے نفاذ سے پہلے ہی معاشرہ دم توڑ دے گا، تو اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرمایہ داروں سے پیسہ اور غلہ جبراً وصول کرے:

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دیکھو قرآن مجید بار بار کہتا ہے کہ سرمایہ داروں کی دولت میں مساکین کا ”حق“ ہے قرآن مجید لفظ ”حق“ بار بار استعمال کرتا ہے: {وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ} [الذاریات: 19] اور سورہ اسراء میں ہے: {وَءَاتِ ذَا ٱلۡقُرۡبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلۡمِسۡكِينَ} [الاسراء: 26] وہ فرماتے ہیں کہ اس میں احسان کا کوئی سوال نہیں اور جن کی طرف مال لوٹایا جا رہا ہے، وہ سرمایہ داروں کے رہین منت نہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ ”المحلیٰ“ کی چھٹی جلد میں یوں رقم طراز ہیں:

”اگر ارباب ثروت ایسے عادلانہ معاشی نظام کو قبول نہ کریں، تو اسلامی اسٹیٹ کا فرض ہے کہ اسلام کے اجتماعی معاشی نظام کے مطابق ارباب ثروت کو قانوناً مجبور کرے اور اگر ملی خزانے کا میزانیہ کافی نہ ہو تو محروم المعیشت انسانوں کو سنبھالا دینے کیلئے صنعت کاروں اور جاگیرداروں سے پیسہ اور غلہ جبراً حاصل کر کے حق معیشت کی مساوات بروئے کار لائے، خواہ اہل دولت مالیانہ اور سرکاری واجبات ادا کر چکے ہوں۔ (1)

سیدنا ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ اور تین سو جلیل قدر صحابہ رضوان اللہ علیہم نے باوثوق ذرائع سے بیان کیا ہے کہ ایک سال غلّہ کا قحط ہوا سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم سب کو حکم دیا کہ ہم سب اپنا غلہ اسٹاک کرنے کے مرکزوں میں اکٹھا کریں، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان مراکز میں سے خود ہر ایک فرد کو

---

(1) المحلی: 6/156 ایضاً: 6/158

مساوی طور پر خوراک دیتے رہے۔

اس کے بعد امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فهذا إجماع مقطوع به من الصحابة لا مخالف لهم منهم"

''اس پر صحابہ کرام کا قطعی اجماع ہے، ان میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے''۔

یحیٰ ابن آدم رحمہ اللہ جو ایک جلیل القدر محدث تھے، نے زراعت کے موضوع پر اپنی کتاب ''الخراج'' میں لکھا ہے:

عن عبد الله ابن أبي بكر قال جاء بلال بن الحارث المزني رضي الله عنه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستقطعه أرضاً فاقطعها له طويلة عريضة فلما ولي عمر رضي الله عنه قال له يابلال إنك استقطعت رسول الله صلى الله عليه وسلم أرضاً طويلة و عريضة قطعها لك و كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يمنع شيئاً يسأله وأنت لا تطيق ما في يديك فقال أجل! فانظر ما قويت منها فأمسكه مالم تطق و مالم تقو عليه فارفعه إلينا نقسمه بين المسلمين فقال لا أفعل والله أقطعنيه رسول الله فقال عمر والله لتفعلن فأخذ منه ما عجز عن عمارته فقسمه بين المسلمين". [1]

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم ﷺ کے محبوب صحابی اور کفار مکہ کی سازشوں کی اطلاع دینے والے فداکار مسلمان، جنگ مکہ سے لے کر طائف کے لوگوں تک رسول ﷺ کے دوش بدوش لڑنے والے تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث المزنی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے زمین کا ٹکڑا مانگا۔ آپ ﷺ نے ایک لمبا چوڑا رقبہ عطا فرما دیا، جب سیدنا عمر رضی اللہ خلیفہ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: بلال رضی اللہ عنہ! تم نے رسول اللہ ﷺ سے زمین کا ایک لمبا چوڑا قطعہ

[1] کتاب الخراج: ص 93، کنز العمال 191/2، سنن البیہقی: 6/138-149 علامہ البانی رحمہ اللہ ارواء الغلیل میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث بحیثیت مجموعی طرق سے ثابت ہے''۔

مانگا تھا اور آپ ﷺ نے عطا فرمادیا اور آپ ﷺ کا تو یہ عالم تھا کہ مانگنے والے کی کسی بات کو رد نہ کرتے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ! زمین کی جو مقدار تم نے حاصل کی ہے وہ تمہاری بساط اور قوت کاشت سے زیادہ نہیں ہے؟'' بلال رضی اللہ عنہ: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو تم جتنی زمین آباد کر سکتے ہو اسے اپنے پاس رہنے دو اور جو تمہاری قوت کاشت سے زیادہ ہے، وہ ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اسے مسلمانوں میں بانٹ دیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہرگز واپس نہیں کرونگا۔ اللہ کی قسم یہ قطعہ زمین تو خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے بخشا تھا۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ عمر بن الخطاب نے فرمایا: اللہ کی قسم تم کو ایسا کرنا پڑے گا۔ پس زمین کا وہ حصہ جسے آباد کرنے سے بلال رضی اللہ عنہ قاصر رہے تھے سیدنا عمر رضی اللہ نے اسے چھین لیا اور مسلمانوں میں اسے بانٹ دیا۔''

''میں یہ کہتا ہوں کہ اگر محمد ﷺ کی بخشی ہوئی زمین ملی مفاد کی خاطر چھینی جاسکتی ہے تو وہ جاگیریں جو مسلمانوں پر گولیاں برسانے کے صلے میں دی گئی تھیں، وہ جاگیریں جو مسلمانوں کا لہو بہانے میں عطا کی گئی تھیں، وہ جاگیریں جو ملک وملت کے ساتھ غداری کے صلے میں بخشی گئی تھیں، کیوں نہیں چھینی جاسکتیں؟ میں یہ واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک میں غریب اور مزدور کی حمایت کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ میں مجمع الزوائد میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد پڑھ رہا تھا اور سر دُھن رہا تھا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "خير الكاسب العامل إذا نصح "① ''کسب معاش کرنے والوں میں سب سے بہتر اور معزز مزدور ہے، جب وہ اخلاص کے ساتھ کام کرتا ہے''۔

آپ ﷺ نے مزدور کو معاشرے کا معزز ترین فرد قرار دیا ہے۔

ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم نے اس معاشرے میں مزدور کی توہین و تذلیل کی ہے اس کا دامن، اس کا گریبان ہماری دست درازیوں سے گلہ مند ہے۔ اس ملک میں عین اس وقت جب کہ مزدور پٹ رہا تھا اور زخموں سے کراہ رہا تھا، ہم نے اس کے زخموں پر نمک چھڑکا، ہم نے اس سے کہا اور ٹھوکے

---

① مجمع الزوائد: 4/ 61، مسند أحمد: 2/ 334

دے دے کر کہا کہ دیکھو یہ ٹھیک ہے تم کہتے ہو سرمایہ دار پر تمہارے حقوق ہیں، مگر یہ ہرگز نہ بھولنا کہ تم پر بھی سرمایہ دار کے حقوق ہیں۔

ہم نے اس سے یہ بات عین اس وقت کہی جب کہ وہ سسکیاں لے لے کر دم توڑ رہا تھا۔

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

ہر بات کا ایک محل ہوتا ہے، میں ایک موٹی سی مثال دیتا ہوں، دو بھائیوں کی آپس میں لڑائی ہو جائے، آپ دیکھیں کہ ایک موٹا مسٹنڈا ہے اور دوسرا جو کمزور اور نحیف و نزار ہے، مجروح ہے، پٹ رہا ہے اور نزع کی حالت میں پنڈلی پر پنڈلی پٹک رہا ہے، اگر اس وقت کوئی آ کر اس دم توڑنے والے کو یہ کہے کہ یہ ٹھیک ہے گو تم مر رہے ہو اور دم توڑ رہے ہو، مگر تم یہ نہ بھولنا کہ اس ہٹے کٹے بھائی کے بھی تم پر حقوق ہیں، یہ بات اس ملک میں کہی گئی۔

عین اس وقت جب کہ غریب اور مزدور کے پیٹ میں بُھوک سے قراقر اٹھ رہا تھا، ہم نے اس سے یہ کہا کہ دیکھو تمہاری زندگی کا مقصد پیٹ نہیں، دل ہے۔ وہ بھوکا تھا، وہ دل کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا، عین اس وقت جب کہ وہ بُھوک سے پیچ و تاب کھا رہا تھا ہم اللہ سبحانہ وتعالی کی محبت کے گیت اس کو سنانے لگے، وہ بُھوک سے نڈھال تھا، وہ محبت کے گیتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا، وہ ہم سے روٹی مانگتا رہا، ہم اسے محبت کے گیت سناتے رہے، نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سرخ جھنڈیاں لے کر چوراہوں میں ناچنے لگا، وہ مذہب سے برگشتہ ہوا، وہ علماء سے برگشتہ ہوا حتی کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالی سے برگشتہ ہوا، وہ سرخ جھنڈیاں لے کر چوراہوں میں ناچ رہا تھا، ہاں وہ غیروں سے اپنی وابستگی کا اعلان کر رہا تھا، میں نے جو اسے دیکھا، تو میرے ذہن کو کوئی جھٹکا نہ لگا، اس لئے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہا تھا کہ: "كاد الفقر أن يكون كفرا"[1] "مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے"۔

دیکھئے معاشی مسائل کا حل واضح اور متعین پیش کیجئے۔ مزدور اس ملک میں صدیوں سے مامتا سے محروم ہے، اس کے زخموں پر نمک مت چھڑکیں، اس کو مامتا بخشیں، اس سے جھگڑا نہ کریں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں

[1] مشكاة المصابيح: باب ما ينهى، الفصل الثالث، تحقیق علامہ ناصر الدین البانی، شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ شعب الإيمان للبيهقي: باب في الحث على ترك الغل والحسد۔

کہ اس ملک میں سوشلزم نہ آئے ،تو اس کا یہ علاج تو نہ تھا۔منبر ومحراب سے غلط آوازیں اٹھتی رہیں، آپ یقین کیجئے کہ اگر مزدور اور غریب کے معاشی مسائل کا واضح اور متعین حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش نہ کیا گیا اور اگر مزدور کا غم کھانے میں ہم سوشلسٹوں سے آگے نہ نکل گئے (جیسا کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا تقاضہ ہے) تو یہ عارضی بند جو سوشلزم کے امنڈتے ہوئے سیلاب پر باندھا گیا ہے،ٹوٹ جائے گا اور اس کی موجیں جو ابھی تک پایاب ہیں، ہمارے سروں سے گذر جائیں گی۔

کیپٹلزم،سوشلزم اور اسلام

اسلام ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ہے،وہ ہر درد کا درماں ہے، وہی اعتدال کی راہ ہے۔سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ اس میں چند افراد جو بددیانتی،رشوت ستانی اور ذخیرہ اندوزی سے دولت سمیٹ لیتے ہیں، وہ تمام معاشرے کے اوپر مسلط ہو جاتے ہیں اور ذہنی قابلیت رکھنے والے محنت کرنے والے،کاروبار کو کاوش سے چلانے والے سب ان چند سرمایہ داروں کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں۔ اس نظام میں فرد(individual) بے زمام،بے مہار ہوتا ہے،وہ پورے معاشرے کا خون چوستا ہے۔

سوشلزم کیا ہے ؟ یہ اسی سرمایہ دارانہ نظام کا ردعمل ہے ۔ سوشلسٹوں نے یہ سمجھا کہ یہ فرد (individual) ہی تمام فساد کی جڑ ہے،اس کی تقریر پر پابندی لگادو،اس کی تحریر پر قدغن لگادو،اس کی رائے پر قدغن لگادو،اس کی اقتصادی آزادی اس سے چھین لو،اور تمام ذرائع پیداور(means of production) کو قومی ملکیت میں دے دیا جائے۔ ''نیشنلائزیشن آف پروڈکشن'' یہ ترکیب بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے،لیکن ایک طالب علم کے ذہن میں فوراً یہ سوال ابھرتا ہے کہ قومی ملکیت میں دے دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا قوم کا ہر فرد اس پر قبضہ واختیار رکھتا ہے؟ یہ تو ناقابل عمل ہے۔

تحقیق کی جائے ،تو معلوم ہوتا ہے کہ سوشلسٹ حکمران پارٹی کے چند مخصوص افراد کے تصرف واختیار میں تمام ملک کے ذرائع پیداوار دے دئے جاتے ہیں، پس ملک کے وہی چند افراد جن کے ہاتھوں میں فوجی،سیاسی اور قانونی طاقت سمٹی ہوئی ہے،ملک کے تمام ذرائع پیداوار بھی انہی کے قبضہ واختیار میں چلے جاتے ہیں، یوں ملک کی تمام طاقتیں چند ہاتھ سمیٹ لیتے ہیں،تمام معاشی،سیاسی اور فوجی قوتوں کا یہ ارتکاز

سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی بھیانک صورت ہے، جو ایک خطرناک آمریت کو جنم دیتی ہے۔

بھائیوں اور بزرگوں! مقصد تو یہ تھا کہ ڈی سنٹرالائزیشن ہو، دولت اور قوت بکھرے۔ کیپٹلزم کا جو رد عمل ہوا، اس میں تو پھر تمام قوتیں سمٹ کر چند ہاتھوں میں آگئیں اور ایسا شدید ارتکاز ہوا کہ اس نے انتہائی بھیانک آمریت کو جنم دیا۔ یہ دونوں افراط وتفریط کی راہیں ہیں۔ یہ دونوں نظام انسان کے ذہن کی پیداور ہیں، وہ انسان جو جذبات کا بندہ اور خواہشات کا پجاری ہے، اسلام شخصی ملکیت اور قومی ملکیت میں ایک حسین امتزاج پیدا کرتا ہے، وہ فرد کے حقوق واختیارات اور حکومت کے حقوق واختیارات میں ایک توازن قائم کرتا ہے۔

شخصی ملکیت

بعض ہمارے بھائی جو اشتراکی نظام سے متاثر ہیں، یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام بھی انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیتا ہے اور حضور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ صنعتی، معاشی، انتظامی وسائل میسر ہوتے، جو اس دور کی حکومتوں کو حاصل ہیں، تو انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے لئے انہیں کوئی تامل نہ ہوتا۔ اس بات کے لئے ان کے پاس کوئی سند یا دلیل نہیں ہے۔ اس بحث میں بھی کچھ دھڑا بندی کی بات پیدا ہو چلی ہے۔ کوئی پیغمبر اس روئے زمین پر ایسا نہیں گذرا، جس نے انسان کو کسی اقتصادی آزادی سے محروم کیا ہو، کوئی صحیفہ آسمانی ایسا نہیں، جس میں انسان کو اس کی شخصی آزادی سے محروم کیا ہو، پھر وہ سید الاولین وسید الآخرین، وہ سرورِ دُنیا ودین ﷺ جن کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بیان کیا گیا ہے: {وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ} [الاعراف:157]

یعنی وہ جو انسانوں کو بے جا بندھنوں اور غلامیوں سے آزاد کرانے کے لئے آیا تھا، یہ کیوں کر ممکن تھا کہ انسان کو اس کی اقتصادی آزادی سے محروم کر دیتا اور تمام معاشرے کے افراد کو ریاست کا بے دست وپا غلام بنا دیتا۔ اسلام انفرادی آزادی کو شخصی ارتقاء کے لئے ناگزیر سمجھتا ہے، وہ فرد کی آزادی پر اس وقت قدغن لگاتا ہے، جب مفادِ عامہ کو اس سے دھچکا لگے اور معاشرے کے اجتماعی حقوق کو صدمہ پہنچے۔

ذرائع پیداور کو قومی ملکیت میں لینا

قرآن وحدیث میں کسی صنعت، تجارت یا ذریعہ پیداور کو قومی ملکیت میں لینے کے خلاف ایک حرف بھی میری نظر سے نہیں گذرا۔ اگر مفاد عامہ اور ملی مصلحتوں کے پیش نظر اسلامی حکومت کسی صنعت یا تجارت یا ذریعہ پیداور کو قومی ملکیت میں لینا چاہے، تو وہ ایسا کرنے کی مجاز ہے۔ اگر کوئی صنعت یا تجارت چند افراد کے ہاتھوں میں ہو اور اس کی شخصی ملکیت اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہو تو حکومت ان افراد کو معاوضہ دے کر وہ کاروبار اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے لیکن اسلام اس بات کو ایک اُصول کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت میں یوں چلے جائیں کہ ملک بھر کی تمام صنعتوں اور تجارت کی منڈیوں پر وہ تنہا قابض ہو اور حکومت تمام اراضی کی واحد مالک ہو۔

پس اسلام شخصی اور اجتماعی ملکیت میں ایک توازن قائم کرتا ہے۔

دونوں نظام باطل ہیں

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت یہ دونوں باطل ہیں علامہ اقبال رحمہ اللہ نے بجا کہا تھا۔

ہر دو را جاں ناصبُور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب

دونوں کی روحیں روحانی سکُون سے نا آشنا، دونوں اللہ سے غافل، دونوں اللہ سے جاہل، دونوں اپنے ذاتی اغراض کے لئے ہر فریب، دھاندلی بد دیانتی، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور قتل وغارت کو روا رکھنے والے اور اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے والے:

غرق دیدم ہر دو را در آب و گل ہر دورا تن روشن و تاریک دل

فرماتے ہیں: ''میں نے سرمایہ دارانہ نظام کو بھی دیکھا اور اشتراکی نظام کو بھی جانچا، دونوں مادیت میں ڈوبے ہوئے، دونوں کا منتہائے نظریہ جہانِ آب وگل، دونوں بدن سنوارنے میں لگے ہیں، دونوں کے دلوں پر ظلمت کا سناٹا چھایا ہوا ہے''۔

اسلام اور اشتراکیت یکجا ہو سکتے ہیں؟

ایک اور سوال ہمارے بعض بھائیوں نے اٹھایا ہے، ہمارے جو بھائی اشتراکیت سے متاثر ہیں، کہتے ہیں: اسلام اور اشتراکیت کو یکجا کردو، بات لمبی اور بحث طلب ہے۔ لیکن وقت کی قلت کے پیش نظر بات سمیٹتا ہوں۔ کارل مارکس کا ''داس کیپٹل'' جو کمیونزم کی بنیادی کتاب ہے، اگر اس کی پہلی جلد کے ابتدائی صفحات ہی آپ پڑھ ڈالیں، تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اشتراکیت کا فلسفہء زندگی ''جدلیّاتی مادیّت'' کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے، میں اس فلسفہ کی تشریح اس وقت نہیں کر سکتا، صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو فلسفہ کی ابجد ہوز سے بھی واقف ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ جدلّیاتی مادیّت کے نظریے میں اللہ، رسول، وحی و تنزیل، حیات بعد الممات، روح، ملائکہ اور دوسرے مابعد الطبیعاتی (Metaphysical Realities) حقائق کے تصور کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

کارل مارکس کا فلسفہ زندگی جدلیاتی مادیت پر مبنی ہے، اس کے فلسفہ تاریخ کی اساس بھی جدلّیاتی مادیت ہی پر ہے، اس کا اقتصادی نظام بھی قطعی طور پر (Dialectical materialism) کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کارل مارکس کے اقتصادی نظام میں حلال وحرام میں کوئی حد فاصل نہیں کھینچی گئی۔

پس آپ یقین کیجئے کہ اگر اس ملک میں سوشلزم آتا ہے تو ہماری اخلاقی اور روحانی قدروں کا برباد ہونا یقینی امر ہے، اگر سوشلزم اس ملک میں آتا ہے تو ہماری اخلاقی و روحانی قدروں کا یقیناً وہی حال ہوگا جو سمرقند و بخارا میں ہوا، جو مشرق وسطی میں ہوا، ہم اس سے مختلف نتائج کی توقع اس ملک میں نہیں رکھتے ہیں۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام اور اشتراکیت کو یکجا کردو تو یا تو دونوں کے مفہوم سے ناواقف ہے یا وہ لوگوں کی آنکھوں میں قصداً اور ارادتاً دھول جھونک رہا ہے، وہ فلسفہ زندگی جس کی بنیادوں پر ایک نظام قائم ہوتا ہے، آپ اس فلسفہ زندگی کو اس نظام سے کاٹ کر الگ نہیں پھینک سکتے۔

روٹی ہماری زندگی کا مقصد نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے ہمیں نہایت متوازن اقتصادی اور سیاسی نظام بخشا ہے، لیکن مسلمان کی زندگی کا مقصد محض روٹی نہیں، میں نے یہ کہا تھا کہ جس وقت مزدور بھوکا ہو، وہ اللہ کی محبت اور عبادت کے گیتوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، اس کا پیٹ بھرنے کے بعد ہم اسے کہیں گے کہ دیکھو روٹی تمہاری زندگی کا مقصد تو نہیں ہے، مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی صفات سے خود کو متصف کرنا ہے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کھپا دینا ہے، مسلمان کی رُوح ہر آن اور ہر لحہ نغمہ سرا ہے۔ "إلهي أنت مقصودي و رضاك مطلوبي" انسان کی زندگی کا مقصد اس روئے زمین پر اللہ کی خلافت کا قائم کرنا ہے اور یہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام جو اسلام نے ہمیں بخشا ہے، ان مقاصد کے حصول کے لئے محض وسائل اور ذرائع ہیں۔ میں علامہ صاحب رحمہ اللہ کے خط کا اقتباس آپ کو سناتا ہوں جو اخبار زمیندار میں 24 جون 1923ء کے شمارے میں چھپا تھا، میں اس وقت جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی تائید و تصدیق اور تشریح و توضیح کے لئے حکیم الامت کی شہادت بس کرتی ہے۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل اور براہین پر مبنی ہے۔ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے، سرمایہ داری کی قوت جب اعتدال سے تجاوز کر جائے، تو دنیا کے لئے ایک قسم کی لعنت ہے، لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریقہ یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے، جیسا کہ بالشویک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لئے قانون میراث اور زکوۃ وغیرہ تجویز کیا ہے، مغربی سرمایہ داری اور رُوسی دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے شریعتِ حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس کے حصول کے لئے میرے عقیدے کی رو سے وہی راہ

آسان اور قابلِ عمل ہے، جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔

اسلام سرمایہ داری قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا، بلکہ فطرت انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے برقرار رکھتا ہے اور ہمارے لئے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کرتا ہے، جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔

مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا، ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے، جب تک وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں، جس کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق اور تولید ہو اور مجھے یقین ہے کہ خود رُوسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے ناقص تجربے سے معلوم کر کے ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی، جس کے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔

موجودہ صورت میں رُوسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی محمود کیوں نہ ہو، ان کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی سیاسی اقتصادیات پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کی اقتصادی تعلیم پر نظرِ غائر ڈالیں، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ (1)

ساتھیو! یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم ملی انفرادیت (National Individuality) کھو بیٹھے ہیں، ہم کبھی امریکہ اور کبھی روس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں، کبھی چین کو دیکھ کر ہماری رال ٹپکتی ہے۔ ہر دور کے لات وعزیٰ ہوتے ہیں۔ اور امریکہ اور روس اس دور کے لات وعزیٰ ہیں:

---

(1) زمیندار۔ 24 جون 1923ء

{اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ۝} [النجم:19،20]

وقت کا سب سے عظیم انسان اور سب سے عظیم مسلمان وہ ہوگا جو ان تازہ خداؤں کی ذہنی غلامی سے انسانیت کو رہا کرے اور اسلام کے اقتصادی اور سیاسی نظام کو ایک مکمل اور باضابطہ صورت میں پورے یقین اور اذعان کے ساتھ کائنات کے سامنے پیش کرے اور اس کائنات میں اس نظام کو نافذ کرنے کے لئے ایسی مؤثر اور گرجدار آواز بلند کرے کہ یہ کائنات اس آواز سے گونج اٹھے۔

جمہوریت کے بعد اشتراکیت کا تجربہ دانشمندی نہ ہوگا

سرمد غم عشق بولہوس را نہ دہند
سوز دل پروا نہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ترجمہ: خواہش پرست کو ہمیشہ عشق کا غم نہیں دیتے۔ پروانے کے دل کی جلن مکھی کو نہیں دیتے۔ عمرِ زندگی میں یار کو بغل گیر ہونا چاہئے۔ ہمیشہ کی یہ دولت ہر کس و ناکس کو نہیں دیتے۔

البیان

معاشی نظریات

نظامِ اشتراکیت باطل کیوں؟

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ ①

ترجمہ وتلخیص: حافظ عبدالعزیز بٹ ②

اسلام دینِ عدل ہے اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کا حامی ہے اللہ رب العالمین نے ہر معاملے میں ہماری بہترین رہنمائی فرمائی اور کسی بھی معاملے میں ایسا نہیں کہ ہمیں اسلامی نظریۂ حیات اور شرعی دستور زندگی کو چھوڑ کر غیروں کی طرف دیکھنا پڑے۔ مثلاً ہم تجارت کے معاملات کو ہی دیکھ لیں، دیگر امور کی طرح شریعتِ مطہرہ نے اس معاملے میں بھی ہماری مکمل رہنمائی کی ہے، محدثین نے کتب حدیث، فقہاء نے فقہی ذخیروں میں احکام معیشت وتجارت کے متعلق ہر مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے، اتنی جامع و مانع بحث کے بعد کہیں اور سے نظریۂ تجارت ومعیشت کشید کرنے کی ضرورت نہیں مگر:

؎ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کے مصداق کچھ احباب سرمایہ دارانہ نظام کا عذر لنگ تراش کر اشتراکیت کے دلدادہ ہو کر یہ نعرہ مستانہ لگاتے ہیں کہ ہمارے غموں کا علاج اور دکھوں کا مداوا اسی نظام باطل میں ہے۔

بہانہ یہ ہے کہ سب کو مساوی تقسیم کرکے معاشرے سے غربت ختم کی جائے گی مگر جب اس کھوکھلے

---

① ممتاز عالم دین سعودی عرب ② مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

نعرے اور مغرب سے مرعوب ہو کر چھوڑے گئے شوشے کو گہرائی میں جا کر دیکھا جاتا ہے تو زبانِ بے اختیار سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ: غربت تو ختم نہیں ہوگی مگر اس سے ساری قوم ہی غریب ہو جائے گی۔

زیر نظر مضمون میں عالم عرب کی ممتاز شخصیت علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی لاجواب تصنیف ''الأدلۃ علی بطلان الإشتراکیۃ'' سے چند مباحث کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ جن کے مطالعے کے بعد خوانندگانِ محترم پر اس باطل نظام کی حقیقت واضح ہوگی اور قارئین کرام اس نظام کی خرابیوں کو سمجھ لیں گے۔ ان شاء اللہ

1 نظامِ اشتراکیت کا وجود نہ نبی ﷺ کے دور مسعود میں تھا اور نہ ہی خلفاء راشدین کے زمانے میں اور نہ ہی ان کے بعد حکومت اسلامیہ میں اس کا تصور پایا جاتا تھا، اس کے بعد تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو نبی ﷺ، آپ کے خلفائے راشدین، نیز ان کے بعد ائمہ مسلمین حق پر ہیں یا نظام اشتراکیت کے یہ دلدادہ حضرات، اور دوسرا خیال تو ہے ہی باطل کیونکہ اس کے اعتراف سے یہ کہنا پڑیگا کہ (معاذ اللہ) نبی ﷺ، آپ کے خلفاء راشدین نیز ان کے بعد ائمہ مسلمین گمراہی پر تھے اور انہوں نے اپنی رعایا پہ ظلم وستم کئے حتیٰ کہ احبابِ اشتراکیت نے تیرہ سو سال بعد۔۔۔ لوگوں کی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کی اور ایسی راہ جس کا نہ نبی ﷺ کو پتہ تھا، نہ ہی آپ کے خلفائے راشدین کو اور نہ ان کے بعد ائمہ مسلمین کو۔

2 فرمان نبوی ﷺ ہے: ''بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو، ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہوں اور میں تمہاری بات سن کر فیصلہ کر دوں تو جس شخص کے لیے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلا دوں اسے چاہئے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے دیتا ہوں۔ [1]

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ عوام الناس کے لئے یہ قطعی طور پر جائز نہیں ہے کہ اس بنیاد پہ کسی کے مال پہ قبضہ کریں کہ حکومت نے انہیں اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ عوام کو چاہئے کہ ایسے ہر

[1] صحیح بخاری: کتاب المظالم والغضب، باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ، صحیح مسلم: کتاب الأقضیۃ، باب الحلم بالظاھر واللحن بالحجۃ

فیصلے کا بائیکاٹ کریں، اللہ سے ڈریں اور ان کے دل میں اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین کی اہمیت لوگوں کے بنائے ہوئے ہر قانون سے زیادہ ہو۔

3 نظام اشتراکیت اللہ تعالی کے نظام قضاء وقدر اور اس کی حکمتوں کے برخلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی حکمت و رحمت اور جانے کن کن عظیم اسرار و رموز کے تحت یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اپنے بندوں کے مابین رزق کو تقسیم کرے اور بعض کو بعض پر فوقیت عطا فرمائے۔(ان حکمتوں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔)

ا: صاحب مال کو جب اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوگا تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا، اور تنگدست، فقر وفاقہ کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے صبر کرے گا۔

ب: اللہ رب العالمین کی ربوبیت تامہ کا اظہار، کہ زمین وآسمان کے خزانے اور تمام امور کی باگ ڈور اللہ رب العالمین کے دست مبارک میں ہے۔

{يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ} (الشوریٰ:12)

''جس کی چاہے روزی کشادہ کردے اور تنگ کردے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

ج: ایسی عبادات کی ادائیگی جو صرف امیر اور فقیر کی موجودگی ہی میں ادا کی جاسکتی ہیں۔مثلاً: زکوۃ وصدقات نیز کفارات اور نفقات وغیرہ۔

4 نبی ﷺ نے ۱۰ھ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن مبعوث کرتے ہوئے فرمایا تھا ''تم انہیں اس کلمے کی گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں ہیں۔ اگر وہ لوگ یہ بات بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے مال پر کچھ صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیکر انہی کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا۔ (1)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے دو طبقات کا اثبات فرمایا ہے، امیر اور غریب، لیکن ارباب اشتراکیت اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مالی معاملات میں صرف ایک طبقہ ہی ہونا چاہئے، یعنی سارے

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، مسلم: کتاب الایمان، باب الدعا الی الشھادتین وشرائع الاسلام

لوگ ہی فقیر و لاغر ہوکر ذلت کی زندگی بسر کریں۔ جبکہ نبی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایسی کوئی نصیحت نہیں فرمائی۔۔۔اور معاذ کو صرف اتنا ہی بتایا کہ زکوٰۃ ان کے امراء سے لیکر ان کے فقراء میں تقسیم کردی جائیگی اور یہی حق ہے جو مال میں واجب ہوگا۔اور اگر فقراء کو اغنیاء کے مال میں شریک کرنا واجب ہوتا تو نبی ﷺ معاذ رضی اللہ عنہ کو ضرور بیان کرتے کیونکہ ''لا یجوز تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ''[1]

5 نبی ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کے عمدہ اموال (بطور زکوٰۃ لینے سے) پرہیز کرنا،اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا''۔[2]

نبی ﷺ نے اس بات سے ڈرایا کہ بطور زکوۃ عمدہ اموال لئے جائیں اور یہ فرما کر کہ ''مظلوم کی بددعا سے بچو'' اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی کہ یہ ظلم ہے،غور طلب بات یہ ہے کہ جب اموال زکوٰۃ میں سے عمدہ ترین مال لینا ظلم ہے تو زیادہ لینا ظلم کیوں نہ ٹھرا؟ اس طرح بغیر کسی شرعی عذر کے لوگوں کا سارا مال ہی چھین لینا ظلم کیوں نہ ہوگا؟ مگر اہل اشتراکیت اسے ظلم نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے خیال میں تو لوگوں کے مابین معاشی کمی بیشی ظلم ہے (والعیاذ باللہ) جو کہ اللہ رب العالمین کے ارادہ شرعیہ اور احکام تقدیر پر مبنی ہے۔

6 نظام اشتراکیت میں انسان کا اللہ تعالی پہ توکل کمزور بلکہ معدوم ہو جاتا ہے کیونکہ جب تنگدست آدمی ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرے گا جہاں نظام اشتراکیت نہیں ہوگا تو ہمیشہ اللہ تعالی پہ توکل کرتے ہوئے اس سے رزق مانگے گا اور اس کی امیدوں کا محور و مرکز رب کریم کی ذات ہوگی اور جو ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہوگا جو نظام اشتراکیت میں آلودہ ہوگا،اس کی امیدوں کا محور و مرکز لوگ ہوں گے وہ لوگوں پہ بھروسہ کرتے ہوئے انہی سے مانگے گا،اور یہی اصحاب اشتراکیت چاہتے ہیں وہ تو

[1] یہ ایک اصول فقہ کا قاعدہ ہے جس سے مراد ''بوقت ضرورت شرعی حکم کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوتا''

[2] جامع ترمذی: كتاب الزكوة،باب ما جاء في كراهية أخذ خيار المال في الصدقة، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(امام ترمذی)

چاہتے ہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں امید وبیم کی سی کیفیت پیدا کر کے ان پر راج کریں، آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح لوگوں کو اپنی تقدیس و تعظیم کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس کیلئے وہ باقاعدہ مہم سازی کرتے ہیں، حتی کہ وہ اپنے لیڈروں کی تصاویر ہر جگہ پر آویزاں بھی کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تصاویر سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بلکہ بازاروں اور عبادت گاہوں میں بھی آویزاں کریں۔

7 ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''فقراء، امراء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے۔''(1)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے دو طبقات کا اثبات فرمایا ہے (1) طبقہ فقراء (2) گروہ امراء۔
نیز ان دونوں کے متعلق دو مختلف احکامات صادر فرمائے کہ ایک جنت میں پہلے داخل ہوگا اور دوسرا قدرے تاخیر سے۔

8 ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اک زمانہ مجھ پہ ایسا بھی تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور گزرنے والا میری گردن پر یہ سمجھ کر پاؤں رکھتا تھا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، حالانکہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا، بلکہ صرف بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہو جاتی تھی''۔(2)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا حال عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان جیسے (مالدار) صحابہ رضی اللہ عنھم سے کس قدر مختلف تھا؟ کیا اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ صحابہ کرام کے مابین کس قدر فرق مراتب موجود ہے؟ آپ کو پتہ تھا مگر آپ قطعی طور پر یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ارباب اشتراکیت کی طرح دوسروں کے حقوق غصب کریں۔

9 ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی لوگوں کا مال قرض کے طور پر ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی طرف سے ادا کرے گا اور جو کوئی نہ دینے کے لئے لے تو

(1) جامع ترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، یہ حدیث حسن ہے۔ (ترمذی)
(2) صحیح بخاری: کتاب الاعتصام بالسنة، باب ماذكر النبی ﷺ وحض علی اتفاق أهل العلم...

اللہ اس کو تباہ کردے گا"۔ (1)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اصحاب اشتراکیت لوگوں کے مال اسی نیت سے لیتے ہیں کہ واپس نہیں کریں گے اوران کا ارادہ اتلاف مال کا ہوتا ہے،تو پھر مذکورہ حدیث میں لوگوں کے مال زبردستی لینے کی صریح حرمت موجود ہے۔

(10) فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔ (2)

ہم ان اشتراکیت زدہ احباب سے کہتے ہیں کہ: ہمیں معلوم ہے کہ تم اپنے مالدار بھائیوں سے ان کے مال چھین کر محبت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ تم ان سے اس بنیاد پر حسد کرتے ہو کہ اللہ تعالی نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے۔ (ذرا بتاؤ) آگر تم مالدار ہوتے تو کیا تم یہ چاہتے کہ کوئی تمہارا مال غصب کرے یا پھر اس میں تمہارا شریک ہو؟ بلکہ ہم نے تو مشاہدہ کیا ہے کہ تم قطعی طور پر یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری حکومت میں کوئی شریک ہو یا ایسی بات کہے جو تمہیں ناگوار ہو۔

اگر کوئی کچھ کہے بھی تو تم تمام اسباب ووسائل کو بروئے کار لا کر اس کو نشانہ عبرت بنا دیتے ہو۔

(یہ وہ ابطالِ اشتراکیت کے دس دلائل ہیں جو ہر صاحب عقل شعور کو اپیل کرتی ہیں کہ معاشرے کیلئے بہتر وہی ہے جس کو رب اللعالمین نے بہتر قرار دیا اور جس نظام معاشرت ومعیشت پر شریعت کی مہر نہیں وہ نظام انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ: فماذا بعد الحق الا الضلال۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

---

(1) صحیح بخاری: کتاب في الاستقراض وأداء الدیون...، باب من أخذ أموال الناس یرید أداءها أو إتلافها

(2) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه

جرام اور ناجائز پیشے

أبو عبداللہ جمشید سلطان[1]

تمہید

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسانی زندگی کے اہم شعبہ معیشت کے حلال وحرام کے احکامات بھی تفصیل سے موجود ہیں، شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی تجارت، اجرت اور ہر قسم کی معاونت حرام ہے انہی پیشوں میں سے چند کا ذکر ہم بتوفیق اللہ تعالی اپنی اس بحث میں کریں گے۔

حرام شدہ پیشوں کو ہم عمومی طور پر دو بنیادی اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی

❶ ایسے پیشے جو بذاتہ حرام ہیں۔

❷ وہ پیشے جو کسی سبب یا وصف کی آمیزش سے حرام ٹھہرتے ہیں۔

وہ پیشے جو بذاتہ حرام ہیں

❶ سود لینا اور دینا یا کسی بھی طرح اس میں معاون بننا حرام ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔[البقرة:277]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"لعن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم في الإثم سواء" ①

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں''۔

❷ نشہ آور اشیاء کی خرید و فروخت

شراب: شراب جسے عربی زبان میں ''خمر'' کہا جاتا ہے اس کو شریعت نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی شراب نچوڑنے والا، نچڑوانے والا اور جس کے لیے نچوڑی جائے اور اٹھا کر لے جانے والا اور جس کے لیے اٹھائی جائے اور فروخت کرنے والا اور جس کے لیے فروخت کی جائے اور پلانے والے اور جس کے لئے پلائی جائے۔ اسی قسم کے دس افراد شمار کئے''۔ ②

---

① صحیح مسلم: كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا وموكله

② سنن ابن ماجه: كتاب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه (صحيح)

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
''جو چیز نشہ لائے وہ حرام ہے''۔ (1)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے''۔ (2)

✿ شراب کو کسی حلال چیز میں تبدیل کر کے بھی استعمال میں لانا حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم شراب کا سرکہ بنا کر استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ (3)

ان احادیث کی رو سے تمام نشہ آور اشیاء سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے مثلاً، ہیروئن، چرس، افیم، تمباکو والے پان، گٹکے، نسوار، بھنگ، سگریٹ وغیرہ

3 جوئے سٹہ بازی میسر یا قمار بازی کا پیشہ

اللہ تعالیٰ نے سود اور شراب کے بعد میسر و قمار (جوئے کی تمام اقسام) کو حرام قرار دیا ہے، جس کو علامہ مبا کپوری رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے ''قمار (جوئے) میں کسی کو نفع ہی نفع اور دوسرے کو نقصان ہی نقصان ہوتا ہے''(4)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [النساء:29]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ''۔

اور فرمایا: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ○} [المائدة:90،91]

---

(1) ابو داود: کتاب الأشربہ، باب ماجاء ماأسکر کثیر فقلیلہ حرام (یہ روایت صحیح ہے)

(2) سنن أبی داود: کتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر (یہ روایت صحیح ہے)

(3) صحیح مسلم: کتاب الأشربہ، باب تحریم تخلیل الخمر (4) تحفة الأحوذی: 30/3

ترجمہ:''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہوتا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کہ ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تمہیں باز رکھے۔ سو اب بھی باز آجاؤ۔

میسر و جوئے کی چندنئی اقسام درج ذیل ہیں:

1. لاٹری
2. معمہ بازی (پزل)
3. ریفل ٹکٹ
4. انعامی بانڈز
5. سٹہ بازی

4 فحاشی وقحبہ گری

شریعت مطہرہ نے تمام قسم کی فحاشی اور حرام جنسی کارروائیوں مثلاً زنا، اغلام بازی جیسے اعمال اور ان کی اجرت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ} [الأنعام:151]

ترجمہ:''اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں خواہ پوشیدہ''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

{وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا} [الإسراء:32]

ترجمہ:''خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے''۔

{وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا} [النور:33]

ترجمہ:''تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو''۔

اسی طرح تمام وہ ذرائع مثلاً فحش تصاویر، لٹریچر، میگزین انٹرنیٹ، اشتہارات اور مارکیٹنگ جن میں ایسی اشیاء کو بیچنے کے لئے فحاشی کا حربہ استعمال ہو حرام ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ [النور:19]

ترجمہ:''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور زنا کار عورت کی خرچی (اجرت) اور کاہن کی مٹھائی (جو اجرت میں ملی) سے منع فرمایا۔[1]

5 گانا قوالی، گلوکاری اور موسیقی

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾ [لقمان:6،7]

ترجمہ:''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں، کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں، آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے''۔

ابن عباس رضی اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: لغو باتوں سے مراد گانا بجانا اور طبلہ وغیرہ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:''اس امت میں زمین کے اندر دھنسنا، صورتیں بدلنا اور بہتان بازی پیدا ہوگی کسی نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب گلوکار، گلوکارائیں عام ہو جائینگی اور شرابیں پی جائیں گی''۔[2]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب

[2] ترمذي: کتاب الفتن، باب ماجاء فی علامة حلول المسخ

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے دو بدترین آوازوں سے منع کیا گیا ہے ایک خوشی کے وقت بانسری اور غم کے وقت نوحہ خوانی سے"۔ ①

چنانچہ آپ ﷺ نے گلوکاری اور موسیقی کی کمائی اور اجرت سے منع فرمایا ہے"۔ ②

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "گانا بجانے والی عورتوں کو نہ بیچو نہ خریدو نہ انہیں یہ کام سکھاؤ اور انکی اجرت حرام ہے"۔ ③

ان احادیث کی رو سے تمام قسم کی موسیقی اور موسیقی کے آلات کی تجارت اور اجرت حرام ہے۔

⑥ رقاصی کا پیشہ

اللہ تعالی نے جس طرح زنا کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح اس کے تمام وسائل کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔

اللہ تعالی کا حکم ہے:

{وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا} [الإسراء:32]

ترجمہ: "خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے"۔

اس آیت کی رو سے زنا کی طرف لے جانے والے تمام وسائل اور ذرائع بھی حرام ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَٰهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ} [الأحزاب:33]

ترجمہ: "اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سینگھار کا اظہار نہ کرو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور زنا کار عورت کی خرچی (اجرت) اور کاہن کی مٹھائی (جو اجرت میں ملی) سے منع فرمایا۔ ④

رقص کے حوالے سے فرمان باری تعالیٰ ہے: {وَلَا تَمْشِ فِى الْأَرْضِ مَرَحًا} [الإسراء:37]

---

① جامع ترمذي: كتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصة فی البكاء

② شرح السنة 23/8 ③ جامع ترمذي: كتاب البيوع، باب ماجاء فی كراهية المغنيات

④ صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب ثمن الكاهن

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل علم نے مذکورہ آیت سے رقص کی مذمت اور اس کے ارتکاب کی ممانعت کا استدلال لیا ہے۔ابوالوفاء بن عقیل فرماتے ہیں: قرآن کریم میں رقص کی صریح ممانعت وارد ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:: {وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا} [الإسراء:37] ترجمہ: ''اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چل'' اور رقص سب سے بڑا اترانا، تکبر اور اکڑنا ہے جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے۔

7 مصوری و بت سازی و فروشی

مجسمہ سازی اور فوٹو گرافی (تصویر کشی) کا پیشہ آج کل زور و شور سے رائج ہے، قرآن حکیم میں جن اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے ان میں بت سازی و تصویر سازی کو تیسرا درجہ حاصل ہے جن کی دور جاہلیت میں عبادت کی جاتی تھی چنانچہ شارع حکیم نے اسے مطلقاً حرام قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} [المائدة:90]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور انصاب (بت) اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''قیامت کے روز سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں دیا جائے گا''[1]۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میرا ذریعہ معاش تصویر کشی ہے میں تصویریں بناتا ہوں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں وہی بتاؤں گا جو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو تصویر بنائے گا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا کہ وہ اس میں روح پھونک دے لیکن وہ کبھی اس میں روح نہیں پھونک سکے گا'' یہ سن کر اس شخص کا چہرہ متغیر ہوگیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اگر تم تصویر بنانا ہی چاہتے ہو تو غیر ذی روح اشیاء کی

---

[1] صحیح بخاری: باب عذاب المصورين يوم القيامة۔ صحیح مسلم: باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب أو صورة

درخت ومناظر کی تصویریں بناؤ"۔ ①

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تصویر بنانا، بنوانا، خریدنا فروخت کرنا حرام کام ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے، البتہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ، لائسنس وغیرہ کے لئے بنانا استثنائی صورت میں اہل علم نے جائز قرار دیا ہے۔

⑧ کہانت، دست شناسی (پامسٹری)

کہانت، فال گیری،، پامسٹری (دست شناسی) یہ وہ افعال ہیں جو کہ علم غیب سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اللہ نے ان افعال کو"رجس" یعنی ناپاکی اور شیطانی اعمال" سے تعبیر دیا ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے:"اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو"[المائدہ:90]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:"جو کوئی بھی غیب کی خبریں بتانے والے کے پاس جائے اور اس سے پوچھے اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوگی"۔ ②

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"جو کوئی بھی کسی کاہن کے پاس جاکر دریافت کرے پھر اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس (قرآن) سے کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے"۔ ③

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کی مٹھائی (جو اجرت میں ملی) لینے سے منع فرمایا۔ ④

ان دلائل کی روشنی میں کہانت، پامسٹری، اور اسکی تمام اقسام کی کمائی حرام ہے۔

⑨ جادو ٹونہ وشعبدہ بازی

جادو (سحر) وشعبدہ بازی ہر دور میں موجود رہی ہے اور اس کی حرمت بھی ابدی ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

---

① صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع التصاویر التی لیس فیھا الروح

② صحیح مسلم: کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ وإتیان الکاھن

③ ابو داود: کتاب الطب، باب فی الکاھن ④ صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکاھن

{وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝} (البقرہ:102)

ترجمہ:''اور یہ یہود (تورات کے بجائے) ان جنتروں منتروں کے پیچھے لگ گئے۔ جو سیدنا سلیمان کے دور حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا سلیمان نے ایسا کفر کبھی نہیں کیا بلکہ کفر تو وہ شیطان لوگ کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ نیز یہ یہود اس چیز کے بھی پیچھے لگ گئے جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر اتاری گئی تھی۔ یہ فرشتے کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو تمہارے لیے آزمائش ہیں سو تو کافر نہ بن۔ پھر بھی یہ لوگ ان سے ایسی باتیں سیکھتے جن سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال سکیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو بھی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ اور باتیں بھی ایسی سیکھتے جو انہیں دکھ ہی دیں، فائدہ نہ دیں۔ اور وہ یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ جو ایسی باتوں کا خریدار بنا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں کتنی بری چیز تھی جسے انہوں نے اپنی جانوں کے عوض خریدا۔ کاش وہ اس بات کو جانتے ہوتے''۔

اور سحر (جادو) میں کبھی بھی کوئی نفع نہیں ہو سکتا اور جس میں ہمیشہ کا خسارہ ہو اس کا سیکھنا سکھانا اور اس کی اجرت (کمائی) بھی حرام ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ کا فرمان ہے:

{وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى} [طه: 69]

ترجمہ:''اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا''۔

اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ اس کی حرمت پر دلیل ہے۔ عائشہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر کا ایک غلام تھا جو انہیں کچھ محصول دیا کرتا تھا اور آپ اس کا محصول کھانے کے کام میں لاتے تھے ایک دن وہ کوئی چیز لایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کھا لیا تو ان سے غلام نے کہا

آپ کو معلوم ہے یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں آئندہ ہونے والی بات (کہانت) ایک آدمی کو بتادی تھی حالانکہ میں خود یہ فن نہیں جانتا تھا بلکہ میں نے اسے دھوکہ دیا تھا تو (آج) وہ مجھ سے ملا اور (یہ چیز) اس نے مجھے اسی کے عوض دی ہے اور اسی کو آپ نے کھایا ہے تو ابوبکر نے اپنی انگلی منہ میں ڈال کر پیٹ کی ہر چیز کو قے کر کے نکال دیا۔ (1)

(10) نجومیت

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے ستاروں کو آسمان کی زینت، شیاطین کو مارنے اور بحر و بر میں راہ معلوم کرنے کے لئے تخلیق کیا ہے اور جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے وہ خطا (غلطی) پر ہے اور اس نے ہر قسم کی بھلائی سے خود کو محروم کر لیا اور ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں۔ (2)

حدیث میں آتا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اقتبس علما من النجوم، اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد" (3)

''جس نے علمِ نجوم کا کچھ حصہ سیکھا اس نے اسی قدر جادو سیکھا، جتنا زیادہ سیکھتا جائے اس کی وجہ سے اس کے گناہ میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی بھی کسی نجومی یا کاہن کے پاس جا کر دریافت کرے پھر اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس (قرآن) سے کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے''۔ (4)

اسی لئے وہ تمام نصوص جو سحر (جادو) کی حرمت پر دلیل ہیں وہ نجومیت کو بھی حرام ٹھہراتے ہیں اور اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

(11) ٹی وی، ریڈیو ڈرامہ، اور فلم سازی کا پیشہ

ان پیشوں میں چونکہ عریانی، فحاشی مرد وعورت کا اختلاط اور فیشن کے نت نئے فتنے اور حیا سوز لباس،

---

(1) صحیح البخاري: باب أيام الجاهلية (2) صحيح بخاري: بدء الخلق، باب في النجوم

(3) سنن ابي داود كتاب الطب باب في النجوم (یہ روایت صحیح ہے) (4) ابو داود: کتاب الطب، باب فی الكاهن

عشق ومعشوقی کی داستانیں اور جھوٹ دھوکہ اور اخلاق سوز مناظر کا غلبہ رہتا ہے جو کہ سراسر شریعت کے منافی ہیں اسی لئے ان کی کمائی بھی حرام ہے۔ سینیما، تھیٹر، ویڈیو آڈیو سی ڈی سینٹرز، اشتہارات، کیبل آپریٹنگ وغیرہ اور ان سے منسلک تمام اشیاء اگر ان پر حرام معاملات کا اجراء جاری ہے تو ان کا بھی یہی (حرام کا) حکم ہے ریڈیو جس میں آجکل ایف ایم (FM) چینلز کی بھرمار ہے جن میں سوائے گانے بجانے اور اللہ کے دین سے دوری کے اسباب کے کچھ نہیں جن میں جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے ان سب کاموں کی کمائی اور اجرت جہنم کی آگ ہے اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ۝﴾ [النور:19]

ترجمہ: ''جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی''۔

نوٹ: واضح رہے کہ کوئی بھی وسیلہ یا ذریعہ یا آلہ بذات خود اچھا یا برا نہیں ہوتا بلکہ اس کا استعمال کے موجب حکم لگتا ہے اور آج کے دور میں چونکہ ان ذرائع کا استعمال 90 فیصد سے زیادہ حرام کاموں کے لئے ہے اس لئے ان وسائل پر یہ چیزیں نشر کرنا، اس کے لئے اپنا پلیٹ فارم مہیا کرنا۔ حرمت کے حکم میں آئے گا۔ یہاں اگر ان ہی چینلوں پر تعمیری کام ہو، ملک وکام کی بہتری کے پروگرام ہوں تو یہ اچھا عمل ہوگا۔

⑫ گداگری

گداگری ایک مکمل پیشہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس کا ایک نیٹ ورک ہوتا ہے جس میں بچوں کو بھی تربیت دے کر مختلف چوراہوں پر پھیلا دیا جاتا ہے جبکہ شارع علیہ السلام نے اس پیشہ کی شدید مذمت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا''۔[1]

---

[1] بخاری: کتاب الزکاۃ باب من سأل الناس تکثرا

⑬ مرداراور حرام جانوروں کی خرید وفروخت

ایسا جانور جو مردار ہو یا ایسی حالت میں اسے ذبح کیا جائے کہ اس کا خون نہ نکل سکے یا کوئی حرام جانور کو حلال کر کے مارکیٹ میں لایا جائے یا سور، کتے اور بلی، بندر کی بیع بھی حرام ہے اور ان سے حاصل ہونے والی اجرت بھی حرام ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:

{قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ} [الأنعام:145]

ترجمہ:''آپ کہہ دیجئے جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کر غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو''۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا۔①

اس طرح مردہ اور حرام جانور کی چربی کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ''وہ حرام ہیں، اللہ یہود پر لعنت کرے جب ان پر جانوروں کی چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اس کو پگھلایا اور بیچ کر اس کی قیمت کھالی''②

⑭ خون کا معاوضہ لینے کا حکم

صحیح بخاری میں سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ''نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے''③ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر کسی مسلمان کے لئے خون کا کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں۔ بلکہ

① صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الكلب

② صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع المیتة والأصنام

③ صحیح بخاری: کتاب البیوع باب ثمن الكلب

اگر کسی مسلمان بھائی کوخون کی ضرورت ہوتو اسے بطور عطیہ فراہم کیا جائے نہ کہ قیمتاً۔

15 انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کا حکم

کسی انسان کے لئے اپنا گردہ یا دوسرے اعضاء کا بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کے لئے شدید وعید آئی ہے جو کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھا جائے ، اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے ''میں قیامت کے دن تین افراد کی طرف سے مقدمہ کروں گا ایک وہ جس نے آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی[1] اور کسی عضو کی بیع بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ انسان نہ اپنے جسم کا ملک ہے اور نہ اپنے کسی عضو کا بلکہ یہ اللہ تعالی کی انسان کے پاس امانت ہیں انہیں بیچنا جائز نہیں ہے۔

16 ریزگاری (چلڑ) فروشی

عصر حاضر میں ہر بس اسٹاپ پر بعض افراد زیادہ روپوں کے عوض کم پیسے (کھلے سکوں کی صورت میں) بیچتے ہیں جو کہ کھلا سود ہے اور ان کی اجرت اور کمائی بھی حرام ہے کیونکہ سود دینا بھی حرام ہے اور لینا بھی حرام ہے۔

17 چوری کا مال بیچنے اور خریدنے کا حکم

جس شخص کو علم ہو یا غالب گمان ہو کہ یہ مال چوری کا ہے اس کے لئے اسے خریدنا اور بیچنا حرام ہے نیز اس میں کسی قسم کا تعاون بھی حرام ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} [النساء:29]

ترجمہ:''اور اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو خرید وفروخت''

18 نر سے جفتی کرانے کی اجرت

ہمارے معاشرے میں بعض افراد اپنے جانوروں کی نسل بڑھانے کے لئے نر اور مادہ کا ملاپ کراتے

[1] صحیح بخاری: کتاب الاجارہ، باب اثم من منع أجر الأجیر

ہیں جسے ''جفتی'' کہا جاتا ہے اور جن کا جانور نر (male) ہوتا ہے وہ اس عمل کی اجرت لیتے ہیں جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نر کی جفتی کرانے کی اجرت سے منع فرمایا ہے''۔ (1)

(19) زائد پانی اور گھاس کی بیع کی ممانعت

ضرورت سے زیادہ پانی اور وہ گھاس جس پر اس نے محنت صرف نہ کی ہو اس کی فروخت منع ہے روایت میں آتا ہے: "نهى عن بيع فضل الماء"۔ (2)

ترجمہ: آپ ﷺ نے زائد پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تین چیزوں میں سب لوگ شریک ہیں پانی گھاس اور آگ'' (3)

(20) جانوروں کی لڑائی کا پیشہ

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے براہ راست جانور کے ساتھ بے رحمی اور انہیں قید کرنے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "نهى رسول الله عن التحريش بين البهائم". (4)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے''۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک عورت پر ایک بلی کی وجہ سے عذاب کیا گیا اس نے بلی کو باندھ کر رکھا تھا (اور کھانا پانی نہ دیتی تھی) یہاں تک کہ وہ مرگئی پس اسی وجہ سے وہ عورت دوزخ میں گئی نہ اس نے بلی کو کھلایا اور نہ ہی اس کو پانی دیا اور نہ

---

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب عسب الفحل

(2) سنن أبي داود: كتاب الإجارة، باب نَهى عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الماءِ (یہ روایت صحیح ہے)

(3) أبو داؤد: كتاب الإجارة، باب في المنع الماء (یہ روایت صحیح ہے)

(4) سنن ابی داود: كتاب الجهاد، باب ما جاء في كراهية التحريش بين البهائم (یہ روایت حسن ہے) و الترمذي كتاب الجهاد، باب في التحريش بين البهائم

اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض (یعنی چوہے چڑیاں وغیرہ) کھالے"۔ (1)

(21) پتنگ سازی و پتنگ بازی

چونکہ اسمیں بہت سا وقت، مال اور جانیں ضائع ہوتی ہیں اور اس میں کئی منفی پہلو بھی ہیں اس لئے یہ پیشہ بھی حرام ہے جس طرح کبوتر بازی حرام ہے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کے پیچھے پیچھے دوڑا چلا جا رہا ہے۔آپ نے فرمایا کہ شیطان شیطانہ کے پیچھے چلا جا رہا ہے"۔ (2)

وہ پیشے جو کسی سبب کی وجہ سے حرام ہیں

(1) تعمیراتی کام یا کفار کی عبادت گاہوں کی تعمیر

ایک مسلمان کے لئے کافروں کی عبادت گاہوں کی تعمیر یا ان کے ڈیزائن یا مالی یا جسمانی طور پر شراکت جائز نہیں بلکہ حرام ہے، اسی طرح بینک کی تعمیر یا کسی ایسی جگہ کی تعمیر جہاں اللہ کی توحید کی مخالفت کی جائے جس میں مزارات یا پختہ قبریں وغیرہ یا اللہ کی معصیت کا کوئی بھی کام کیا جائے جوا خانہ وغیرہ تو اس میں کسی بھی قسم کی معاونت اور اوراس کی اجرت حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان اسی حکم پر دلالت کرتا

{وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○} [المائدۃ:2]

ترجمہ: "نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے"۔

(2) مجرمین کو بچانے یا ناجائز کاموں میں وکالت

وکالت ایک ایسا پیشہ ہے جو فی نفسہ حرام نہیں مگر ناجائز اور جھوٹا مقدمہ یا جھوٹ اور فراڈ کو چھپانے اور

(1) صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار

(2) ابو داؤد: کتاب الأدب، باب اللعب في الحمام (یہ روایت حسن ہے)

غلط کو صحیح ثابت کرنے کی وکالت حرام ہے اور اس کی اجرت بھی حرام ہے یا وضعی (مغربی) قانون کو حق سمجھنا اور شریعت سے بہتر ماننا یا اس پر راضی رہنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

{ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭوَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ } [النساء:105]

ترجمہ: ''ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے تا کہ جو کچھ بصیرت اللہ نے آپ کو عطا کی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو''۔

{وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ } [المائدة:2]

ترجمہ: ''اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ [المائدہ:8]

اور ارشاد فرمایا ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، نہ ہی ایسے مقدمات اس غرض سے حکام تک لے جاؤ کہ تم دوسروں کے مال کا کچھ حصہ ناحق طور پر ہضم کر جاؤ، حالانکہ حقیقت حال تمہیں معلوم ہوتی ہے''۔ [البقرۃ:188]

③ بیوٹی پارلر/ ہیئر ڈریسنگ کا پیشہ

بننا اور سنورنا اسلام میں معیوب نہیں مگر جب اس بناؤ سنگھار میں حد سے تجاوز ہو جائے تو یہ معاشرے میں بگاڑ کا سبب بھی بنتا ہے اور فتنوں کو بھی جنم دیتا ہے، آجکل ہمارے معاشرے میں ہر محلے میں بیوٹی پارلر اور ہیر ڈریسنگ کا کاروبار عام ہے جن میں وہ کام انجام دئے جاتے ہیں جو خلاف شرع ہیں جیسے بیوٹی پارلرز میں مرد (میک اپ آرٹسٹ) عورتوں کا بناؤ سنگھار کرتے ہیں یا پھر برعکس ہوتا ہے، اس کے علاوہ خواتین و

حضرات بھویں (آئی برو) بنواتے ہیں اور چہرے کے بال بھی اکھڑواتے ہیں داڑھی کو منڈواتے ہیں اوراہل مغرب سے مرعوب ہوکرایسی کٹنگ کرواتے ہیں جس سے داڑھی کا استہزاء ظاہر ہو یا خلاف شرع ہیئر کٹنگ کرواتے ہیں جن میں خواتین تو حد سے تجاوز کر چکی ہیں اور اپنی خلقت میں تبدیلی کا اہتمام بھی کرتی ہیں جن کے بارے میں شدید وعید بھی آئی ہیں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ''اللہ نے تعالی نے گودنے والی اور گدوانے والی اور اکھڑوانے والی اور دانتوں کو کشادہ کرنے والی اور اللہ تعالی کی بناوٹ میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے راوی کہتے ہیں کہ یہ بات بنی اسد کی ایک عورت تک پہنچی جس کو ام یعقوب کہا جاتا ہے اور وہ قرآن مجید پڑھا کرتی تھی تو وہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ وہ کیا بات ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہے کہ آپ نے گودنے والی اور گدوانے والی اور پلکوں کے بال اکھیڑنے والی اور بال اکھڑوانے والی پر لعنت فرمائی اور دانتوں کو کشادہ کرنے والی اور اللہ تعالی کی بناوٹ میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت کیوں فرمائی ہے'' عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور یہ بات اللہ کی کتاب میں موجود ہے وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے قرآن مجید کے دونوں گتوں کے درمیان جو موجود ہے، سب پڑھ ڈالا ہے میں نے تو کہیں نہیں پایا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تو قرآن مجید پڑھتی تو اسے ضرور پاتی اللہ عزوجل نے فرمایا﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر:7]

ترجمہ: اللہ کے رسول تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور تمہیں جس سے روک دے اس سے رک جاؤ وہ عورت کہنے لگی کہ ان کاموں میں سے کچھ کام تو آپ کی بیوی بھی کرتی ہے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ جاؤ جا کر دیکھو وہ عورت ان کی بیوی کے پاس گئی تو کچھ بھی نہیں دیکھا پھر واپس عبداللہ کی طرف آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تو ان باتوں میں سے ان میں کچھ بھی نہیں دیکھا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر وہ اس طرح کرتی تو میں اس کے قریب بھی نہ جاتا''۔[1]

---

[1] صحیح مسلم: باب تحریم الواصلة والمستوصلة

ایک اور حدیث میں ہے: ''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی گودنے والی پر اور جس کا (سر) گودا جائے اور بال اکھیڑنے والی پر یعنی پیشانی کے یا منہ کے بال اکھاڑنے والی پر اور جو دانتوں کو درمیان سے کھولیں خوبصورتی کے لئے اللہ سبحانہ وتعالی کی پیدا کی ہوئی ہیت کو تبدیل کرنے والیوں پر''۔ [1]

ان احادیث کی رو سے تمام وہ افعال جن پر شارع علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے یا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی جائے وہ پیشے حرام ہیں۔

4 ڈریس ڈیزائننگ

زیب تن کی زینت محبوب عمل ہے مگر جب اس میں فحاشی کا عنصر شامل ہوجائے یا اس میں کفار کی مشابہت پائی جائے تو یہ بھی معیوب عمل ٹھہرتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا'' جیسا کہ ہمارے معاشرے میں بہت سے ڈریس ڈیزائنرز جو کہ ملکی وغیر ملکی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر کے ایسے ڈیزائنز تخلیق دیتے ہیں جس میں انسان کی شرم وحیا کا اور اس لباس کی مقصدیت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور ایسے لباس کو نیا فیشن اور نیا سٹائل کا نام دے کر مسلمانوں کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو اس انداز سے لعنت کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہے کہ نہ پہننے والے کو ادراک نہ دیکھنے والے کو احساس۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا کردے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان سے ان کے لباس اتروا دیئے تھے تا کہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھلا دے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے''۔ [الاعراف:27]

ایک اور جگہ فرمایا: ''آپ ان سے پوچھئے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کس نے حرام کردیا؟'' آپ کہیے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ان

---

[1] صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب الموصلة. صحیح مسلم: کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم فعل الواصلة.

لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے اور قیامت کے دن تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔ ہم اسی طرح اپنی آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں آپ ان سے کہیے کہ ''میرے پروردگار نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں: ''بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور گناہ کے کام''۔[الاعراف32-33]

ان میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جن سے بے حیائی اور فحاشی کو فروغ ملے مثلاً جینز کی پینٹ، اسکرٹس، شاٹس اور شرٹس اور مختلف قسم کے لباس جن کو پہن کر حیا کو بھی حیا آجائے چنانچہ ایسی تمام فیکٹریاں اور بوتیک، مالز اور فیشن فیسٹیولز (فیشن شو) اور جوان کی اشتہاری مہم چلاتے ہیں اور ایڈورٹائزنگ کمپنیاں جو اپنے سائن بورڈز سے ان کی تشہیر سے معاونت کرتے ہیں ان سب کی کمائی حرام ہے جس میں غیر شرعی معاملات ہوں یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت پائی جائے۔

5 کاروباری خدمات

موجودہ دور میں ایسے کاروبار بھی عمل میں آچکے ہیں جو مختلف قسم کی خدمات فراہم کر کے اپنی کمپنیوں کو فعال بنائے ہوئے ہیں جن میں ڈیکوریٹرز، ایکسپو سینٹرز اور پارٹی پلانرز ہوتے ہیں ان کی آمدنی کا بڑا حصہ ایسی تقریبات کی بدولت ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر نفسانی خواہشات کو پورا کیا جاتا ہے جن میں میوزیکل کانسرٹ، فیشن شوز جیسی محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے جن کی حرمت میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے تو ان کی آمدنی میں بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ جان بوجھ کر ایسی تقریبات کے لئے اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں تو انکی آمدنی مطلقاً حرام ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ:2]

ترجمہ: ''اور گناہ، ظلم اور زیادتی میں مدد نہ کرو''

6 اپنے کام میں لاپرواہی کرنے والے کی اجرت کا حکم

ملازم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ملازمت اچھی طرح اور ایمان داری سے نبھائے اگر وہ جان بوجھ کر

لاپرواہی کرتا ہے تو اس کی تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ} [الانفال:27]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

7 کال سینٹرز

عصر حاضر میں جن کال سینٹرز میں جھوٹ اور سودی کاروبار ہوتے ہیں ان کی اجرت اور کمائی بھی حرام ہے کیونکہ اس میں دھوکہ، فریب اور جھوٹ ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور نہ ہی حق و باطل کی آمیزش کرو اور دیدہ دانستہ سچی بات کو نہ چھپاؤ''۔[البقرۃ:42]

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، نہ ہی ایسے مقدمات اس غرض سے حکام تک لے جاؤ کہ تم دوسروں کے مال کا کچھ حصہ ناحق طور پر ہضم کر جاؤ، حالانکہ حقیقت حال تمہیں معلوم ہوتی ہے''[البقرۃ:188]

جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہم پر (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے دھوکہ دیا وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔(2)

8 اسلام یا مسلمانوں کے خلاف میڈیائی پروپیگنڈہ

جب جنرلزم کا پیشہ اسلام کے قوانین کے خلاف پروپیگنڈہ میں تعاون کرے اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنے یا جھوٹ اور فریب اور فحاشی کو فروغ دے اور جب یہ کسی غیر ملکی میڈیا سے رابطے اور تعاون کریں اور ملکی راز افشاں کریں یا ملک میں افراتفری پھیلائیں یا ہر خبر کو بغیر کسی تحقیق کے آگے پہنچا دیں تو یہ افعال حرمت کے زُمرے میں آتے ہیں جس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہو جاتی

(1) مسلم: کتاب الإیمان، باب من غشنا فلیس منا

ہے۔اللہ کا فرمان ہے

{لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا} [الأحزاب:60]

ترجمہ:''اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کی (تباہی) پر مسلط کردیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے:{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝} [الحجرات:6]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ کسی قوم کا نقصان کر بیٹھو پھر تمہیں اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رأيت اللّيلة رجلين أتياني قالا: الّذي رأيته يشقّ شدقه فكذّاب يكذب بالكذبة تحمل عنه حتى تبلغ الآفاق فيصنع به إلى يوم القيامة"[1]

ترجمہ:''میں نے خواب دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص جس کو تم نے معراج کی رات میں دیکھا تھا کہ اس کے جبڑے چیرے جارہے تھے وہ بہت بڑا جھوٹا تھا اور اس طرح جھوٹ باتیں اڑاتا تھا کہ دنیا کے تمام گوشوں میں وہ پھیل جاتی تھیں قیامت تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔''

9 ذخیرہ اندوزی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بازار میں سودا لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے''۔[2]

---

[1] صحيح بخاري: كتاب الأدب، باب قول الله تعالى "يأيها الذين أمنوا اتقوا الله و كونوا مع الصادقين"

[2] ابن ماجة: كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب

ایک اور حدیث ہے: ''ذخیرہ اندوزی صرف گناہ گار ہی کرتا ہے''۔ ①

⑯ حلال چیز حرام کام کے لئے بیچنا

ایک اصول ''سد الذرائع'' کے تحت حلال اور مباح اشیاء حرام کام کے لئے استعمال نہیں ہو سکتیں اور فقہی قاعدے ''الوسائل لها حكم المقاصد'' یعنی وسائل کا حکم بھی وہی ہے جو مقاصد کا ہے۔

حرام کھانے کا انجام

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگوں اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا اللہ نے فرمایا اے رسولو! تم پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو میں تمہارے عملوں کو جاننے والا ہوں اور فرمایا اے ایمان والو ہم نے جو تم کو پاکیزہ رزق دیا اس میں سے کھاؤ پھر ایسے آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے پریشان بال جسم گرد آلود اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے اے رب اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟۔ ②

آپ ﷺ کا فرمان ہے ''جو بھی گوشت کا حصہ (جسم) حرام مال پر نشو نما پاتا ہے وہ جہنم کا حق دار ہے''۔ ③

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وما توفيقي إلا بالله وآخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

---

① صحیح مسلم: كتاب المساقاة والمزارعة باب تحريم الإحتكار الأقوات

② صحیح مسلم: كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها

③ جامع ترمذی: كتاب الجمعة و باب ما ذكر في فضل الصلوة(قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ)(صحيح لغيره)



البیان

فتاویٰ واحکام

شعبہ ہائے معیشت سے متعلق

سوالات اور ان کے جوابات

مؤرخہ 16دسمبر 2012 کو المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے تحت ’’اسلامی بینکاری شرعی میزان‘‘ کے عنوان پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔جس میں ملک بھر سے نامور علماء کرام اور ماہرین معیشت نے شرکت کی اور مقالہ جات بھی پیش کئے۔مذکورہ سیمینار میں شہر کراچی سے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔سیمینار میں سوال وجواب کی نشت بھی تھی۔موضوع کی جدت اور لوگوں کی اس حوالے سے تشنگی کے باعث سوالات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ان میں سے چند کے جوابات تو سیمینار میں ہی دے دئے گئے۔البتہ کافی ایسے اہم سوالات تھے وقت کی قلت کے باعث جن کے پروگرام میں جوابات نہ دئے جاسکے۔ان سوالات کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے شعبہ تحقیق تصنیف کی جانب سے یہ سوالات تیار کرکے پاکستان بھر میں کبار اہل علم کو ارسال کئے گئے لوگوں کی تسلی وتشفی کیلئے وہ جوابات تحریر فرمادیں۔علماء کرام کی جانب سے الحمد للہ بھرپور تعاون کیا گیا اور انہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود جوابات تحریر فرما کر ہمیں ارسال کئے ہم ان کے تہہ دل سے مشکور وممنون ہے۔اللہ تعالیٰ ان جوابات سے امت کی بہتر رہنمائی فرمائے۔انہ ولی التوفیق۔ (ادارہ)

قسطوں میں خرید وفروخت نقد وادھار قیمتوں میں فرق

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر خلیل الرحمن لکھوی حفظہ اللہ (1)

سوال نمبر 1: قسطوں پر چیز خریدنے کا کیا حکم ہے؟ کیا نقد وادھار قیمتوں میں فرق سود شمار نہیں ہوگا؟

(محمد راحیل، مدثر یاسین، محمد ممتاز، سلیم معرفانی میمن، محمد منیر، عبداللہ سندھی)

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ، وبعد:

بنیادی طور پر اسلام میں قسطوں میں خرید وفروخت جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث عمرو بن الشریک میں ذکر ہے کہ سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا! اے سعد آپ کے محلے میں میرے جو دو گھر ہیں وہ آپ خریدلیں انہوں نے جواباً کہا! اللہ کی قسم میں نہیں خریدتا۔ سیدنا مسور جو وہاں موجود تھے نے کہا کہ اللہ کی قسم آپ کو ضرور خریدنا ہوں گے تب سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں چار ہزار درہم سے زائد نہیں دوں گا وہ بھی قسطوں میں ۔۔۔۔ الخ (2)

اور غلام کا قسطوں میں مکاتبہ معروف مسئلہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ:

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: جاءتني بريرة، فقالت: كاتبت أهلي على تسع أواقٍ في كل عامٍ أوقيةٌ فأعينيني، فقلت: إن أحب أهلك أن أعدها لهم ويكون ولاؤكِ لي، فعلت، فذهبت بريرة إلى أهلها، فقالت لهم: فأبوا ذلك عليها،

(1) رئیس معھد القرآن الکریم کراچی (2) صحیح بخاری: کتاب الشفعة، باب عرض الشفعة

فجاءت من عندهم ورسول الله ﷺ جالس، فقالت: إني قد عرضت ذلك عليهم فأبوا، إلا أن يكون الولاء لهم، فسمع النبي ﷺ فأخبرت عائشة النبي ﷺ فقال: خذيها واشترطي لهم الولاء، فإنما الولاء لمن أعتق، ففعلت عائشة، ثم قام رسول الله ﷺ في الناس، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد، ما بال رجالٍ يشترطون شروطًا ليست في كتاب الله، ما كان من شرطٍ ليس في كتاب الله فهو باطلٌ، وإن كان مائة شرطٍ، قضاء الله أحق، وشرط الله أوثق، " وإنما الولاء لمن أعتق "(1)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس بریرہ آئی اور کہا کہ میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ (2) چاندی کے عوض اس شرط پر مکاتبت کرلی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ چاندی دوں گی اس لیے روپے ان کو دیدوں اور تیری ولاء میرے لئے ہوگی بریرہ نے جا کر اپنے مالکوں سے کہا تو ان لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ اپنے مالکوں کے پاس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے تو اس نے بیان کیا کہ میں نے اپنے مالکوں کے سامنے یہ چیز پیش کی تو ان لوگوں نے انکار کردیا مگر یہ کہ ولاء ان کی ہوگی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو سیدہ عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حالت بیان کی آپ نے فرمایا تم اسے لے لو اور ولاء کی شرط کرلو وہ تو اسی کے لئے ہے جو آزاد کرے چنانچہ سیدہ عائشہ نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا اما بعد لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں کوئی ایسی شرط جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہے باطل ہے اگرچہ سو شرطیں لگائے اللہ کا فیصلہ سب سے سچا اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے ولاء اسی کی ہے جو آزاد کرے۔

البتہ قسطوں میں ادائیگی کی صورت میں قیمت بڑھا کر لینا مختلف فیہ ہے۔

---

(1) صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب إذا إشترط شروطا في البيع لا تحل

(2) اوقیہ چاندی کے وزن کا پیمانہ ہے۔ ایک اوقیہ کی مقدار چاندی کے 40 درہم کے برابر ہوتی ہے

حدیث میں ادھار لین دین کی جو شرائط مقرر کی ہیں وہ اسطرح ہیں

"من أسلف في شي فليسلف في كيل معلوم و وزن معلوم إلى أجل معلوم "[1]

یعنی ادھار سودے میں کیل یا وزن اور اس کی ادائیگی کا وقت معین کرنا لازم ہے۔

یعنی قیمت بھی ایک ہو یعنی ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ نہ ہو اس کا ذکر نہیں ہے۔

میرے علم کے مطابق مذاہب اربعہ اور محدثین عظام کی اغلب تعداد ادھار کی صورت میں قیمت میں زیادتی کے جواز کے قائل ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیمت میں کمی یا زیادتی کبھی نقد سودے کی صورت میں بھی ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ تھوک اور پرچون کی قیمت مقدم ادا کرنے کی صورت میں بھی قیمت عموماً کم ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کیا کسی چیز کی قیمت طے کرنے میں مدت کی بھی تاثیر ہوتی ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ نے مفصل بحث کے بعد اسی موقف کو ترجیح دی ہے کہ ادھار کی صورت میں مدت کا قیمت میں حصہ ہوتا ہے۔

مانعین کا معروف حدیث

"من باع في بيعتين....الخ "[2] یا "نهي عن بيعتين...الخ "[3]

سے استدلال میرے خیال کے مطابق محل نظر ہے۔مذکورہ الفاظ کی تفسیر میں متعدد اقوال ملیں گے ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس سے ایک چیز کی نقد قیمت کم اور ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ مراد ہے۔حالانکہ عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔

سودا ایک ہی قیمت پر طے ہوتا ہے۔اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے مراد بیع العینہ ہی ہے اور امام ابن القیم رحمہ اللہ تهذيب السنن میں فرماتے ہیں کہ ''جو

---

[1] صحيح بخاري: كتاب البيوع، باب السلم في وزن معلوم

[2] سنن أبي داود: كتاب الإجارة، باب فيمن باع في بيعتين

[3] مؤطا إمام مالك: كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين

حدیث" من باع بیعتین ۔۔۔۔۔" الخ کو نقد اور ادھار میں فرق کی ممانعت پر محمول کرتا ہے اس نے حدیث کو سمجھا ہی نہیں۔ ایک چیز کے عملا دو سودے یا تو بیع العینہ کی صورت میں ہوتے ہیں یا قبضے میں لئے بغیر وہی مال آگے فروخت کر دینا جہاں تک یہ بات ہے اس صورت میں اور قرض پر سودا لینے میں کیا فرق ہے پہلی بات تو یہ ہے" احل اللہ البیع و حرم الربا" ۔اس سلسلہ میں قول فیصل ہے۔ مذکورہ آیت کے سبب نزول کے بارے میں تفسیر طبری میں منقول ہے۔ترجمہ: دور جاہلیت میں لوگ سود کھاتے تھے اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کسی کا دوسرے کے ذمہ مال ہوتا جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہوتا وہ صاحب حق سے کہتا آپ مدت میں اضافہ کریں میں آپ کے مال میں اضافہ کرتا ہوں جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو سود ہے جو حلال نہیں تو کہتے ہم بیع کے آغاز میں اضافہ کریں یا مدت پوری ہونے پر دونوں صورتیں یکساں ہیں تو اللہ نے ان کی تردید فرمائی"۔

اسی طرح کی بات علامہ ابن العربی اور امام الرازی رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

فتاوی واحکام

متعلقاتِ بینک
ملازمت، خدمات، سونا، کرنسی

فضیلۃ الشیخ عبدالستار حماد حفظہ اللہ

تمہید

سوالات کے جوابات سے قبل کچھ تمہیدی گذارشات پیش خدمت ہیں :

1. انسان فطرتی طور پر ایک دوسرے کا محتاج اور معاون ہے لیکن شرعی طور پر ایک مسلمان اس امر کا پابند ہے کہ وہ نیکی اور تقوی کی بنیاد پر دوسروں سے تعاون کرے اور ظلم اور زیادتی کے معاملات میں دوسروں کے ساتھ تعاون نہ کرے اورارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''تم نیکی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملات میں باہمی تعاون سے گریز کرو'' [المائدہ:4]

2. اگر کوئی مباح امر اور مستحب کام کسی منکر ومعصیت کا ذریعہ بن جائے تو سد الذرائع کے طور پر وہ مباح اور مستحب کام بھی نہیں کرنا چاہیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پھر ہم نے آدم سے کہا کہ: تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں آباد ہوجاؤ اور جہاں سے چاہو (اسکے پھل) جی بھر کے کھاؤ۔ البتہ اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ تم دونوں ظالموں میں شمار ہوگے''

اس امتناعی حکم میں اس درخت کا تناول کرنا تھا لیکن اس کے قریب جانے سے منع کیا تا کہ قریب جانا

حکم امتناعی کا سبب نہ بن جائے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو چیز معصیت کے قریب کرنے والی اور اس کا سبب ہو اس کا ارتکاب مکروہ اور ناپسندیدہ حرکت ہے۔

ان تمہیدی گذارشات کے بعد ارسال کردہ سوالات کے ترتیب وار جوابات پیش خدمت ہیں:

سوال نمبر 1: کیا کسی بھی اسلامی بینک میں کسی قسم کی کسی بھی نوعیت کی ملازمت اختیار کی جاسکتی ہے؟ اگر ملازمت اس شرط پر ہو کہ ملازم بینک کے دیگر شرعی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا اور اس سے کوئی بھی کسی قسم کا ناجائز پرافٹ حاصل نہیں کرے گا۔ (شبیر عثمانی)

جواب: ہمارے رجحان کے مطابق کوئی بینک بھی سودی معاملات سے محفوظ نہیں ہے خواہ اپنے نام کے ساتھ ''اسلامی'' ہونے کا لیبل ہی کیوں نہ لگالے کیونکہ پاکستان میں جتنے بینک ہیں وہ حکومتی بینک (اسٹیٹ بینک) کے ماتحت ہوتے ہیں اور حکومتی بینک سے انہیں روزانہ کاروبار اور لین دین کرنا پڑتا ہے اسے بھاری رقوم ہی پر کشش اور بھاری شرح سود پر دی جاتی ہیں۔

پھر حکومتی بینک کا تعلق عالمی (ورلڈ) بینک کے ساتھ ہوتا ہے، تمام حکومتی بینک، ورلڈ بینک کے ماتحت اور اسکے ممبر ہوتے ہیں اور اسے بھاری سرمایہ بھاری شرح سود پر فراہم کرتے ہیں، اسی طرح ورلڈ بینک سے جو سود ملتا ہے وہ حصہ رسدی کے طور پر پاکستان کے تمام اسلامی وغیر اسلامی بینکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ بینک کے معاملات کی یہ مختصر وضاحت ہے اس وضاحت کے بعد ہمارے رجحان کے مطابق کسی بھی اسلامی بینک میں کسی بھی نوعیت کی ملازمت کرنا ناجائز ہے۔ خواہ ملازمت کے وقت یہ شرط ہی کیوں نہ طے کرے کہ وہ بینک کے دیگر غیر شرعی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا اور نہ اس سے کوئی ناجائز پرافٹ حاصل کرے گا۔ ایک مسلمان اس امر کا پابند ہے کہ وہ دنیا میں چند روز گذارنے کے لئے ایسی حلال صاف ستھری اور پاکیزہ کمائی استعمال کرے جس پر کسی قسم کی حرام کاری کا دھبہ نہ لگا ہو۔ شریعت نے ہمیں ایسی مشتبہ قسم کی چیزوں کے اردگرد گھومنے سے بھی منع فرمایا ہے جو بالآخر ایک مسلمان کو حرام اور ناجائز کمائی میں گرادینے کا ذریعہ ہوں حدیث میں ہے کہ تم ایسی چیز کو اختیار کرو جس کے متعلق کسی قسم کا داغ دھبہ نہ ہو اور جو چیز تمہیں شکوک وشبہات میں ڈال دے اسے چھوڑ دو۔ (1)

(1) مسند احمد 3/153

سوال نمبر2: کیا اسٹیٹ بینک میں کام کرنا ایسے ہی حرام ہے جیسے دیگر کمرشل بینک میں حرام ہے؟

(کفیل اسلم)

جواب: اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ بینک عام صارفین سے کم شرح سود پر رقوم لے کر دوسرے سرمایہ کاروں کو بھاری شرح سود پر منتقل کرتا ہے، پھر سرمایہ کاروں سے ملنے والے سود کا کچھ حصہ عام صارفین کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے، اسی طرح تمام بینک اس امر کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ سرمایہ کاروں سے پس انداز رقوم حکومتی (اسٹیٹ) بینک کو ایک خاص شرح سود پر منتقل کریں پھر اسٹیٹ بینک سے ملنے والا سود تقسیم کیا جاتا ہے اسٹیٹ بینک بھی سودی کاروبار کرتا ہے اور وہ عالمی بینک کو بھاری شرح سود پر رقوم دیتا ہے اور سود کی لپیٹ میں درج ذیل قسم کے لوگ آتے ہیں۔

✿ سود دینے والا ✿ سود لینے والا ✿ سود لکھنے والا ✿ اس پر گواہ بننے والا۔

یہ لوگ تو بلا واسطہ سود کی لپیٹ میں آتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے نیز فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ [1]

بینک میں کام کرنے والے کچھ بالواسطہ طور پر اس لعنت زدگی کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ مثلاً بینک کو سہولیات فراہم کرنے والے چوکیدار، پہرے دار اور اس کے متعلق دیگر خدمات سرانجام دینے والے حضرات، اس بنا پر ہمارا رجحان یہ ہے کہ اسٹیٹ بینک بھی سودی کاروبار سے محفوظ نہیں ہے اگرچہ اس کا سودی لین دین پبلک کے ساتھ نہیں ہوتا تاہم عالمی بینک اور دیگر کمرشل بینک اس کے ساتھ سودی کاروبار ضرور کرتے ہیں۔ اس بنا پر اسٹیٹ بینک میں بھی ملازمت یا کوئی بھی خدمت سرانجام دینے سے اجتناب کیا جائے زندگی کی گاڑی کو چلانے کیلئے کوئی اور ذریعہ تلاش کر لیا جائے۔

سوال نمبر3: میرے دوست کے والد بینک میں ملازم ہیں جبکہ میرا دوست ایک کمپنی میں ملازم ہے وہ دونوں باپ بیٹا اپنی سیلری جمع کر کے گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں، ایسے حالات میں میرے

---

[1] صحیح مسلم: کتاب البیوع: 4093

دوست کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ اپنی آمدنی والد کی آمدنی سے الگ کرلے یا اسی طرح گھر کا نظام چلاتا رہے۔(محمد ارسلان اکرم)

جواب: ہمارے رجحان کے مطابق بینک کی ملازمت شرعی طور پر جائز نہیں ہے کیونکہ بینک میں سودی کاروبار ہوتا ہے اور سودی کاروبار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ لڑنے کے مترادف ہے نیز اس قسم کے رزق حرام کے بہت سے نقصانات ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق حرام استعمال کرنے والے کی نیکیاں قبول نہیں کرتا، اگر رزق حلال میں حرام کی آمیزش ہوجائے تو اس سے بھی نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص دس درہم کا کپڑا خریدتا ہے اور اس میں ایک درہم حرام کی کمائی کا شامل کرلیتا ہے اور باقی نو درہم حلال کے ہیں تو اللہ رب العزت اس کے ایک بار کپڑا پہننے سے چالیس دن اس کی کوئی نیکی قبول نہیں کرے گا۔[1]

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال رزق میں حرام کی آمیزش کس قدر خطرناک امر ہے۔ پھر غلبہ بھی حلال کو ہے لیکن جس کا تمام سرمایہ حرام کا ہو اور اس کی معیشت کی بنیاد ہی رزق حرام ہو، اس کا کیا انجام ہوگا؟ غور کیجئے۔

صورت مسئولہ میں ہم آپکے دوست کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے والد گرامی کو اچھے انداز سے رزق حرام کی سنگینی کے متعلق آگاہ کریں، اگر وہ شادی شدہ نہیں ہیں تو والدین کے ساتھ ہی رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ رزق حرام سے بچنے کی کوئی سبیل پیدا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ضرور کوئی راستہ پیدا فرمائے گا۔

سوال نمبر 4: ایک شخص بینک میں کاروبار نہیں کرتا لیکن ATM مشین کے ٹیکنیکل پرابلم دور کرتا ہے جس کی اسے اجرت ملتی ہے، اس کام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز اس کی کمائی کا شرعی حکم بیان کریں؟

(محمد افضل صاحب)

جواب: بینک اپنے صارفین کو سہولیات فراہم کرتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک کارڈ کے ذریعے

[1] مسند احمد: 2/98

ATM مشین سے ایک خاص مقررہ حد تک بوقت ضرورت رقم حاصل کر سکتا ہے، اس مشین سے رقم حاصل کرنے کا اگرچہ سودی کاروبار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے تاہم بینک کا ایک حصہ ہے، اس بنا پر ہمارا رجحان یہ ہے کہ اس مشین کی خرابی دور کرنے میں چنداں حرج نہیں اور اس کی مزدوری لینا بھی جائز ہے لیکن اسے یہ مزدوری سودی کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم سے ہی ادا کی جائے گی جو حلال اور پاکیزہ نہیں ہے اس لئے تقوی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس طرح کا ہنر پیشہ کے بجائے انسان کوئی دوسرا ہنر سیکھ لے اور اسے اپنا ذریعہ بنالے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے رنج وغم سے نجات کے لئے کوئی صورت پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔'' (الطلاق:2،3)

بہرحال ایسے کام پر اجرت لینے کی گنجائش ضرور ہے اگرچہ بہتر ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ واللہ اعلم

سوال نمبر5: کیا کسی بھی بینک یا اسلامی بینک کو کرایہ پر جگہ مہیا کی جاسکتی ہے؟ نیز اس کرایہ کی مد میں جو آمدنی ہوگی اسے استعمال میں لانا شرعاً کیسا ہے؟ (عبدالرحمٰن)

جواب: سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ وہ اس میں سود کھائیں گے۔ عرض کیا گیا، آیا سب کے سب لوگ اس بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نہیں کھائے گا اسے بھی سود کی گرد وغبار پہنچ جائے گی۔''[1]

اس حدیث کے پیش نظر دور حاضر میں کوئی بھی اس وبائی مرض سے محفوظ نہیں ہے، کسی نہ کسی حوالہ سے پرہیزگار کو بھی اس کی گرد وغبار سے ضرور واسطہ پڑ جاتا ہے، ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں بھی اس قسم کا معاملہ ہے کیونکہ کرایہ وغیرہ کی رقم اس سودی کاروبار کی پیداوار ہوتی ہے جس پر بینک کے معاملات کی بنیاد کھڑی ہے، چونکہ بینک سودی کاروبار کرتے ہیں اس بنا پر بینکوں کو سودی کاروبار کیلئے جگہ فراہم کرنا کہ وہ خود اس پر عمارت تعمیر کرلیں یا انہیں عمارت بنا کر کرایہ پر دینا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا ان کے حرام کاروبار میں براہ راست معاونت کرنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تم

---

[1] مسند احمد: 2/494

نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے معاونت نہ کرو۔ (المائدہ:2)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں اگر کوئی نیکی اور تقوی کا کام کرتا ہے تو اس کا دل و جان سے ساتھ دینا چاہئے اور کوئی مسلمان گناہ کا کام کرتا ہے تو اس سے کسی قسم کا تعاون نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے رجحان کے مطابق عمارت تعمیر کر کے سودی کاروبار کرنے والے کو کرایہ پر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ عمارت کسی بدکاری کا اڈا چلانے یا شراب کشید کرنے یا جوا کھیلنے والے کو کرایہ پر دینا ہے کہ ایسا کرنا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے جبکہ اہل ایمان کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ چیز تناول کریں فرمانِ الٰہی ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ (البقرہ:172)

لہٰذا ایک مسلمان کو اس قسم کے کرایہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سوال نمبر6: اسٹیٹ بینک کے ملازمین کرنسی کے نئے نوٹ تبدیل کرنے کے زائد پیسے لیتے ہیں، کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد کفیل)

جواب: ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کیونکہ نئے اور پرانے نوٹوں کی حیثیت و مالیت ایک ہی ہوتی ہے، اس کے برعکس اگر نئے نوٹوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کیا جائے تو ایسا کرنا ناجائز اور صریح سود ہے مثلاً 110 روپے کے عوض 100 روپے کے نئے نوٹ لینا، شرعاً ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ہی جنس کے تبادلے میں کمی بیشی کرنا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک ہی قسم کی کھجوروں کو دوسری قسم کی کھجوروں کے ساتھ اضافہ سے تبادلہ کرنا ممنوع ہے۔ [1]

چنانچہ جہاں مقدار کا اعتبار ہوتا ہے وہاں دیگر اوصاف (نئے اور پرانے ہونے) کا اعتبار نہیں کیا جاتا لہٰذا ایک روپیہ کا سکہ یا نوٹ خواہ وہ کتنا ہی نیا اور چمکدار ہو اس کی قیمت بھی ایک روپیہ رہے گی، اسی طرح وہ سکہ یا نوٹ خواہ کتنا ہی پرانا اور میلا کچیلا ہو جائے اس کی قیمت بھی ایک روپیہ سے کم نہیں

[1] بخاری: البیوع:2202

ہوگی، حالانکہ دونوں کے اوصاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے، بازاری اصطلاح میں بس یہ فرق کالعدم ہوچکا ہے اس بنا پر اگر ایک روپیہ کو دو روپیہ کے عوض فروخت کیا جائے تو شرعاً ناجائز ہوگا، پھر یہ برابری اور مساوات کرنسی نوٹوں کی مقدار اور گنتی کے لحاظ سے نہیں ہوگی، بلکہ مساوات میں ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جو ان پر لکھی ہوتی ہے لہذا سو روپے کے ایک نوٹ کے تبادلہ میں پچاس روپے کے دو نوٹ لئے جاسکتے ہیں کیونکہ ظاہری قیمت کے لحاظ سے پچاس روپے کے دو نوٹوں کی قیمت سو روپے کے ایک نوٹ کے برابر ہے ہاں اگر نوٹ بذات خود بحیثیت مادہ مقصود ہوں تو ان کی ظاہری قیمت مقصود نہیں ہوگی جیسا کہ بعض لوگ مختلف ممالک کے سکے اور کرنسی نوٹ تاریخی یادگار کے طور پر جمع کرتے ہیں، مثلاً ہمارے ہاں آج کل ایک روپیہ دو روپیہ اور پانچ روپیہ کا نوٹ ختم ہوچکا ہے، اسی طرح سوراخ والا تانبے کا پیسہ بھی ختم ہوچکا ہے اگر کوئی انہیں نشانی کے طور پر خریدنا چاہے، اس کا مقصد تبادلہ یا بیع یا ان کے ذریعے کوئی منافع حاصل کرنا نہ ہو تو بظاہر اس قسم کے تبادلہ میں کمی بیشی کی گنجائش نکل سکتی ہے یعنی تانبے کی دھات کا سوراخ والا ایک پیسہ ایک روپیہ سے خریدا جاسکتا ہے لیکن سد باب کے طور پر اس سے بھی گریز کرنا چاہئے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نئے نوٹوں کے 500 روپے والا بنڈل 550 روپے میں فروخت کرنا یا اسے خریدنا شرعاً حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس میں مساوی جنس کے تبادلہ کا مساوی جنس سے اضافہ کے ساتھ کیا جاتا ہے احادیث میں اسے سود سے تعبیر کیا گیا ہے واللہ اعلم

سوال نمبر 7: کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (نسیم احمد)

جواب: کاغذی نوٹ پر کئی ادوار گذرے ہیں، پہلے اس کے پیچھے مکمل طور پر سونا ہوتا تھا، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ ان کے پیچھے مکمل طور پر تو سونا نہیں ہوتا تھا لیکن ایک مخصوص مقدار میں سونا ہوتا تھا، پھر ان نوٹوں کو ڈالر سے وابستہ کردیا گیا اور ڈالر سونے سے وابستہ تھا، 1971 میں امریکہ نے بھی سونا دینے سے انکار کردیا، اب نوٹ کے پیچھے کوئی چیز نہیں ہے، نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت ''حامل ہذا کو اتنے روپے عندالطلب ادا کئے جائیں گے'' محض بے معنی اور بے حقیقت ہے، اب یہ نوٹ محض آلہ تبادلہ ہیں، ایسی صورت حال کے پیش نظر اس کاغذی نوٹ کی کیا حیثیت ہے، معاشیات کی اصطلاح میں اس کی حسب

ذیل دو تشریحات ہیں:

(1) زیادہ ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ نوٹ کے پیچھے سونا اس لئے رکھا جاتا تھا کہ سونا بطور" آلہ تبادلہ" متعارف ہوگیا تھا، ہر جگہ، ہر ملک میں اس کی بنیاد پر تجارت ہوسکتی تھی، اگر یہی مقصد کاغذی نوٹ سے سونے کو واسطہ بنائے بغیر حاصل ہوجائے اور وہ بطور آلہ تبادلہ کے متعارف ہوجائے تو سونے کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس رائے کے مطابق کرنسی نوٹ ایک خاص قوت خرید سے عبارت ہے یعنی اس نوٹ سے اتنی قیمت کی اشیاء خریدی جاسکتی ہیں، اب اس نوٹ کے پیچھے سونے کے بجائے غیر متعین متفرق اشیاء کا مجموعہ ہے۔

(2) دوسری تشریح جو فقہی مزاج کے زیادہ قریب ہے وہ یہ کہ نوٹ کو زَر اصطلاحی اور ثمن عرفی قرار دیا گیا ہے، یعنی اگرچہ اس کاغذ کی ذاتی قدر و نسبت نہیں لیکن اصطلاحی طور پر اسے ایک مخصوص مالیت کا آلہ تبادلہ قرار دے دیا گیا ہے۔

اب زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بعینہ سونے چاندی کے حکم کی طرح ہے، اب جو شخص نصاب کے بقدر ان نوٹوں کا مالک بن جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، بہرحال اس کی شرعی حیثیت کے تعین پر تحقیق جاری ہے، ہمارا ذاتی رجحان دوسری تشریح کی طرف ہے۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 8 : کرنسی نوٹ کا نصاب سونے سے لگایا جائے یا چاندی سے قرآن و حدیث سے جواب دیں؟ (نسیم احمد)

جواب: ہمارے ہاں رائج کرنسی نوٹ زر مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، ان کی زکوٰۃ کے متعلق دو مختلف نظریات ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ کرنسی کے نصاب کیلئے اتنے روپے ہونے چاہئیں، جن سے ساڑھے سات تولہ سونا خریدا جاسکے، آج کل سونے کا بھاؤ ساٹھ ہزار روپے تولہ ہے، اس لئے اگر کسی کے پاس کم از کم چار لاکھ پچاس ہزار روپے ہوں تو اس پر زکوٰۃ لاگو ہوگی، ان حضرات کا کہنا ہے کہ ہر ملک میں زر مبادلہ کے طور پر سونے کو معیار بنایا جاتا ہے، یعنی ہر ملک اتنے ہی نوٹ چھاپتا ہے جتنے اس کے پاس

سونے کے ذخائر ہوتے ہیں۔

(2) کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نقدی کی زکوٰۃ کیلئے چاندی کو معیار بنایا جائے، یعنی اتنی نقدی پر زکوٰۃ لاگو ہوگی جس سے ساڑھے باون تولے چاندی خریدی جاسکے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم باون ہزار پانچ سو نقدی پر زکوٰۃ وصول کی جائے کیونکہ ایک ہزار روپے تولہ کے حساب سے اس قدر نقدی سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارا رجحان یہ ہے کہ سونے اور چاندی کا نصاب جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے، اس میں قطعی طور پر ردو بدل کی کوئی گنجائش نہیں البتہ نقدی کا نصاب، چاندی کے مطابق مقرر کیا جائے، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(1) ہمارے برصغیر میں نوٹوں کے اجراء سے پہلے چاندی کا روپیہ رائج تھا، لہذا چاندی کو بنیاد بنا کر چاندی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت نکال لی جائے، اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آج کل سعودی عرب میں کاغذی نوٹوں کو ورقہ کہا جاتا ہے اور یہی لفظ چاندی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(2) غرباء و مساکین کا فائدہ اس میں ہے کہ چاندی کو معیار بنایا جائے تاکہ تھوڑی مالیت پر زکوٰۃ وصول کر کے ان سے تعاون کیا جائے، یہ تشخیص ہر مقام پر خود کرنا ہوگی، کیونکہ چاندی کا بھاؤ بھی بدلتا رہتا ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

قرض اور سود، L.C، تاخیر پر جرمانہ، اسٹاک ایکسچینج، متفرقات[1]

سوال نمبر 1: سود کی بنیادی تعریف کیا ہے؟ نیز تجارت، اجارہ اور سود میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ بظاہر سب میں منافع ہی حاصل ہوتا ہے؟ (محمد وقاص رفیق)

جواب: عربی زبان میں سود کو ربا کہتے ہیں، ربا کا مطلب ہے بڑھنا، اضافہ ہونا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ} [الحج:5]

''پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے''۔

فقہاء کی اصطلاح میں سود سے مراد ہے: ''ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے وقت ادائیگی میں مخصوص اضافہ جو بغیر کسی عوض کے ہو''۔

بنیادی طور پر سود کی دو اقسام ہیں:

(۱) قرض کا سود: جس میں قرض دے کر زیادہ طلب کیا جائے یا ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں رقم بڑھادی جائے۔

(۲) تجارت کا سود: اس کی دو اقسام ہیں: (أ) زیادتی کا سود (ربا الفضل) (ب) ادھار کا سود (ربا النسیئہ)

(أ) زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں ''سودی اجناس'' کہتے ہیں میں

---

[1] تحریر: شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کردینا، جیسے مثال کے طور پر:

پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں) = چار تولہ سونے کا سیٹ۔

(ب) ادھار کا سود: سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کرلینا، جیسے مثال کے طور پر:

ایک من گندم = ایک من چاول ایک مہینہ بعد۔

تجارت، اجارہ، اور سود میں فرق

تجارت سے مراد خرید وفروخت کے معاملات ہیں، جس میں ایک شخص اپنی محنت سے ایک چیز بناتا ہے یا اگاتا ہے یا کہیں سے خرید کرلاتا ہے پھر اسے آگے فروخت کرتا ہے، اس دوران اسے اس چیز کے تلف ہوجانے، ضائع ہوجانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، اسے یہ بھی یقین نہیں ہوتا کہ اس کی یہ چیز فروخت ہوگی یا نہیں اور اگر فروخت ہوگی تو کتنی قیمت پر ہوگی، اسی طرح اجارہ سے مراد کرایہ داری کے معاملات ہیں، جس میں ایک شخص اپنی محنت سے حاصل کردہ ایک چیز کو کچھ رقم کے عوض استعمال کی غرض سے دوسرے شخص کے حوالہ کرتا ہے، اور اس چیز کے تلف ہوجانے کی صورت میں وہ کرایہ سے محروم بھی ہوسکتا ہے، غرض یہ کہ تجارت اور اجارہ میں اگرچہ ایک شخص کو منافع ضرور حاصل ہورہا ہے لیکن اسے نقصان کا اندیشہ بھی ہے، اور یہ منافع اسے کسی چیز کے بدلہ میں حاصل ہورہا ہے، جبکہ سود میں سود خور کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا اور جو زائد رقم وہ وصول کررہا ہے وہ کسی چیز یا محنت کے عوض نہیں ہے، بلکہ وہ صرف اس رقم کے بدلہ ہے جو اس نے قرضدار کو دی، اب چاہے قرضدار نے جس مقصد کے لئے بھی رقم لی، چاہے قرضدار کو منافع ہوا ہو یا نقصان ہوا ہو سود خور کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اسے صرف اپنے قرض اور سود سے غرض ہوتی ہے جو قرضدار کو ہر حالت میں ادا کرنا ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا} [البقرة:275]

''اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے''۔

سوال نمبر 2: کمپنی کی شرعی حیثیت واضح فرمادیں کیونکہ بیشتر کمپنیاں بھی اپنے کاروبار کے لئے بینک سے قرض لیتی ہیں اور اس پر سود ادا کرتی ہیں؟

جواب: سود لینا اور سود دینا دونوں کا شمار گناہ کبیرہ میں سے ہوتا ہے، اور دونوں پر اللہ کی لعنت ہے، سود کے گناہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں، لیکن جہاں تک معاملہ ہے کاروبار کا یا ایسی کمپنی میں ملازمت کا جو سود پر قرض لیتی ہو تو اس حوالہ سے کمپنیوں کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ کمپنیاں اور ادارے جن کا کام ہی سودی لین دین ہو، اور ان کا منافع بھی سود ہی سے حاصل ہوتا ہو، جیسے بینک، تو ایسی کمپنی کا کاروبار حرام ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی ملازمت بھی حرام ہے۔

(۲) وہ کمپنیاں اور ادارے جن کا کاروبار سودی نہ ہو اور نہ ہی اس میں کسی اور قسم کے حرام کی آمیزش ہو اور جن کا منافع بھی سود سے حاصل نہ ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے منافع میں سے سود ادا کرتے ہوں، تو ایسی کمپنی کا کاروبار حلال ہے اور اس میں وہ ملازمت جائز ہے جس کا تعلق سودی لین دین کی لکھت پڑھت یا اعداد وشمار جمع کرنے سے نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود لینے والے کے کاروبار کا خصوصاً تذکرہ کر کے اسے حرام قرار دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

{اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ}

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو''۔ [البقرۃ:275]

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سود پر قرض لینا جائز ہے، بلکہ سود پر قرض لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے، اور اس لعنت میں کمپنی کا مالک اور وہ ارباب اختیار شامل ہیں جو کمپنی کے مالی معاملات میں تصرف واختیار رکھتے ہیں۔

سوال نمبر3: اگر بینکوں کے پاس زیور رکھوا کر بلا سود قرضہ لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ (محمد عرفان)

جواب: بینکوں سے کسی قسم کا معاملہ کرنا ناجائز اور حرام ہے، چاہے وہ معاملہ سودی ہو یا غیر سودی، کیونکہ یہ گناہ پر تعاون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

{وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} [المائدۃ:2]

''گناہ اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون نہ کرو''۔

جہاں تک بینک کے علاوہ کسی اور کے پاس زیور رکھوا کر قرض لینے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے، کیونکہ قرض

کے بدلہ رہن رکھوانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض معاملات میں رہن رکھنے کی شریعت نے تاکید کی ہے، فرمان الٰہی ہے:

{وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ} [البقرة:283]

اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز لکھنے والا مل نہ سکے) تو (کوئی چیز) رہن یا قبضہ رکھ کر (قرض لے لو)

البتہ زیور بطور رہن کے رکھواتے وقت دو باتیں ذہن نشین ہونی چاہئیں۔

(۱) جو رقم دی جارہی ہو زیور کی قیمت سمجھ کر یا اس کے بدلہ نہ دی جارہی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ خرید و فروخت کا معاملہ تصور ہوگا اور ایسی خرید و فروخت جس میں سونا یا چاندی شامل ہوں اسے بیع الصرف کہتے ہیں، اور بیع الصرف کی شرط یہ ہے کہ معاملہ ہاتھوں ہاتھ نقد ہو اور فریقین میں سے کسی پر کسی قسم کا ادھار یا قرض باقی نہ رہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ سے بیع الصرف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ، وَإِنْ كَانَ نَسَاءً فَلَا يَصْلُحُ [1]"

''اگر وہ ہاتھوں ہاتھ ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ادھار ہے تو جائز نہیں''۔

لہٰذا اگر ایسی کوئی صورت ہے تو اس کا حکم یہ ہوگا کہ یا تو قرض دینے والے کو زیور کا خریدار سمجھا جائے گا اور قرضدار کو زیور کا فروخت کنندہ اور اس صورت میں کوئی قرض باقی نہیں رہے گا، یا پھر اس معاملہ کو فاسد سمجھ کر ختم کر دیا جائے گا۔

(۲) قرض کی واپسی میں کسی زائد رقم کا مطالبہ نہ ہو، اور نہ ہی تاخیر پر کوئی جرمانہ لگایا جائے۔

سوال نمبر 4: ایک شخص ہمارے پاس کچھ رقم امانت رکھوانے کے لئے آتا ہے، ہم اسے یہ مشورہ دیتے ہیں وہ یہ رقم ہمارے پاس بطور قرض حسنہ کے رکھوائے کیونکہ بطور امانت رکھوانے سے چوری کا خدشہ ہے اور اگر وہ یہ رقم ہمیں بطور قرض کے رکھوائیں گے تو ہم اسے کاروبار میں لگائیں گے اور اس سے جو ہمیں منافع ہوگا اسے ہم فلاحی کاموں میں استعمال کریں گے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد رفیق)

---

[1] صحیح بخاری: کتاب البیوع، 2061

جواب: جائز ہے، بلکہ اس رقم سے ہونے والے منافع کو آپ ذاتی استعمال میں بھی لا سکتے ہیں کیونکہ کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں بھی بہر حال قرض کی ادائیگی لازم ہے، تو چونکہ نقصان بھی قرضدار نے برداشت کرنا ہے لہذا منافع کا حقدار بھی وہی ہے، اور دونوں صورتوں میں (یعنی نفع ہو یا نقصان) قرض خواہ کو اتنی ہی رقم لوٹائی جائیگی جتنی اس نے ادا کی تھی، کسی بھی قسم کی کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔

سوال نمبر 5: لاعلمی کی بنیاد پر جو منافع اور سود حاصل کیا گیا ہے اس کا کیا کیا جائے؟ (راشد علی)

جواب: لاعلمی کی بنیاد پر اگر سود مل گیا ہے تو اسے فقراء اور مساکین میں بغیر اجر و ثواب کی نیت کے صدقہ کر دیا جائے۔

سوال نمبر 6: ایک شخص اپنی بھینس کسی کو ایک سال کے لئے 30000 روپے کے عوض سپرد کر دیتا ہے کیا پیسے ادا کرنے والے کے لئے اس کا دودھ فروخت کرنا جائز ہوگا؟ (نوید ظفر اقبال)

جواب: اس معاملہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہوگی کہ یہ معاملہ اجارہ (کرایہ داری) کا ہے، یا قرض کے بدلہ رہن رکھوانے کا؟

اگر یہ معاملہ کرایہ کا ہے کہ کرایہ دار نے تیس ہزار روپے کرایہ کے عوض ایک سال کے لئے بھینس حاصل کی ہے تو اس کے لئے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے، وہ اس کا دودھ بیچ کر نفع حاصل کر سکتا ہے، اور اگر قرض لے کر بھینس کو بطور رہن کے رکھوایا ہے تو قرض خواہ کے لئے اس صورت میں اس کا دودھ بیچنا جائز ہوگا جب اس بھینس کے چارہ پانی کا بندوبست بھی اس کے سپرد ہو۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے "الرهن مركوب ومحلوب" رہن (اگر مویشی ہو تو) اس پر سواری بھی کی جا سکتی ہے اور اس کا دودھ بھی نکالا جا سکتا ہے[1]۔

---

[1] سنن دار قطنی 2907

Latter of Credit
L.C کی شرعی حیثیت

سوال نمبر 1: L.C لیٹر آف کریڈٹ کی شرعی حیثیت کی وضاحت کریں؟ (حفیظ الرحمن قدر)

جواب: Latter of Credit جسے اردو میں تجارتی اعتمادی دستاویز کہا جاتا ہے، اس سے مراد وہ دستاویز ہے جو امپورٹر کا بینک ایکسپورٹر کے بینک کو جاری کرتا ہے اور اس میں ایکسپورٹر کو یہ ضمانت دی جاتی ہے کہ امپورٹر کے پاس اس کا سامان پہنچتے ہی اس کا بل ادا کر دیا جائے گا۔ LC میں درج ذیل امور نہ پائے جائیں تو وہ جائز ہے:

❶ LC میں بینک یہ ضمانت لیتا ہے کہ اگر امپورٹر بروقت ادائیگی نہ کر سکا تو اس کی جگہ بینک ادائیگی کرے گا، اور اس ضمانت کے بدلہ بینک امپورٹر سے فیس وصول کرتا ہے، یہ فیس غیر شرعی ہے کیونکہ کسی کی ضمانت یا کفالت لینا ایک تعاون ہے اور اس کی فیس لینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ LC جاری کرتے وقت بینک اپنے اخراجات کی مد میں جو رقم لیتا ہے وہ جائز ہے۔

❷ امپورٹر کے پاس رقم کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی طرف سے بینک ادائیگی کرتا ہے اور بعد میں امپورٹر سے وہ رقم سود کے ساتھ وصول کرتا ہے جو کہ حرام ہے۔

سوال نمبر 1: کیا L.C میں کیا گیا ڈسکاؤنٹ حلال ہے یا حرام ہے؟ اور کیا بغیر ڈسکاؤنٹ کے L.C پر خرید وفروخت صحیح ہے کہ نہیں ہے؟ کیونکہ ہمارے اس عمل سے (bed debt) کے چانس کم ہوجاتے ہیں؟

جواب: L.C میں ڈسکاؤنٹ سے مراد یہ ہے کہ وہ ایکسپورٹر جسے بینک نے L.C جاری کی ہے، اس کا سامان امپورٹر کے ملک تک پہنچنے میں کافی عرصہ لگ سکتا ہے اور اسے رقم اسی وقت ملے گی جب وہ سامان امپورٹر تک پہنچے گا، جبکہ اسے رقم کی فوری ضرورت ہے تو وہ L.C لے کر اسی بینک کے پاس جاتا

ہے جس نے L.C جاری کی تھی یا کسی اور بینک کے پاس اور اسے L.C دیکر L.C پر درج کردہ رقم سے کچھ رقم کٹوتی کرا کر باقی وصول کرلیتا ہے اور بینک بعد میں اس L.C پر درج کردہ رقم امپورٹر سے وصول کرے گا۔ یہ ڈسکاؤنٹ حرام ہے، کیونکہ یہ سود کے زمرہ میں آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں رقم کا تبادلہ رقم سے ہے اور رقوم کے تبادلہ میں (جب جنس ایک ہو، یعنی کرنسی ایک ہو) تو کمی بیشی کرنا سود ہے، اور خاص طور پر اگر اس کمی بیشی کا تعلق مدت سے ہو تو یہ سود ہے، اب چونکہ اس میں بینک اس وجہ سے مخصوص رقم ادا کررہا ہے کہ اسے L.C پر درج رقم ایک مدت کے بعد ملے گی، تو گویا اس نے کم رقم فوری قرض دے کر بعد میں زیادہ رقم وصول کی جو کہ عین سود ہے۔ بغیر ڈسکاؤنٹ کے گزشتہ سوال میں درج شرائط کے تحت L.C پر خرید وفروخت صحیح ہے۔

تاخیر پر جرمانہ

سوال نمبر 1 : اسلامی بینک تاخیر پر اگر جرمانہ نہ لگائے تو پھر کوئی بھی مقررہ وقت پر ادائیگی نہیں کرے گا؟ لہٰذا اس خدشہ کے تحت کیا یہ جرمانہ ٹھیک نہیں ہے؟ (سلیم معرفانی میمن)

جواب: سوال میں سائل کی عام مسلمانوں کے حوالہ سے صریحاً بدگمانی نظر آتی ہے جو کہ درست نہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ" بدگمانی سے بچو، بیشک بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے"[1]۔ جہاں تک تعلق ہے تاخیر پر جرمانہ کرنے کا تو ایسا شخص جو جان بوجھ کر تاخیر کرے شریعت کی نظر میں وہ ظالم ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "مطل الغني ظلم" ''مالدار (قرضدار) کا (ادائیگی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے''[2]۔ بلکہ شریعت نے اس حوالہ سے قرض خواہ کی رہنمائی بھی کی ہے کہ وہ اس صورت میں کیا کرے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "لي الواجد يحل عرضه وعقوبته" ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس پر سزا کو حلال کردیتا ہے''[3]۔

---

[1] صحیح بخاری: 5144 [2] صحیح بخاری: 2287

[3] سنن أبي داؤد: 3628

لیکن تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ جرمانہ مالی نہیں لگایا جائے گا، ابن المبارک رحمہ اللہ اس حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں: ''عزت حلال ہونے سے مراد ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور اس کی سزا سے مراد ہے کہ اسے قید کر دیا جائے گا''①۔اسی طرح اس کی حرمت پر اجماع کو ابن المنذر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

" أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية فأسلف على ذلك: أن أخذ الزيادة على ذلك ربا"

''اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جب قرض دینے والا، قرض لینے والے پر یہ شرط لگائے کہ وہ اسے بڑھا کر دے گا، یا کوئی ہدیہ دے گا اور اس شرط پر وہ اسے قرضہ دے تو اس کا یہ زائد رقم لینا سود ہے''②۔

تاخیر کا خدشہ ہر دور میں رہا، لیکن کسی بھی عالم نے اس جرمانہ کو جائز قرار نہیں دیا۔لہذا مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر2: کیا کوئی بھی اسکول کا ادارہ اپنے طلباء پر تاخیر سے فیس جمع کرانے کی صورت میں جرمانہ عائد کرسکتا ہے جو مدرسین کی تنخواہ میں تاخیر کا باعث بنتی ہے؟(عبدالرحمن)

سوال نمبر3: لیٹ فیس کا اسلام میں کیا حکم ہے اگر یہ حرام ہے تو اس کا کیا بدل ہونا چاہیے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بیان فرمائیں؟(سبحان محمود)

جواب: اسکول اور کالجز میں فیس دو طرح کی ہوتی ہے:

① ایک وہ فیس جو طالب علم پر قرض ہوتی ہے، یعنی اس نے ایک مہینہ اسکول میں پڑھا، اسکول میں پڑھائی کے اخراجات اس پر قرض ہیں، جو اس نے فیس کی صورت میں ادا کرنے ہیں۔اس فیس پر مالی جرمانہ نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ یہ سود کے زمرہ میں داخل ہے، البتہ جان بوجھ کر تاخیر کرنے کی صورت

---

④ سنن أبي داوٗد: 3628

① المغني لابن قدامة 354/4

میں کوئی اور سزا دی جاسکتی ہے، جیسا کہ پہلے وضاحت ہوچکی ہے۔

2 وہ فیس جو طالب علم پر قرض نہیں، بلکہ جب وہ ادا کرے گا تو اس کے معاملات پورے ہوں گے جیسے امتحانی فارم، رجسٹریشن فارم وغیرہ کی فیس، اس میں اگر وہ تاخیر کرتا ہے اور ادارہ اپنے اخراجات اور زائد محنت کو مدنظر رکھتے ہوئے لیٹ فیس وصول کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ قرض پر اضافہ نہیں ہے، اور اس میں طالب علم مجبور نہیں ہے بلکہ آزاد ہے کہ چاہے وہ فیس ادا کرے یا نہیں۔

متفرقات

سوال نمبر1: Under invoicing کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: Under invoicing سے مراد ہے کہ خرید وفروخت کے بعد Invoice (بل) میں سامان کی اصل قیمت سے کم قیمت درج کی جائے تاکہ ایکسپورٹر زیادہ سیلز ٹیکس سے بچ سکے اور امپورٹر زیادہ Tariff (درآمدی ٹیکس) سے بچ سکے۔ یہ معاملہ جائز نہیں کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکہ پر مبنی ہے۔

سوال نمبر2: اسلامی بینکنگ میں موجود نقائص پر کسی جامع کتابچہ کی نشاندہی فرمادیں؟ (انور سلیم کمال)

جواب: اس حوالہ سے عربی اور انگریزی میں کافی کتب موجود ہیں، اردو میں فضیلۃ الشیخ ذوالفقار احمد ﷾ کی کتاب "دور حاضر کے مالی معاملات اور ان کا شرعی حکم" ایک نہایت عمدہ وجامع کتاب ہے، اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے اشاعت کردہ کتاب "مروجہ اسلامی بینکاری" بھی اس حوالہ سے اہم کتاب ہے۔ المدینہ اسلامک سینٹر سے شائع ہونے والا سہ ماہی مجلہ البیان شمارہ نمبر ۶ بھی خاص اسلامی بینکوں کے نقائص اور ان کا صحیح شرعی متبادل کے بیان پر مبنی ہے۔

سوال نمبر3: عصر حاضر میں کاروبار کی یہ شکل بھی سامنے آئی ہے کہ چند افراد ملکر ایک کاروباری اسکیم شروع کرتے ہیں جس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ مثلاً وہ چالیس ممبر متعین کرتے ہیں ہر ممبر ہر مہینے دو دو ہزار روپے ادا کرتا ہے اور ہر ماہ ایک دفعہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے جس میں ایک موٹر سائیکل نکال لی جاتی ہے جس کے نام نکل آئے اس سے بقیہ قسطیں معاف کردی جاتی ہیں یہی سلسلہ ہر ماہ جاری رہتا ہے اور اگر کسی کا نام قرعہ اندازی میں نام نہ نکلے تو موٹر سائیکل کی قیمت کی معینہ قسطیں ادا کرنے کے بعد موٹر

سائیکل اس کے حوالے کردی جاتی ہے کیا شرعا کاروبار کی یہ نوعیت جائز ہے؟(محمد رمضان سندھی)

جواب: یہ صورت جائزنہیں کیونکہ اس میں جوا ہے، جوا کی تعریف علماء یوں کرتے ہیں کہ ''ایسا معاہدہ جس میں دو یا دو سے زائد شریک ہوں، ایک کو نفع ہو باقی نقصان میں رہیں اور کسی کے علم میں نہ ہو کہ کون نقصان میں رہے گا اور کون نفع میں''، اس معاملہ میں بالکل یہی صورتحال ہے،سب سے پہلے جس شخص کا نام نکلے گا وہ سب سے زیادہ منافع میں رہے گا، اور جس کا نام نہ نکلے وہ سب سے زیادہ نقصان میں رہے گا اور جوا کو اللہ رب العزت نے حرام قرار دیا ہے چاہے کھیل میں ہو چاہے خرید وفروخت میں، فرمان الٰہی ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} [المائدة:90]

اے ایمان والو! یہ شراب اور یہ جوا، یہ بت، اور فال نکالنے کے تیر، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

اسے خرید وفروخت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ خرید وفروخت کے لئے شرط ہے کہ چیز کی قیمت متعین ہو، جبکہ یہاں چیز کی قیمت کا تعین نصیب پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ جب قرعہ اندازی میں نام نکلے گا تو اس وقت تک جتنے پیسے ادا کئے گئے ہوں گے اسی کو قیمت شمار کرلیا جائے گا، اس طرح چیز کی قیمت نامعلوم ہے اور نامعلوم قیمت پر خرید وفروخت ناجائز ہے۔

سوال نمبر 4: میں ایک ٹریول ایجنسی میں ملازم ہوں ہم ایک ٹکٹ مثال کے طور پر کلاس کے حساب سے 20000 روپے کی ہوتی ہے جسے ہم 22000 روپے میں فروخت کردیتے ہیں کبھی اسکی قیمت کم بھی ہوجاتی ہے جیسے 17000 روپے کی ہوجاتی ہے تو کیا میں اسکو بقایا رقم واپس کرنے کا پابند ہوں یا وہ میرے لئے جائز ہوگی؟(مدثر محمود)

جواب: سائل کے سوال سے محسوس ہوتا ہے کہ ٹکٹ بیچتے وقت ٹکٹ اس کی ملکیت میں نہیں تھا بعد میں اس کی ملکیت میں آیا، یا پھر ٹکٹ بیچنے کے بعد ٹکٹ خریدار کی ملکیت میں نہیں گیا اسی وجہ سے ٹکٹ کی قیمت کم ہونے کا فائدہ ٹکٹ بیچنے کے بعد بھی ٹکٹ بیچنے والے کو ہی مل رہا ہے۔ شریعت کا اصول ہے کہ کوئی چیز

بھی اس وقت تک نہ بیچی جائے جب تک کہ وہ بیچنے والے کی ملکیت میں نہ آجائے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "لا تبع ما لیس عندك": ''جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے مت بیچو''[1]۔ بہرحال اگر سائل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ٹکٹ ادھار میں خرید کر پھر انہیں آگے بیچتا ہے تو اس صورت میں مذکورہ منافع کا حقدار وہی ہے کیونکہ جس کمپنی نے اسے ادھار میں بیچا تھا انہوں نے اپنی مرضی سے ٹکٹ کی قیمت کم کی ہے اس سے اگلے خریدار کا تعلق نہیں ہے، اور اگر سائل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ائیر لائن اور خریدار کے درمیان واسطہ بن رہا ہے اور اس کا کمیشن لے رہا ہے تو ٹکٹ کی قیمت کم ہونے کی صورت میں جو پیسے بچ رہے ہیں وہ انہیں خریدار کو واپس کرنے کا پابند ہے۔ واللہ اعلم

سوال نمبر 5: اگر ہم کسی کمپنی کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں اور اس کمپنی کے ملازم ہمارے ساتھ کام کرنے کے عوض رشوت لیتے ہیں اور اگر ہم اپنا ناقص مال سپلائی کرنے کے لئے رشوت دیں ان دونوں کا شرعی حکم بیان کردیں؟

جواب: اس سوال کی دو صورتیں ہیں:

1. سائل اپنا کام بخوبی انجام دیتا ہے اور کام کا حق ادا کرتا ہے لیکن اگر وہ کمپنی کے ملازمین کو رشوت نہ دے تو اس کا حق مارا جاسکتا ہے اور سائل کے لئے کوئی اور راہ نہیں بچتی تو اس صورت میں اپنا حق بچانے کے لئے اگر سائل مجبوراً کچھ رقم ادا کرتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے، البتہ کمپنی کے ملازمین یا ہر وہ شخص جو اس رشوت خوری میں ملوث ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔
2. سائل اپنا کام بخوبی انجام نہیں دیتا، ناقص مال سپلائی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی حق والے کا حق مارنے کے لئے کمپنی کے ملازمین کو رشوت دیتا ہے تو رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے اور اس صورت میں سائل کی آمدنی بھی حرام شمار ہوگی۔

سوال نمبر 6: ''دار الحرب کا سود'' اس سے کیا مراد ہے اور اسکا حکم بھی بیان کردیں؟ (حیدر علی)

جواب: دار الحرب سے مراد وہ شہر یا ملک ہے جہاں شرعی احکامات نافذ نہ ہوں، جہاں حکمران کافر ہوں اور

[1] ابو داود: باب ماجاء کراھیة بیع مالیس عندک

مسلمانوں کے پاس قوت و طاقت نہ ہو۔ دارالحرب کے سود سے مراد یہ ہے کہ بعض علماء کے ہاں دارلحرب یا دار الکفر میں سودی لین دین جائز ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ" لا ربا بين مسلم وحربي في دار الحرب" جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ:" مسلمان اور کافر کے درمیان دار الحرب میں کوئی سود نہیں ہے"① ،یعنی سودی لین دین جائز ہے۔

راجح بات یہ ہے کہ سودی لین دین کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں چاہے وہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلا اعلان جنگ قرار دیا، اور اس میں کسی قسم کا کوئی استثناء نہیں ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، اسے تابعی مکحول رحمہ اللہ براہ راست نبی ﷺ سے بیان کررہے ہیں، اور مرسل حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، اور اگر اس حدیث کو صحیح فرض کر بھی لیا جائے تو اس کا وہ معنی نہیں ہے جو ذکر کیا جاتا ہے بلکہ اس کا ترجمہ اس آیت کی طرح ہوگا

{فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ} [البقرة:197]

''تو مباشرت کرنا، گناہ کرنا جھگڑا کرنا حج میں نہیں ہے''

یعنی ایسے کام کرنا دوران حج جائز نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوران حج ایسے کام کر بھی لے تو حرج نہیں ہے، اسی طرح حدیث کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ" مسلمان کے لئے دارالحرب میں کسی کافر سے بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے"۔

① معرفة السنن والآثار:47/7

اسٹاک ایکسچینج

سوال نمبر 1: کیا کراچی اسٹاک ایکسچینج میں حلال پروڈکٹ کی شیئرز کی لین دین جائز ہے؟ (رفیع احمد)

سوال نمبر 2: کیا اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز اور کیا ہم اسے مضاربہ سے تشبیہ دے سکتے ہیں؟ (عبدالوہاب)

جواب: اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی لین دین کا کاروبار جائز ہے جب اس میں چند شرائط کو مدنظر رکھا جائے:

1. صرف شیئرز کی خرید فروخت ہو، بانڈز کی خرید وفروخت نہ ہو، کیونکہ بانڈز دراصل اس قرض کی دستاویز ہے جس پر سود ادا کیا جاتا ہے۔ یہ بانڈز مختلف کمپنیوں کی جانب سے اور حکومت کی جانب سے جاری کئے جاتے ہیں۔ ان بانڈز کی خرید وفروخت جائز نہیں کیونکہ یہ بانڈز ایک مخصوص رقم کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کو بیچنا رقم کا رقم کے ساتھ تبادلہ کرنا ہے، اور رقوم کے تبادلہ میں کمی بیشی سود ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بانڈز بذات خود ایک سودی لین دین پر مشتمل دستاویز ہے۔
2. صرف ان کمپنیز کے شیئرز خریدنا اور بیچنا جائز ہے جن کا کاروبار حلال ہو، کیونکہ شیئرز دراصل کمپنی میں شراکت داری کی نمائندگی کرتے ہیں، اور ایسی کمپنی جو حرام کاروبار کرتی ہو اس میں شراکت داری حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} [المائدۃ:2]

"گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون نہ کرو"۔

3. شیئرز کی خرید وفروخت ہاتھوں ہاتھ ہو، نقد ہو، مستقبل کا سودا نہ کیا جائے، نہ ہی ادھار کیا جائے، کیونکہ شیئرز کمپنی میں شراکت داری کی نمائندگی کرتے ہیں اور کمپنی کے اثاثوں میں ٹھوس اثاثہ جات

(Fixed Assets) بھی ہوتے ہیں اور نقدی (روپے پیسے) بھی شامل ہوتے ہیں اس لئے شیئرز کو ایک الگ جنس تصور کرتے ہوئے بیچتے وقت اس کی اصل قیمت سے زیادہ بھی وصول کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں ادھار جائز نہیں، کیونکہ رقوم کے تبادلہ میں اگر جنس مختلف ہو، (یعنی مثلاً روپے کے بدلہ ڈالر، اسی طرح روپے کے بدلہ شیئرز) تو اس میں کمی بیشی تو جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ[1]

''سونے کے بدلہ سونا، چاندی کے بدلہ چاندی، جو کے بدلہ جو کھجور کے بدلہ کھجور، نمک کے بدلہ نمک برابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ ہو اور جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو جب یہ ہاتھوں ہاتھ ہوں''

لہٰذا شیئرز کی خرید وفروخت میں ادھار درست نہیں، خاص طور پر اس لئے بھی کہ مستقبل کے سودے کے ذریعہ شیئرز کے لین دین میں جوا بھی کھیلا جاتا ہے، اسی طرح صرف وہی شیئرز بیچے جائیں جن کی ملکیت حاصل ہو، ایسا نہ کیا جائے کہ پہلے شیئرز کا سودا کرلیا پھر کہیں سے وہ شیئرز لے کر خریدار کو تھما دیئے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "لا تبع مالیس عندك ": " جس چیز کے تم مالک نہیں ہو وہ مت بیچو"[2]۔

---

[1] صحيح مسلم: كتاب المساقاة: باب بيع الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا

[2] أبو داود: 3503، والترمذي: 1232

کرنسی نوٹوں پر سود؟ ①

سوال نمبر1: میں نے "الاقتصادیۃ" اخبار میں پڑھا کہ سود کے حوالے سے نوٹوں کو سونے اور چاندی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور سود صرف حدیث میں مذکور چھ اصناف میں ہی جاری ہوسکتا ہے، بعض اہل علم بھی اس رائے کے قائل ہیں۔ براہ کرم مذکورہ بالا مسئلہ کی تفصیلی وضاحت فرمادیں۔

جواب: صحیح رائے یہی ہے اور معاصر علماء کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے کہ: کرنسی نوٹوں کو سونے اور چاندی پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور کرنسی نوٹوں میں بھی سونے چاندی کی طرح سود لاگو ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت نے سونے اور چاندی پر سود کا حکم اس علت اور وجہ سے لگایا ہے کہ یہ قیمتوں کے تعین کا پیمانہ ہیں۔ دور قدیم سے ہی سونے اور چاندی کے ذریعے مختلف اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور آہستہ آہستہ سونے اور چاندی کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی، تو سونے چاندی کی جگہ کرنسی نوٹوں کی ریل پیل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان پر سونے چاندی ہی کے احکامات لاگو ہوں۔

سلف کے بعض ائمہ وعلماء سے بھی اس قسم کے اقوال منقول ہیں جو اس موقف کی تائید کرتے ہیں:

فقہ مالکی کی معروف کتاب المدونۃ (3/5) میں ہے کہ

❶ اگر میں فلوس (لوہے یا پیتل کے سکے) کے بدلے دراہم خریدلوں اور انہیں قبضے میں لئے بغیر ہی ہم مجلس سے علیحدہ ہوجائیں تو کیا آپ کی رائے میں ایسا کرنا جائز ہے۔؟ فرمایا: امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس قسم کی بیع فاسد ہے، امام مالک مجھ سے فلوس کے بارے میں فرماتے ہیں

---

① بشکریہ: الاسلام سوال وجواب [www.islamqa.com]

کہ: سونے اور چاندی سے فلوس کی بیع میں ادھار کسی طرح بھی جائز نہیں اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کو رائج کردیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائیں تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو بھی اُدھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا۔ پھر میں نے کہا کہ: آپ کیا کہتے ہیں کہ اگر میں فلوس کے بدلے سونے یا چاندی کی انگوٹھی یا سونے کی ڈھلی خریدوں اور اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی ہم الگ ہوجائیں تو کیا امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہوگا؟ تو فرمایا نہیں یہ امام مالک کے ہاں جائز نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ: ایک فلس کے بدلے دو فلس کی خرید وفروخت جائز نہیں اور سونے چاندی اور دینار کی فلوس کے بدلے ادھار خرید وفروخت جائز نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فلوس میں بھی اسی طرح سود جاری ہوتا ہے جیسا سونے اور چاندی میں سود لاگو ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں کا لین دین اس سے ہو چلا ہے اور اس کی حیثیت اب نقد کرنسی کی ہوگئی ہے بلکہ امام مالک تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر لوگ چمڑے کو کرنسی کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو ان کا حکم بھی سونے چاندی جیسا ہی ہوگا۔ اور یہ آج کے کرنسی نوٹوں کی طرح ہی ہے جس کا امام مالک نے ایک مفروضے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

سبحان اللہ: کیا ہی پاک ہے وہ ذات جس نے امام مالک کو یہ مثال دینے کی توفیق عطا فرمائی!

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ صحیح یہ ہے کہ دراہم اور دینار میں علتِ ربا ان کا ذریعہ تبادلہ اور قیمتوں کے تعین کا پیمانہ ہونا ہے نہ کہ وزن ہونا ان کی علت ربا ہے۔ (یہی جمہور علماء کا موقف ہے)۔ [1]

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق درہم ودینار میں علت ربا انکا وزن ہے، جبکہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے دوسرے قول کے مطابق درہم ودینار میں علتِ ربا انکا قیمتوں کا

---

[1] مجموع الفتاوی: [471-472/29]

پیمانہ ہونا ہے اور یہی رائے صحیح ہے۔[2]

رابطہ عالم الاسلامی کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ درہم و دینار میں علتِ ربا انکا پیمانہ قیمت ہونا ہے۔ کیونکہ:

اول: کیونکہ کرنسی نوٹوں کی بنیاد سونے اور چاندی ہی پر مبنی ہے، اور کیونکہ اکثر فقہاء کی نظر میں سونے اور چاندی کی علت ربا ان کا مطلقاً بطور قیمت استعمال ہے۔

اور جیسا کہ فقہاء پیمانہ قیمت کو صرف سونے اور چاندی تک ہی محدود نہیں کرتے، اگرچہ یہی دھاتیں کرنسی کی اصل اور بنیاد ہیں۔

اور جیسا کہ کرنسی نوٹ نے اب سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، عصرِ حاضر میں کرنسی نوٹوں سے ہی اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور سونے چاندی سے لین دین تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ لوگ نوٹوں کے ذریعے ہی فائنانسنگ کرتے ہیں، انہیں ذخیرہ کرتے ہیں، ادائیگیاں اور تقاضے اور ذمہ داریاں تمام انہیں کے ذریعہ تکمیل پاتی ہیں، اگرچہ ان کرنسی نوٹوں کی حیثیت ذاتی طور پر نہیں بلکہ لوگوں کا اعتماد اور ان کا اس کے ذریعہ تبادلہ اور لین دین انہیں قیمت کی حیثیت عطا کرتا ہے اور یہی اس کی پیمانہ قیمت ہونا کی علت ہے۔

اور جیسا کہ سونے اور چاندی میں سود لاگو ہونے کی وجہ ان کا پیمانہ قیمت ہونا یہی کرنسی نوٹوں میں بھی موجود ہے۔ انہی تمام وجوہات کی بنا پر مجلس فقہی اسلامی نے کرنسی نوٹوں کو بذات خود نقد کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ انکا وہی حکم ہے جو سونے اور چاندی کا، کرنسی نوٹوں پر بھی اسی طرح زکاۃ واجب ہوگی جس طرح کہ سونے اور چاندی پر اور ان پر سونے اور چاندی کی طرح سود بھی لاگو ہوگا ادھار میں بھی اور فضل میں بھی، اور شریعت نے جو بھی احکام سونے اور چاندی پر نافذ کئے وہ تمام احکام بالکل اسی طرح کرنسی نوٹوں پر بھی لاگو ہوں گے۔

---

[2] اعلام الموقعین: 156/2

دوم: کرنسی نوٹ سونے چاندی کی طرح مستقل زر ہے۔ اسی طرح کاغذی نوٹ جاری کردہ حکومتوں کے اعتبار سے الگ الگ جنس ہیں۔ یعنی سعودی ریال ایک جنس ہے، امریکی ڈالر ایک الگ جنس ہے۔ اس طرح ہر ملک کی کرنسی بذات خود مستقل جنس ہے، لہذا اس میں ادھار اور فضل دونوں صورتوں میں اس پر سود لاگو ہوگا۔ جیسے سونے اور چاندی اور زر کی دیگر اقسام وغیرہ پر لاگو ہوتا ہے۔

کویت فائنانس ہاؤس نے اپنے پہلے فقہی سیمینار میں جو سفارشات اور فتاویٰ پیش کئے وہ یہ کہ:

❁ مجمع فقہ اسلامی کے سابقہ فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے کہ کرنسی نوٹ خرید وفروخت اور لین دین میں سونے وچاندی کے قائم مقام ہیں، انہی کے ذریعے اموال ووسائل کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور انہی کے ذریعے تمام ادائیگیاں کی جاتی ہیں، اسی لئے ان پر سونے چاندی کے تمام احکام لاگو ہوں گے اور خاص طور ان کا لین دین نقد ہو، نا کہ ادھار۔

❁ ہر کرنسی بذات خود ایک دوسرے سے مختلف جنس ہے، تو کسی بھی معاہدے کی ابتداء یا انتہاء میں مقداری سود [ربا الفضل] جائز نہ ہوگا یعنی سو روپے کے بدلے سو روپے ہی خریدے جاسکیں گے ہاں البتہ اگر ایک کرنسی کے بدلے دوسری خریدی جائے مثلاً روپے کے بدلے ڈالر تو پھر صرف نقد سودے کا اشتراط کیا جائے گا۔

❁ کرنسی نوٹوں کے ذریعے سونے کی فروخت جائز نہیں سوائے اسکے کہ سودا ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی نقد ہو۔

"ابحاث هيئة كبار العلماء" میں مذکور ہے کہ:

❁ سونے اور چاندی میں حرمتِ سود کی حکمت صرف ان دونوں ہی پر مقصور نہیں ہے بلکہ یہ ان تمام چیزوں پر لازم آتی ہے جنہیں بطور قیمت استعمال کیا جائے، مثلاً فلوس، سکےّ یا کرنسی نوٹ وغیرہ۔

❁ سونے اور چاندی کے سودی ہونے کی علت ان کا پیمانہ قیمت ہونا ہے۔

اور یہی امام ابوحنیفہ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی قول ہے، امام احمد کے شاگرد ابوبکر کہتے ہیں امام سے شاگردوں کی کثیر تعداد نے یہی روایت کیا ہے اور یہی رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان

کے شاگرد ابن قیم نے اختیار کی ہے اور عصرِ حاضر کے محققین اہلِ علم بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ (1)

علامہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

کرنسی نوٹوں کے بدلے اگر اس کی جنس کی کرنسی خریدی جائے یا سونا چاندی خریدا جائے تو ان پر سود کی تمام صورتیں لاگو ہوں گی جو کہ سونے چاندی وغیرہ پر لاگو ہوسکتی ہیں۔ (1)

خلاصہ: شریعت اسلامی ایک دوسرے سے مشابہ اور متماثل چیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی۔ اور نہ ہی وہ مختلف اور متضاد چیزوں کو یکجا کرتی ہے، پھر جب شریعت اسلامی نے سونے چاندی پر بطور پیمانہ قیمت استعمال ہونے کے سود لاگو ہونے کا حکم لگایا تو یہ حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سونے چاندی سے متماثل اشیاء مثلاً سکے، فلوس اور کرنسی نوٹوں وغیرہ پر بھی یہی حکم لگایا جائے۔

وكان أصحاب النبي ﷺ يتبايعون، ويتَّجرون، ولكنهم إذا نابهم حق من حقوق الله عز وجل لم تلههم تجارة ولا بيع عن ذكر الله حتى يؤدوه إلى الله تعالى.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام خرید وفروخت، لین دین کے معاملات انجام دیتے۔ لیکن اگر حقوق اللہ میں سے کسی حق کی ادائیگی کا وقت آتا تو ان کی تجارت اور خرید وفروخت انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت سے غافل نہ کرسکتی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کردیتے۔

---

(1) أبحاث هيئة كبار العلماء: 85/1

(1) مجموع فتاوى ابن باز رحمه الله: 158/19



اسلامی معیشت واقتصاد پر لکھی جانے والی کتب کا تعارف؟

حافظ محمد یونس اثری[1]

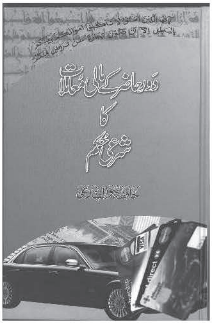
شروع ہی سے کتب بینی اور مطالعہ کتب اہل علم کا خاص مشغلہ رہا ہے۔اور کتاب ایک عظیم ساتھی اور دوست کی حیثیت بھی رکھتی ہے، اسی لئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

أعزُّ مكانٍ في الدّنيا سَرْجُ سابحٍ   وخَيرُ جليسٍ في الزَّمانِ كِتابُ

اسی لئے ذیل میں معیشت کے مختلف موضوعات سے متعلق بعض کتب کا تعارف پیش کیا جارہا ہے، تاکہ ذوق مطالعہ رکھنے والے احباب ان کتب سے بھرپور استفادہ کریں۔

---

[1] مدرس: معہد السلفی للتعلیم والتربیہ کراچی



دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

مؤلف: حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

تعارف مؤلف: موصوف انتہائی جید عالم دین ہیں اور ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور کے شیخ الحدیث ہیں۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب انتہائی اہم اور جامع ترین کتاب ہے۔ اصلاً یہ کتاب موصوف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ہفت روزہ ''الاعتصام'' اور بعض دیگر جرائد میں شائع ہوتے رہے، پھر اسے کچھ حک و اضافہ کے بعد کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ مصنف کا عمدہ طرز تحریر یہ ہے کہ کسی بھی موضوع کو قرآن وسنت سے ثابت کرتے ہیں، اور اس حوالے سے موجود اختلاف کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ طرفین کے دلائل کا بھی جائزہ لیتے ہوئے راجح مؤقف کی وضاحت کرتے ہیں، اور اس مؤقف کی مزید تائید کے لئے اقوال سلف وخلف بھی ذکر کرتے ہیں۔ عرب علماء کی تحقیقات کو بھی شامل حال رکھتے ہیں، اور ہر باب کے اختتام پر بحث کا خلاصہ بھی ذکر کرتے ہیں۔

مذکورہ کتاب کو 6 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا باب: اسلام اور جدید مسائل کے نام سے موسوم ہے۔ مصنف نے اس باب کے تحت اسلام کی خصوصیات مثلاً عالم گیریت، ابدیت، جامعیت اور ہمہ گیریت کو بیان کرتے ہوئے معیشت کے حوالے سے اسلام پر بعض شبہات کا جواب بھی دیا ہے۔

دوسرا باب: مالی معاملات کے بنیادی اصول کے نام سے موسوم ہے۔ اس باب میں بڑی جامعیت کے ساتھ اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ جس چیز سے شرعی طور پر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ انسان کی ملکیت وقبضہ میں ہو دو اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس کا دوسرے کے ساتھ معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

❶ سود اور اس کی اقسام (اس اصول کی پابندی پر بھی بحث کرتے ہوئے) اس کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔

❷ غرر (دھوکہ) (اس اصول کی پابندی پر بھی بحث کرتے ہوئے) اس کی وجہ سے شرعاً ممنوع بیوع کا بھی

تذکرہ ہے اور ساتھ ہی مشکوک معاملات سے پرہیز کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

تیسرا باب:

مروجہ معاملات کی تفصیل، اس باب میں مصنف نے کریڈٹ کارڈ، چارج کارڈ، ڈیبٹ کارڈ، انشورنس اور اس کی تمام مشہور مروج اقسام ،لیزنگ ،شیئرز ،فیوچر سیل ،شارٹ سیل ،بدلہ (carey over)،کاروباری دستاویز ،کرنسی ،ہنڈی، پرامیسری نوٹ ،چیک ،پگڑی ،قسطوں کا کاروبار اور دیگر اہم موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ جہاں اختلاف ہے وہاں طرفین کے دلائل کو بیان کرتے ہوئے راجح موقف کی نشاندہی اور اس کی تائید میں اقوال سلف وخلف کا بھی بھرپور سہارا لیا ہے۔

چوتھا باب:

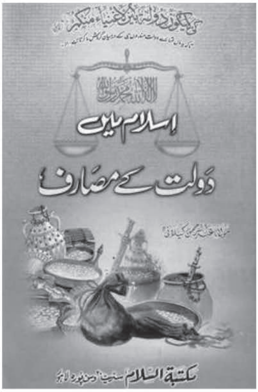
اسلامی بینکاری کی حقیقت، اس باب میں اسلامی بینکاری کا مفہوم، اس کی تاریخ اور اس کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے ،اس باب میں دلائل سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ موجودہ اسلامی بینکنگ، اسلامی اصول معیشت کے خلاف ہے، نیز مدلل گفتگو سے موجودہ اسلامی بینکوں کی حقیقت اور ان کے مروجہ طریقہ کی حقیقت اور غیر اسلامی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

پانچواں باب:

تکافل: مروجہ اسلامی انشورنس ،اس باب میں اسلامی تکافل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مروجہ تکافل (جسے اسلامی انشورنس کا نام بھی دیا جاتا ہے) کی شرعی حیثیت ،اقسام اور اس میں موجود قباحتوں کو بیان کیا گیا ہے۔اور بعض تاویلات اور شبہات کا بھی جواب دیا ہے۔

چھٹا باب:

قرض اور اس سے متعلق مسائل مثلاً مکان گروی رکھنا نیز قرض اور دین (Debt) میں فرق اور اس ضمن میں اس موضوع کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر نوٹ کی قوت خرید میں جو کمی آتی ہے کیا قرض واپس کرتے وقت وہ کمی بھی ادا کی جائیگی یا یہ سود شمار ہوگی۔ اس حوالے سے راجح موقف کی بھی وضاحت کردی گئی ہے۔



اسلام میں دولت کے مصارف

مصنف: مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ

تعارف مصنف: مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ مسلک اہلحدیث کی ایک عظیم شخصیت اور جہاندیدہ علماء میں سے تھے اور یہ عظیم شخصیت 1995 میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئی۔

مگر آپ کی تصانیف آج بھی ہر خاص وعام کے لئے انتہائی مفید ہیں جن میں آپ کی چار جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر بنام تیسیر القرآن، مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، خلافت وجمہوریت، شریعت وطریقت، احکام ستر وحجاب، محمد رسول اللہ پیکر صبر وثبات، احکام تجارت اور لین دین کے مسائل اور مذکورہ کتاب اسلام میں دولت کے مصارف معروف ہیں۔

تعارف کتاب: مذکورہ کتاب اپنے موضوع پر لکھی گئی ایک عظیم کتاب ہے جو اپنے اندر ایک عظیم شخصیت کی مدلّل تحریر کو سموئے ہوئے ہے۔

اس کتاب میں فریقین کے دلائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں موازنہ کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ فاضل دولت اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟ اور مزارعت کے جائز اور ناجائز ہونے کی صورتیں اس کتاب کا خاص موضوع ہیں۔

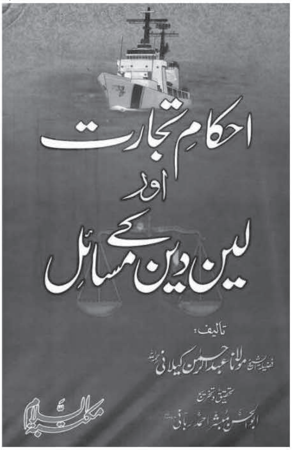
یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں شرعی احکام کی حکمت کو نماز وزکوۃ کی مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں اسلام میں فاضل دولت یا اکتناز کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے اور اس حوالے سے اکتنازِ دولت کے قائلین کے دلائل، اسی طرح عدم جواز کے حاملین کے دلائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں مزارعت، اس کے جواز اور عدم جواز اور ان کے دلائل کا موازنہ بھی کیا گیا ہے۔

آخر میں ایک ضمیمہ ہے جو ''اسلامی نظام معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا مقام'' کے موضوع پر مشتمل ہے۔



احکام تجارت اور لین دین کے مسائل

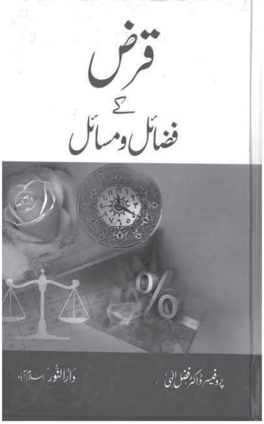
مصنف: مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ

تعارف کتاب: دراصل مصنف کی سب سے پہلی تصنیف اسلام میں ضابطہ تجارت ہے۔ پھر اہل علم کے اصرار اور اس کتاب میں موجود بعض اجمالی بحوث میں تفصیل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے دوسرے ایڈیشن کو شائع کرتے وقت ان مباحث کی تفصیل کی جانب توجہ دی گئی اور ساتھ ہی مصنف کے بعض رسائل میں معیشت کے حوالے سے شائع ہونے والے مختلف مضامین کو بھی اس کتاب میں شامل کر لیا گیا، پھر یہ کتاب احکام تجارت اور لین دین کے مسائل کے نام سے منظر عام پر آئی۔ اور مدلّل گفتگو سے مزین مختلف عناوین اس کتاب کی پذیرائی کا سبب بنے۔

اس کتاب کا **پہلا باب:** خودغرضی اور ایثار، **دوسرا باب:** بیع مبرور (شرعی پابندیوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کی جانے والی بیع) **تیسرا باب:** ناجائز ذرائع آمدنی مثلاً مے فروشی، میسر یا قمار بازی اور اس کی نئی اقسام، بت فروشی اور مصوری، پیشین گوئی کرنے والے علم غیب سے متعلقہ علوم کی کمائی، فحاشی کے کاروبار، حرام اور مردار جانوروں کی بیع، نیز دیگر بیوع کو بیان کیا گیا ہے۔ **چوتھا باب:** ذخیرہ اندوزی، کنٹرول، سٹہ بازی اور بلیک مارکیٹنگ، **پانچواں باب:** سود، **چھٹا باب:** سود اور اس کی اقسام اور مختلف شکلوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس باب میں بعض ابتدائی اسلامی بینکوں کو غیر سودی سمجھ کر ان کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ **ساتواں باب:** اقسام تجارت اور تجارتی اصطلاحات کے حوالے سے ہے۔ **آٹھواں باب:** تجارت اور سودے بازی کے حوالے سے مسائل اور احکام پر مبنی ہے۔ **نواں باب:** زمین اور اس کے متعلق مسائل کے حوالے سے ہے۔ **دسواں باب:** مالک اور مزدور کے مسائل پر مشتمل ہے۔ **گیارھویں باب:** میں قرض، رہن، دیوالیہ اور ترقی کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ **بارھویں باب:** میں لین دین کے دیگر متفرق مسائل کو بیان کیا گیا ہے، **تیرھویں باب:** میں زکوٰۃ وصدقات، **چودھویں باب:** میں محل زکوٰۃ اشیاء اور شرح زکوٰۃ

اور پندرھواں باب: احکام وراثت پر مشتمل ہے۔

بہر حال معیشت کے حوالے سے انتہائی جامع اور مدلّل کتاب ہے جس میں بڑے محققانہ انداز میں مسائل کا حل اور معیشت کے حوالے سے شرعی رہنمائی کی گئی ہے۔



قرض کے فضائل ومسائل

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ

تعارف مصنف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ مسلک اہل حدیث کی عظیم شخصیات میں سے ہیں ،آپ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے بھائی ہیں ۔ جامعہ محمد بن سعود سے آپ نے پی ایچ ڈی کی ، اور اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اصول دین کے ایک عرصہ تک چیئرمین رہے۔

تعارف کتاب: آپ کا طرز تحریر مدلّل اور محققانہ ہے آپ کی تحریریں فہم سلف صالحین کی روشنی میں تفہیم مسائل سے مزین نظر آتی ہیں۔ڈاکٹر صاحب قرآنی آیات اور اس کی مزید توضیح کے لئے مفسرین کے اقوال ،احادیث اور اس کی مزید تشریح کے لئے شارحین کے اقوال ذکر کرتے ہیں ۔ان کتابوں کی علمیت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے کئی مدارس میں فارغ التحصیل طلبہ کو آپ کی کتب کا سیٹ ہدیۃً دیا جاتا ہے۔

معیشت کے موضوعات میں سے ایک موضوع قرض بھی ہے ،مذکورہ کتاب اس باب میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔اس کتاب میں بالتفصیل قرض کے فضائل ومسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔

مبحث اول قرض اور اس کی شرعی حیثیت پر مشتمل ہے۔ مبحث دوم میں قرض دینے کی ترغیب اور مقروض کے ساتھ حسن معاملہ کی فضیلت واہمیت کو روایات وآثار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

مبحث سوم میں ادائیگی قرض کے فضائل ،ترغیب ، ادائیگی قرض کے لئے قبل از وقت تیاری ، نیز اس حوالے

سے مسنون دعاؤں کو بیان کیا گیا ہے۔

مبحث چہارم میں قرض کی واپسی کے لئے قانونی اقدامات کی حیثیت، پھر ان اقدامات کو دو اقسام میں منقسم کیا گیا ہے وہ اقدامات جو شخصی اثرات رکھتے ہیں اور وہ جو مالی اثرات رکھتے ہیں۔

مبحث پنجم میں ادائیگی قرض کو یقینی بنانے کے لئے بعض تدبیریں مثلاً کسی کو ضامن بنانا، حوالہ قرض کو بیان کیا گیا ہے۔

مبحث ششم میں احادیث کی روشنی میں نادار مقروض کی اعانت و مدد پر زور دیا گیا ہے۔اور اس حوالے سے زیادہ کون ذمہ دار ہیں؟ یہ مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

مبحث ہفتم میں ادائیگی قرض میں تاخیر پر جرمانہ لینا اور مقروض پر ادائیگی میں تاخیر کے بقدر قرض دینے کی پابندی کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔

مبحث ہشتم قرض کے ساتھ شرط لگانا مثلاً کسی چیز کی خرید و فروخت کی شرط، قرض کے ساتھ کرایہ کا لین دین کرنا قرض میں دی ہوئی چیز سے اعلیٰ یا زیادہ کی واپسی کی شرط لگانا اسی طرح دیگر شرائط کا لگانا کیسا ہے؟ اسے شرعی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

مبحث نہم میں قرض کی زکوٰۃ کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مبحث دہم میں بنک کارڈز مثلاً ڈیبٹ کارڈ، کریڈٹ کارڈ، چارج کارڈ اور ان کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔



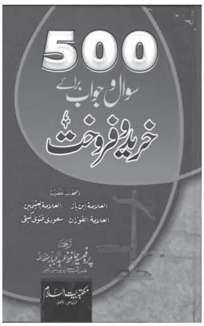
سود اور اس کے احکام ومسائل

مصنف: ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ

موصوف جامعہ محمدیہ (مالیگاؤں، انڈیا) میں شیخ الحدیث ہیں۔ سعودی عرب سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور فقہ اکیڈمی جدہ کے رکن ہیں۔

تعارف کتاب: مصنف کا تعلق انڈیا سے ہے اور اصلاً یہ کتاب انڈیا ہی سے شائع ہوئی پھر پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کی خصوصی اجازت سے مکتبہ قدوسیہ نے اسے 2006ء میں شائع کیا۔

یہ کتاب اصلاً چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کا مقالہ جو ماہنامہ صوت الحق میں بنام ''ہندوستان میں سود کا حکم'' کے نام سے شائع ہوا۔ پھر بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا۔ اور پھر اسے مذکورہ کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح مصنف کا ایک خطاب بنام سود کی حرمت و مذمت کے عنوان پر تھا اسے بھی ضروری کمی وبیشی کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح ایک پروگرام میں ہونے والے سوالات وجوابات کو بھی کیسٹ سے نقل کر کے ضروری کمی وبیشی کے ساتھ شامل کیا گیا اسی طرح وہ فتاوی جو جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے تحریراً جاری ہوئے وہ بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔



500 سوال وجواب برائے خرید وفروخت

لاصحاب الفضیلة :العلامة ابن باز ، العلامة العثیمین، صالح الفوزان، سعودی فتوی کمیٹی

مترجم: پروفیسر حافظ عبد الجبار حفظہ اللہ فاضل ملک سعود یونیورسٹی ریاض

تعارف کتاب: جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے کہ اس کتاب میں خرید وفروخت کے حوالے سے مختلف عرب علماء سے کئے گئے 500 سوالات کے جوابات کو مرتب شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے یہ

کتاب یقیناً ایک اہم کام ہے کہ اس کتاب میں کبار عرب علماء سے کئے گئے سوالات کو جمع کیا گیا اور بعض جگہ جوابات میں ضروری ترمیم کی گئی ، ہر جواب کے آخر میں مفتی کا نام ذکر کیا گیا ہے۔اور ان سوالات پر موضوعات کی مناسبت سے تبویب کا کام بھی مستحسن ہے۔

یہ کتاب اس حوالہ سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے کہ اس میں معیشت سے متعلق اہم ترین موضوعات پر کبار عرب علماء مثلاً شیخ عثیمین رحمہ اللہ، شیخ ابن باز رحمہ اللہ، شیخ صالح الفوزان، اللجنہ الدائمۃ کے کبار علماء، اور دیگر علماء سے کئے گئے استفسار کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب کو کچھ اس طرح سے مرتب کیا گیا ہے کہ پہلی قسم کے تحت خرید وفروخت کے احکام سے متعلق سوال و جواب جس میں عقد بیع سے متعلق سوال و جواب پھر خرید وفروخت میں شرائط ،خرید وفروخت کی بعض اقسام ان کا حکم ،قیمتوں کے تعین اور ذخیرہ اندوزی سے متعلق سوال و جواب ،قسطوں پر خرید و فروخت کے حوالے سے سوال و جواب بیان کئے گئے ہیں، پھر ایک باب متفرق معاملات کے نام سے ہے جس میں ایسے حجام کا پیشہ جو داڑھی مونڈھتا ہو، اسپیشل کلاسیں لینے کا حکم، جعلی سند بنوانا، کافر ممالک میں کام کرنے کی غرض سے سفر کرنے کا حکم، ایسی بخشیش (tip) کا حکم جو ملازم کو بغیر مطالبے کے ملتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کی تنخواہ سے کٹوتی ہوتی ہے، رشوت وغیرہ سے متعلق سوالات کے جواب درج ہیں۔

پھر سودی معاملات سے متعلق سوال و جواب درج ہیں جس کی ضمن میں اس حوالے سے کئی ایک جدید مسائل کا حل موجود ہے مثلاً بنک کو بل آف ایکسچینج بیچنا، بینکوں کے حصص خریدنے کا حکم، سودی بینکوں میں کام کرنے کا حکم، کرنسیوں کی خرید وفروخت، سودی بینکوں کے ذریعے تنخواہیں لینے کا حکم وغیرہ کے حوالے سے سوال و جواب موجود ہیں۔

پھر بیع سلم اور دیون (ادھار) کے احکام، قرض کے احکام سے متعلق سوال و جواب نیز گروی، مزارعت و مساقات، شراکت سے متعلق سوالات و جوابات، مضاربت ، اجارہ ، وکالت ، ترسیل زر، انشورنس، ڈپازٹ، تحائف وعطیات نیز دیگر اہم موضوعات سے متعلق سوالات وجوابات اس کتاب کی زینت ہیں۔



معیشت وتجارت کے شرعی احکام

مصنف: حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

تجارت ومعیشت کے حوالے سے یہ کتاب ایک رہنما کتاب ہے مصنف کا ایک مخصوص طرز تحریر ہے جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ آپ کی گفتگو قرآن وسنت کے دلائل سے مدلّل اور اسلاف وعرب علماء کے اقوال سے مزین ہوتی ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں معیشت وتجارت کا اسلام میں تصور بیان کیا گیا ہے۔

اس باب کے تحت اسلام و دیگر نظام ہائے معیشت میں فرق ، بے دین حلقوں کے پراپیگنڈوں کا جواب، معیشت وتجارت کی حیثیت، بیع کا تعارف، بیع اور سود میں فرق اور بیع کی اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب: میں خرید وفروخت کے اسلامی زریں اصولوں کو بیان کیا گیا ہے مثلاً معاملہ باہمی رضامندی سے ہو، خریدنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع اور اس ضمن میں اس کی بعض صورتوں کو بیان کیا گیا ہے، قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب، سودی طریقوں سے بچنا، خرید وفروخت کے حوالے سے اس طرح کے دیگر اسلامی زریں اصولوں کو بیان کیا گیا ہے، خرید وفروخت کے معاملے میں ان اسلامی اصولوں کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے، نیز اس باب میں کموڈیٹی ایکسچینج میں کاروبار کی شرعی حیثیت کو واضح کردیا گیا ہے۔

تیسرا باب: فروخت کی جانے والی اشیاء کے حوالے سے ہدایات پر مشتمل ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فروخت کی جانے والی چیز کا استعمال جائز ہو، وہ چیز ابہام سے پاک ہو، چیز کی سپردگی ممکن ہو وغیرہ۔

چوتھے باب: میں قیمت کے متعلق ہدایات ہیں کہ قیمت معلوم ہو اور اس حوالے سے ادھار ونقد قیمت میں فرق رکھنے کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے، ادائیگی بروقت کی جائے، منافع کی حدود متعین ہوں مارکیٹ خراب نہ کی جائے، اس طرح کی دیگر ہدایات بیان کی گئی ہیں۔

پانچویں باب: میں بیع میں خیار (option) کی صورتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً خیار مجلس، خیار شرط، خیار

تدلیس، خیار غبن، خیار عیب، خیار بصورت اختلاف، قیمت غلط بتانے کی وجہ سے خیار، تغیر واقع ہوجانے کی وجہ سے خیار وغیرہ۔

چھٹے باب: میں اختیارات کی بیع پر بحث کی گئی ہے، اس باب کے تحت اختیار کا جدید مفہوم، اختیارات کی قسمیں اور خریداری اختیار (Call option) اور بیچنے کے اختیار (Put option) کے موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے۔

ساتویں باب: میں بیعانہ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس حوالے سے قائلین اور مانعین کے دلائل ذکر کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے راجح موقف کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

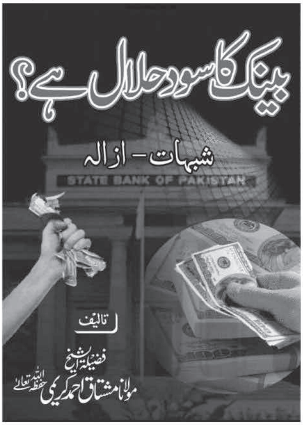
آٹھواں باب: کمیشن ایجنٹ کے ذریعے سے خرید وفروخت کی شرعی حیثیت، اس کی صورتوں اور اس سے متعلق مختلف مسائل پر مشتمل ہے۔

نواں باب: اس باب میں اجارہ کے اصول اور اسلامی و روایتی بینکوں کا طریقہ کار اور ان میں موجود قباحتوں پر مدلل رد کیا گیا ہے۔اس ضمن میں بعض مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

دسواں باب صکوک (sukuk) کی شرعی حیثیت پر مشتمل ہے، اس باب میں صکوک کی تعریف، ابتداء و ارتقاء اور قسمیں بیان کرتے ہوئے مروجہ صکوک کا شرعی اعتبار سے جائزہ لیا گیا ہے۔

آخری باب: میں اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اس باب میں زر کی تعریف، قسمیں، اہمیت، تاریخ، عہد نبوی کی کرنسی اور کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز کرنسی کے حوالے سے چند مسائل کو بھی شرعی دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ کتاب اپنے موضوع میں ایک جامع اور رہنما کتاب ہے۔



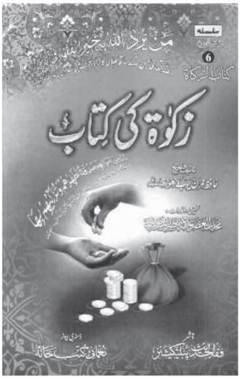
بینک کا سود حلال ہے؟

مصنف: مولانا مشتاق احمد کریمی حفظہ اللہ

فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

آپ الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار کے صدر و بانی ہیں۔ مذکورہ کتاب میں سود کی حرمت پر مدلّل بحث کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث سے سود کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے سود اور بیع میں فرق اور جاہلیت کے سود کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

سود کو روکنے کے لئے اسلام نے جو طریقے بیان کئے ہیں انہیں بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے، نیز سود کے معاشی، اخلاقی اور اجتماعی نقصانات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر کمپنی اور اس کا طریق کار، بینک اور اس کا تاریخی پس منظر، بینک کے وظائف کو بھی بڑے عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بینک کے سود کو جائز قرار دینے والوں کا مدلّل رد کیا گیا ہے، اور بینک کے سود کے حرام ہونے پر مختلف کانفرنسوں اور فقہ اکیڈمیوں میں منعقدہ اجتماع کی قرارداد، ناموں کی فہرست اور مصر کے مفتی نے بینک کے سود پر جو جواز کا فتوی دیا تھا اور ان کی تردید میں علماء ازہر کی ٹیم نے مکہ مکرمہ میں علمی بیان شائع کیا تھا، اس پر دستخط کرنے والوں کے نام مع دستخط دکھائے گئے ہیں، اور بینک کے متبادل کا اجمالی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح بیمہ کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے۔



زکوٰۃ کی کتاب

مصنف: حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تعارف مصنف: حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ مسلک کے جید علماء میں سے ہیں اور دیگر موضوعات میں بالعموم اور فقہی موضوعات میں بالخصوص تحقیقی ذوق رکھتے ہیں ۔آپ کی تحریر جامع اور محقق ہوتی ہے،

حتی الوسع صحیح احادیث ہی کو بیان کرنا آپ کے امتیازیات میں سے ہے۔علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے عام طور پر بھرپور استفادہ کرتے نظر آتے ہیں ۔فقہ الحدیث کے نام سے درر البھیہ کی اردو شرح آپ کی عظیم شاہکار کتاب ہے جو علماء ،طلباء اور عوام الناس میں یکساں مقبول ہے ۔اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ وتحقیق جس میں علامہ البانی رحمہ اللہ و دیگر کی تحقیق سے مستفاد احادیث پر حکم بھی لگایا گیا ہے۔نیز مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کا ترجمہ وتخریج، دجال اور علامات قیامت ،نماز کی کتاب ،آخرت کی کتاب، اسی طرح 100 سے 500 تک ضعیف احادیث کا سیٹ وغیرہ آپ کی مشہور کتب ہیں۔

مذکورہ کتاب بھی اپنے موضوع کے حوالے سے انتہائی جامع اور محقق ہے۔اس کتاب میں زکوٰۃ کے اساسی موضوعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مقدمہ کے تحت زکوٰۃ کی لغوی وشرعی تعریف کو بیان کیا گیا ہے۔نیز تصور زکوٰۃ سے متعلق دیگر اہم ترین نکات پر بحث کی گئی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان اس باب کے تحت زکوٰۃ کی فرضیت ،زکوٰۃ پچھلی قوموں میں بھی رائج تھی جیسے موضوعات کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب: میں زکوٰۃ کی فضیلت کو شرعی نصوص کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب: مانع زکوٰۃ کے گناہ اور اس کے حکم پر مشتمل ہے۔

چوتھے باب: کے تحت ان لوگوں کا بیان ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہے۔

پانچویں باب: میں جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے ان کو بیان کیا گیا ہے۔اس باب کے تحت زکوٰۃ کی شروط،قرض دی ہوئی زکوٰۃ کا حکم،عورت کے حق مہر کی زکوٰۃ کا حکم، بیمہ کی زکوٰۃ کا حکم، بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی زکوٰۃ کا حکم جیسے مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

چھٹا باب: جن اموال میں زکوٰۃ واجب نہیں ان کے بیان پر مشتمل ہے۔اس باب کے تحت جواہرات کی زکوٰۃ کا حکم، گدھوں اور خچروں کی زکوٰۃ کا حکم، پالتو جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم، آلات تجارت کی زکوٰۃ کا حکم وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

ساتواں باب: سونے چاندی کی زکوٰۃ کے حوالے سے ہے۔اس باب کے تحت زیورات کی زکوٰۃ کا حکم ،کرنسی کی زکوٰۃ کا حکم، سونے کے قلم، برتنوں کی زکوٰۃ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب: جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان پر مشتمل ہے۔

نواں باب: تجارتی اموال کی زکوٰۃ کے بیان پر مشتمل ہے۔

دسویں باب: میں کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے۔

گیارھویں باب: میں دفینے اور معدنیات کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔

بارھویں باب: میں زکوٰۃ نکالنے کا بیان ہے کہ اس حوالے سے شریعت نے کیا تعلیمات دی ہیں۔

تیرھویں باب: میں زکوٰۃ وصول کرنے کے حوالے سے شرعی تعلیمات کا بیان ہے۔

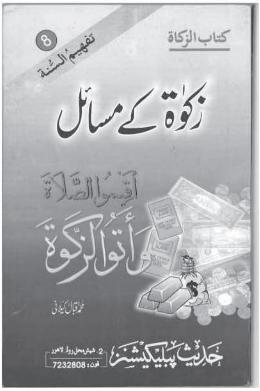
چودھویں باب: میں زکوٰۃ کے مصارف کو بیان کیا گیا ہے۔

پندرھواں باب: جن لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے ان کے بیان پر مبنی ہے۔

سولھویں باب: میں صدقۃ الفطر، **سترھویں باب:** میں نفلی صدقہ کا بیان،

اٹھارھویں باب: میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شریعت نے سوال کرنے سے روکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ کتاب زکوٰۃ کے موضوع سے متعلق انتہائی جامع و محقق کتاب ہے۔جس میں کسی اختلافی موضوع میں اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے شرعی نصوص کی بناء پر راجح موقف کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔



کتاب الزکوٰۃ

مصنف: اقبال کیلانی حفظہ اللہ

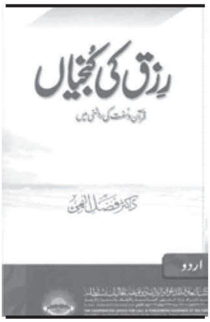
تعارف مصنف: آپ مسلک کی عظیم شخصیت ہیں اور مصنف کتب کثیرہ ہیں آپ کی کتب کے سیٹ کی اہمیت و افادیت کومحسوس کرتے ہوئے کئی ایک مدارس اپنے فارغ ہونے والے طلباء کوآپ کی کتب کا سیٹ تحفۃً دیتے ہیں۔

اس کتاب میں نیت کے اہم مسائل، زکوٰۃ کی فضیلت ،فرضیت ،اہمیت ،شرائط ،زکوٰۃ لینے دینے کے آداب بیان کرتے ہوئے وہ اشیاء جن پرزکوٰۃ واجب ہے اوروہ اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب نہیں علیحدہ علیحدہ ابواب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

پھرزکوٰۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے غیر مستحق لوگوں کی نشاندہی بھی علیحدہ سے کردی گئی ہے، پھر سوال کرنے (مانگنے) کی مذمت کو بیان کیا گیاہے۔

پھر صدقہ فطر کے مسائل، نفلی صدقہ اوراس باب میں متفرق مسائل بیان کئے گئے ہیں۔اس کتاب میں زکوٰۃ کے حوالے سے ضعیف وموضوع روایات کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔

لہٰذااس باب میں یہ کتاب انتہائی جامع کتاب ہے۔



رزق کی کنجیاں

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ

اس کتاب میں حصول رزق ،اس میں اضافہ وبرکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں جوکہ درج ذیل ہیں ۔ ❶ استغفار وتوبہ ❷ تقوی ❸ اللہ تعالی پرتوکل ❹ اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے فارغ ہونا ❺ حج اور عمرے میں متابعت ❻ صلہ رحمی ❼ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ❽ شرعی علوم کے لئے وقف ہونے

والوں پر خرچ کرنا ⑨ کمزوروں کے ساتھ احسان کرنا ⑩ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا۔

یہ کتاب ان دس اسباب کے بیان پر مشتمل ہے جنہیں مصنف نے رزق کی کنجیوں کا نام دیا ہے اور جیسا کہ آپ کا خصوصی طرز تحریر ہے کہ قرآن وسنت کے دلائل سے مزین اور اسلاف کے اقوال سے مزید اس کی تشریح وتوضیح سے مزین آپ کے طرز تحریر نے اس کتاب کی افادیت، اور اس کتاب کی منفرد حیثیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے ان دس اسباب کے تحت ضمناً ان سے متعلق بعض اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

برکت کیسے حاصل کریں؟



تالیف: ڈاکٹر امین عبد اللہ الشقاوی حفظہ اللہ

ترجمہ: فضیلۃ الشیخ حافظ محمد عمر حفظہ اللہ

تعارف مترجم: آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے فارغ التحصیل ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع سے متعلق جامع کتاب ہے، مذکورہ کتاب میں برکت کے اسباب وموانع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔مصنف نے بڑی تفصیل سے قرآن وسنت کی روشنی میں اس موضوع کو بیان ہے۔

یقیناً ہر قسم کی خیر وبرکت کا حصول قرآن وسنت کی تعلیمات کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور اسلام ہی نے اس کی ترغیب بھی دلائی اور برکت کا تصور دیا۔اس کتاب میں برکت کی معرفت، اسباب وموانع، اور ساتھ ہی بابرکت اشخاص، زمانوں، جگہوں اور اوقات وعوامل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جس سے اس کی اہمیت مزید واضح ہوجاتی ہے۔

اس کتاب میں سب سے پہلے برکت کی تعریف، اہمیت نیز اس حوالے سے بعض اعتراضات کا جواب دیا، پھر حصول برکت کے تقریباً دس اسباب بیان کئے، برکت نہ ہونے کے بھی تقریباً 11 اسباب بیان کئے، دلائل کی روشنی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء، صحابہ، اسلاف بابرکت اشخاص ہیں، اور بعض چیزیں مثلاً سینگی، بارش، زمزم کا پانی، کھجور کا درخت، زیتون کا درخت، دودھ، سحری کھانا، ثرید، گھوڑا، بکریاں یہ

بابرکت چیزیں ہیں۔

مکہ، مدینہ، شام، یمن، وادی عقیق، وادی طوی، نہر فرات، مسجد حرام، مسجد نبوی، بابرکت مقامات ہیں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام کی زندگیوں سے برکت کی مثالیں دی گئیں ہیں۔

پھر برکت کے لئے استعمال کئے جانے والے جائز اور ناجائز الفاظ کو بیان کیا گیا ہے۔

کیا بچے کا نام برکت رکھ سکتے ہیں؟ کیا بابرکت مقامات کی زیارت کرنا مشروع ہے؟ اس طرح کے سوالات کو بھی سلجھایا گیا ہے۔ الغرض یہ کتاب انتہائی معلوماتی اور مفید کتاب ہے۔ جس کے مطالعے سے برکت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائے گا، اور معیشت کے اسلامی اصولوں پر مزید یقین مستحکم ہوجائے گا۔



جدید فقہی مسائل

مصنف: مبشر حسین لاہوری حفظہ اللہ

تعارف مصنف: آپ جماعت کے ممتاز عالم دین ہیں۔ آپ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ریسرچ ایسوسی ایٹ ہیں۔ نیز بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں لیکچرر ہیں۔ موصوف کتب کثیرہ کے مصنف ہیں۔ جس میں انسان اور اللہ، انسان اور فرشتے، انسان اور کالے پیلے علوم، انسان اور جنات جیسی کتب شامل ہیں۔

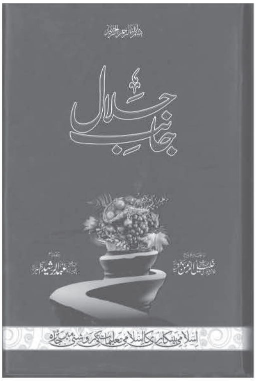
یہ کتاب جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے، دور جدید میں نئے پیش آمدہ مسائل کے حل پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں معیشت سے متعلق پیش آنے والے جدید مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً ملٹی لیول مارکیٹنگ (MLM) سکیمیں اور ان کے کاروبار۔ اس کے تحت اس کی حرمت کی وجہ، گولڈن نامی تجارتی سکیم، بزناس نامی سکیم، ایس این انٹرنیشنل سکیم، شینئل کمپنی کا طریقہ کار، کاغذی سکیمیں وغیرہ۔

دوسری فصل: ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیموں کے بارے میں ممتاز علماء کی آراء پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل: جوائنٹ سٹاک کمپنیاں اور ان کے حصص کے کاروبار اس کے تحت شیئرز، سٹاک ایکسچینج، حصص اور ان کی اقسام، جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کی شرعی حیثیت، غائب سودے (Future /Forward Sale)

وغیرہ کے حوالے سے بحث پر مشتمل ہے۔

چوتھی فصل اسلام کا نظام زکوٰۃ اور چند جدید مسائل پر مشتمل ہے اور اس فصل میں زکوٰۃ کی شروط، زیورات کی زکوٰۃ، موجودہ کرنسی کی زکوٰۃ، حصص پر زکوٰۃ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔



جانب حلال

مصنف: قاری خلیل الرحمن جاوید حفظہ اللہ

آپ کراچی کی ممتاز شخصیات میں سے ایک ہیں اور کئی ایک کتب مثلاً صلوۃ النبی کے حسین مناظر، پیارے رستہ دیکھ کے چل، پہلا زینہ، جادو جنات بائے بائے، قضائے عمری، محبت کے بیج وغیرہ کے مصنف ہیں۔

آپ کی تحریر اردو ادب سے مزین ہوتی ہے۔ نیز مسئلے کی تفہیم کے لئے تمثیل نگاری بھی آپ کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی قارئین کو محظوظ کرنے کے لئے مزاح اور لطائف کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

تعارف کتاب: یہ کتاب اصلاً اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے نیز کتاب کے شروع میں ڈاکٹر عبد الرشید اظہر رحمہ اللہ کی تقدیم ہے۔

باب نمبر 1: اسلام اور معیشت کے نام سے موسوم ہے، جس میں معیشت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

باب نمبر 2: حرام کی جدید شکلیں مثلاً گولڈن اسکیم ورلڈ ٹریڈنگ نیٹ اسکیم، جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں، سٹہ، لاٹری، پزل گیمز، کریڈٹ کارڈ، ڈیپازٹ کارڈ، پگڑی سسٹم، (B.C) کی ناجائز شکل جیسے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

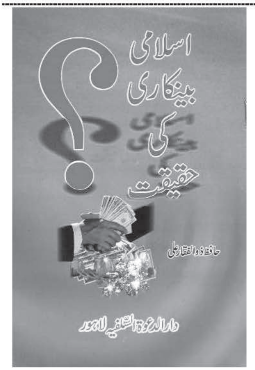
باب نمبر 3: میں حرام کی قدیم مگر مروج شکلیں بیان کی گئیں ہیں۔

باب نمبر 4: میں چند حرام اور معیوب پیشے بیان کئے گئے ہیں۔

باب نمبر 5: اسلامی بینکاری نظام کے حوالے سے ہے اور موصوف اس حوالے سے مدح سرائی کرتے نظر

آتے ہیں اور دفاع کرتے نظر آتے ہیں، ساتھ ہی اسے مکمل طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق بھی قرار نہیں دیتے اور اصلاح کی گنجائش مانتے ہیں۔

باب نمبر 6: بیمہ اور تکافل کے حوالے سے ہے۔



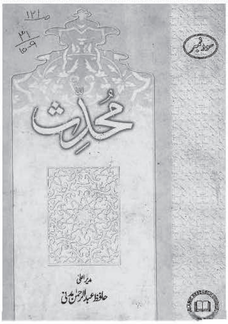
اسلامی بینکاری کی حقیقت

مصنف: حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ

یہ کتابچہ حافظ ذوالفقار علی کے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہونے والے مضامین میں سے اسلامی بینکاری کے حوالے سے مضامین کو یکجا کر کے ایک کتابچے کی صورت میں عوام الناس کے لئے ایک اہم تحفہ بن کر منظر عام پر آیا ہے۔

اس کتابچے میں موجودہ اسلامی بینکوں کا طریق کار اور ان میں رائج مالی معاملات کا شرعی اصول کی روشنی میں منصفانہ جائزہ لے کر دینی نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلامی بینکوں کے حوالے سے مصنف موصوف کی گفتگو ان کی دیگر کتب میں بھی موجود ہے جیسا کہ تذکرہ ہو چکا ہے۔



محدث سود نمبر (ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹)

اس موضوع پر مطالعے کے شائقین کے لئے ماہنامہ محدث کا یہ سود نمبر بھی انتہائی مفید ہے۔ ماہنامہ محدث جماعت کے قدیم جرائد میں سے ایک مشہور و معروف رسالہ ہے، 1970ء سے یہ رسالہ مصروف عمل ہے، اس کے مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمٰن مدنی ہیں۔

اس خاص نمبر میں سب سے پہلا مضمون ڈاکٹر ظفر علی راجہ کا ہے جو جولائی 1999 کے سود کے خلاف ایک تاریخی مقدمے کی روئیداد اور اس کی اہمیت پر مشتمل ہے۔ اس مقدمے کا پس منظر یہ ہے کہ 1991

میں سود سے متعلق پاکستان کے چند قوانین کو چیلنج کیا گیا تھا اور بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ جاری کیا وہ سود کے خلاف تھا، اس میں مارک اپ، بینک کے سود اور انڈیکسیشن جیسے سودی معاملات کو ناجائز قرار دے دیا گیا تھا، اس فیصلے کے صادر ہوتے ہی سود کی کمائی سے پیٹ بھرنے والوں میں ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور 118 سے زائد اپیلوں کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کو چیلنج کیا گیا اس کے بعد کیا کچھ ہوا اس تفصیل کے لئے اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، بالآخر یہ مقدمہ 1999ء میں کامیابی سے ہمکنار رہوا۔

دوسرا مضمون: سود کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر:

مفسر: مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ

آپ کا یہ مضمون دراصل آپ کی تفسیر تیسیر القرآن سے انتخاب کیا گیا ہے، جو کہ اس وقت مطبوع نہیں تھی اور آپ اس دنیا فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔ یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات (274 تا 284)، سورۃ آل عمران کی آیات نمبر (130 تا 133)، سورۃ النساء کی آیات نمبر (160، 161)، سورۃ روم کی آیات نمبر (39، 40) کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ جس کی ضمن میں معیشت سے متعلق کئی ایک جدید مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

تیسرا مضمون: سود کیا ہے؟ کیا تجارتی سود بھی حرام ہے؟

مضمون نگار: حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ

آپ ماہنامہ محدث کے مدیر ہیں۔

مذکورہ مضمون میں ربا کی تعریف، تجارت اور سود میں فرق، سود اور کرائے میں فرق، ربا الفضل، ربا النسیئہ کے حرام ہونے کی حکمتیں، تجارتی سود (کمرشل انٹرسٹ)، اور اس حوالے سے مختلف اعتراضات وشبہات کا مدلل ومحقق جواب دیا گیا ہے، دلائل قرآن واحادیث اور آثار صحابہ سے دیئے گئے ہیں۔ سود کے جواز کے لئے مختلف حیلوں، بہانوں کا بھی مسکت جواب دیا گیا ہے، اسی طرح حرمت سود کی علت وسبب جیسے اہم نکات اس مضمون کا حصہ ہیں۔

چوتھا مضمون: سپریم کورٹ کے مقدمہ سود میں مدیر اعلی کا تحریری بیان

مضمون نگار: حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ

آپ ماہنامہ محدث کے مدیر اعلی ہیں۔

جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے کہ یہ مضمون حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ کے تحریری بیان پر مشتمل ہے جو سپریم کورٹ میں آپ نے پیش کیا، یہ بیان بڑا مدلل ہے۔اس بیان میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعض تنقیح طلب نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی اور اس فیصلے کے 12 مقامات پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے کئی ایک مسائل کی گتھیاں بھی سلجھائیں گئی ہیں۔

پانچواں مضمون: سپریم کورٹ شریعت اپلیٹ بینچ کے سوالات کے جوابات

مضمون نگار: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

آپ جماعت کے عظیم اور نابغہ روزگار شخصیت ہیں۔ ہفت روزہ الاعتصام کے سابق مدیر اور اس وقت شعبہ تحقیق وتصنیف دارالسلام لاہور کے مدیر ہیں۔آپ کئی ایک کتب کے مصنف بھی ہیں۔آپ کی مشہور زمانہ تفسیر بنام احسن البیان ہر خاص وعام کے لئے انمول تحفہ ہے۔اس کے علاوہ آپ کی چند کتب کے نام یہ ہیں، دلیل الطالبین اردو ترجمہ وفوائد ریاض الصالحین للنووی، خلافت وملوکیت، تاریخی وشرعی حیثیت، نماز محمدی ﷺ، توحید اور شرک کی حقیقت، نفاذ شریعت کیوں اور کیسے؟، مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں، عورتوں کے امتیازی مسائل وقوانین، حکمتیں اور فوائد، اسلامی آداب معاشرت، کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟، رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا وغیرہ۔

اس مضمون میں سپریم کورٹ کی جانب سے کئے گئے دس سوال جو سود کی حقیقت وتعریف، اور اس کا مالیاتی اداروں سے تعلق، اور اس ضمن میں مارک اپ کا حکم، بانڈز جیسی اسکیمیں، متبادل صورتیں، کاغذی کرنسی کے قرض کا مسئلہ، مسلم اور غیر مسلم اور سود، ماضی میں دیئے گئے قرض پر مشتمل معاملات کا حل اس طرح کے سوالات کئے گئے تھے، جس کا انتہائی مدلل اور جامع جواب، حافظ صاحب نے دیا ہے۔

چھٹا مضمون: کاغذی کرنسی..ایک تاریخی اور شرعی مطالعہ **مضمون نگار: پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ**

پروفیسر صاحب رحمہ اللہ مسلک اہل حدیث کی انتہائی محقق، ذی علم اور کتاب دوست شخصیت تھے۔ آپ پنجاب پبلک لائبریری اور دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ پر متمکن رہے اور اس کے علاوہ شاہ فیصل مسجد اسلام آباد کی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انہیں کتاب اور مطالعہ سے خوب شغف تھا، جس کا اظہار ان کی وسیع لائبریری سے ہوتا ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کتب موجود ہیں۔

اس مضمون میں کاغذی کرنسی کی تاریخ اور اس کے ارتقائی مراحل پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی شرعی حیثیت اس سے متعلق بعض جدید مسائل کا انتہائی مجتہدانہ انداز میں حل پیش کیا گیا ہے۔

ساتواں مضمون: قرضوں کی اشاریہ بندی **مضمون نگار: حافظ عزیز الرحمن (LLB شریعہ) حفظہ اللہ**

افراط زر پر قابو پانے کے لئے ماہرین اشاریہ بندی (Indexation) کا مشورہ دیتے ہیں، اس مضمون میں اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے، نیز مجوزین اور مانعین کے دلائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور اس حوالے سے بعض نے جو متبادل پیش کئے ہیں، ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

آٹھواں مضمون: انٹرسٹ اور یوزری Usuari برابر ہیں **مضمون گار: ریاض الحسن نوری حفظہ اللہ**

اس مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ انٹرسٹ اور دیگر قوموں میں یوزری اور اس جیسے دیگر الفاظ جو سود کے لئے استعمال ہوتے ہیں، میں کوئی فرق نہیں۔

نواں مضمون: سود، غیر مسلم اقوام میں جس کے مضمون نگار: حافظ ضیاء اللہ برنی حفظہ اللہ ہیں، اسی طرح مغرب میں سودی بینکاری کے بدلتے رجحانات، مضمون نگار محمد عطاء اللہ صدیقی حفظہ اللہ ہیں۔

اسی طرح ایک مضمون بنام بلاسود بینکاری، جس کے مضمون نگار ڈاکٹر ڈی ایم قریشی حفظہ اللہ ہیں۔ اسی طرح سب سے آخر میں مضمون بنام ''بکھرے بکھرے خیال''، مضمون نگار: مولانا نعیم صدیقی حفظہ اللہ ہیں۔

الغرض ایسے علمی وتحقیقی مضامین اس خاص نمبر کا حصہ ہیں۔ اور یہ خاص نمبر اپنے چند صفحات میں انتہائی جامع اور محقق ومدلل تحریروں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

یہ کچھ کتب جو معیشت سے متعلق تھیں، ان کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے کتب کی فہرست خاصی طویل ہے۔

مصطلحات اسلامی بینکاری

عمران فیصل[1]

بینک ---------- Bank ---------- بنك

ایسے مالیاتی ادارے کو کہا جاتا ہے جو اپنے صارفین سے جمع شدہ رقوم سے تاجروں، ضرورت مندوں کو قرض فراہم کرتا ہے اور اس پر سود وصول کرتا ہے اور اپنے کھاتے داروں کو وصول کردہ سود سے کم ادا کرتا ہے، ادائیگی سود کا یہی درمیانی فرق بینک کا منافع ہوتا ہے۔

اسلامی بینک ---------- Islamic bank ---------- المصرف الإسلامي أو البنك الإسلامي

ایسا مالیاتی ادارہ جو اپنے معاملات شریعتِ اسلامی کے مطابق انجام دے، یعنی شرعی احکام کی پاسداری کرے اور حرام امور سے اجتناب کرے۔

قرض ---------- Debt ---------- دَین

کسی کی طلب پر اسے مال دینا تاکہ وہ فائدہ اٹھانے کے بعد اسی مقدار میں واپس لوٹا دے۔

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ رفاہی امور المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

سُود	interest	الربا

ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے وقت ادائیگی مخصوص اضافہ جو بغیر کسی عوض ہو۔

سود کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: (ا) قرض کا سود۔ (۲) تجارت کا سود۔

1 قرض کا سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو ادھار دے کر زیادہ طلب کرے۔

2 تجارتی سود کی مزید دو اقسام ہیں:

(ا) زیادتی کا سود (ربا الفضل) (۲) ادھار کا سود (ربا النسیئہ)

❶ زیادتی کا سود یہ ہے کہ وہ مخصوص اجناس جنہیں شرعی اصطلاح میں "سودی اجناس" کہتے ہیں میں سے ایک ہی جنس کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کر دینا، جیسے مثال کے طور پر:

پانچ تولہ سونا (سکہ کی صورت میں) = چار تولہ سونے کا سیٹ۔

❷ ادھار کا سود: سودی اجناس کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ادھار کر لینا، جیسے مثال کے طور پر: ایک من گندم = ایک من گندل ایک مہینہ بعد۔

جاری کھاتہ یا مدِ رواں	Current Account	الحساب الجاري

جاری کھاتہ بینک اور صارف کے درمیان لین دین کے ایک معاہدے کا نام ہے جو صارف کے بینک میں رقم بطور حفاظت اور بوقتِ ضرورت نکلوانے کی غرض سے جمع کرانے پر شروع ہوتا ہے۔ صارف پر رقم نکلوانے کے حوالہ سے کوئی پابندی نہیں ہوتی، مزید برآں اکاونٹ میں رکھی جانے والی رقم پر کسی قسم کا سود اور منافع ادا نہیں کیا جاتا۔

مضاربہ	Mudharaba	المضاربة

مضاربہ ایسے معاہدے کا نام ہے جس میں سرمایہ کار جسے "ربُّ المال" کہا جاتا ہے وہ عامل جسے

مضارب کہتے ہیں کو مال مہیا کرتا ہے، مضارب اس مال سے تجارت کرتا ہے اور منافع میں دونوں متفقہ تناسب سے شریک ہوتے ہیں، نقصان کی صورت میں مالی خسارہ رب المال کا ہوتا ہے عامل پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہوتی البتہ اس کی طرف سے کوتاہی کی صورت میں اسے مالی خسارہ میں شامل ہونا پڑے گا۔ اسلامی بینک بعض صورتوں میں مضارب ہوتا ہے، بعض صورتوں میں عامل۔

مشارکہ ——— Musharaka ——— المشاركة

ایسا مشترکہ کاروبار جس کے تمام شرکاء نفع میں متفقہ تناسب سے حصہ دار ہوں، اور نقصان میں شراکت داری کے تناسب سے حصہ دار ہوں۔ اسلامی بینکوں میں مشارکہ کی بنیاد پر certificate دیئے جاتے ہیں

بچت کھاتہ ——— Saving Account ——— حساب التوفير

اس میں ماہانہ یا طے شدہ میعاد پر رقم جمع کرائی جاسکتی ہے اور انہی طے شدہ بنیادوں پر منافع بھی دیا جاتا ہے، اس کھاتے سے رقم نکلوانے پر عموماً مختلف پابندیاں ہوتی ہیں۔ اسلامی بینکوں میں بچت کھاتہ مضاربہ کی بنیاد پر کھولا جاتا ہے۔

فکسڈ ڈپازٹ ——— Fixed Deposit ——— ودائع الثابتة

اس کھاتہ میں مدت طے کی جاتی ہے اور اس میں مقررہ مدت سے پہلے رقم واپس نہیں لی جاسکتی اس کھاتے میں منافع کی شرح مدت کے حساب سے طے کی جاتی ہے اور طے شدہ مدت پر ہی بینک منافع ادا کرتا ہے۔

سرمایہ کاری ——— Investment ——— إستثمار

کسی بھی قسم کے کاروبار میں منافع حاصل کرنے کی نیت سے پیسہ لگانا، مثلاً مضاربہ، مشارکہ وغیرہ۔

سرمایہ داری ——— Finance ——— التمویل

روزمرہ کاروباری ضروریات کیلئے قرضے جاری کرنا۔اسلامی بینکوں میں یہ سرمایہ کاری مرابحہ، اجارہ، مشارکہ، متناقصہ، سلم اور استصناع کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

مرابحہ ——— Murabaha ——— المرابحة

اصل قیمت پر متعین منافع کے ساتھ خریدار کو آگاہ کر کے فروخت کرنا۔

اجارہ ——— Ijara ——— الإجارة

اجارہ سے مراد ایسا معاہدہ ہے جس میں ایک متعین چیز یا اس کے مخصوص فائدہ کو ایک مقررہ مدت تک کسی معلوم عوض کے بدلہ دیا جائے، یا کسی عمل کے بدلہ اجرت دی جائے۔

کرایہ داری ——— Leas ——— استئجار

مختلف اشیاء کو کرایہ پر دینا، جیسے آٹو لیزنگ میں گاڑی وغیرہ کرائے پر دی جاتی ہے۔

Hire & Purchase — الإجارة المنتهية بالتمليك

کرایہ کا ایسا معاہدہ جس کے آخر میں چیز کی ملکیت کرائے دار کو منتقل ہوجائے، جیسے Auto leasing کا معاہدہ وغیرہ۔

Diminishing Musharaka المشاركة المتناقصة

ایسی کاروباری شراکت جس میں ایک شریک دوسرے کو اپنا حصہ وقفے وقفے سے فروخت کرتا رہے اور آخر میں خریدار مکمل اثاثے کا مالک بن جائے۔

Tawarruq ———— التورق

آدمی کوئی چیز ادھار خریدے اور پھر کسی اور کو کم قیمت پر نقدأفروخت کر دے تا کہ نقد رقم حاصل کر سکے۔

Salam ———— سلم , سلف

خرید وفروخت کی وہ قسم جس میں قیمت تو نقد ادا کر دی جائے مگر فروخت کی جانے والی چیز ایک مدت معینہ کے بعد مہیا کی جائے۔

استصناع —— Manufacturing Contract —— إستصناع

آرڈر پر کوئی چیز تیار کرانا۔

Letter of Credit , LC —— خطاب الأعتماد

اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جو درآمد کنندہ Importer کا بینک برآمد کنندہ Exporter کے بینک کو جاری کرتا ہے اس میں بینک برآمد کنندہ کو یقین دلاتا ہے کہ وہ درآمد کنندہ کے نام جو بل جاری کرے گا اسکی ادائیگی کردی جائے گی پھر درآمد کنندہ سے سود سمیت وصول کرتا ہے۔

ہنڈی ———— Bill of Exchange ———— حوالة:

اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جس میں فروخت کنندہ یا قرض خواہ خریدار یا مقروض سے کہتا ہے کہ رقم اسے یا کسی اور معین شخص کو ادا کر دے۔

پے آرڈر ———— Pay Order,Draft ———— السحب

ایک شخص ((Drawer دوسرے مخصوص شخص یا ادارے (Drawee) کو پابند کرے کہ وہ

(Beneficiary)مخصوص شخص یا ادارے کو رقم ادا کرے۔

چیک ------------ Check ------------ شيك

اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جسے کھاتہ دار بینک سے رقم نکلوانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ------------Credit Card------------بطاقة الإعتماد

قرض اور اعتماد کا مخصوص کارڈ جو کسی بینک کی طرف سے کسی مخصوص شخص کے نام اسکے مطالبے پر جاری کیا جاتا ہے جس سے وہ ضروریات کیلئے کچھ خرید سکے یا نقد رقم حاصل کر سکے۔

ڈیبٹ کارڈ ------------Debit Card------------ بطاقة الحسم الفوري

ایسا کارڈ جسے بینک اپنے کھاتہ دار کی سہولت کیلئے فراہم کرتا ہے تا کہ وہ اپنے کھاتہ میں موجود رقم سے کچھ خرید سکے یا نقد رقم حاصل کر سکے۔

انشورنس------------ Insurance ------------ تأمين

ایسا معاملہ جس میں کوئی شخص یا ادارہ اپنے صارف کو یہ ضمانت دے کہ مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ خطرات کے نقصان کی تلافی کرے گا۔

لین دین ------------ Transection------------الصفقة

قیمتوں کو پیسوں کے بدلے ادا کرنا، یا کسی تجارتی ادارے کی مالیاتی سرگرمیاں وغیرہ۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

البیان

اسلامی معیشت واقتصاد پر قائم ہونے والے
بین الاقوامی سیمینارز، کانفرنسز
اور فقہ اسلامی کمیٹیز

عالم اسلام میں بیداری کی لہر نے ایک طرح سے مسلمانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ وہ عالمِ حاضر میں پیدا ہونے والی نت نئی تبدیلیوں سے متعلق سوچیں اور ان مسائل میں شرعی حکم تلاش کریں۔ معیشت واقتصاد بھی ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں جو حل کے طالب ہیں۔

لہٰذا معیشت واقتصاد کے جدید مسائل کی گھتی سلجھانے کیلئے اہل علم نے انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کاوشیں کی ہیں جس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان کا بیان احوال کچھ یوں ہے۔

اقتصاد و معیشت پر ہونے والی عالمی سیمینارز

نمبر شمار	سال	عنوان	مقام
1	1951	الربا ونزع الملكية (سود اور ملکیت)	پیرس
2	1961	التأمين (انشورنش)	دمشق
3	1967	عام	قاھرہ
4	1975	عام	تیونس
5	1977	عام	ریاض
6	1976	المصارف الاسلامیه (اسلامی بینکنگ)	ریاض

مجمع بحوث اسلامیہ قاھرہ کے زیر سرپرستی منعقد ہونے والے سیمینارز

7	1963 مارچ	عام	قاھرہ
8	1965 مئی	المعاملات المصرفیه واستثمار الأموال فی الاسلام (بینکنگ معاملات اور اسلام میں مال کی فائنانسنگ)	قاھرہ
9	1966 اکتوبر	عام	قاھرہ
	1971 مارچ	عام	قاھرہ
10	1972 ستمبر	الاسس التی تقوم علیها المصارف التجارية وكيفية التوفيق بينها وبين الشريعة الاسلاميه وحكم شهادات الاستثمار وودائع صناديق الادخار (تجارتی بینکوں کی بنیادیں، اور ان کی شریعت سے ہم آہنگی کے طریقے، فائنانسنگ سرٹیفکیٹ کا حکم اور بچت کھاتے اور جمع فنڈ)	قاھرہ
12	1977 اکتوبر	عام	

13	1976	دراسة انشاء مراکز ومعاہد متخصصه فی الاقتصاد الاسلامی (اقتصاد اسلامی میں خصوصی مراکز اور معاہد کے قیام کا مطالعہ)	مکة المکرمة
14	1983	المؤتمر العالمی الثانی للاقتصاد الاسلامی (اقتصاد اسلامی کا دوسرا سیمینار)	پاکستان
International Union of Islamic Banks			
15	1399ھ	پہلا سیمینار	دبئی
16	1983	دوسرا سیمینار	کویت

جدید مسائل پر تحقیقات کیلئے قائم اسلامی فقہ اکیڈمیز

رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم ہونے والی مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ) جو 1386ھ میں قائم ہوئی اور اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے معاشی، معاشرتی، اقتصادی ودیگر اہم موضوعات پر متعدد سیمینارز منعقد کرا چکی ہے۔

اس کے علاوہ مختلف یونیورسٹیز کے تحت مختلف سیمینارز کا انعقاد ہوا جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

★ جامعہ ملک عبدالعزیز جدہ کے تحت: ((الإستثمار والتمويل)) کے عنوان پر 1401ھ میں سیمینار منعقد ہوا۔

★ برکہ بینک کے تحت اسطنبول میں اور مدینہ منورہ میں 1400ھ میں دو سیمینار منعقد کئے گئے۔

★ بینک اسلامی کے تحت ((ندوة الاوراق المالية الاسلامية)) کے عنوان کے تحت 1407ھ میں جدہ میں سیمینار منعقد ہوا۔

★ بینک فیصل اسلامی کے تحت 1404ھ میں ((البنوک الإسلامية ودورهافي التنمية

الإقتصادیة والإجتماعیة))کے عنوان سے سیمینار منعقد ہوا۔

مخصوص میگزینز

★مجلة البنوک الاسلامیة یہ مجلہ International Union of Islamic Banks کے تحت شائع ہوتا ہے۔

★مجلة النور: جوکہ Kuwait Finance House کی جانب سے جاری کیا جاتا ہے۔

★مجلة الاقتصاد اسلامی یہ بینک دبئی اسلامی کی جانب سے جاری ہوتا ہے۔

★مجلة البحوث الاسلامہ: یہ مجلہ ادارہ عامہ للبحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد سعودی عرب۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں رعایا بڑی آسودہ تھی، مہاجرین یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ مقرر کرنے پر فائز تھے۔ایک ہی سال میں یہ حال ہوگیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے لگے۔(سیرت عمر بن عبدالعزیز، صفحہ 85)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صرف ڈھائی سال حکومت کی اس مختصر مدت میں آپ نے اپنی رعایا کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ لوگ صدقے کا مال تقسیم کرنے جاتے مگر لینے والا کوئی نہ ملتا تھا پھر لوگ مجبور ہوکر صدقہ واپس لے جاتے تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی رعایا کو اس قدر آسودہ حال کردیا تھا کہ کوئی شخص حاجت مند باقی نہ رہا۔(نفح الباری، جلد6، صفحہ 452)

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام ہونے والی کانفرنسز ملکی میڈیا کی نظر میں

اللہ تعالیٰ کی بندہ پر بے شمار احسانات ہیں جن کے شمار سے بشر قاصر ہے، ان ہی انعامات اور احسانات میں سب سے عظیم انعام اور احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے دین کی خدمت کا موقع فراہم کردے۔

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی تمام کابینہ بشمول مجلس علمی و مجلس منتظمہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی شکر گذار ہیں کہ باری جل وعلا نے ہمیں اپنے دین کی خدمت کا موقع فراہم کیا، انہی دینی خدمات کے سلسلے کی ایک کڑی ملکی اور علاقائی سطح پر جدید معاشی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل پر کانفرسز کا انعقاد کرنا تھا۔ بتوفیق اللہ ومنتہ وحولہ وقوتہ المدینہ سینٹر نے اس حوالے سے چند بنیادی سنگ میل عبور کئے اور علاقائی سطح پر پاکستان کے نامور اہل علم کی زیر نگرانی تین کامیاب کانفرسز کا انعقاد کیا جس کو مقامی میڈیا نے بھرپور کوریج دی۔

سابقہ کانفرنسز جن موضوعات پر منعقد کی گئیں ان میں۔

پہلی کانفرنس: مقدس رسول ﷺ کانفرنس۔

دوسری کانفرنس: شراب: شرعی احکام اور مروجہ نظام

مذکورہ بالا دونوں کانفرنسز کی تفصیلات البیان کے سلسلہ نمبر 3 اور سلسلہ نمبر 5 میں ذکر کردی گئی۔

جبکہ حال ہی میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر نے مروجہ اسلامک بینکنگ سسٹم کا شرعی پہلو سے جائزہ لینے کیلئے (اسلامی بینکاری شرعی میزان میں) کے عنوان پر ایک کامیاب کانفرنس منعقد کی جس میں ملک بھر سے نامور علماء کرام اور ماہرین معیشت نے شرکت فرمائی۔ اور اپنی تحقیقات ومقالہ جات پیش کئے۔ مذکورہ کانفرنس میں اسلامی بینکاری میں اصلاحات کیلئے سفارشات بھی پیش کی گئیں جو اس خاص نمبر میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

مقامی میڈیا (اخبارات، ٹی وی چینلز، سوشل میڈیا سائٹس) نے ان کانفرنسز کو خاطر خواہ کوریج دی۔ جس سے ان کانفرنسز کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور لوگوں نے رابطہ کرکے کانفرسز کی تفصیلی مواد حاصل کیا۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر اس کوریج کا کچھ حصہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنسز کے حوالے سے اخبارات کی رپورٹس پر مشتمل تراشے ملاحظہ ہوں۔

روزنامہ امت کراچی

منگل 04 صفر المظفر 1434ھ 18 دسمبر 2012ء

اہلحدیث علما نے رائج اسلامی بینکاری پر تحفظات کا اظہار کردیا

مکمل شرعی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں۔ اسلامی قرار دینا فریب ہے۔ سیمینار سے خطاب

کراچی (اسٹاف رپورٹر) علمائے اہلحدیث نے ملک میں رائج اسلامی بینکاری کے حوالے سے شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مکمل اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے سے کوئی بھی نظام اسلامی (باقی صفحہ 2 نمبر 25)

[illegible]

اسلامی بینکاری نقصان کے خدشہ سے پاک نظام پر چل رہی ہے

اسلام ایسے تجارتی معاملات کی اجازت نہیں دیتا جس میں صرف منافع ہو۔ علماء و اسلامی ماہرین اقتصادیات

[illegible]

جسارت

19-Dec-2012

انا فتحنا لك فتحا مبينا

Fornightly HUDEBIAH KARACHI PAKISTAN

Reg No: S.C.1322

حدیبیہ

کراچی پاکستان

چیف ایڈیٹر سید عامر نجیب

جلد 01 | 1 تا 15 نومبر 2012ء بمطابق ذی الحج 1433

☆......المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام "مروجہ اسلامی بینکاری شرعی میزان میں" کے موضوع پر سیمینار......☆

سودی اور اسلامی بینکوں میں فرق صرف اصطلاحات کا ہے

علمائے اہلحدیث

مروجہ اسلامی بینکاری کو شرعی قرار دینا کسی فریب سے کم نہیں، یہ بینک شرح سود کو معیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں منافع یا قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ بھی شرعی اعتبار سے جائز نہیں

[illegible]

مروجہ اسلامی بینکاری حیلہ سازی کی منظم واردات ہے جس کے ذریعے مالی معاملات میں عوام الناس میں پایا جانے والا احساس گناہ بھی ختم کیا جا رہا ہے

متبادل نظام پیش کرنے کا طعنہ دینے والے خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ سیمینار سے مولانا عبداللہ ناصر رحمانی، حافظ ذوالفقار علی، حافظ عبدالحمید ازہر، حافظ مسعود عالم اور شاہد حسن صدیقی نے خطاب کیا

[illegible]

CERTIFIED

THE DAILY JANG KARACHI

روزنامہ جنگ کراچی

MONDAY DECEMBER 13, 2010.

بانی...... میر خلیل الرحمٰن

جلد 74 پیر 6 محرم الحرام 1432ھ 13 دسمبر 2010ء نمبر 342

قیمت 10 روپے

اسلامی بینکاری نقصان سے پاک نظام پر چل رہی ہے، ماہرین

سرمائے کے لین دین کے ذریعے فائدہ کا بنیادی مقصد ہے جو شرعی نقطہ نگاہ سے جائز نہیں

کراچی (اسٹاف رپورٹر) ملک میں رائج اسلامی بینکاری بھی عام بینکوں کی طرح نقصان کے خدشہ سے پاک نظام کے تحت چل رہی ہے۔ اسلام ایسے تجارتی معاملات کی اجازت نہیں دیتا جس میں صرف منافع ہی منافع ہو۔ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور مشارکہ سے بینکوں کا مقصد حقیقی اجارہ یا شراکت نہیں ہوتی بلکہ محض سرمائے کے لین دین کے ذریعے فائدہ کا حصول ان کا بنیادی مقصد ہوتا ہے اور یہ شرعی نقطہ نگاہ سے ہرگز جائز نہیں ہے۔ جبکہ اسلامی بینکوں میں مرابحہ اور اجارہ میں منافع کا تعین کائبور اور لائبور کے مطابق کیا جاتا ہے۔ جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر شرح سود کے پیمانے کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ملک بھر سے آئے ہوئے علماء اور اسلامی ماہرین اقتصادیات نے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے تحت مسجد سعد بن ابی وقاص میں "اسلامی بینکاری شرعی میزان میں" کے موضوع پر ہونے والے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ سیمینار سے مولانا عبداللہ ناصر رحمانی، معروف عالم دین شیخ الحدیث اور ماہر اسلامی معیشت و بینکاری حافظ ذوالفقار علی، حافظ عبدالحمید ازہر، حافظ مسعود عالم، معروف ماہر معیشت شاہد حسن صدیقی اور ممتاز دانشور و صحافی انیق احمد اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔ مقررین نے کہا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اسلامی بینک عام (کنونشنل) بینکوں کی طرح ہیں ان کی بینکاری اسلامی معیشت کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ اسلامی بینکوں میں کائبور اور لائبور کے شرح سود کو معیار کے طور پر سامنے رکھ کر منافع یا کرایہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ جس سے اسلامی بینکاری میں کافی شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ جبکہ شریعت اسلامیہ ہمیں شبہات سے بچنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ مقررین نے کہا کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے کام کرنے والے عرب اسلامی بینکار و ماہرین اقتصادیات بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے سودی ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ لیکن اب تک ہمارے ملک میں اسے سود سے پاک بینکاری کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ اسلام ہمیں ایسے امور کو ترک کرنے کا کہتا ہے جس میں شبہات پائے جاتے ہوں۔ تاہم یہ بات قابل حیرت ہے کہ تاحال ان شبہات کو دور کیے بغیر اب تک اسلام کا نام لے کر بینکاری کی جا رہی ہے۔ علماء اور اسلامی ماہرین اقتصادیات نے کہا کہ قرضے کی ادائیگی پر جرمانہ بھی شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں ادائیگی میں تاخیر پر جرمانے کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ دنیا بھر کے علماء اور مجتہدین اس بات پر متفق ہیں۔ اسی دلیل کی روشنی میں کسی بھی ایسے معاہدے میں شامل ہونا جائز نہیں جس میں تاخیر پر جرمانہ لگایا جائے۔ اس موقع پر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی جانب سے چیئرمین عثمان صفدر نے اسلامی بینکاری کی اصلاح کے حوالے سے 19 نکاتی سفارشات پیش کیں۔ جس کی تفصیل ریسرچ سینٹر کی ویب سائٹ www.islamfort.com پر دیکھی جا سکتی ہے۔ عثمان صفدر نے کہا کہ اگر اسلامی بینک اسلامی معاشی نظام کے قیام کے حوالے سے اپنے دعویٰ میں مخلص ہیں تو انہیں چاہیے بینکوں کو محض مالیاتی اداروں کے بجائے تجارتی ادارے بنانے کے لیے قدم اٹھائیں۔ اور اسلامی بینک ہر قسم کے مبہم و مشتبہ معاہدات و لین دین روک کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی بینکوں کے نظام کو درست کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ مقررین نے مزید کہا محض اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے سے کوئی بھی بینک اسلامی نہیں ہو جاتا۔

روزنامہ اسلام

1432ھ محرم 13 دسمبر 2010ء

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC CERTIFIED

روزنامہ عوام کراچی

Daily Awam Karachi

البیان

اسلامی بینکاری شرعی میزان میں

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

کی جانب سے منعقدہ سیمنار میں مروّجہ اسلامی بینکاری کے نظام میں اصلاحات اور صحیح اسلامی بینکاری کے قیام کے لیے علمائے اہلحدیث کی جانب سے پیش کردہ

سفارشات

جمع وترتیب: عثمان صفدر

دنیا کے گلوبل ولیج بننے سے معیشت، تجارت، معاہدات میں پیدا ہونے والی نت نئی صورتوں کی شرعی حیثیت کا جائزہ لینے، عوام الناس کو جدید معاشی مسائل سے متعلق شرعی آگاہی دینے، خصوصاً اسلامی بینکنگ میں رائج مرابحہ، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ کی شرعی حیثیت جاننے، ان مسائل کا شرعی متبادل پیش کرنے اور ملکی

معیشت کو شرعی خطوط پر استوار کرنے کیلئے ''المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی'' کی جانب سے ایک منفرد سیمینار بعنوان ''**اسلامی بینکاری شرعی میزان میں**'' منعقد کیا گیا جس میں ملک کے مایہ ناز علماء و ماہرینِ معیشت نے بھی خطاب کیا اور متعلقہ موضوعات پر اپنے اپنے علمی مقالہ جات پیش کئے۔ سیمینار میں کثیر تعداد میں علماء و مفتیان کرام، اسلامی بینکاری سے متعلقہ شخصیات، سرمایہ داروں، اعلی تعلیمی اداروں کے پروفیسرز اور طلباء نے شرکت کی۔

سیمینار کے آخر میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی کی جانب سے مروّجہ اسلامی بینکاری کے نظام میں اصلاحات اور صحیح اسلامی بینکاری کے قیام کے لیے علماءِ کرام کی بیان کردہ تجاویز کی روشنی میں اہم سفارشات پیش کی گئیں جو درج ذیل اقسام پر مبنی ہیں:

1. تمہید
2. مروجہ اسلامی بینکنگ میں موجود شرعی قباحتیں
3. صحیح اسلامی بینکاری کے لئے بنیادی تجاویز
4. دیگر سفارشات

1 تمہید

سودی نظام پر مبنی بینکاری یقیناً کسی بھی معاشرے اور اس کی اقتصاد و تجارت کے لئے زہر ہلاہل جبکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھلا اعلان جنگ ہے، جو کسی بھی معاشرہ خصوصاً مسلم معاشرہ کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں۔ ایک مسلمان چاہے عالم ہو یا تاجر یا کوئی اور حیثیت رکھتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر عموماً اور اپنی آمدن و تجارت پر خصوصاً اسلامی اصول و مبادی کی عملی تطبیق کے لئے سرگرداں رہے۔ سودی بینکاری کے بالمقابل اسلامی بینکاری کا رواج و تنفیذ بھی یقیناً اسی سوچ کی عکاس ہے اور انتہائی لائقِ تحسین ہے۔ سودی بینکاری کی انتہائی پختہ و مضبوط عمارت اور مروجہ نظام سے ہٹ کر خالصتاً اسلامی بنیادوں پر قائم بینکاری نظام کا قیام یقیناً انتہائی دشوار گزار مرحلہ رہا ہو گا جس کے لئے جدوجہد کرنے والے تمام علماء و کاروباری حضرات لائقِ تعریف ہیں۔

یہاں ایک اہم بات یہ ہے کہ نظامِ بینکاری کا تعلق ایسے جدید معاشی مسائل سے ہے جس میں اجتہاد کا عنصر زیادہ غالب ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بینکاری انتہائی دقیق اور حساس مسائل پر محیط ایک نظام ہے، اور چونکہ اسلامی بینکاری، سودی نظام بینکاری کو ہی اسلامی مالیاتی نظام کے سانچہ میں ڈھالنے کی کاوش ہے تو اسے شریعت اسلامیہ کے عین مطابق قرار دینے سے پہلے دو پہلوؤں سے اس کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے:

① فقہی اجتہادات

یعنی جن اصولی بیوع پر اسلامی بینکاری کے معاملات کو قیاس کیا گیا ہے، کیا ان اصولی بیوع اور اسلامی بینکاری کے لئے مجوزہ نظام میں مطابقت بھی ہے یا نہیں؟ اور کیا ان اصولی بیوع کی شرعی شرائط وقیود کا اسلامی بینکاری میں خیال رکھا گیا ہے یا نہیں؟۔ مثال کے طور پر اسلامی بینک کے بچت کھاتہ (saving account) کو شرعی مضاربہ پر قیاس کیا جاتا ہے تو فقہی حوالہ سے اس بات کی نشاندہی ضروری ہے کہ کیا بچت کھاتہ کا نظام اور اس کی تمام شرائط وقیود شرعی مضاربہ کے مطابق ہیں یا نہیں۔

② عملی تطبیق

یعنی علماء نے بحث وتمحیص واجتہادات کے ذریعہ اسلامی بینکاری کے لئے جو نظام تجویز کیا ہے تو عملی تطبیق کے حوالہ سے اس کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے کہ اسلامی بینکوں میں عملی طور پر جو معاہدات وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ اسلامی بینکاری کے لئے مجوزہ نظام سے حقیقی مطابقت بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟۔ ان تمام معاہدات کی ہر شق اور ہر شرط کی نہایت باریک بینی سے جانچ پڑتال انتہائی ضروری ہے؛ کیونکہ بسا اوقات ایک شرط پورے معاہدے کو حرام صورت میں بدل دیتی ہے، اور بسا اوقات معاہدے میں عملی لحاظ سے معمولی سی تبدیلی پورے معاملہ کو سودی معاملہ کی شکل دیدیتی ہے۔

الغرض: اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی بینکوں میں موجود شرعی خامیوں کی نشاندہی سے ہرگز بھی یہ مراد نہیں کہ اسلام میں بینکوں کی گنجائش نہیں، یا یہ کہ ہم سودی بینکوں کو رواج دینے اور تقویت دینے میں معاون ہیں۔ مقصد صرف اصلاح ہے کہ ایک اچھا قدم جو اٹھایا گیا ہے وہ اچھائی کی جانب گامزن

رہے اور اس میں جو خامیاں ہیں انہیں دور کیا جائے، خصوصاً ایسی خامیاں جو اسلامی بینکوں اور سودی بینکوں کے درمیانی فرق کو صرف نام کی حد تک ہی برقرار رکھیں اور اسلامی نظام معیشت کی سنہری خصوصیات وفوائد معاشرے تک منتقل نہ ہوسکیں۔

(2) مروجہ اسلامی بینکنگ میں موجود شرعی قباحتیں

شرعی قباحتوں کے بیان میں چند باتیں مدنظر رہیں کہ:

- یہ سفارشات ہیں، جو کہ نہایت اختصار کی متقاضی ہیں، اور اس میں علماء کرام اور بینکار حضرات ہی کو مخاطب کیا گیا ہے جو کہ ان معاہدات کی تفاصیل سے باخبر ہیں اسی لئے ان سفارشات کی تحریر میں اختصار ہی سے کام لیا گیا ہے۔ تفصیل کے طالب افراد ادارہ "المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر" سے جاری مجلہ "البیان" یا ادارہ کی ویب سائٹ www.islamfort.com سے رجوع کریں۔
- ان سفارشات میں مروجہ اسلامی بینکوں کے صرف ان معاملات کا احاطہ اور شاملِ بحث بنایا گیا ہے جو اساسی ہیں یا اکثریتی ہیں، یعنی بینک زیادہ تر وہی معاملات کرتے ہیں۔ اقلیتی یا ثانوی معاملات کے احاطہ کو طوالت کے خدشہ کے پیش نظر ترک کیا گیا ہے۔

(1) مضاربہ

مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ، شرعی مضاربہ کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا جس کی بنیادی وجوہات یہ ہیں:

- ڈیپازیٹر جو کہ رب المال ہے اس کے سرمایہ سے جو کاروبار کیا جارہا ہے اس حوالہ سے اعتماد میں نہ لیا جانا۔
- بینک کا منافع میں یکطرفہ بڑھوتی اور حقوق سے یکطرفہ استفادہ۔ یعنی مجموعی منافع میں اضافہ ہونے کے باوجود رب المال کے منافع میں اسی تناسب سے اضافہ نہ کرنا، اپنے مضارب ہونے کی حیثیت سے مضارب کے شرعی حقوق سے بھرپور استفادہ کرنا اور ڈپازیٹر کے رب المال ہونے کی حیثیت سے اس کے حقوق کو یکسر نظر انداز کرنا۔
- مضاربہ کے مال کو تجارت کے بجائے صرف تمویل (Financing) میں استعمال کیا جانا۔

جبکہ مضاربہ کے مال کو صرف تجارت میں استعمال کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ کسی اور مقصد میں اس کا استعمال جائز نہیں۔

- ڈیپازیٹر کے سرمائے کو کم ویٹ (Weightage) دینا۔ بینک اپنے سرمایہ کو زیادہ ویٹ دیتا ہے جبکہ اس کا سرمایہ ڈیپازٹر کے مجموعی سرمایہ سے بہت کم ہوتا ہے، اور ڈیپازٹر کے سرمایہ کو کم ویٹ دیتا ہے۔
- منافع میں ویٹ (Weightage) دینے کے لئے ڈیپازٹر کے سرمایہ کی کمی بیشی اور مدت کو معیار مقرر کرنا اسے سودی معاملہ کے مشابہ کر دیتا ہے۔
- مضاربہ کی ابتدا میں منافع کی تقسیم کے لئے فیصدی تناسب طے نہ کرنا۔ بلکہ مضاربہ شروع ہونے کے ایک مہینہ یا کچھ عرصہ بعد بینک منافع کے فیصدی تناسب کا اعلان کرتا ہے۔ جبکہ شرعی مضاربہ کے لئے ضروری ہے کہ مضاربہ کی ابتداء سے ہی منافع کا فیصدی تناسب طے کرلیا جائے۔
- رب المال کے اختیارات کو سلب کرنا۔ بینک کے فارم پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ بینک جو بھی منافع طے کرے گا، صارف کے لئے اس کو قبول کرنا ضروری ہے، اور وہ اس میں کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔

جب کہ شریعت نے رب المال (ڈیپازٹر) کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ مضارب (بینک) سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ اس کا مال کہاں صرف ہو رہا ہے، اسی طرح منافع کی تقسیم کے فیصلہ میں بھی رب المال کا شامل ہونا ضروری ہے۔

2 مشارکہ

اسلامی بینکوں میں مشارکہ کی بنیاد پر کوئی اکاونٹ نہیں کھولا جاتا، بلکہ سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے یہ غیر شرعی مشارکہ ہے کیونکہ:

Depositor جو کہ مشارکہ میں فریق ہے اسے بینک کی شراکت کی مالیت کا علم نہیں ہوتا۔ جبکہ اسلامی مشارکہ میں لازم ہوتا ہے کہ فریقین کو ایک دوسرے کے سرمائے کا علم ہونا چاہئے۔

مروجہ اسلامی بینکوں میں مشارکہ کی صورت میں ظلم کو رواج دیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ڈیپازیٹر کے انفرادی سرمائے کو کم ویٹ دیا جاتا ہے اور بینک اپنے سرمایہ کا ویٹ زیادہ رکھتا ہے۔

۲ مشارکہ متناقصہ (Diminishing Musharaka)

- یہ ایک معاہدہ میں دو معاہدے ہیں، یعنی مشارکہ کا معاہدہ پھر اسی معاہدہ میں اس کے تناقص (diminish) کا معاہدہ۔
- بینک کی طرف سے یہ وعدہ لینا کہ گاہک اس چیز میں بینک کے شیئرز اقساط میں بینک سے خریدے گا، یہ شرط اس مشارکہ میں بینک کے سرمایہ اور منافع کی ضمانت ہے، اور مشارکہ میں سرمایہ کی ضمانت اس مشارکہ کو سودی معاملہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔
- اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں صدقہ کی شرط دراصل تاخیر میں جرمانہ ہے جو کہ حرام اور سود ہے۔

۱ مرابحہ:

مروجہ اسلامی بینکوں کے نظام میں رائج مرابحہ، عام شرعی مرابحہ نہیں بلکہ مرابحہ للآمر بالشراء ہوتا ہے، یعنی گاہک کے مطالبہ پر بینک اس کے لئے مطلوبہ سامان خریدتا ہے اور اپنا منافع متعین کر کے اقساط میں گاہک کو بیچتا ہے۔ مروجہ مرابحہ میں شرعی قباحتیں:

- عام شرعی مرابحہ ایک تجارتی معاہدہ ہے جبکہ مروجہ مرابحہ محض تمویل (financing) ہے۔
- بینک خریدار سے وعدہ لیتا ہے کہ جب بینک گاہک کا مطلوبہ سامان خرید لے گا تو گاہک اس سے لازمی یہ سامان خریدے گا۔ یہ وعدہ بذات خود ایک معاہدہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور پھر اس میں بیع مالا یملک کی قباحت آجاتی ہے یعنی ایسی چیز کو بیچنا جس کا وہ مالک نہ ہو۔
- بینک مطلوبہ سامان کی خریداری میں اسی گاہک کو اپنا وکیل بناتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، اور یہ قرض دے کر اس پر سود لینے کی صورت بن جاتی ہے۔
- مروجہ مرابحہ میں منافع کا تعین شرح سود سے کیا جاتا ہے جو کہ (LIBOR) یا (KIBOR) کے ذریعہ متعین کی جاتی ہے۔ منافع میں شرح سود کو معیار مقرر کرنا معاملہ کو مشکوک بناتا ہے۔
- ادائیگی اقساط میں تاخیر میں صدقہ کی صورت میں جرمانہ دراصل سود ہے۔
- مرابحہ کی بعض صورتوں میں التورق المنظم پایا جاتا ہے جو کہ بالاتفاق حرام اور سودی حیلہ ہے۔

❶ اجارہ:

اسلامی بینکوں میں جو اجارہ کیا جاتا ہے وہ اجارہ المنتھیۃ بالتملیک ہے، یعنی کرایہ کا معاہدہ اور پھر آخر میں اس چیز کی ملکیت کا تبادلہ، جو کہ اسی ایک معاہدہ کے ذریعہ ہوتا ہے، یا اس مدت کے اختتام پر ایک نمائشی قیمت کے ذریعہ یا پھر ہدیہ کے ذریعہ۔ عقد اجارہ یعنی کرایہ کا معاہدہ دراصل اس کی صرف ظاہری صورت ہے، حقیقت میں بینک اور گاہک دونوں کا مقصود اس چیز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور یہ اصول ہے کہ معاہدات میں مقاصد کو دیکھ کر حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ ظاہری الفاظ کو دیکھ کر، لہذا اس معاہدہ پر بھی بیع کے احکامات لاگو ہوں گے نہ کہ کرایہ کے۔

مروجہ اجارہ میں شرعی قباحتیں:

- عقد اجارہ کرتے وقت بینک کے پاس مطلوبہ چیز موجود نہیں ہوتی اور یہ بیع مالا یملک ہے، جو کہ حرام ہے۔
- اگر ایک ہی معاہدہ میں کرایہ اور ملکیت کا تبادلہ ہو تو یہ ایک معاہدہ میں دو معاہدے ہیں جو کہ حدیث کی رو سے حرام ہے۔
- مروجہ اجارہ چونکہ درحقیقت خرید وفروخت کا معاہدہ ہے اس لئے بینک اس میں چیز کی قیمت مع منافع کو اقساط میں تقسیم کرتا ہے پھر اسے کرایہ کی صورت میں وصول کرتا ہے، اور بینک اپنے منافع کو (KIBOR) یا (LIBOR) جو کہ شرح سود کے لئے Bench Mark ہے کے ذریعہ متعین کرتا ہے۔ شرح سود کو معیار مقرر کرنا مکمل معاملہ کو مشکوک بناتا ہے۔
- اجارہ میں بینک کا چیز کی ملکیت کو اپنے پاس رکھنا بھی جائز نہیں، کیونکہ مروجہ اجارہ کا معاہدہ درحقیقت بیع وشراء کا معاہدہ ہے جس میں بینک بائع ہے اور مستاجر (کرایہ دار) دراصل مشتری (خریدار) ہے، اور چیز کی ملکیت مشتری کے پاس ہوتی ہے نہ کہ بائع کے پاس۔
- اجارہ کی مدت کے اختتام پر ہدیہ کا وعدہ بھی درست نہیں، کیونکہ یہ عام ہدیہ نہیں بلکہ ہدیۃ الثواب ہے کیونکہ یہ ان اقساط کی ادائیگی کے عوض میں ہدیہ ہے جو گاہک نے بینک کو ادا کیں، اور ہدیہ الثواب کا حکم بیع کا ہی ہوتا ہے، یعنی اجارہ کے معاہدہ میں ہدیہ کا وعدہ دراصل ایک معاہدہ میں دو معاہدے ہیں

جو شرعی لحاظ سے جائز نہیں۔

- اقساط کی ادائیگی میں تاخیر پر صدقہ دراصل سود ہے۔

3 صحیح اسلامی بینکاری کے لئے بنیادی تجاویز

1. موجودہ اسلامی بینک محض مالیاتی ادارہ ہے تجارتی نہیں، لہٰذا اسلامی بینک کو ایک حقیقی تجارتی ادارہ بنایا جائے۔
2. شریعت میں محض تمویل پر بنا کسی مخاطرت (رسک) کے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ شرعی اصول کے مطابق معاملات میں مقصد اور نیت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کو۔
3. اسلامی بینک کو مرابحہ اور اجارہ کو چھوڑ کر حقیقی مضاربہ و مشارکہ کی جانب آنا چاہیۓ، اور اپنا رسک قبول کرنا چاہیۓ۔
4. مضاربہ کے لئے جمع ہونے والے سرمایہ کو صرف تجارت کے لئے استعمال کیا جائے نہ کہ محض تمویل میں۔
5. اسلامی بینک کو حقیقی شرعی مضارب کا کردار اپناتے ہوئے رب المال کے اختیارات کو حیلہ بہانہ سے سلب نہیں کرنا چاہیۓ بلکہ رب المال کے شرعی اختیارات کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے معاملات کو واضح کرے۔
6. مضاربہ میں بینک کو جس نسبت (Ratio) سے منافع ہو اسی نسبت سے رب المال (Depositors) کو بھی منافع میں شریک کرے۔
7. اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں صدقہ کی شرط کسی بھی طرح جائز نہیں، چاہے صدقہ کی رقوم کو بینک استعمال کرے یا خیراتی اداروں کو دے۔ بلکہ اس کے بجائے تنگدست کو مہلت دینے کے سنہرے شرعی اصول کو اپنایا جائے۔
8. اگر بینک کو گاہک کی جانب سے جان بوجھ کر تاخیر کا خدشہ ہو تو رقم کی صورت میں جرمانہ کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً گاڑی یا گھر یا کوئی اور چیز بیچتے وقت اس کی قیمت میں کچھ

خدمات (Services) کے حوالہ سے بھی رقم وصول کی جائے اور قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں ان خدمات کو ختم یا کم یا مؤخر کردینے کی شرط عائد کی جاسکتی ہے۔

9. مرابحہ میں بینک اسی خریدار کو اپنا وکیل بنانے کے بجائے کسی اور کو اپنا وکیل مقرر کرے۔

10. مرابحہ میں التورق المنظم کی قباحت سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

11. کسی بھی معاہدہ میں طرفین کی جانب سے کوئی وعدہ نہ کیا جائے، اور اگر وعدہ یکطرفہ ہو یعنی صرف بینک یا صرف گاہک کی جانب سے تو اس وعدہ کے ایفاء کو قانوناً لازم قرار نہ دیا جائے۔

12. اجارہ المنتھیہ بالتملیک کے بجائے اسلامی بینک بیع التقسیط کا فارمولا اختیار کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس صورت میں اسلامی بینک چیز کی ملکیت اگرچہ گاہک کو منتقل کرنے کا پابند ہوگا لیکن یہ شرط عائد کی جاسکتی ہے کہ اس چیز کی ملکیت بینک اپنے پاس بطور رہن کے رکھے گا جب تک کہ خریدار چیز کی قیمت مکمل ادا نہ کردے۔ بیع التقسیط میں چیز کے تلف ہوجانے یا نقصان کی صورت میں بینک ضامن بھی نہیں ہوگا۔ اور بیع التقسیط کے ذریعہ اسلامی بینک اجارہ کی دیگر شرعی قباحتوں سے بھی محفوظ رہ سکتا ہے۔

13. اسلامی بینک اپنے تمام معاہدات میں کسی بھی طرح شرح سود کو ہرگز بطور معیار مقرر نہ کرے۔

14. ایک معاہدہ میں دو معاہدوں کی قباحت سے بہر صورت بچا جائے۔

6 دیگر سفارشات

1. کسی بھی معاملے کو محض فروغ مل جانے سے اسکا شرعی جواز ثابت نہیں ہوتا لہذا مروجہ اسلامی بینکوں کے جواز کیلئے یہ دلیل دینا کسی طور بھی صحیح نہیں۔

2. سودی قرض کو ختم کرنے کیلئے اور لوگوں کی معاونت کیلئے قرضہ حسنہ کے مواقع میسر کیئے جانے چاہئیں۔

3. مدارس دینیہ میں بینکنگ اور معیشت کے معاملات کی تدریس کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

4. عوام الناس کی آگاہی کیلئے اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات وفوائد سے متعلق ورکشاپس کرائی جائیں۔

5 علماء کرام سے خصوصی درخواست کی جاتی ہے کہ موجودہ نظامِ معیشت پر عرق ریزی سے تحقیق کی جائے اور امت کو ایک اتفاقی فتویٰ کی صورت میں زیر بحث مسئلہ کا حکم بتایا جائے۔

6 اسٹیٹ بینک سے مطالبہ ہے کہ ایسا نظام لایا جائے جس میں شرعی ایڈوائزر اسلامی بینک کا ملازم نہ رہے۔

7 اسلامی بینکاری نظام کے ساتھ ساتھ سودی نظام بینکاری کو بطور متوازی نظام کے برقرار نہیں رکھنا چاہیۓ، بلکہ ہر ممکن کوشش کی جائے کہ سودی نظام کو بتدریج ختم کر کے اسلامی نظام معیشت کی جانب پیش قدمی جاری رہے۔

8 اسلامی معاشی اصولوں کو رائج کرنے کی جانب پیش قدمی کرنا ضروری ہے۔

9 اسلامی بینکاری نظام میں تبدیلی ضروری ہے، اسے شریعت کی روح کے مطابق ہونا چاہیۓ۔

10 ملکی قوانین میں اسلامی قوانین کی بالادستی ہونی چاہیۓ۔

البیان

Islamic Banking

Judged on the scale of the Islamic sharia

A recent seminar conducted by "Al-Madina Islamic research center, Karachi" to propose corrections in the existing Islamic banking system

&

Recommendations delivered by Ahle-hadith scholars on the establishment of a genuinely "shariah-compliant" system of Islamic banking.

Translated By: Safwan

"AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTRE" recently organized a unique seminar entitled "Islamic banking - judged on the scale of the sharia"; this trendsetting event had multiple purposes; firstly to analyze the Islamic aspects of the constantly evolving modern day economies, trading activities and agreements as a result of living in a global village. Secondly to educate the masses on the sharia/Islamic perspective regarding contemporary economic issues especially the Islamic standing on the principles of murabiha, musharika and mudaraba in reference to Islamic banking. Thirdly to present sharia compliant alternatives to these economic and financial issues and highlight practical solutions to align the national economy with the principles of Islamic sharia.

Highly well-known and qualified Islamic scholars and economic experts from all over the country attended this seminar and delivered their research based lectures on the related topics of this discussion. A vast number of scholars, Islamic banking related individuals, investors, students and professors of various prestigious educational institutes were also present on the occasion.

At the end of this seminar; Al Madina Islamic research center Karachi presented a list of recommendations for correcting the current system of Islamic banking and establishing an authentic Islamic banking system. These recommendations broadly fall into the following categories:

17. Introduction
18. Non-shariah compliant elements in the currently practiced system of Islamic banking.
19. Basic proposals for a fundamentally correct Islamic system
20. Other recommendations.

17 Introduction:

A Banking network based on the system of interest is an incurable poison not only for the general society and its trade and economy but is also a declaration of open war with Allah and His messenger (sallalaho alaihi wasallam); which should be absolutely unacceptable in a Muslim society. A Muslim whether he is a scholar a businessmen or holding any other individual capacity must generally implement Islamic principles in every aspect of his life, yet more specifically in matters of income and trade this implementation needs to be meticulous and precise. Implementation of Islamic banking in place of interest based banking is an extension of this very same shariah compliant mindset and deserves high praise. Moving on from the rock solid foundations of the interest based banking system to a purely sharia compliant, fundamentally Islamic system of banking is a very tough proposition indeed. Hence all Islamic scholars and businessmen involved in this immense struggle deserve our praise and appreciation.

It's important to note at this juncture that the system of banking is associated to those modern economic issues which have a significant involvement of the element of **"ijtihad".** Similarly banking as a system is based on highly sensitive and complex issues and because Islamic banking is an effort to mold the interest based banking system into an Islamic mode; it is vital to analyze it from two angles before declaring it to be completely in sync with the Islamic sharia:

a) "Ijtihadat" based on jurisprudence:

Refers to those basic/fundamental dealings on which the matters of Islamic banking have been assumed, firstly we need to know if there is any consistency between these dealings and the prescribed system of Islamic banking or not? Furthermore, have the shariah related terms and conditions of these basic dealings considered in the Islamic banking system? For instance, the savings account of an Islamic bank is assumed to be a mirror image of the shariah compliant mudarba; hence it is essential from the perspective of Islamic jurisprudence (fiqh) to examine whether this saving account system and all its terms and conditions are in coherence with the shariah compliant mudarba.

b) Practical Application:

The system of Islamic banking, as recommended, devised and designed by certain scholars based on their research, discussions and ijtihadat, needs to be critically assessed in terms of its practicality in order for us to know that whether the agreements which practically take place in an Islamic bank are in accordance with the prescribed and devised system of Islamic banking or not? Every term and condition of all these agreements needs to be assessed and analyzed in the minutest of detail; because on certain

occasions a single condition can render an entire agreement haram, and on certain other instances a very slight practical change in an agreement can transform a legitimate deal into an interest based and islamically illegal deal.

Conclusion of the introduction:

Highlighting the Islamic shariah-related flaws that exist in the currently practiced and implemented system of Islamic banking does not in any way proposes that there is no room for banking in Islam; or that we are trying instead to further strengthen and popularize the interest based system of banking. Our sole purpose is the correction of the existent flaws to ensure that this great initiative of Islamic banking stays on track and many of its glaring flaws are mended and ironed out. Especially those flaws and errors which almost eliminate any differentiation between the Islamic banking system and the conventional, interest-based one; these flaws also deny the transfer of all those golden benefits that an Islamic economic system can grant to our masses and the society in general.

18 Shariah related flaws in the Islamic banking system:

Following things need to be considered regarding these shariah related flaws:

- These are recommendations and by nature they require to be precise, brief and practical and hence they only address businessmen and Islamic scholars who are aware of the details of the agreements that take place in Islamic banking. Individuals seeking greater detail can refer to a magazine entitled 'Al-bayan" that is published by the Al-Madina Islamic research

center or refer to our website www.islamfort.com.

- These recommendations only cover those aspects of the Islamic banking system which are in a dominant or regular usage. Secondary aspects and minor dealings have been exempted to avoid unnecessarily lengthening this document.

a) Mudarba:

The currently implemented system of mudarba doesn't comply with the standards of a shariah-compliant mudarba; following are its reasons:

- A depositor who is the owner of the money is not consulted or taken under confidence at the time of investing his money into a particular business activity.
- One sided increase in the profits for the bank and one sided exploitation of all rights – this means that despite an increase in the overall profits, the owner's (depositors) profit does not go up proportionally. While the bank as a mudarib also fully exploits all its shariah given rights and out rightly denies all the rights of the depositor as the owner of the money.
- Usage of mudarba money only in financing instead of some business activity. Although, mudarba money should only be invested into business activity and it is not permissible to utilize it otherwise.
- Granting less weightage to the capital of the depositor, while the bank grants greater weight to its own capital although it is far less than the collective capital of the depositor.
- In order to give weightage in the profits, an increase/decrease in depositor's capital and setting a time limit as a standard makes this issue a mirror image of an interest based one.

- Not finalizing or setting a percentage for profit distribution deal at the time of initiating a mudarba, instead the bank announces a profit distribution percentage after a month or so of starting a mudarba contract. Although for a shariah-compliant mudarba to materialize, it is necessary to set a profit distribution percentage at the very beginning of a mudarba.
- Hijacking the authority of the depositor (owner of the money) – it is written on the bank form that whatever profit the bank decides will have to be acceptable to the customer, and he/she will not be able to criticize or challenge it. Although Islamic shariah has given the depositor the right to question the mudarib (bank) regarding where his money is being utilized; likewise the involvement of the depositor while deciding about profit distribution is also essential.

b) Musharika:

No account is opened in Islamic banks on the basis of a musharika; instead only a certificate is given, this is an Un-Islamic and non-shariah compliant musharika because:

- The depositor, who is a partner in this musharika has no idea about the value of the bank's partnership. On the other hand in an Islamic musharika, it is compulsory that both the parties are fully aware of each other's financial stake/investment in the partnership.
- These days, Islamic banks use musharika as a tool to implement an oppressive system – whereby the individual capital of a depositor is granted less weightage and that of the bank is

granted a higher weightage.

b.1) Diminishing Musharika:

- These are two agreements under one agreement. Firstly an agreement for a musharika, then to accommodate for its diminishing, another agreement is drawn up within the first agreement.
- Undertaking of a promise by the bank from the customer that he/she in that particular commodity/item/thing will buy the shares of the bank in installments; this condition in the musharika is a guarantee for the bank's capital and profit, and in a musharika any guarantee for capital transforms it into an interest based musharika.
- A delay in the payment of installments results in the implementation of the condition of 'sadaqa' – this in actuality is a penalty for the delay and is interest and haraam.

c) Murabaha:

The currently implemented system of murabaha in Islamic banking is not the regular, shariah-compliant murabaha, instead it is murabaha 'lil-aamir-bisharai" – which means that on demand of its customer, the bank purchases his/her's desired product/good/item and then sells it to the customers in installments after adding a profit margin to the cost of that item/product. Following are the shariah related flaws in this practice:

- A regular, shariah-based murabaha is a trading agreement; on

the other hand the currently practiced version of murabaha is purely a financing tool.

- Bank undertakes a guarantee/promise from the customer that he/she will essentially purchase the desired product/item/good from the bank once the bank has acquired the item/good/product for the customer. This promise in itself becomes an agreement and includes the shariah related flaw of selling something you don't own.
- While buying the desired stuff/item/good, the bank appoints this very same customer as its lawyer; this is not correct and becomes a mirror image of charging interest over a loan given to someone.
- In the currently practiced form of murabaha, profit is determined on the basis of the interest rate; this is gauged by using (KIBOR) and (LIBOR). Setting interest rate as the standard makes this agreement/deal/issue doubtful.
- Implementing/charging sadaqa in case of delay in the payment of an installment is plainly the charging of 'interest'.
- In some types of murabahah, "At-tauraq-al-munazzam' is found, which is unanimously considered to be haraam and is merely an excuse for interest.

d) Ijara:

The ijara conducted in Islamic banks is "Ijara Al-muntahiya-bittamleek", this means a rental agreement that ends with the transfer of ownership of the said product/item/good. This entire process either happens within this one agreement, or happens at the end of this time limit via a

display price or through a gift. The rental agreement is in fact only a frontal face of ijara, in actuality both the bank and its customer solely desire the buying and selling of the said product/item/good. And in principle as well any order implemented in the agreement is based on the purposes rather than the visible letters; hence the orders implemented on these agreements should be the ones of a deal/trade rather than those of a rental. Following are the flaws of this ijara system:

- At the time of making the Ijara agreement, the bank does not possess the said item/good/product and this makes it a haraam deal.
- If in one agreement both the rental is decided and the ownership is transferred then these are two agreements under one agreement which is haraam and illegitimate from the perspective of the hadith of Allah's Messenger (sallalaho alaihi wasallam).
- Currently practiced Ijara is an actuality an agreement for buying and selling; hence the bank in this instance adds its profit to the cost of the said item/good/product and then divides it into installments and receives these installments as rent. Bank determines its own profit using (KIBOR) or (LIBOR) which are benchmarks to set interest rates, the utilization of the rate of interest makes this agreement/issue a highly doubtful one.
- In ijara, it is not permissible for the bank to keep the said product/good/item's ownership in its own hands, because the agreement of the currently practiced ijara is one for buying and selling. In this case the bank is the seller and the renter (customer) is the actual buyer, and the ownership of the product always lies with the buyer and not the seller.
- The promise of a gift/hadya at the end of the ijara time limit is also incorrect; because this is not a regular hadya but is a

"hadyatus-sawab", this is the hadya given in return for the payment of installments from the customer to the bank and the order for "hadyatus-sawab" is that of a trading agreement. Therefore, the promise of a hadya/gift within the Ijara agreement is in fact two agreements within one agreement and not permissible in the Islamic shariah.

- Implementing of sadaqa due to delay of installment payment is in actuality 'interest'.

Recommendations for a correct system of Islamic banking:

- The modern day Islamic bank is only a financial institute and not a trading one; therefore it should be converted into a realistic and practical trading institute.
- Islamic bank needs to quit murabaha and Ijara and move towards realistic mudarba and musharka and Islamic banks must also accept their own risk.
- Funds collected from mudarba must be only utilized for trading and not only for "tamweel".
- An Islamic bank must play the role of a realistically shariah-compliant mudarib; who doesn't confiscate the authority of the owner of the money by making various excuses. Instead the bank must accept the Shariah-given rights of the owner of the money and must clarify its own policy and matters.
- In case of a mudarba, the Islamic bank must include the depositor (owner of the money) in sharing of the profit using the same profit ratio that it applies/sets for itself.
- In case of a delay in payment of installments, applying the

condition of sadaqa is not permissible in any shape, way or form. Irrespective of whether this sadaqa money is utilized by the bank or some welfare institute. Instead the golden Shariah given rule of extending the time limit for the poor and the destitute must be applied.

- If the bank is fearful that the customer is delaying on purpose, then in case of a payment, instead of a fine some other method must be adopted. For instance at the time of selling a car, or a house or something else a services charge can be received along with its price and in case of a delay in the collection of payment, a condition of eliminating these services or delaying them can be set.
- In case of murabaha; the bank instead of appointing the concerned customer as its lawyer, should appoint someone else as its lawyer.
- It is essential to avoid "At-tauraq Al-munazzam" in murabaha.
- No promise should be undertaken from both the concerned parties within a particular agreement; and if the promise is one-sided; either from the bank or the customer, then it should not be made legally compulsory to fulfill it.
- Instead of "Ijara muntahiya bittamleek', an Islamic bank can adopt the formula of "Baye uttaqseet" as an alternative. After the application of this formula, although the bank will be bound to transfer the ownership of the said good/item/product to the customer, yet a condition can be set that the bank will keep the said product in its custody as a guarantee only until the customer completes his/her payment in full. In case of damage or destruction of the product, bank will not be forced to act as a guarantor. Also through the implementation of "Baye uttaqseet", an Islamic bank can eliminate other shariah-related flaws from the system if ijara.

- Islamic bank will not in any case set interest rate as a standard while making its agreements.
- Making of two agreements under and within one agreement will be avoided at all costs.

(4) Other Recommendations:

- Popularity and increased acceptance of any issue or idea does not make it shariah-compliant; hence, this cannot be made an excuse for the currently operational Islamic banking system.
- To eliminate interest based loans, and to assist people, increased opportunities for "qarz-e-hasana" must be created.
- In Islamic educational institutes, efforts must be made to teach banking and economic issues.
- To create awareness amongst the masses, workshops highlighting the benefits and specialties of Islamic banking should be organized.
- A special request goes out to our respected Islamic scholars as well – they should conduct a stringent and detailed analysis and research on the current economic system, and then deliver a fatwa based on mutual consensus to solve this under discussion issue.
- Our demand for the state bank is to implement a system in which the Shariah advisor is no longer a servant of the Islamic bank.
- Maintaining the interest based banking system alongside the Islamic banking system as a balancing act must stop; instead all efforts should be made to gradually eliminate interest based

banking system and replacing it with an Islamic system of banking.

- Steps need to be taken towards the implementation of Islamic economic standards.
- A change in the Islamic banking system is compulsory; it must be designed in accordance with the essence of the Islamic shariah.
- Islamic laws must take precedence in the laws of the country.

Compiled and edited by: Research Council AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTER, KARACHI

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

فاضلین مدینہ یونیورسٹی کی زیرِ سرپرستی قائم ایک تعلیمی، تحقیقی، دعوتی، تربیتی و رفاہی ادارہ

الکتاب السنۃ

تأسیس اکتوبر 2010

وژن: ایسے عالمی ادارے کا قیام جو ایسے قابل و باصلاحیت افراد تیار کرے جو معاشرے کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کے ہر شعبہ میں منہجِ سلف کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں تعلیمی، تحقیقی، دعوتی اور تربیتی لحاظ سے امت کی رہنمائی کر سکیں

اھداف و مقاصد

منہجِ سلف کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں

❁ دینِ اسلام، عقیدہ توحید کی حمایت و نصرت، تبلیغ و ترویج ❁ دینِ اسلام، اسلامی شعائر اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریاتی تحفظ ❁ عقائدِ باطلہ، فتنہ انکارِ حدیث، وحدتِ ادیان، لبرل وسیکولرازم و دیگر باطل افکار و نظریات کا مدلّل علمی رد ❁ باطل فرقوں کا علمی محاسبہ اور اُنہیں کتاب و سنت کے تمسک کی دعوت ❁ امتِ مسلمہ کے عقائد و افکار و اعمال کی اصلاح ❁ جہالت کے خاتمہ اور علم کی سربلندی کے لئے حتی المقدور جدوجہد۔

دورِ حاضر کے جائز تقاضوں اور معاشرے کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے:

❁ تمام شعبہ ہائے زندگی میں تعلیمی، دعوتی و تربیتی کام ❁ تبلیغِ دین کیلئے مشروع و مؤثر ذرائع ابلاغ کا استعمال ❁ موجودہ تعلیمی ماحول میں مثبت و تعمیری تبدیلیوں کی کوشش ❁ فریضہ خدمتِ خلق کی ادائیگی

آئیے! المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے اس مبارک سفر میں ہر ممکن سطح پر ہمارا ساتھ دیجئے

اہم منصوبہ جات



▫ پاکستان میں عالمی اسلامی یونیورسٹی کا قیام ▫ شرک وبدعات اور جہالت کے خاتمہ کیلئے تبلیغی مراکز کا قیام اور تبلیغی دوروں کا اہتمام ▫ مدارس کے باصلاحیت طلباء کے لئے دو سالہ اسپیشلائیزیشن کورس کا انعقاد ▫ غریب ونادار اور یتیم و بیواؤں کی ماہانہ کفالت کا سلسلہ

سرگرمیاں

شعبہ تحقیق وتصنیف



★ سہ ماہی مجلہ ''البیان'' ★ دفاعِ حدیث انسائیکلوپیڈیا ★ معیاری ومفید کتب کے تراجم
★ حرمین کے خطبات کا اردو ترجمہ

کانفرنسز وسیمنار اور متفقہ فتویٰ کا اجراء:



★ ''مقدس رسول ﷺ کانفرنس'' (مسئلہ توہینِ رسالت ﷺ اور شاتمِ رسول ﷺ کی شرعی سزا)
★ ''حرمتِ شراب کانفرنس'' (تجارتِ شراب ومروجہ نظام اور شرابی کی شرعی سزا)
★ سیمنار مروجہ اسلامی بینکاری شرعی میزان میں: (حقیقت، شرعی حیثیت، سفارشات اور شرعی متبادل)

شعبہ دعوت وتبلیغ



★ کتاب وسنت کی خالص دعوت پر مشتمل منفرد ویب سائٹ: ★ www.islamfort.com حج وعمرہ کی ملٹی میڈیا تربیتی ورکشاپس ★ حج ٹرمنل کراچی میں حجاج کرام کے عقیدہ، حج وعمرہ سے متعلق دینی رہنمائی اور رضاکارانہ خدمت کے لئے حج کیمپ کا انعقاد

شعبہ تعلیم وتربیت



★ فہمِ دین وعربی لینگویج ایک سالہ ڈپلومہ کورس برائے خواتین وحضرات (بنیادی / ایڈوانس، Evening Classes) ★ مدرسہ سعد بن ابی وقاص (حفظ وناظرہ) ★ سمر کورسز

شعبہ دار الافتاء

★ خالص قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل (بالمشافہ/ بذریعہ خط وکتابت/ آن لائن)

شعبہ ویلفیئر



★ ماہِ رمضان میں مستحق افراد میں راشن وملبوسات کی تقسیم ★ بے روزگار مرد وخواتین کو حلال روزگار کی فراہمی میں تعاون۔

زلزلے، قتل و غارت، فسادات اور۔۔۔اور۔۔۔

کیا زلزلے محض قدرتی آفت ہیں جن کا بُرے اعمال اور اللہ کے عذاب سے کوئی تعلق نہیں؟؟؟

ہرگز نہیں! بلکہ زلزلہ اللہ کی نشانی ہے (حدیث)



۞ ہم تو نشانیاں (اپنی پکڑ، غضب اور عذاب و سزا سے) ڈرانے کے لئے ہی بھیجتے ہیں۔ [بنی اسرائیل:59]

۞ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ:

(1) امتوں میں سے کچھ کو جنگ وقتال کے ذریعہ ڈرایا جائے (2) کچھ کو بدامنی کے ذریعہ (3) کچھ کو مال، جان اور پھل کی کمی کے ذریعہ (4) اور کچھ کو مختلف فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کے ذریعہ



۞ فتنے، زلزلے اور قتل امت کی بداعمالیوں کے سبب دنیاوی عذاب ہیں (مسند احمد و ابوداود)

۞ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا زلزلہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! زلزلہ جو آیا وہ کسی گناہ کے سبب ہی آیا ہے جو مجھ سے سرزد ہوا ہے یا تم لوگوں سے، (سن لو!) اللہ کی قسم! اگر دوبارہ ایسا ہوا تو میں یا تو خود اس شہر کو چھوڑ دوں گا یا تمہیں اس سے بے دخل کر دوں گا۔''



۞ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں زلزلہ آیا تو انہوں نے یہ اعلان کیا:

''اے لوگو! یقیناً تمہارا رب تم سے ناراض ہو چکا ہے اور اپنی رضامندی چاہتا ہے تو تم اسے راضی کرو اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے توبہ کرو، وگرنہ اسے یہ پرواہ نہ ہوگی کہ تم کس وادی میں ہلاک و برباد ہوتے ہو۔''

۞ کیا ہم اُن لوگوں میں سے ہو گئے ہیں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ گو ان کے پاس تمام نشانیاں ہی پہنچ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔ [یونس:96، 97]

آج کون سے ایسا گناہ وجرم ہے جس میں ہم بحیثیتِ قوم مبتلا نہیں؟



دین سے دوری/شرک و بدعات/غیر اللہ کا نظام اور حاکمیت/ اسلامی شعائر و احکام کا مذاق اُڑانا/سود/ شراب/جوّا/ زنا و بدکاری / بے حیائی، فحاشی وعریانیت/ ظلم / والدین کی نافرمانی/قطع رحمی/ مسلمان کی جان، مال اور عزت کے ساتھ زیادتی/ چوری/ ڈاکہ/قتل/ رشوت /حرام ذریعہ معاش / ناچ گانا/ میڈیا کا غلط استعمال/لسانی تعصّبات/ دھوکہ دہی/خیانت وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ گناہ و جرائم ہیں جن کی وجہ سے آج ہم بدامنی، معاشی مسائل،مختلف قسم کی موذی ومتعدی بیماریاں، زلزلے،قتل و غارت گری،فسادات، الغرض انفرادی واجتماعی مصائب ومشکلات میں مبتلا ہیں۔



رسول ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: ”جب مالِ غنیمت (امانت) کو (ذاتی) دولت سمجھا جائے/ جب زکوٰۃ ادا نہ کی جائے بلکہ اُسے تاوان سمجھا جائے/علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جائے/ مرد بیوی کا فرماں بردار اور ماں کا نافرمان ہو جائے/ دوستوں سے قریب اور باپ سے دور رہے/ مساجد میں شور وغل مچایا جائے/ فاسق و فاجر شخص قوم و جماعت کا حاکم ہوجائے/قوم و جماعت کے سربراہ قوم کے کمینہ اور گھٹیا افراد ہوجائیں/ آدمی کی عزت اُس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے/ لوگوں میں گانے والیاں (جنہیں سٹارز سمجھا جاتا ہے) اور آلاتِ موسیقی عام ہوجائیں/ اسلافِ امّت پر طعن وتنقید ہونے لگے (انہیں بجائے باعثِ اتباع سمجھنے کے دقیانوس، پرانے لوگ اور بُرا کہا جانے لگے) تو پھر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب) شدید طوفانی آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسائے جانے، چہروں کے مسخ کئے جانے اور پتھروں کے برسائے جانے کے منتظر رہو۔ (جامع ترمذی)



للہ سوچئے! اب بھی وقت ہے ہم میں سے جس میں جو برائی ہے اُس پر احساس وندامت کے ساتھ اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار کریں اور یہ عزم کریں کہ ہم اپنے اعمال درست کریں گے اور اپنی زندگی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری میں گزاریں گے۔

ازطرف: اللہ کے عاجز بندے